

گورا

راندناتھ ٹیگور

گورا

گورا

رابندر ناتھ ٹیگور

مترجم

سجاد ظہیر

ساہتیہ اکادمی، نئی دہلی



Gora- Urdu translation by Sajjad Zaheer of
Rabindra nath Tagor's Bengali novel.
Sahitya Akademi, New Delhi (1962)
Price Rs. 10.00 np.

ساہتیہ اکادمی نئی دہلی

پہلا ایڈیشن ۱۹۶۲ء

دشوا بھارتی پرکاشن کے اشتراک سے
یہ ایڈیشن شائع ہوا

ناشر

انڈین اکیڈمی ۱۹ نریندر پور
نئی دہلی

قیمت دس روپے

کوہنر پرنٹنگ پریس دہلی

پہلا باب

کلکتہ میں برسات کا موسم تھا۔ مگر آج صبح ہی صبح بادل پھٹ گئے تھے اور آسمان پر صاف ستھری دھوپ پھیل گئی تھی۔ نبوتے بھوشن اپنے مکان کے اوپر والے برآمدے میں ایک خاص کھڑائیچے سڑک پر آنے جانے والوں کی ریل پل دیکھ رہا تھا۔ وہ اپنی تعلیم ابھی حال ہی میں ختم کر چکا تھا لیکن ابھی تک باقاعدگی سے کسی کام پر نہیں لگا تھا ویسے وہ اخبارات کے لئے مضامین لکھتا رہا تھا۔ سینکڑیں وغیرہ کرتا رہا تھا۔ لیکن اتنے سے اس کا دل مطمئن نہ تھا۔ اور یہی وجہ تھی کسی خاص کام کے نہ ہونے سے ہی اس کو آج صبح سے ایک عجیب سی بے چینی کا احساس ہو رہا تھا۔ سامنے والی دوکان کے آگے ایک بنجارہ کھڑا تھا جو گیوں کا سالباہہ پہنے اور گارہا تھا جیسے بنجارے

ایک انجانا بچہ — جانے کہاں کا بھولا بھٹکا

میرے بچہ میں گھس آیا۔

بن نہ پڑا پیروں میں اس کے

ایک زنجیر پھاؤں

پتکھ پتار سدھارا بھی وہ

پر کس اور ہے اس کا راستہ

میں پہچان نہ پاؤں

ایک انجانا بچہ — جانے کہاں کا بھولا بھٹکا۔

نبوتے کا جی چاہا کہ وہ اس جوگی کو آواز دے کر اوپر بلا لے اور انجانے بچہ کا یہ گیت اس

سے سن کر لکھ لے لیکن جیسے آدمی رات کو سردی کا ایک بڑھ جاتے مگر کچھ بھی انسان سوچے کہ اب

کون ایک کہل اور اڑھے۔ اسی طرح ہوتے پر بھی ایسی بے کیفی سی طاری تھی کہ وہ جوگی نیچے ہی رہا۔
انجانے سنجھی کا گیت لکھا ہی نہیں گیا۔۔۔۔۔ صرف بس گیت کی دزدناک لے ہوتے کے ذہن
پر بار بار گونج کر چوٹ لگاتی رہی۔

اور اسی وقت حادثہ ہوا۔ بالکل اس کے گھر کے سامنے ایک چھوٹا سا تانکہ ایک زبردست جڑی
سے ٹکرا گیا۔ بگھی اور دونوں گھوڑے تانکہ اٹ کر ایسی تیزی سے نکل گئے اور اس کی طرف دیکھا بھی
نہیں۔ ہوئے دوڑتا ہوا گلی میں پہنچا۔ ایک لڑکانہ لڑکی تانکے سے اتر پڑی تھی۔ اور ایک بوڑھے
عظمین اترنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ہوئے دوڑ کر ان کو سہارا دینے لگا تو اس نے دیکھا کہ ان کا
نگ بالکل اڑ گیا ہے۔ اور چہرہ زرد ہو گیا ہے۔

”آپ کو چوٹ تو نہیں آئی؟“ اس نے پوچھا۔

”نہیں نہیں۔ کوئی بات نہیں ہے۔“ انھوں نے بات کو سنسی میں ٹالنے کی کوشش کرتے
ہوئے کہا۔ حالانکہ ان کی صورت کوئی بھی دیکھتا تو فوراً سمجھ جاتا کہ اب وہ کبوش ہونے ہی والے ہیں!
ہوئے نے ان کا بازو تھاما۔ اور گھبرائی ہوئی لڑکی سے بولا۔ ”یہ سامنے میرا ہی گھر ہے۔ آپ
لوگ ابھی یہیں چلی چلئے۔ آئیے۔“

لڑکی نے اپنے وال صاحب کو ہلنگ پر لٹا کر ادھر ادھر دیکھا کہ کہیں پانی ہے۔ پھر گھر سے
سے اڑ پل کر ان کے منہ پر چھینٹے دے۔ پنکھا چھلتے ہوئے پریشان آواز میں ہوئے سے کہنے لگی
”آپ کسی ڈاکٹر کو بلوا سکتے ہیں؟“

قریب ہی میں ایک ڈاکٹر صاحب تھے۔ ہوئے کا نوکر ان کو بلانے کے لئے دوڑایا گیا۔
ہوئے لڑکی کے پیچھے کھڑا تھا۔ یکایک اس کی نظر سامنے لگے ہوئے آتینے میں لڑکی کے عکس پر
پڑ گئی۔ بچپن سے وہ کلکتہ میں رہتا تھا۔ تنہا اور اکیلا۔ اس کی کتابیں اور اس کی تعلیم یہی اس کی دولت
اور ساتھی تھیں۔ دنیا کے متعلق جو کچھ سیکھا تھا ان ہی سے۔ جو کچھ جانا تھا۔ ان ہی سے۔ اپنے خاندان
سے باہر کسی عورت سے ملاقات۔ بات نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت آئینہ میں نظر آتی ہوئی یہ تصویر اس کو

یہ ایک بھاگتی! عورتوں کے ناک نقشے یا سن و جمال کی تفصیلات سے وہ نا آشنا تھا۔ پراس شگفتہ چہرے میں نہرے کو ایک نئی ہی دنیا دکھائی دی۔ گھبراہٹ میں بھی ایک عجیب لکشی تھی۔ اس صورت میں وہ اپنے بزرگ پر جھکی ہوئی پریشان نگاہوں سے انھیں دیکھ رہی تھی۔ اور نہرے کو ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی زندگی میں رنگ و لہجہ کا ایک نیا باب کھل گیا۔

کچھ دیر بعد اُن بزرگ نے آنکھیں کھلیں اور ایک ٹھنڈی سانس لی! لڑکی اُن پر ادب جھک گئی اور پریشان آواز میں پوچھا "پتا جی — آپ کو چٹ آئی؟"

"پر میں ہوں کہاں؟" انھوں نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا

نبوتے جلدی سے اُن کے پاس پہنچ گیا۔ دیکھتے آپ ہر بات کر کے نہ اٹھتے — ڈاکٹر میں آیا ہی چاہتا ہے۔ اس نے اپنی بات ختم ہی کی تھی کہ ڈاکٹر صاحب کے قدموں کی آہٹ آتی اور وہ دروازے سے داخل ہوتے۔ انھوں نے اچھی طرح دیکھنے بھالنے کے بعد یہ رائے قائم کی کہ کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اور یہ کہ گرم درودھ میں ذرا سی برانڈی ملا کر دے دی جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد لڑکی کے والد صاحب ذرا پریشان نظر آتے۔ لڑکی اُن کی پریشانی کا سبب ہو گئی اور ان کو یقین دلایا کہ گھر جا کر ڈاکٹر کی فیس اور دروا کے دام بھیج دتے جائیں گے۔ پھر وہ نبوتے کی طرف مڑی — "افوہ کس غضب کی آنکھیں تھیں۔ حالانکہ اس وقت اگر کوئی نبوتے یا بوسے پوچھتا تو وہ یہ کہہ ہی نہ بتا سکتے کہ وہ آنکھیں بڑی تھیں یا چھوٹی۔ سیاہ تھیں یا بھوری۔ پہلی ہی بار دیکھو تو بس خلوص ہی خلوص ان میں نظر آیا۔ نہ بے جا شرم نہ ہچکچاہٹ، بلکہ ایک عجیب سی بخیر و قوت اور عنایت۔"

نبوتے نے رُک رُک کر کچھ کہنے کی کوشش کی "ارے یہ ڈاکٹر کی فیس کا کیا ہے..... وہ

تو کوئی بات نہیں۔ میں تو..... میں —"

لیکن لڑکی کی نگاہوں نے اُسے کچھ نہ کہنے دیا۔ البتہ یقین ہو گیا کہ ڈاکٹر کی فیس اس کو پسینی ہی پڑے گی۔

اُن صاحب نے برانڈی منگوانے کے خلاف احتجاج کیا تو لڑکی نے اصرار کیا۔ لیکن بتاجی —
ٹاکٹر نے جو کہا ہے کہ آپ کو برانڈی ملنی چاہئے۔“

وہ بولے ”ڈاکٹروں کی عادت ہوتی ہے کہ ذرا سا بہانہ ملا اہر برانڈی بخوینہ کر دی۔ ذرا سی
کمزوری ہی تو ہے۔ سو اس کے لئے ایک گلاس دودھ کافی ہے۔“

دودھ پنی کر وہ نبوتے سے مخاطب ہوتے ”اب ہم لوگوں کو چلنا چاہئے۔ مجھے افسوس ہے
کہ آپ کو خواہ مخواہ ہی اتنی پریشانی اٹھانی پڑی۔“

لڑکی نے دوسرا تانگہ منگوانے کو کہا ”وہ اصرار کرتے رہے کہ اب اُن کو اور پریشان
کرنے اور درڑانے سے کیا فائدہ۔ اتنی قریب تو ہمارا گھر ہے پیدل ہی چلے چلتے ہیں۔“ پر وہ
نہ مانی اور نبوتے سواری لینے گیا۔

روانہ بھونے سے پہلے ان صاحب نے اپنے میزبان کا نام پوچھا۔ اور اپنا نام پارٹیش چندر
بنرجی بتاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اُن کا گھر اسی گلی میں ہے اور مکان نمبر ۷ ہے۔ پھر بولے ”اگر
بھتیس کبھی فرصت ہو تو آنا ہم لوگ تمھارے آنے سے بہت خوش ہوں گے۔“

لڑکی کی نگاہوں نے بھی خاموشی کے ساتھ اس بُلائے کی تائید کی۔ نبوتے کا جی تو یہ چاہ
رہا تھا کہ وہ اسی وقت اُن کو پہنچانے ساتھ چلا چلے لیکن اس کو خیال ہوا کہ کہیں بدتمیزی نہ
ہو جائے کہ ساتھ لگے چلے آ رہے ہیں۔ اس لئے وہ ہچکچاتا رہا۔ اور کوئی فیصلہ نہ کر سکا جب گاڑی
روانہ ہونے لگی تو لڑکی نے سر جھٹکا کر گویا اس سے اجازت لی اور وہ اس قدر بوکھلایا کہ جواب
بھی نہ دے سکا۔

کمرے میں واپس آ کر نبوتے اپنی بیوقوفی پر پھپھتا نے لگا۔ اگر وہ بھی جواب میں سر جھٹکا دیتا
تو بہت اچھا رہتا۔

اُن لوگوں کے آنے سے لے کر روانگی کے وقت تک اُس نے جو کچھ کیا تھا۔ وہ جس طرح
پیش آیا تھا۔ اس کا سب جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ اُس کا رویہ عجیب تھا۔ بار بار

وہ سوچے جا رہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہیے تھا اور اس نے کیا کہا۔ کیا کرنا چاہیے تھا اور کیا گیا۔ اور اچھن کھتی کہ بڑھتی ہی جا رہی تھی۔ یکایک اس کی نظر پلنگ کی پٹی پر گئی۔ تو وہاں اس رٹ کی کا نعل پڑا دکھائی دیا۔ لپک کر اس نے رومال اٹھالیا۔ اور اٹھاتے ہی اس کے کان میں جوگی کی آواز گونجنے لگی

ایک انجانا بچہ جانیے کہاں کا بھولا بھٹکا

ایک انجانا بچہ جانیے

گھڑیاں گزرتی گئیں۔ دھوپ میں تیزی بڑھتی گئی۔ نیچے سڑک پر فٹروں کو جانے والی گاڑیوں کی قطاریں لمبی ہوتی گئیں۔ پرنبوئے اس دن کسی کام میں دھما نہ لگا سکا۔ اسے اپنا تنگ مکان اور وہ گندی گلی جس میں وہ مکان تھا، اب ایک خیالی دنیا سی لگ رہی تھیں۔ دھوپ کی تپش اس کے دماغ کو جھلسا دیتی تھی جیسے رگ رگ میں سراسیمہ کر گئی ہو۔ جیسے زندگی کی تیزی سے زندگی کی اصلیت دماغ کے پردوں سے اچھل ہو گئی ہو۔

یکایک اس نے بچھا کر سات آٹھ سال کا ایک لڑکا سڑک پر کھڑا مکانوں کے نمبروں کو غور سے پڑھ رہا ہے۔ نہ جانے کیوں اسے خیال آیا کہ وہ اس کا ہی مکان تلاش کر رہا ہے۔ چنانچہ اس نے اندہ ہی سے آواز دی۔ ہاں۔ ہاں۔ یہی مکان ہے۔ اور پھر اچھل کر گلی سے اس لڑکے کو نظر بیاگھسیٹ کر اندہ لے آیا۔ لڑکے کی صورت کو اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے اس نے اس کے آگے بڑھے ہوئے ہاتھ سے خط لے لیا۔ جس پر پتہ کسی عورت کے ہاتھ کا لکھا ہوا معلوم ہوتا تھا۔

لڑکا بولا میری بہن نے یہ بھیجا ہے۔ لفافے کے اندر خط کوئی نہیں تھا۔

لبتہ کچھ روپے تھے۔

پھر لڑکا جانے کے لئے مڑا لیکن نبوئے اصرار کر کے اسے اپنے کمرے میں اُپر لے گیا اس کا رنگ اپنی بہن سے ڈھکتا ہوا تھا مگر کچھ بھی شبہ نہ تھا بہت تھی نبوئے دل ہی دل میں

پھولا نہیں سہار ہاتھا۔ لڑکا اُسے بہت ہی پیارا لگ رہا تھا۔

اپنی جگہ وہ لڑکا بھی کافی سمجھدار نکلا۔ کمرے میں داخل ہوا تو دیوار پر لٹکی ہوئی تصویر کی طرف اشارہ کر کے سنجیدگی سے پوچھا ”یہ کس کی تصویر ہے؟“

”بہت کی تصویر؟“ — کون ہیں وہ؟

”تم انہیں نہیں جانتے۔ ان کا اصلی نام گورموہن بابو ہے۔ پر میں اُن کو گورا کہتا ہوں۔ ہم لوگ بچپن سے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اسکول میں بھی ساتھ تھے۔“

”آپ اب بھی اسکول جاتے ہیں؟“

”نہیں۔ میں تو اپنی تعلیم ختم کر چکا۔“

”سچ بچہ آپ ختم کر چکے؟ ختم کر چکے آپ؟“

اس ننھے اجنبی کے دل میں اپنی جگہ کرنے کی خواہش کو نبوتے دبانہ سکا ذرا فخر سے

بولتا ”ہاں میں تو سب کچھ ختم کر چکا۔“

پھر لڑکے نے اپنا نام بتایا ”ستیش چندر مکر جی۔“

”مکر جی“ نبوتے آہستہ سے بولا۔ جیسے کھو گیا ہو۔

باتوں باتوں میں پتہ چل گیا کہ پاریش بابو ان بچوں کے باپ نہیں تھے بلکہ بچپن سے

یہ دونوں بھائی بہن اُن کے یہاں ہی پلے تھے۔ بہن کا نام پہلے رادھارانی تھا لیکن پاریش بابو کی

بیوی نے اس کا نام ذرا زیادہ ترقی پسند کرنے کے لئے سچا ریتارکھ دیا تھا۔

ستیش چلنے لگا تو نبوتے نے پوچھا ”کیلے چلے جاؤ گے؟“

ستیش کو ہر لگ گیا۔ یہ تو اس کی ہتک ہو گئی۔ ذرا سن کے بولا ”ہاں ہاں برابر جانا آتا

رہتا ہوں۔“

”میں پہنچا دوں؟“

دو در بگڑ گیا۔ یہ تو اس کی مردانگی پر چٹ ہوئی۔ کیوں؟ آپ کیوں پہنچائیں گے۔ میرے

اکیلا ہی جاسکتا ہوں۔ اور پھر وہ بتانے لگا کہ کس طرح وہ بیسوں بار اکیلا جگہ جگہ آیا گیا ہے۔
 نبوتے پھر بھی لڑکے کو گھر تک پہنچانے پر کیوں اصرار کرتا رہا، یہ لڑکے کی سمجھ کے باہر
 بات تھی۔ اور وہ اور بھی حیران ہوا جب نبوتے نے اس کو دروازے تک پہنچایا لیکن۔ اندہ جانے
 سے انکار کر دیا۔ یہی کہے گیا۔ نہیں نہیں۔ ابھی نہیں۔ پھر کسی دن آؤں گا۔

گھر واپس آکر نبوتے نے وہ لفافہ نکالا جس میں لڑکی نے رُو پے بھیجے تھے اور بار بار
 اتنے مغور سے اُدھر لکھا ہوا پتہ پڑھا کہ خط کی ایک ایک نوک پلک اس کو زبانی یاد ہو گئی، اس
 کے دل پر نقش ہو گئی۔ پھر اس نے خط کو رُوپوں سمیت بڑی احتیاط سے کبس میں بند کر دیا
 جیسے یہ روپے کبھی خرچ نہ ہوں گے۔ حد سے زیادہ ضرورت، شدید ضرورت بھی ہوگی تو یہ
 خزانہ علیحدہ نہ کیا جائے گا۔

دوسرا باب

برسات کا موسم تھا، شام کے تاریک ہونے ہوئے جھٹپٹے میں ایسا لگتا تھا کہ آسمان زمی کے بوجھ سے جھک گیا ہے بارلوں کی اس خاموش اور کھپکی پرچھائیں تلے کلکتہ شہر ایک بھاری بھر کم آوارہ گرد کتے کی طرح معلوم ہوتا تھا جو کھٹک کر کنڈلی مائے موسم پر منہ دیا ہے، چپ چاپ بیٹا ہو۔ پچھلی رات سے برابر بھوار گر رہی تھی جس سے مٹی کیچڑ ہو گئی تھی مگر اتنا پانی نہ تھا جو کیچڑ کو بھی بہا لے جاتا۔ شام کو چار بجے کے بعد سے بوندیں توڑک گئی تھیں لیکن بادل اب بھی ٹھیک کے انداز میں ڈٹے ہوئے تھے۔ موسم کچھ ایسا تھا کہ باہر جاؤ تو خطرہ تھا اندر بیٹھو تو کھیرا ہٹ ہوتی تھی۔ اور ایسے میں، ایک تین منزلہ مکان کی بھسکی ہوئی چھت پر، دونوں جوان بید کی کرسیاں بچھائے بیٹھے تھے۔

بچپن میں یہی دونوں اسکول کے ٹوٹنے کے بعد اسی چھت پر ساتھ کھیدا کرتے تھے، اسی جگہ امتحانوں سے پہلے دونوں ساتھ بیٹھ کر سبق رٹا کرتے تھے، کالج سے واپس آ کر گریبوں کے رمانے میں یہیں رات کا کھانا کھایا کرتے تھے۔ دو دو بجے رات تک بچٹیں چلتی رہتی ہر صبح کو بکھل کر اٹھتے تو پتہ چلتا کہ بھٹتے بھٹتے یہیں چٹائی پر دونوں کو نیند آگئی تھی۔ جب کالج کے امتحان ختم ہو چکے تو یہی چھت پر مہینہ میں ایک بار ”ہندو مجبان وطن سوسائٹی“ کی شنگیں ہونے لگیں جن میں ایک دوست صدر ہوتا تھا تو دوسرا سکریٹری۔

صدر کا نام گور موہن تھا۔ رشتہ دار اور دوست اُسے پیار سے گورا کہتے تھے۔ وہ اتنا لمبا تیز تھا کہ ہر طرف سے بڑھا ہوا لگتا تھا۔ کالج کے ایک پروفیسر صاحب تو اُس کو ریف کا پہاڑ کہتے تھے کیونکہ وہ بے تحاشا گورا چٹا تھا، ایک ذرہ جو کہیں سے ساٹولا ہو۔ چھدفٹ کا قد چوڑی

چوڑی ہڈیاں، شیر کے سے پنچے، آواز اتنی بھاری کہ دُور سے اگر للکار دے تو کون ہے تو اس کی کھنکھی بندھ جاتے۔ چہرہ ایسا معلوم ہوتا کہ خواہ مخواہ میں بھی چمکا ہو گیا ہے۔ جبرے کی ہڈیاں جیسے کسی قلعہ کی وزنی ستون! بھوں تقریباً کھٹی ہی نہیں اور ماسٹھا چوڑاں ہیں دھل کر نیپوں سے مل گیا تھا۔ ہونٹ پتلے درپنچے ہوئے، اُن پر رکھی ہوئی ناک جیسے توار۔ آنکھیں چھوٹی جھولی مگر تیز، تیر کی سی، دُور کسی چیز پر نشانہ باندھ کر دیکھتی ہوئی، لیکن یک بیک ہلٹ کر پاس ہی کسی چیز پر جھپٹ پڑنے والی، گورموہن کو خوبصورت تو نہیں کہا جاسکتا تھا ہاں یہ ضرور تھا کہ اُسے نظر انداز کرنا ناممکن تھا کیونکہ وہ جس محفل میں بھی بیٹھتا، سب سے الگ کوئی چیز معلوم ہوتا۔

دونوں دوستوں میں بڑے دُور کی گفتگو ہو رہی تھی

میں تم سے یہ کہنا چاہتا ہوں ”گدا کہہ رہا تھا“ کہ اُس دن رہتاش جو رہو ساجی والوں کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا تو اُس سے تو صورت یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس لڑکے میں کافی اخلاقی ہمت ہے، پر تم آخر کیوں اُس پر اتنا خفا ہونے لگے؟“

”ارے کیا فلول بات کرتے ہو بنوتے نے جواب دیا“ اُس لڑکے کے خیالات کے متعلق بھی کیا دُرِ آئیں ہو سکتی ہیں؟ یقین نہیں“

”اگر تم ایسا سمجھتے ہو تو تمھارے ہی خیالات میں کچھ خرابی ہے۔ تم کیا اُمید کرتے ہو کہ چند برس پھرے سوسائٹی کو الٹا سیدھا کرنے میں اپنی مرضی کے مطابق اور سوسائٹی خاموشی سے دیکھا کرے سُکرا سُکرا کے طرح دیتی رہے؟ وہ چاہے جتنا غلیص اُن لوگوں کے دل میں ہو، سوسائٹی تو فطری طور پر ایسے لوگوں کو غلط سمجھے گی ہی۔ اگر وہ ایسے لوگوں کی نیکی کو بُدی سمجھے بغیر نہیں رہ سکتی تو یہ تو ایک طرح کی بھگتان ہے جو اُن لوگوں کو بھگتنی ہی پڑیگی“

”وہ فطری ہو مگر میں یہ نہیں مان سکتا کہ ہر فطری بات صحیح بات بھی ہوتی ہے“

”اُوںہے۔ صحیح کو چھوڑ دو۔ دُنیا چند آدمیوں کو صحیح سمجھتی ہے تو سمجھے۔ ہاں سب لوگ تو

وہی کریں گے جو فطری ہوگا۔ ورنہ دنیا کے سارے کام رُک جائیں، زندگی رہنے کے قابل نہ رہ جائے جو لوگ برہمن کر پڑے اصلاح کرنے والے بنتے ہیں اُن کو یہ سب تو برداشت ہی کرنا پڑے گا کہ جو برہمن نہیں ہیں وہ اُن کو نہیں سمجھ سکتے۔ یہ کھوڑا ہی ہو سکتا ہے کہ مہر کی طرح اترا اترا کے ناچ کھی اور دوسرے ہتھکڑی تعریف کریں۔ ایسا ہو تو دنیا بڑی گھٹیا جگہ ہو جائے۔“

”مجھے کسی پارٹی یا کسی طبقہ پر کوئی اعتراض کرنے پر کھوڑا ہی بُرا لگتا ہے“ نبوتے سمجھانے والے انداز میں بولا ”مگر یہ ذاتیات پر اترا آنا ٹھیک نہیں ہے، یہ انفرادی.....“ طبقہ پر اعتراض سے کیا فائدہ، کسی فرقے کو بُرا کہنے کا کیا نتیجہ؟ اس کے تو یہ معنی ہوئے کہ آپ اُن کے خیالات کو بُرا کہہ رہے ہیں، میں تو یہی چاہتا ہوں کہ افراد کی قلبی کھولی جائے۔ اور آپ جو بڑے مہاتما بنتے ہیں تو آپ نے کبھی ذاتی طور پر کسی کو کچھ نہیں کہا ہے کیا؟“

”یقیناً کہہ رہے ہیں“ نبوتے نے تسلیم کیا ”اکثر کہا ہے۔“ اہم مجھے اس بات کی سخت مشرتگی اور دلی افسوس بھی ہے۔“

گورا ایک دم جوش میں آگیا ”نہیں نبوتے یہ سب نہیں چل سکتا۔ کبھی نہیں۔“

نبوتے چپ رہا۔ پھر ذرا دیر بعد بولا ”کیوں کیا بات ہے؟ تم کو کس بات کا ڈر ہے؟“

”مجھے یہ صاف نظر آ رہا ہے کہ تم کمزور پڑ رہے ہو۔“

”کیسی کمزوری؟“ نبوتے چڑ گیا ”تم کو معلوم ہے کہ میں چاہتا تو میں اسی وقت اُن لوگوں کے گھر جا سکتا تھا، اُن لوگوں نے مجھے آنے کو کہا بھی تھا۔ ہمیں نہیں گیا۔“

”ہاں وہ تو میں جانتا ہوں لیکن یہ بات کبھی تو ہر وقت ہتھارے دماغ پر سوار رہتی ہے کہ تم وہاں نہیں جا رہے ہو۔ رات دن یہی راگ الہ پے جاتے ہو۔ میں نہیں جانتا ہوں میں نہیں جانتا ہوں۔“

اس سے تو اچھا یہ ہے کہ ایک بار ہوا آؤ۔۔۔ چھٹی ہوئی۔“

”تو پھر تم بھینگی سے مجھے راتے دیتے ہو کہ ہو آؤں؟ ایں؟ ہو ہی آؤں؟“

گورائے تلملا کے گھٹنے پر ہاتھ مارا ”نہیں نہیں میں تمہیں نہیں راتے دے رہا کہ ہو آؤ۔ میں تمہیں لکھ کے دے سکتا ہوں کہ جس دن تم اُن کے گھر گئے تو بس پھر وہیں کے ہو گئے۔ ایک دن جاؤ گے، دوسرے دن وہاں کھانا کھاؤ گے اور پھر تمہارا نام بھی برہمہ سماج کے زبردست ستادی کرنے والوں کی فہرست میں شامل ہو جائے گا۔“

حضور — اور اس کے بعد کیا ہو گا یہ بھی ذرا بتائیے مہربان

”اس کے بعد کیا ہونا ہے — اپنی دنیا کے لئے مرجاؤ گے تو پھر ”بعد“ کیا ہے — تم برہمن کے بیٹے، تمام پاکیزگی اور ضبط و نظم کو چھوڑ بیٹھو گے، گھوڑے پر پڑے نظر آؤ گے مرے جانور کی طرح — جیسے ملاج کا قطب نما ٹٹ جاتے تو اس کے پیر اکھڑ جاتے ہیں اور پھر وہ گمان اور انداز پر جہاز چلا کر اُسے ساحل تک پہنچانے کی ناکام کوشش کرتا رہتا ہے۔ اسی طرح تم بھی زندگی میں ابھر اُدھر بھٹکنا۔ لیکن چونکہ مجھ میں اتنی تاب نہیں جو الفاظ گڑب گڑھ کر تھک مار دے۔ سوڑتا ہوں اس لئے میں کہتا ہوں کہ جانا ہی ہے تو جاؤ۔ ختم کرو قصہ۔ لیکن جہنم کے نہانے پر کھڑے ہو کر یہ گونگورت طاری کرو۔ خواہ مخواہ تم لوگوں کے اعصاب پر زور پڑتا ہے۔“

نبوتے ہنسنے لگا۔ یہ تصور اسی ضروری ہے کہ ڈاکٹر جس مریض کو جواب دیدے وہ

مرا ہی جاتے مجھے تو اپنے انسوسناک انجام کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔“

”تمہیں نہیں نظر آتے؟“

”بالکل نہیں۔“

”نبضیں نہیں بیٹھ رہی ہیں۔“

”قطعاً نہیں۔ ابھی تو میری نبضوں میں بہت قوت ہے۔“

”تمہیں اس بات کا خیال نہیں ہے کہ اگر کوئی دستِ نازک کوئی دستِ سبیل تمہیں کھانا

کھلاتے تو وہ کھانا دیوتاؤں کے کھانے لائق ہے۔“

”بس کرو گورا“ نبوتے جھینپ گیا ”چپ رہو“

”کیوں چپ رہوں۔۔۔ میں کوئی معنی میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ آخر وہ حسین خاتون کوئی سات پردوں میں تو چھپی نہیں بیٹھی ہیں کہ سوچ بھی اُن پر نظر نہیں ٹال سنا۔ اور اگر اُن کے دست نازک کے نرا سے ذکر برتم اس قدر چراغ پاپا ہوتے ہو تو پھر تو تم گئے کام سے۔“

”دیکھو گورا۔ میں عورت کی عزت کرتا ہوں، ہلکے شاستروں میں بھی لکھا ہے کہ.....“

”جو خیالات تمہارے دماغ میں ہیں اُن کی تائید کے لئے شاستروں کا حوالہ مت دو۔ یہ

عورتوں کی عزت کرنا نہیں، یہ کچھ اور ہی کہلاتا ہے۔ جسے ابھی کہہ دوں تو اور اُپھلنے لگو گے“

نبوتے نے کندھے اُچکاتے ”یار تم لکیر کے فقیر ہو“

”جانتے ہو شاستر یہ کہتے ہیں کہ عورت گھر کا اُجالا ہے پوجے جانے کے لائق ہے۔ لیکن یہ

انگریزوں نے جو عورتوں کا تصور دیا ہے یہ وہ عورتیں نہیں جو گھر کا اُجالا ہیں، وہ تو مردوں کے دل

میں آگ لگانے کا شعلہ ہیں۔۔۔ ان کے پرجنے کا کیا سوال ہے“

”ارے اب کبھی کبھار خرابی پیدا ہو جانے سے کسی عظیم تصور کو ناقص تصور ہی کہا جاسکتا ہے“

گورا نے بے صبری سے ہیر ہٹکا ”بلینو، چونکہ اب تم اپنی قوت فیصلہ بالکل ہی کھو چکے ہو

لہذا تم کو میری صلاح قبول کرنی چاہئے۔ میں پھر یہی کہتا ہوں کہ انگریزی کتابوں میں جو یہ عورتوں

کے متعلق بڑھا چڑھا کر لکھا رہتا ہے اس کی تہذیب ہوسنا کی کے سوا کچھ نہیں، عورت کی اسی بوجا

جہاں ہوتی ہے وہ تو اُس کی مادر نہ عظمت ہے، پاکیزہ خیال و عظمت مآب گھروالی کی حیثیت

ہے۔ جو لوگ عورت کو اُس جگہ سے ہٹا کر اُس کی تعریفیں کرتے ہیں وہ اُس کی ہتک کرتے ہیں

تمہارا دماغ جو پروانے کی طرح پادیش بابو کے مکان کے چکر کاٹ رہا ہے تو اس کو سیدھے سیدھے

”عشق“ کہتے ہیں مگر خدا کے لئے انگریزی تہذیب کی ہندو نقل میں کہیں اس عشق کو باقی تمام باتوں سے

افضل نہ سمجھ بیٹھنا، کبھی اس کو ہی، انسان کی سچا سچ کی محراب سمجھ لو۔۔۔“

نبوتے انھیں پڑا جیسے اڑ گڑھے میں ڈالے ہوئے تو سکھتے گھوڑے کو کوئی چابک مارے

”بس۔ بس“ وہ چیخا ”گورا تم سے آگے بڑھے جا رہے ہو۔“

”ہم سے آگے۔۔۔ ابھی تو میں حد تک بھی نہیں پہنچا۔ اصل بات تو یہ ہے کہ ہم مرد اور عورت کے درمیان جو جو کس کا رشتہ ہے اس کو دھندلانا چاہتے ہیں اس لئے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ شاعری سے اس موضوع کو گول مول کر دیں“

”لیکن اگر ہماری عورت اور مرد کے کشتے کو داغ دار بناتی ہے تو پھر ان باہر والوں پر اعتراض کیوں؟ اس جذبہ کے وجہ سے تو ہمارے اخلاق سکھانے والے بھی بڑے بکوش کے ساتھ کہتے ہیں کہ عورت ایک بلا ہے جس سے دور بھاگنا چاہیے۔ یہ ایک ہی قسم کے رویہ کی دو متضاد مثالیں ہیں۔ اگر ایک کو برا کہو تو دوسرے کو کیوں معاف کرو؟“

گورا مسکرائے لگا ”میں نے انھیں غلط سمجھا تھا۔ تمھاری حالت اتنی بُری نہیں جتنی میں سمجھتا تھا۔ جب تک فلسفہ تمھارے دماغ میں جگہ پاسکتا ہے اس وقت تک کوئی خطرہ نہیں۔ دھڑا کے سے عشق کرو۔ پر تمھارے خیر خواہوں کی تو یہی دعا ہے کہ ذرا دامن بچا رہے۔ ورنہ چڑیاں کھیت چک جائیں گی تو پچھتاوے کچھ نہ ہوگا۔“

نبوتے عاجز ہو کر بولا ”کبھی تم تو بالکل سڑی ہو گئے ہو مجھے عشق سے کیا تعلق، البتہ تمھاری تسکین کے لئے اتنا کہہ سکتا ہوں کہ پارٹیش بابو سے مل کر اور ان کے متعلق بہت کچھ سن کر جو اثر مجھ پر ہوا ہے تو اس سے میرے دل میں ان کی عزت ہے اور ہو سکتا ہے کہ اسی وجہ سے مجھے کشمکش ہو کہ ان کی گھر بلورنگی کو بھی دیکھتا کیسی ہے۔“

”اچھا اگر یوں کہنا چاہتے ہو تو یوں ہی مانا یہی کشمکش ہے پارٹیش سے ذرا ہوشیار رہنا۔ لیکن فرض کیجئے آپ کی یہ بنیادی تحقیقات نامکمل ہی نہ جاتے تو کیا مضائقہ ہے۔ یہ لوگ ایک قسم کی خود رو چھاڑیاں ہیں یہ تو معلوم ہی ہے اور تحقیقات کرتے کرتے اگر آپ زیادہ اندر گھسے تو پھر تو اس طرح کھینچے جاؤ گے کہ دم بھی نظر نہیں آئے گی۔“

نبوتے شکایتی لہجے میں بولا ”بھئی گورا۔ تم میں ایک بہت بڑی خرابی ہے، تم یہ سمجھتے ہو کہ

دنیا کی جتنی قوت ارادی ہے اور ضبط نفس ہے وہ سب خدا نے بس صرف تمہیں کو بخشا ہے۔ باقی ہم سب مخلوق کمزور ہیں، اپنے اوپر قابو نہیں رکھتے وغیرہ۔“

اس بات سے گویا ایک نیا جوش گویا میں بکھڑکا دیا، اس نے زور سے ہونے کی ہچکچاہٹ پر ایک دھپ دیا، ٹھیک بالکل ٹھیک۔۔۔ یہ نو ہے میری خرابی۔

”ارے خدا“ ہونے نے ہائے کر کے کہا ”ایک اور خرابی بھی ہے تم میں اس سے بھی بڑی تم میں یہ اندازہ لگانے کی ذرہ برابر بھی صلاحیت نہیں ہے کہ معمولی بری طرح کی بڑی کتنی شدت برداشت کر سکتی ہے۔“

اُسی دم گورا کے بڑے بھائی موہن بابو، زردیٹے، ہانپتے سیڑھیوں سے چڑھتے ہوئے اوپر آئے اور گورا کو پکارا ”گورا“

گورا، ایک دم کھڑا ہو گیا اور تعظیم کے لئے جھک کر بولا ”جی“

موہن بابو نے اُسے اوپر سے نیچے تک دیکھا ”میں بہ دیکھنے آیا تھا کہ، دلوں کی گرج اور کڑک نے کہاں چھت تو نہیں پھاڑ دی یہ آج کس بات کا جوش ہے؟ میں سمجھتا ہوں اب تک تو آپ لوگوں نے اپنے حسابوں انگریزوں کو بڑبندر آدھے رستے تو بند ہی دیا ہو گا بلکہ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انگریزوں کا ذرہ برابر بھی نقصان نہیں ہو رہا ہے، البتہ تمہاری بھابی شپے کمرے میں لیٹی ہیں نہ کہ دروازے۔۔۔ اور یہ تمہاری گریج اور کڑک ان کی برداشت سے ذرا باہر آئی ہے۔“

اتنا کہہ کر وہ شپے پر گئے۔۔۔

تیسرا باب

گورا اور بنوئے بھی نیچے اترنے ہی واسے تھے کہ گورا کی ماں اوپر آگئیں۔ بنوئے نے تعظیماً جھٹک کر اُن کے پاؤں چھوئے۔

اننداموئی کو دیکھنے سے یہ بھی گمان نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ گورا کی ماں ہیں۔ اُن کا جسم ڈبلا پتلا مگر سڈول تھا، بالوں میں کہیں کہیں چاندی کی لکیریں آگئی تھیں مگر دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ پہلی نظر میں دیکھا جاتا تو اُن کی عمر چالیس سے کم معلوم ہوتی تھی، چہرے کے خدوخال نرم اور ترشے ہونے جیسے کسی پاکماں صالحہ نے بچہ، احتیاط سے بنائے ہوں، جسم کی ساخت بھی کہیں سے ناموزوں نہیں اور صورت پر ایک پاکیزہ اور حساس ذہانت، اُن کا رنگ مانڈا تھا، جو ظاہر ہے کہ گور سے قطعاً نہیں ملتا تھا۔ ایک چیز جو اُن کے شخصیت کے ساتھ یکایک میسوس ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ وہ ساری کے ساتھ باڈس بھی پہنتی تھیں۔ ہم جس زمانے کی بات کر رہے ہیں اُس وقت میں کچھ نوجوان عورتوں اور لڑکیوں نے ساری کے ساتھ باڈس پہننا شروع کر دی تھی لیکن پُرانے زمانے کی بزرگ بیبیاں اب بھی باڈس کو بُری نظر سے دیکھتی تھیں کیونکہ اُن کے نزدیک یہ عیسائیت کا نشان تھا۔

اننداموئی کے شوہر کرشن دیال بابو کیسرٹ ڈیپارٹمنٹ میں کسی اچھے نمبر سے پر تھے، اور اننداموئی نے اپنی ساری زندگی ریٹائرمنٹ سے لے کر بڑی عمر تک کلکتے سے باہر گزاری تھی کیونکہ کرشن دیال بابو کی بدبیاں ہوا کرتیں اور اننداموئی ہمیشہ شوہر کے ساتھ رہتی۔ اسلئے اُن کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ جسم کو خوبصورتی کے ساتھ ملبوس کرنا کوئی بُری بات یا کوئی شرم کی بات ہے۔ وہ گریہ کی کہ کام بڑے شوق سے کرتی تھیں، لیکن حساب کتاب کرنے سے لیکر

فرش پونچھنے تک سب کچھ کرنے کے بعد بھی ایسا معلوم ہونا کہ اُن کو کافی فرصت رہتی ہے۔
 ہاں انکے گھر کے ایک ایک فرد کے آرام پر اُن کی نظر رہتی، پڑوسیوں کے بھی دُکھ سکھ کی خبر لیتیں،
 پھر بھی کافی رفت بکالیتیں۔

اُنھوں نے بنوئے کی تعلیم کا جو بڑے ہوئے کہا، ”جہاں گورا کی اور اچھوت کے نیچے
 بالائی شہ برع ہوئی کہ ہم لوگ سمجھ جاتے ہیں ضرور مینو آیا ہے۔ اس گھر میں اور چند روز سے اتنا
 سنا سنا تھا کہ میں تو فلاں میں پڑ گئی تھی کہ تمہیں کیا مٹوا بیٹا، اتنے دن سے اُسے کیوں نہیں کچھ
 بیمار کھتے کیا؟“

”نہیں ماں!۔۔۔ بنوئے نے رُک رُک کے جواب دیا ”طبیعت تو ٹھیک تھی ہر
 ذرا بارش تو دیکھتے کیسی ہو رہی ہے“

”ہاں ہاں بارش!“ گورا بیچ میں بول پڑا ”جب بارش ختم ہو جائے تو بنوئے کہے گا
 دھڑپ کھنی، باہری باتوں پر چاہے جتنا الزام دھرو پہاڑی وجہ تو تمہارے اندہ جو دل ہے نہ وہ
 جانتا ہے“

”اسے کیا بیکار بلواس کرتے ہو گورا“ بنوئے نے فریادی انداز میں کہا۔

”ہاں بیٹا، ٹھیک ہے، گورا کو ایسا نہیں کہنا چاہئے تھا۔ انسان کی طبیعت ہی تو ہے
 کبھی ملنے کو مہی چاہتا کبھی نہیں بھی چاہتا۔ خواہ لوگوں پر زبنتی تقوڑا ہی کی جاسکتی ہے، اس معاملے
 میں۔ آؤ۔۔۔ بنوئے میرے کمرے میں آؤ، کچھ کھاؤ بیوٹ۔۔۔ میں نے دہشتالی سنگوالی ہے
 جو تم کو بہت بھاتی ہے۔ آؤ“ گورا نے زور سے سر ہایا ”نہیں اماں!۔۔۔ نہیں!۔۔۔ سہتی
 یہ سہانت کیجئے، میں کبھی بنوئے کو آب کے کمرے میں نہیں کھانے دوں گا“

”اچھا نہ بڑا گورا!۔۔۔ میں تم سے تو نہیں کہہ رہی ہوں کہ کھاؤ۔۔۔ اور تمہارے پتا جی کا
 جہاں تک سوال ہے سو وہ تو ایسے کٹر ہو گئے ہیں کہ اپنے ہاتھ کے سوا کسی کے ہاتھ کا بنا مٹوا
 نہیں کھاتے۔ لیکن مینو تو یہ اچھا بیٹا تم لوگوں کی طرح مہاتا نہیں ہے، اور وہ جو بات ٹھیک سمجھے گا“

کرے گا، تم اس کو کیسے روک سکتے ہو۔“

”میں ضرور روک سکتا ہوں، میں اس بات پر ضرور اصرار کروں گا۔ جب تک آپ اس عیسائے عورت کو نہ کر رکھے رہیں گی، کوئی آپ کے کمرے میں کیسے آئے گا۔“

آنند موئی بہت آزرده ہو کر کہنے لگیں ”گورا بیٹا، ایسی باتیں تو کس طرح کریتا ہے تو نے کیا اس کے ہاتھ کا نہیں کھایا۔ آخر اسی نے تو تجھے بچپن میں پاؤں پوسا، کھلایا، بڑا کیا۔ ابھی کل کی بات ہے کہ اس کے ہاتھ کی بنی چٹنی کھانے پر نہیں ہوتی تھی تو تجھے کھانا اچھا نہیں لگتا تھا۔ اور میں کیسے قبول سکتی ہوں کہ جب تجھے، اتنا بھلی تھی تو اس ہی کی دیکھ بھال تھی جس کی بدولت تیری جان بچی۔“

”تو پھر اس کو پینشن دیدیجئے“ گورا تنک کر بولا ”کچھ زمین خرید کر اس پر اس کے لئے مکان بنوا دیجئے۔ رہے۔ پر اس طرح گھر میں اس کو گھسنا، کھٹیک نہیں ہے ماں۔“

”گورا۔۔۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ ہر احسان روپے سے اتارا جاسکتا۔ اس کو روپیہ اور مکان نہیں چاہتے، اس کو تو یہ جانتے کہ تم اس کی نظر کے سامنے رہو۔“

”تو پھر رکھیے“ گورا نے جیسے ہار مانتے ہوئے کہا ”لیکن بنوئے آپ کے کمرے میں نہیں کھائے گا، شامیروں کے حکم تو ماننے ہی پڑیں گے۔۔۔ مجھے تو یہ حیرت ہے ماں کہ تم اتنے بڑے پنڈت کی بیٹی ہو اور تمہیں اپنے ریت رسیموں کی کچھ پرواہ ہی نہیں، یہ تو زیادتی کی۔۔۔“

”ارے گورا۔۔۔ یہ قوت بڑھے“ آنند موئی ہنسنے لگیں ”ایک زمانہ تھا کہ ہی تیری ماں بن سب ریتوں کی بہت پابند تھی، اور بہت کچھ دیکھ بھی اُن کے لئے اٹھاتے۔ تم بھلا اس وقت کہاں گئے۔ روزانہ سشیو کی مورتی اپنے ہاتھ سے بناتی، اور اس کو پوجتی تھی اور پھر تھارے باپ آکر غصے سے اس کو اٹھاتے اور چیلنک دیتے۔۔۔“

اس زمانے میں تو ہر ایک برہمن کے ہاتھ کے پکائے ہوئے چاول تک میں نہیں کھاتی تھی۔۔۔ ریل اس زمانے میں تھی نہیں، بس گاڑیوں، اونٹوں یا پالکیوں پر سفر کرتے ہوئے کتنے

غائب ہو گئی۔ اُس کی نگاہیں یکایک آئندہ موبی کی صورت پر سے لپک کر گورا کی شکل پر ٹھہر گئیں۔
لیکن پل بھر بعد ہی اُس کے اپنے ذہن سے شک کے بادل چھٹ گئے۔ گویا بھی کچھ گھبرا گیا۔
”ماں بھاری یہ دلیلیں میری سمجھ میں نہیں آتیں، جو لوگ شاستروں کے کہے پر چلتے ہیں ان کے
گھر میں بھی آخر بچے پلتے ہی ہیں اور ان کو کوئی مشکل نہیں معلوم ہوتی۔“ بھریہ آپ کو کس نے
”سمجھایا کہ آپ کے معاملے میں بھگوان کسی اور طرح سوچے گا۔“

”وہی بھگوان جس نے تم کو مجھے دیا اُسی نے مجھے یہ سمجھایا، میں کرتی بھی کیا، میرا
اس معاملے میں کیا اختیار تھا؟۔۔۔ ارے میرے دیوانے پوتے، سمجھ میں نہیں آتا میری
بیو تو فیوں پر روؤں یا ہنسوں۔۔۔ خیر ہو گا۔ جانے دو۔ تو پھر بنو۔۔۔ میرے کمرے میں نہیں
کھائے گا؟ آخر میں بھی طے ہوتا نہ۔۔۔“

”اُس کو موقع ملے تب تو یہ تیر کی طرح اڑ کر وہاں پہنچ جائے۔ دیکھو کبھی لگی
ہو گی اُسے، لیکن ماں، میں اسے ایسا نہیں کرنے دوں گا۔۔۔ آخر برہمن کی اولاد ہے۔
تھوڑی سی مٹھائی کے لئے اپنے فرض کو بھول جائے ایسا تو نہ ہونا چاہئے۔۔۔ ارے
جی مار نہ ہی پڑے گا، اپنے دُپر قابو رکھنا، ہی پڑے گا تب تو اپنے حسبِ و نسب کے
شایانِ شان بن سکے گا۔۔۔ لیکن ماں تم مجھ سے خفا نہ ہونا۔ میں بھارے پر پڑتا ہوں۔“
”ارے یہ کیا بات ہوئی بھلا، میں کیوں خفا ہونے لگی۔ بس اتنا ہی کہنا چاہتی
ہوں کہ تم جو کچھ کر رہے ہو نادانی میں کر رہے ہو۔ یہ رنج۔ تو میرے لئے سنا ہی رہے گا
کہ میں نے تم کو پالا پوسا اور پھر بھی میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ جس چیز کو تم مذہب کہتے
ہو اُسے میں تسلیم کروں۔ اگر میرے کمرے میں نہیں کھاتے ہو تو کیا ہوا، تم رات دن جیر
ساتھ ہو یہ کیا کم ہے۔ بنوئے بیٹا، تم اتنے عملگین نہ ہو۔ تم ہر بات کو اتنا شدت
سے محسوس کرتے ہو۔ میں سچ کہتی ہوں میں نے بُرا نہیں مانا، تم خواہ مخواہ کی فکر مت
کرو، کسی اور دن بھاری دعوت کروں گی اور کسی برہمن سے باقاعدہ کھانا پکواؤں گی۔“

جہاں تک میرا سوال ہے، میں کہے دیتی ہوں کہ میں تو کبھی کے ہاتھ کا کھانا کھاتی رہوں گی۔ اور یہ کہہ کر وہ نیچے چلی گئیں۔

نبوتے ساکت کھڑا رہا۔ پھر مڑ کر آہستہ سے گویا سے مخاطب ہوا، "بھئی

یہ تو ذرا ذرا زیادتی ہی ہے"

"کون زیادتی کر رہا ہے؟"

"تم"

"بال برابر بھی نہیں۔ میں تو صرف یہ چاہتا ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک اپنی حد میں

رہے اور بس۔ اگر ان دن سوتی برابر بھی جگہ چھوڑ دے تو پھر کہاں تک بات جاتے

یہ کوئی نہیں کہہ سکتا"

"لیکن وہ تمھاری ماں ہیں"

"مجھے معلوم ہے ماں کیا موتی ہے، تم مجھے نہ سکھاؤ۔ دنیا میں کتنے انسانوں کو

اپنی اپنی ماں نصیب ہو سکتی ہے۔ پر ایک بار میں روایتوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا

نہ کر دوں تو پھر کہن ہے رن میں اپنی ماں کا احترام بھی چھوڑ بیٹھوں۔ دیکھو نبوتے

اسے کہتے ہوئے فیصلے اچھے ہوتے ہیں مگر سب کچھ دل کے فیصلوں سے نہیں کیا جاتا"

نبوتے چپ چاپ سنتا رہا۔ پھر رک رک کے بولا، "سنو گورا آج تمھاری

لی باتوں سے مجھے ایک عجیب سی بچھینی ہوئی، ایک عجیب سا اضطراب، مجھے ایسا

بے سوس ہوتا ہے کہ تمھاری ماں کے دل میں کوئی ایسا راز چھپا ہے جو وہ ہم لوگوں کو نہیں

دے سکتے اور جو برابر ان کو غمگین کرتے رہتا ہے"

"نہہ۔۔۔ خورہ مٹواؤ تھیل کے گھوڑے نہ دوڑاؤ۔ اس سے کوئی فائدہ نہیں

ہے کہ انھار دفت۔۔۔" گورا عاجز ہو کے بولا

اپنی ساری باتوں پر اس کا تھیں کچھ بھی نہیں رہتا گورا۔ لیکن

میں ہمتیں یقین دلاتا ہوں کہ ہمتیاری ماں کے دل پہ کوئی بوجھ ہے، کوئی ایسی بات ہے جو
 اُن کے ماحول میں کھپ نہیں سکتی اور یہ بات اُن کی گھریلو زندگی کو پہچان کئے رہتی ہے۔
 گورا، ہمتیں چاہتے کہ اُن کی بات زیادہ توجہ اور خیال کے ساتھ سنا کر دے۔
 ”جہاں تک سُننے کا تعلق ہے، میں کافی ہوشیاری برتتا ہوں۔ اور کسی بات میں
 خواہ مخواہ معنی پہناتے کے جو میں غلامت ہوں تو وہ اس لئے کہ مجھے بلاوجہ کوئی ڈھونڈنا ہو جائے۔“

چوتھا باب

خیالات اور اصول ذہنی طور پر ماننے کے لئے اچھی چیزیں ہیں لیکن جب سانوں پر ان کو لگا کر دیکھ لیا تو ان میں وہ یقین کامل باقی نہیں رہ جاتا۔ کم از کم نبوتے اسی چکڑیں گرفتار تھا کیونکہ اس کے زیادہ فیصلے دل کے کہے پر ہوتے تھے۔ چنانچہ وہ کسی اصول کو صحیح ثابت کرنے کے لئے زبان سے چاہے جتنی بھی دلیلیں دے لیتا لیکن انساںوں سے سابقہ کا سوال کھڑا تو انسانی قدریں ہی اس کے دل و دماغ پر چھ جانیں یہاں تک کہ اس کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا کہ گورا جن اصولوں کو بحیثیت اصول کے اس سے منور لیتا تھا ان کو وہ اصول کی حیثیت سے تسلیم کر لیتا تھا یا گورا کی دوستی کی وجہ سے !

اس وقت وہ گورا کے گھر سے واپس ہو رہا تھا۔ لیچر بھری سڑکوں پر آہستہ آہستہ چلتے ہوئے اس کے دماغ میں ایک کشمکش جاری تھی۔ اصولوں اور اپنے ذاتی احساسات کے درمیان ایک جنگ ہو رہی تھی ! جب گورا نے یہ کہا تھا کہ آج اپنی سوسائٹی کو طرح طرح پوشیدہ درنمایاں بر حملوں سے بچانے کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ذات بات کا خیال کیا جائے اور کھانے پینے کی احتیاط برتی جائے، تو اس وقت نبوتے نے اس بات کو فوراً تسلیم کر لیا۔ — صرف یہی نہیں بلکہ بعض ایسے لوگوں سے ڈھواں دھار بحث بھی کی تھی جو اس نقطہ نظر کے خلاف تھے۔ اس نے یہ دلیلیں پیش کی تھیں کہ جب دشمن قلعہ پر حملہ کرتا ہے تو اس کے سمجھ دار محافظ ایک ایک سڑک اگلی دروازے، کھڑکیوں بلکہ درازوں اور رخنوں تک کی حفاظت کرتے ہیں۔ — نہ جانے کہ گھر سے دشمن گھس آئے !

لیکن آج گورا نے جو اسے اپنی ماں کے کمرے میں جا کر کھانے سے روکا تو یہ چوٹ

ایسی تھی جسے آسانی سے نہیں برداشت کیا جاسکتا تھا۔

نبوت کے باپ نہیں تھا، ماں بھی اُسے چھوٹی عمر میں چھوڑ گئی تھی، دیہات میں ایک چچا تھا، لیکن لڑکپن سے اُس نے پڑھائی کے لئے کلکتہ میں ہی عمر گزاری تھی۔ ایک تنہا، اکیلی زندگی! اور جس دن سے گورائے اُسے پہلی بار اپنی ماں آنتہ موتی سے ملایا تھا، اُس دن سے وہ اُن کو ماں کہتا تھا۔

اکثر وہ اُن کے کمرے میں جاتا اور اُن کو خوب پریشان کرتا یہاں تک کہ وہ اٹھٹھیں اور اُسکے پسندیدہ پکوان پکا کر اُس کو کھلاتیں، کبھی گورائے سے چلنے کا ڈھیونگ بجاتا، کہتا آپ کھانا پرستے وقت برابر حصہ نہیں دیتیں، نبوت جانتا تھا کہ اگر وہ دو تین دن بھی اُن کے یہاں نہ جائے تو وہ پریشان ہو جاتی تھیں کیونکہ پھر اُن کے لذیذ کھانوں کی داد کون دیتا کس بڑباری سے وہ انتظار کرتی رہتیں کہ کب ان رٹکوں کی ڈینگیں ختم ہوں اور وہ گھر لوٹیں اور کھانا کھائیں۔ اور اچھ سو سائٹی کے نام پر نبوت کو اُن کے ساتھ کھانے سے روک دیا گیا! وہ کس طرح اس زیادتی کو برداشت کریں گی اور خود نبوت کیونکر یہ دیکھ سکے گا

بچے گھر کے نزدیک پہنچتے پہنچتے تک نبوت ہی سوچتا رہا کہ کہنے کو تو اُنھوں نے منسکر کر کہہ دیا تھا کہ اب تمھاری دعوت کروں گی اور باقاعدہ کسی برہمن کو بڈا کر کھانا پکواتوں گی لیکن اُنکے دل پر کیا نشتر لگا ہوگا یہ تو وہی جانتی ہوگی۔

نبوت کا چھوٹا سا خالی کمرہ اندھیرا اور گڑبڑ سڑبڑ تھا، چاروں طرف کتابیں اور کاغذ بکھرے ہوئے۔ اس نے ماچس جلائی اور لیپ روشن کر دیا جس پر نوکر کے انگلیوں کے چکے چکے نشان تھے۔ لکھنے کی میز پر جیسف میز پوش پڑا ہوا تھا، اُس پر بھی چکنائی اور روشنائی کے داغ تھے۔ اس کمرے میں اُسے اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہوا۔ کسی ساتھی اور کسی محبت کرنے والے کی کمی کے حساس سے اُس کا دل ڈوبنے لگا، ملک کی بغاوت اور سو سائٹی کی اصلاح کے تمام فرائض کھوکھلے لگنے لگے۔ جولائی کی اس حسین صبح کو جو چھٹی نہ جانے کہاں سے اُڑتا ہوا

اور انرا بھی اُن کے ساتھ تھے لیکن نبوت کی نظر ان میں سے صرف ایک شگفتہ اور نوخیز صورت پر جم کر رہ گئی جب دو لوگ سڑک پر لگی ہوئی روشنی کے نیچے سے گزرے تو ایک پہل کے لئے دھڑکھڑا رہا روشنی میں دمکا اور پھر ننگا ہوسے اوجھل ہو گیا۔ گاڑی کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دی اور پھر وہ اس طرح غائب ہو گیا جیسے سمندر میں ٹپکے کھو جاتے ہیں۔

اُس دن نبوت گھر کے گھر نہیں گیا بلکہ خیالات میں کھویا ہوا پھر اپنے کمرے پر واپس ہو گیا۔ دوسرے دن سہ پہر کو ایک بار پھر کوشش کر کے بہت کچھ۔ سوچ سوچ کے وہ گورا کے یہاں پہنچا۔ بادلوں بھری شام اندھیرے سے لپٹنی شروع ہو گئی تھی اور گورا ابھی ہمپ جلا کر لکھنے بیٹھا ہی تھا۔ کاغذ پر سے سر اٹھا کر بولا "کیوں کبھی۔۔۔ کدھر کی ہو اڑا کے لاتی؟"

اس سوال کا نبوت نے بغیر نبوت سے نے ایک دم بات کرنی شروع کر دی "گورا۔۔۔ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں، ہندوستان کا تصور تمہارے ذہن میں واقعی ہے؟ صحیح اور صاف تصور؟ تمہارے دماغ پر ہر وقت ہندوستان چھایا رہتا ہے پر تم کس طرح اُس کے بارے میں سوچتے ہو؟"

گورا نے لکھنا بند کر کے ایک منٹ غور سے نبوت کو دیکھا۔ پھر قلم رکھ دیا اور پیچھے کو ٹیک لگا کر بولا "جس طرح جہاز کا کپتان۔۔۔ سمندر میں ہو تو رہا ہے جس کام پر لگا ہو چاہے آرام کر رہا ہو اسے بندرگاہ کا ہمیشہ دھیان رہنا چاہئے۔۔۔ اس طرح ہندوستان میرے خیالوں پر چھایا رہتا ہے"

"اور تمہارا یہ ہندوستان ہے کہاں؟" نبوت نے مزید سوال کر دیا۔

"یہاں۔۔۔ جہاں میرا قطب نما ہر وقت چکر کھاتا رہتا ہے" گورا نے اپنے دل پر

بات کر کے جواب دیا۔ یہاں۔۔۔ تمہاری ہر شے کی تاریخ ہندوستان میں نہیں"

"اور وہ کوئی خاص بندرگاہ جس کی طرف تمہارا قطب نما ہمیشہ اشارہ کرتا رہتا ہے، نبوت نے

”یہی سچائی ہے۔ ضرور سچائی ہے۔“ گورا نے گرج کر کہا

”اور جو لوگ ہمدردی طرح نہیں سوچتے اُن کا کیا ہوگا“ بنوتے نے نرمی سے پوچھا۔

”ہم انہیں اس طرح سوچنا سکھائیں گے“ گورا نے منٹھی بچھ کر کہا ”یہ ہمارا کام ہے، اگر عوام کے سامنے سچائی کی حقیقی تصویر نہیں آئے گی تو کسی توہم کے پھندے میں پھنس جائیں گے، ہندوستان ناقابل شکست بٹ کو بلند رہے نقاب کر کے لوگوں کو دکھایا جلتے تو وہ تو ان کے دل دماغ پر چھا جاتے گا، پھر پھنسیں دروازے دروازے بھیک مانگنے کی ضرورت نہیں رہے گی، لوگ اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے ایک دوسرے کو ذکیلیں گے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کی کوشش کریں گے۔“

”اچھا تو پھر مجھے بھی اس بٹ کی زیارت کرواؤ ورنہ پھر میں اس اندھوں کی بھیڑ میں ملا جاتا ہوں جن کو کچھ نظر نہیں آتا“

”تم خود ہی کیوں نہیں دیکھتے۔ اگر تمہیں یقین ہو تو پھر اپنے ایمان کی مفہمی ہی میں ہمدردی لے مسرت ہے، یہ جو ہمارے غیشیں اسل محبان وطن ہیں۔ یہ کوئی ایمان اور یقین نہیں رکھتے یہی توجہ ہے کہ نہ خود جوش سے کوئی کام کر سکتے ہیں نہ دوسروں پر اثر ڈال کر کچھ جوش پیدا کر سکتے ہیں، میں کہتا ہوں کہ اگر خود بھی آتر آتے اور اُن کی کوئی خواہش پوری کرنے کا وعدہ کرے تو واسراے کے اردیوں کے جو چمکتا ہوا بلہ لگا رہتا ہے۔ اس سے آگے کچھ مانگنے کی توفیق ان لوگوں کو نہیں ہو سکتی۔“ اور چونکہ یقین کسی بات میں نہیں رکھتے اس لئے اُسید بھی کسی چیز کی نہیں کر پاتے۔“

”گورا۔۔۔ دیتا میں ہر ایک کی طبیعت یکساں نہیں ہوتی، انہیں ایک خاص چیز پر ایمان ہے، اس لئے تم اس ایمان کی قوت میں پناہ لے سکتے ہو اور یہی وجہ ہے کہ تم دوسروں کی ذہنی کیفیت کو نہیں سمجھ سکتے۔ میں تو تم سے صاف بات کہتا ہوں، مجھ سے کچھ کرنے کو کہو تو ضرور کروں گا وہ کچھ بھی ہو۔۔۔ رات دن مجھ سے کام و تو کروں گا لیکن بس جب تمہارے ساتھ

ہوتا ہوں تبھی ایسا لگتا ہے کہ ہاں کوئی چسبہ نہ ہے، پر جیسے ہی تم سے الگ ہوتا ہوں معلوم ہوتا کہ اب کوئی سہارا نہیں، کہیں کا ہاتھ پکڑوں اور کس خیال کو لپٹا رہوں۔

”تم کام کی بات کرتے ہو۔۔۔ سب سے بڑا کام تو اس وقت یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کی ہر مخصوص چیز کے متعلق لوگوں کو یقین دلانے میں لگ جائیں۔ اُن لوگوں کو جو ابھی تک نہیں مانے میں اور یہ یقین اُسی وقت دلایا جاسکتا ہے جب ہمیں خود بھی کسی قسم کی بھگچا ہٹ اور شک و شبہ نہ ہو۔۔۔ ہوتا یہ رہا ہے کہ ہم خود اپنے ملک کو اور اس کی خصوصیتوں کو باعثِ شگ سمجھتے رہے ہیں اور یہ عادت اس قدر بڑھ گئی ہے کہ احساسِ کمتری کا ہر ہماری رگ و پے میں سرایت کر کے ہمارے ذہنوں پر غالب آ گیا ہے۔ گرتے ہیں سے ہر ایک اپنی جگہ ایک مثال بن جاتے ہیں اس زہر کو توڑ سکے تو ہم بہت جلد یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ کس میدان میں کیا کام ہونا چاہیے۔ اور اس وقت تو بوربا ہے کہ اسکول میں جو تاریخ کی کتابیں ہیں وہ ہمیں بتاتی ہیں کہ اوروں نے کیا کیا تھا اور ہم بھی اندر دھند ہی کیسے لگتے ہیں۔ اسی نقالی کی حرکتوں سے بھدا ہم کیا دیں کی خدمت کر سکتے ہیں، صرف ذلت اور حقارت کے راستے پر چل سکتے ہیں۔“

یہی بات ہو رہی تھی جو موہم بابو ہاتھ میں حقہ چلتے مزے مزے میں چلتے ہوئے آہستہ آہستہ کمرے میں داخل ہوئے۔ اور وہ اسی وقت دفتر سے واپس آئے تھے۔ درناشتہ داشتہ کر کے پان حقے سے اپنا جی بھلاتے تھے، پھر اس پاس کے دوست احباب اُن کے پاس آ بیٹھتے اور اندر کمرے میں گھس کر ناش کی بازیاں چلنے لگیں۔ اُن کے اندر آتے ہی گورا اٹھ کھڑا ہوا اور وہ حقے کی کش لگاتے ہوئے بولے ”اسے ہندوستان بھر کو پکانے میں اتنا مصروف ہے، اپنے بھائی کو تو پہلے پکالیا ہوتا۔۔۔“

گورا نے سوا یہ انداز میں اُن کی طرف دیکھا۔

”وہ جو ہمارے دفتر کا بڑا صاحب ہے، وہ تو باقاعدہ ایک بدعاش ہے۔ صورت دیکھو تو بل ٹانگ کی سی، اور ہم بابوؤں کو تو بابوں کہتا ہے۔ اگر کسی کی ماں بھی مر جائے تو چھٹی نہیں دے گا،

کہے گا جھوٹ ہے، کسی ایک بنگالی بابو کو پہنے بھر پوری تنخواہ نہیں ملتی، جرمانے سے چھلنی ہو جاتی ہے، اخبار میں اس کے بارے میں کسی نے ایک گمنام خط لکھ مارا ہے اور وہ یہ سمجھ رہا ہے کہ یہ میری حرکت ہے۔ ویسے اس کا یہ خیال بالکل غلط بھی نہیں ہے تو اس نے دھمکی دی ہے کہ یا تو میں اپنے دستخط سے ایک خط لکھ کر دوں اور اس بات سے انکار کروں ورنہ وہ مجھ کو معطل کر دے گا۔ آپ دونوں جو یونیورسٹی کے دہکتے ہوئے ہیرے ہیں، آپ مہربانی فرما کر ایک اچھا سا خط میرے لئے لکھ دیجئے شائد ارہلوں میں کچھ ایسی باتیں ہونی چاہئیں جیسے انصاف اور برابری اور غریب پرہیزی اور عالی ظرفی وغیرہ وغیرہ۔

گورا چپ رہا لیکن نبوتے ہنسنے لگا "دادا۔۔۔ لیکن ایک ہی سانس میں اتنے بہت سے جھوٹ کیسے بولے جاسکتے ہیں"

"اینٹ کا جواب تو پتھر سے دینا ہی پڑے گا" موہم بابو بولے "میں ان صاحبوں کو خوب جانتا ہوں، ان کی کون سی بات مجھ سے چھپی ہوئی ہے، جھوٹ کا طوطا تو ایسا باندھتے ہیں کہ کیا تعریف کی جائے، ضرورت ہو تو پتھر کہیں رک نہیں سکتے، ان میں کوئی جھوٹ بولے تو باقی سب گیدڑوں کی طرح اس کے ساتھ چھینے لگیں گے ہم لوگوں کی طرح کھوڑا ہی ہے کہ نڈاری پر فخر کرتے ہیں۔ یاد رکھو ان بے ایمانوں کو دھوکہ دینے میں کوئی گناہ نہیں ہے بس اتنا محتاط رہو کہ پکڑے نہ جاؤ۔۔۔ اور وہ زور زور سے ہنسنے لگے۔ نبوتے بھی مسکراتا رہا۔

موہم بابو نے اپنی بات جاری رکھی "اور آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ ان کو چائی سے دایا۔۔۔ کیا بات ہے؟ اگر ایسے آپ کے دماغ نہ ہوتے تو کاہے کو آج اس ملک کی یہ گت بنتی ہوتی، آپ لوگوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ رات سمندر پار یہ مضبوط گوراجوری کرنے سے نہیں شرماتا اور اگر آج اُسے ڈاکہ ڈالنے ہوئے پکڑ لیں گے تو سر جھکا کر پانی پانی نہیں ہوگا بلکہ نہایت معصوم بن کر اٹھے آپ ہر کوئی گہرا مچانا شروع کر دے گا۔ ہے نہ یہی بات"

"سچ ہے" نبوتے نے کہا

”لو پھر۔۔۔ اس کے تو یہی معنی ہوئے کہ جھوٹ کا کھن کھوڑا سا ان کو مل دیا جائے کہ جناب عالی منصف ہیں اور پاک و پاکیزہ ہیں اور اپنے دستِ خزان سے کچھ ہم غریبوں کو بھی عنایت کیجئے“ زمین ہی پر پھینک دیجئے مگر کھینکتے تو یہی، شاید ہمارے حصے کی بھی کھوڑی سی ہمیں مل جائے اور پھر گڑ بڑ اور بد امنی بھی نہ ہو، غور کرو تو اصلی حب الوطنی یہی ہے۔۔۔ پر گورا تو مجھ سے ناراض ہو رہا ہو گا بل ہیں۔ جب سے یہ مذہبی ہو گیا تب سے مجھ بڑے بھائی کی بہت عزت کرنے لگا ہے اس لئے چپ ہے، ویسے میں جو یہ باتیں کہہ رہا ہوں یہ اس کو بزرگوں کے شایانِ شان تو نہیں معلوم ہو رہی ہو گی پر میں کروں بھی کیا جھوٹ کے بارے میں کبھی سچ تو کہوں گا ہی۔۔۔ اچھا خیر جو بھی ہے وہ خط تو آپ لوگوں کو لکھنا ہی ہے۔ ذرا کٹھرو میں نے وہ جو مسودہ بنایا ہے وہ لے آؤں۔۔۔ اور وہ زور زور سے حقے کی کش کھینچتے ہوئے چل دئے۔

گورا نے مڑ کر جلدی سے نبوئے سے کہا ”بینو یار تم وہیں چے جاؤ دادا کے کمرے میں اور ذرا ان کو خاموش رکھنا، میں اتنا سا اور لکھ لوں۔“

پانچواں باب

انند موئی نے اپنے شوہر کے پوجا والے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا "سنتے ہو۔۔۔ میں
 یہیں آ رہی گھبراؤست لیکن پوجا ختم کر لو تو تم سے ایک بات کہنی ہے۔ اب یہ سنتے سنیا ہی
 تم نے دریافت کئے ہیں تو مدتوں تمھاری صورت نظر نہیں آئے گی، بس لئے میں یہاں
 لی۔۔۔ پوجا ختم کر لو تو ایک منٹ میرے پاس آ کے سُن جانا۔۔۔ بھو لنا نہیں"۔
 کہہ کر وہ پھر گھر کے کاموں میں لگ گئیں۔

کرشن دیال بالو کا رنگ گہرا سا ٹولا تھا، قد زیادہ لات بہ نہیں اور جسم دوسرا۔ ناک نقشے
 میں سب سے زیادہ نمایاں اُن کی آنکھیں تھیں کیونکہ ہاتی سارا ہی چہرہ گھنی سفید داڑھی اور
 دیشیوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ سادھیروں کی طرح وہ گیر و لباس اور لکڑی کی کھڑاویں پہنتے
 تھے، ہاتھ میں سادھیروں کی ہی طرح پتل کا لوٹا، سامنے پیشانی پر سے بال اڑے ہوئے تھے
 تین باقی بال کندھے تک لمبی لمبی جٹاؤں میں پڑے رہتے تھے۔

ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب وہ اپنے کام اور نوکری کے سلسلے میں اُتری دیشیوں
 میں تھے اور رجمنٹ کے سپاہیوں کے ساتھ جی بھر کر منیجمنٹ کا گوشت کھاتے اور شرابی
 بیا کرتے تھے۔ ان دنوں وہ ایسے بڑی اخلاقی ہمت سمجھتے تھے کہ سادھیو سنیا سیوں اور مذہبی
 لوگوں کے کہے کے خلاف کیا جاتے لیکن اب تو جس چیز سے مذہبیت اور پُرائیت کی بُو آئے
 وہی اُن کا ایمان تھی سنیا سی کر لی نظر پڑا نہیں کہ وہ اس کے پاؤں کے نزدیک پسر گئے کہ
 شاید وہ انھیں کوئی مذہبی درس سکھا دے۔ بجات اور بخشش کے لئے کوئی شارٹ کٹ
 دریافت کرنے کی خواہش اُن کے دل میں کہوس کی حد تک سما چکی تھی رُوحانی قوت حاصل کرنے کی

منتابے انتہا اور بے حساب شدت کے ساتھ اُن پر چھائی ہوئی تھی، ویسے تو وہ تانترک کے سبق سیکر ہی رہے تھے لیکن حال ہی میں ایک بڑھ بھکٹو نے جانے کہاں سے اُن کے ساتھ لگ گیا جس نے اُن کے دماغ کو پھر گڑبڑا کے دھردیا۔ اپنی پہلی بیوی کے انتقال کے وقت اُنکی عمر صرف تیس سال کی تھی، جس بچے کی پیدائش ماں کی موت کا سبب بنی، اس کو وہ دیکھ نہ سکے اور وہ بچے کو اسے نانا کے حوالے کر کے دنیا چھوڑ دینے کا سو دا ستر ہیں لئے شکل کھڑے ہوئے۔
جھ تہمت کیے، اندر اندر انہوں نے اندھونی سے شادی کر لی جو بنا س کے ایک زبردست پنڈت کی یتیم بیٹی تھیں۔

اُتری دیش میں پہنچ کر انہوں نے ایک سرکاری نوکری حاصل کر لی اور طرح طرح کے سینٹرے بدل کر پتے افسروں کو اپنے اوپر نہایت ہر بان کر لیا۔ جب اُن کی بیوی کے نام کا انتقال ہو گیا تو مجبوراً اُن کو اپنی بیوی کے ساتھ بے جا کر رکھنا پڑا کیونکہ دوسرا کوئی بزرگ نہ تھا۔
اسی درمیان ستارن کا غدر ہو گیا۔ ار کرشن دیال، جو کو چند موافق انگریزوں کو بچانے کے ملے۔ انہوں نے ان سے پورا فائدہ اٹھایا، عزت بھی پائی، زر زمین جائداد بھی۔ غدر فرو ہونے کے فوراً ہی پھر انہوں نے نوکری چھوڑ دی اور نئے گورا کو بے کر بنایا میں رہنے لگے۔ جب گورا پاچھ سال کا ہو تو وہ کلکتہ گئے اور اپنے بڑے بچے موہم کو بھی اس کے ماموں کے یہاں سے لے آئے اس کی خدمت وغیرہ کا بندوبست کیا، اب موہم کو بھی اپنے باپ کے رشتہ کی وجہ سے سرکاری خزانے میں نوکری مل گئی تھی جہاں وہ محنت سے کام کر رہا تھا۔

گور بھجن ہی سے پڑوس اور سکوں کے بچوں کا لیڈر تھا۔ اس کا مخصوص کام یہ تھا کہ اپنے ٹھہروں کی جان واپس میں کئے رہے۔ اور ہر اجوا توڑ کوں کے "قومی کلب" میں گانے وغیرہ گائے ہیں سب سے آگے ہو گئے، اندری میں بیکچر دینے لگا اور ننھے نقلابیوں کے ایک منظم گروہ کا رہنما تسلیم کر لیا گیا پھر جب وہ لب علموں کے کلب کے نڈے سے نکلا تو اور پیر کپیل نے شروع کیے، بڑی بڑی سٹینوں میں اس کی پکار سُنی دینے لگی۔ — تب کرشن دیال بالبو کو بڑا مزہ لے لگا۔

البتہ ان میں ایک پنڈت تھ جس کے لئے گورا کے دل میں عزت پیدا ہونی شروع ہوئی
اُن کا نام ویدیا گیش تھا اور کیشن دیاں نے اُن کو ویدانت کا فلسفہ پڑھانے کے لئے بلایا تھا
پہلے تو گورا نے یہ کوشش کی کہ گستاخی کر کے اُن کو بھی ٹر خائے لیکن بہت جلد وہ ہسپا ہوا
شروع ہوا اور اس کو یہ پتہ چلا کہ پنڈت جی نہ صرف نہایت درجے عالم فاضل بلکہ اُن کی عجیب
غریب روشن خیالی نے بھی گورا کو بھی متاثر کیا۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی تھا کہ کوئی شخص جو صرف
سمنکرت پڑھا ہوا ہو وہ اس قدر تیز اور ذہین بھی ہو سکتا ہے ویدیا گیش جی کے مزاج میں ایسی
جوتی قوت، گہرائی اور کھل تھا کہ گورا اُن کے حضور میں بردباری سے کام لینے پر مجبور ہو گیا
اس نے اُن کے ساتھ ویدانت کے فلسفہ کا مطالعہ کرنا شروع کیا اور چونکہ وہ طبیعتاً کسی کا
گورا دھورا نہیں چھوڑتا تھا لہذا پوری توجہ کے ساتھ اس میں غرق ہو گیا۔ ادھر یہ ہوا اور اُن
اخباروں میں کسی انگریز مشنری نے ایک بحث چھیڑ دی جس میں ہندو مذہب اور ہندو سماج
حملے کے مباحثہ اور مناظرہ کی دعوت دی گئی تھی۔ گورا ایک ایک بھڑک اٹھا۔ ویسے آ
اُسے ہر وقت یہ دھن لگی رہتی تھی کہ رسموں اور مذہبی چیزوں پر حملہ کر کے اپنے مخالفین
ناک میں دم کئے رہے اور اب تو ایک بدیشی مشنری نے جو ہندو مذہب پر حملے کئے تو بویا کسی
بھڑکے چھتے کو چھیڑ دیا۔ لہذا وہ کمر بستہ میدان میں کود پڑا اور جوابی حملے شروع ہو گئے مخالف
پارٹی نے ہندوؤں پر جو الزامات لگائے تھے اُن میں سے کسی کو بھی تسلیم کرنے سے اُس
انکار کر دیا۔ ادھر اور ادھر سے بہت سے خطوط منکھنے کے بعد ایڈیٹر نے اُس بحث کو رد کر دیا۔
لیکن گورا اب پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ اُس نے ”ہندو ازم“ پر ایک کتاب
انگریزی میں لکھنی شروع کی جس میں اُس نے نہایت مشقت اور تحقیق کے ساتھ دیسیوں، وہ حوالوں
کہ ذریعہ ہندو مذہب اور ہندو سماج کی بے واسطہ برتری کو ثابت کیا۔ انجام کار وہ خوب بھی اپنی دلیل
سے ہو گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ ”ہمیں اس بات سے قنطاری انکار کرنا چاہیے کہ ہمارا ملک کس بیرونی
البتہ کے سامنے کھڑا ہو کوئی باہری قانون ہمیں صحیح اور غلط کا راستہ بھانسنے کی ہدایت دے گا۔“

ہم اپنی عزت یا ذلت کو کیوں ناپیں، جس ملک میں ہم پیدا ہوئے اس کے متعلق ہمارے ذہن میں احساس کمتری کس لئے؟ یہاں کی روایتیں، یہاں کا مذہب، یہاں کی کتابیں، قانون — ان سب کے متعلق سوچتے ہوئے ہم چھوٹا کیوں محسوس کریں؟ — مادرِ وطن نے جو بوجھ ہمارے کندھوں پر رکھا ہے اُسے مردانہ وار اٹھانا ہمارا فرض ہے۔ اور اسی طرح ہم اپنے آپ کو ذلت سے بچا سکتے ہیں اور اپنے ملک کو نجات دلا سکتے ہیں — اپنی پوری قوت پورے فخر کے ساتھ اپنے فرائض کو ہمیں پورا کرنا ہی ہوگا۔

ان خیالات کو دل و دماغ میں جگہ دینے کے ساتھ ساتھ گورا نے روزانہ صبح شام پوچھا بھی کرنی شروع کر دی اور باقاعدہ گنگا میں نہانے لگا۔ کھانے پینے اور چھوٹے چھانے میں بھی احتیاط برتنے لگا، یہاں تک اس نے چوٹی بھی بڑھا دی — روز صبح ماں باپ کے ہیروں کی دُھول لیتا — پہلے مہم دادا کو ”دھونسیا“ اور ”چنٹ“ کہتے ہیں بھی اس کو تال نہ ہوتا تھا، اب وہ کمرے میں آتے تو اٹھ کر ان کے آگے ہاتھ جوڑتا۔ اور سر جھکاتا، مہم اس بیکار عجبیب و غریب تبدیلی پر طعنہ بھی دے دیتا تو بھی گورا اُلٹ کر بھی جواب نہ دیتا۔

اس زبان اور تحریر پر چارہ اور اپنی ذاتی مثال کی وجہ سے گورا نے بہت جلد اپنے چاروں طرف جیشیلے نوجوانوں کا ایک بڑا سا گروہ اکٹھا کر لیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مخالفت سمت سے جو حملہ ان لوگوں پر کیا جانا تھا اُس کا جو کچھ دباؤ ان کی طبیعتوں پر ہوتا تھا وہ سب گورا کی باتوں سے دور ہو جاتا تھا جس سے ان کو اطمینان ہو جاتا تھا کہ ”ہم بُرے ہوں یا اچھے“ دوسرے ہم کو جوشی سمجھیں یا ہڈب لیکن جب تک ہم ہیں اس وقت تک کوئی مصلحت نہیں“

عجبیب بات یہ تھی کہ گورا کی تبدیلی سے کرشن دیال بابو بالکل خوش نہ تھے۔ بلکہ ایک دن تو انہوں نے گورا کو اپنے پاس بلا کر کہا ”دیکھو بیٹا، ہندو دھرم بڑی نازک چیز ہے۔ رشتیوں کے قائم کئے ہوئے ہیں اس پاک و پاکیزہ مذہب کی گہرائیوں تک پہنچنا ہر کسی کے بس کی

بات نہیں ہے۔ اس لئے اگر بات پوری طرح سمجھ میں نہ آنے والی ہو تو بہتر یہی ہے کہ اس میں الجھنا نہ جائے تمھارا ذہن ابھی پختہ نہیں ہے اور پھر تمھاری ساری تعلیم انگریزی میں ہوئی ہے، تم جو شروع میں برہمن سماج کی طرف ٹھکے تھے وہ میرے خیال میں تمھاری طبیعت اور دماغ کیلئے زیادہ موزوں تھا، اس لئے مجھے تمھارے اس رجحان پر کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی بلکہ سچ پوچھو تو میں خوش ہوا تھا، — لیکن اب جس رستے پر تم چل رہے ہو یہ تمھارا راستہ نہیں ہے، مجھے ڈر ہے کہ بات بنے گی نہیں۔“

”یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں بابو جی“ گورا نے احتجاج کیا ”کیا میں ہندو نہیں ہوں؟ اگر ہندو دھرم کی گہرائیاں آج میری سمجھ میں نہیں آتیں تو کل آتیں گی۔ اگر کس طور پر ہیں اُسے نہ بھی سمجھ پایا تو بھی میرے لئے راستہ یہی ہے میں نے اپنے کچھلے کسی ہندو جنم میں کچھ پن کیا ہو گا جو میں اس بار برہمن پیدا ہوا اور اسی طرح ہندو دھرم اور سماج میں بار بار جنم لے کر میں آخری منزل پر پہنچ جاؤں گا۔ اگر غلطی سے میں اپنے راستے سے بھٹک گیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ مجھے سارے راستے کو دہرا نا پڑے گا۔“

لیکن کرشن دیال سر ہلاتے رہے اور کہتے رہے ”لیکن میرا بچہ، اپنے آپ کو ہندو کہنے سے کوئی ہندو ہو نہیں جاتا۔ مسلمان ہو جانا آسان ہے، عیسائی ہو جانا اس سے بھی آسان ہے۔ لیکن ہندو! بھگوان، — وہ تو بالکل اور ہی بات ہے۔“

”جی ہاں سچ ہے“ گورا نے کہا ”لیکن چونکہ میں ہندو پیدا ہوا ہوں اس لئے چوکھٹ تو سمجھنے کہ پاری کر گیا۔ اب یہی ہے کہ ٹھیک رستے پر پاؤں بڑھاتا رہوں تو اب ترقی بھی کر جاؤں گا۔“

کرشن دیال بابو بولے ”مجھے ڈر ہے کہ میں تمہیں اپنی دلیلوں سے قائل نہیں کر سکتا، جو تم کہتے ہو وہ اپنی طور پر ٹھیک ہے، تمھارا جو اہل مذہب ہے — تمھارے کرموں کے مطابق — تو دیر ہو یا سویر تمہیں وہاں ہی پہنچنا ہو گا، کون تمھارا راستہ روک سکتا ہے،

جیسی بھگوان کی اچھا ہوگی وہ تو پوری ہی ہوگی۔۔۔ ہم سب اس کے ہاتھ میں ہیں!“
 کرشن دیال، بابو متفاد چیزوں کو بھی ایک طرح سے تسلیم کر لیتے تھے، کرموں کی کٹیوری
 بھی اور بھگوان پر بھروسہ بھی، بھگوان اور انسان کا میل بھی اور بھگوان کی پوجا اور عظمت
 بھی۔۔۔ ان چیزوں میں کوئی تضاد تھا یا اس تضاد کے درمیان کوئی مطابقت کا راستہ
 ڈھونڈھنے کی ضرورت تھی، ان باتوں کو سوچتے ہیں وہ بیکار اپنا دماغ کبھی نہیں کھپاتے تھے۔

————— (۲) —————

چھٹا باب

کرشن دیال بابو کو اپنی بیوی کی درخواست یاد تھی۔ تھا کر کھانا کھانے کے بعد روتے
انند موئی کے کمرے میں گئے بہت دنوں بعد وہ آج اس کمرے میں آتے تھے۔ کھنوں نے
اپنی چٹائی بغل میں سے نکال کر ایک طرف کو بچھائی اور اس پر اس طرح تن کر بیٹھے جیسے چاروں
طرف کے ماحول سے رامن بچار ہے ہوں۔

انند موئی نے بات شروع کی ”آپ تو اب سنی رشی ہونے جا رہے ہیں اس لئے آپ کو گھر
کے معاملات کی کیا پروا ہے لیکن میں تو گورا کے بارے میں سوچ سوچ کر مری جاتی ہوں۔
”کیوں؟ اس میں پریشانی کی کیا بات ہے“ کرشن دیال نے پوچھا

”اب میں ٹھیک ٹھیک تو کہا بتاؤں کہ کیا بات ہے“ انند موئی نے جواب دیا ”لیکن میرا
خیال ہے کہ گورا کا ہندو دھرم اگر اس وقت سے چلتا رہا تو کہاں کٹھرے گا۔۔۔ کوئی نہ کوئی
مصیبت آئے گی ضرور۔۔۔ میں نے تمہیں پہلے ہی کہا کہ اس کو جینو نہ پہن دے لیکن
ان دنوں تم بھی ان باتوں کی کوئی غامض برداشتیں کرتے تھے اور تم نے مجھے اب دیا۔۔۔
یہ سب کچھ سے ہوتا ہی کیا ہے کون سی بات دھرم کی آواز ہو جاتے گی۔۔۔ اب دیکھو کہ
اس دھماکے سے کیا مصیبت آئے گی اب اس جگہ حد بند کی ضرورت ہے کہیں روک دے؟“

”ارے ہاں سب تصور تو میرا ہی ہے“ کرشن دیال بڑبڑاتے لگے ”لیکن سنی دھرم کسا
تمہاری نہیں ہے؟ تمہیں اس کو چھوڑنے پر کسی طرح راضی نہیں ہوتیں۔۔۔ اس زمانے
میں میرا بھی دماغ غراب تھا، دھرم کا کچھ مجھ کو خیال نہیں تھا، آج تو میں ایسی حرکت کرنے کو
سوچ بھی نہیں سکتا“

”اب تم جو کچھ بھی کہو لیکن میں تو کبھی نہیں مان سکتی کہ میں نے کوئی غلطی کی ہے۔“

انند موئی نے شوہر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حجاب دیا۔ ہتھیں یاد ہو گا کہ میں نے بچہ پیدا کرنے کی کوشش میں کچھ اٹھا نہیں رکھا، جس کسی نے بھی کچھ کہا وہ کیا، کتنے منتر پڑھے، کتنے گنڈے باندھے، پھر ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک ٹوکری بھر کے سفید بھول بھگوان پر چڑھاتے لے جا رہی ہوں اور بھول بیک ایک غائب ہو گئے اور ان کی جگہ ایک بچہ ٹوکری میں پڑا ہوا تھا جس کا رنگ سفید تھا۔ اب میں ہتھیں کیا بتاؤں کہ اُس وقت مجھ پر کیا گزری، میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے، جھپٹ کر بچے کو اپنے کھجے میں دبا لینا ہی چاہتی تھی کہ آنکھ کھل گئی، اور اسی کے دس روز بعد گور، مجھے ملا۔ یہ بھگوان کی دین تھی، پھر میں کیسے اُسے کسی اور کو دیتی، کسی جہنم میں ضرور میں نے اُسے اپنی کوکھ میں رکھا ہو گا، دیکھ سہہ کر پیدا کیا ہو گا، ابھی تو وہ مجھے ”ماں“ کہتا ہے۔ سوچو تو کہ کس عجیب و غریب طریقے سے وہ ہم لوگوں کو ملا۔ وہ آدھی رات کا سماں۔ چاروں طرف وہ خون خسران، قتل و غارت، ہمیں اپنی ہی کی پڑی تھی کہ وہ انگریز عورت ہمارے یہاں گھس آئی، ہمارے گھر میں پناہ لینے، تم تو اُسے چھپانے سے ڈر رہے تھے مگر میں نے اُسے گاتے کے باڑے میں بنا کر دیا اور ہتھیں پتہ بھی نہ چلا، اسی رات کو وہ ایک بیٹے کو جنم دے کر مر گئی۔ اگر میں اس یتیم اور بے بس بچے کو نہ بچاتی تو وہ کیسے زندہ رہتا۔ تم کو تو کوئی پروا نہ تھی، تم تو اُسے کسی پادری کے حوالے کر دینا چاہتے، ہمیں اُسے کیوں پادری کو دیتی، پادری اُس کا کون لےتا تھا؟ کیا اُس نے اُس بچے کی جان بچائی تھی؟ اس طرح بچے کا بننا کچھ خود اُس کو جنم دینا۔ کم خوشی کی بات نہ تھی، تم کچھ بھی کہتے رہے لیکن بھگوان نہ کرے جس نے سب کچھ کیا ہے، جب تک وہی اُس کو مجھ سے نہ چھڑا دے تب تک میں خود سے تو اُسے نہیں چھوڑ سکتی۔

”کسی کو روں گی۔“

”ارے یہ سب کیا میں نہیں جانتا، کرشن دیال نے کہا، ”بہر حال تم جانو اور بھارا گورا

جانے میں نے تو پہلے بھی کبھی دغل دینے کی کوشش نہیں کی اور جینیئر کی رسم جو میں نے کی تو وہ تو اس لئے کہ ہم لوگ اُسے اپنا بیٹا ظاہر کرتے تھے اور اس طرح سماج میں تو یہ بہت اداہی کی جانی چاہتے تھے، اب تو صرف دو سوال طے ہونے باقی ہیں، قانونی حیثیت سے میرے سارے مال کا حقدار موہم ہے اور اس لئے

”کون تمھاری جائداد میں حصہ بٹانا چاہتا ہے؟ آئندہ مولیٰ نے بیچ میں بہت کالی تم اپنی ساری کمائی موہم کو دیے دو گور ایک پیسے کا طالب نہ ہوگا، مرد ہے، اچھی تعلیم پائی ہے اس نے، کیا اپنی روزی کما نہیں سکتا۔ دوسرے کی دولت پر وہ کیوں دانت لگائے گا؟ اور جہاں تک میرا سوال ہے، میرے لئے تو بس اتنا ہی بہت ہے کہ وہ جیتا رہے، مجھے اور کوئی دولت نہیں چاہتے“

نہیں بھائی یہ بات نہیں ہے کہ میں اس کے لئے ایک کوڑی بھی نہیں دینا چاہتا، کرشن دیال ذرا ناراض ہو کر بولے ”وہ زمین ہے نہ جو مجھے ملی تھی، اُس سے ایک ہزار سا مانہ کی آمدنی ہے۔ اصل پیچیدہ سوال تو اس کی شادی کا ہے۔ جو ہوا سو ہوا پر میں اب اس سے آگے جا کر یہ نہیں کر سکتا کہ اس کی شادی بھی ہندو ریت کے مطابق کسی برہمن خاندان میں کروں۔ اب تمھیں بُرا لگے یا اچھا لگے“

”تو تم سمجھتے ہو کہ میں تمھاری طرح چاروں طرف گنگا کا پانی نہیں چھڑکتی پھرئی تو اس کے معنی یہ ہیں کہ میرا ضمیر بھی مر گیا ہے۔ میں کیوں اس کی شادی برہمن خاندان میں کروں گی یا برہمنوں میں اس کی شادی نہ ہونے پر بُرا کیوں مانوں گی؟ یہ تو واقعہ ہے کہ وہ پیدا آئی برہمن نہیں ہے“

”کیوں مگر تم تو برہمن کی بیٹی ہو؟“

”ہاں ہوں تو پھر کیا؟ میں تو مدتیں گزریں اپنی ذات پر اترا نا چھوڑ دیا ہے۔ اب موہم کی شادی پر ہی دیکھو کہ برادری والوں نے میری غیر مذہبی حرکتوں پر سنہ بنایا تو میں نے کچھ نہیں کہا سنا، بس فاسٹی سے ایک طرف کو ہو گئی، سب ہی مجھ کو عیسائی کہتے ہیں اور جو منہ میں آتا ہے

وہ کہتے رہتے ہیں! میں سب کچھ سنس کرناں دیتی ہوں اور میرے پاس تو بس یہی جواب ہے کہ کیا عیسائی لوگ انسان نہیں ہوتے؟ کیا ان کو بھگوان نے نہیں پیدا کیا اور آپ لوگ ایسے ہی بھگوان کے پیارے کہتے تو بھگوان نے کیوں آپ سے مہی میں ناک رگڑوائی، پہلے پٹھانوں کے سامنے، پھر مغلوں کے سامنے، اور اب عیسائیوں کے سامنے؟

کرشن دیال نے کچھ عاجز ہو کر پہلو بدلا "افوہ۔۔۔ یہ تو بڑی لمبی اور پرانی بات ہے تم عورت ہو تمہاری سمجھ میں بات نہیں آسکتی، لیکن اتنا تو تم بھی سمجھ سکتی ہو کہ دنیا میں ایک چیز ہوتی ہے سماج اور اس کا خیال تو کرنا ہی پڑتا ہے۔"

آنند موئی بولیں "میں اس سب در دسری میں نہیں پڑتی ہوں لیکن اتنا میں جانتی ہوں کہ بچپن سے گورا کو اپنے بچوں کی طرح پالنے کے ان باب جو ہیں بڑی دھرماتما بن جاتے تو سو سائٹی تو جو ناک بھوں چڑھائے گی سو چڑھائے گی، یہ انتہیر جو تجھے ملاست کرے گا۔ میں تو سچے دھرم کے ہی ڈر سے کبھی کوئی بات چھپاتی نہیں اور ہر ایک کو معلوم ہے کہ میں مذہبی احکامات کو نہیں مانتی ہوں، اور جو کچھ لوگ مجھ کو کہتے ہیں اُسے سہر کے ساتھ برداشت کرتی ہوں۔۔۔ ایک بات البتہ ہے جو ابھی تک راز ہے! اور اس کے لئے مجھے ڈر لگتا ہے کہ بھگوان مجھ سے جواب طلب کرے گا۔۔۔ دیکھو! میں سوچتی ہوں اب میں گورا کو سب کچھ صاف صاف بتا دینا چاہیے، جو ہو گا سو دیکھا جائے گا۔"

"نہیں نہیں" کرشن دیال اس تجویز پر بے حد پریشان ہوتے "ایسا کرنا اچھی بات ہے جب تک میں زندہ ہوں تب تک تو ہرگز نہ کرنا۔ تم گورا کے مزاج سے واقف ہو، اگر ایک بار اس کو سچ بات معلوم ہو گئی تو کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کیا کر بیٹھے، پھر سارے سماج میں ہم لوگ نکتہ بنیں گے، صرف میں نہیں بلکہ گورنمنٹ بھی ہم لوگوں کو پریشان کرے گی۔ دیے یہ بات تو سچ ہے کہ گورا کا باپ غدر میں مارا گیا اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اس کی ماں بھی مگنی لیکن غدر فرو ہونے کے بعد ہم کو بحسٹریٹ کے یہاں اطلاع دینی چاہیے تھی، ایک بار اس بیڑ کے چھتے کو

چھبڑیں گے تو میری ساری مذہبی ریاضت تو خاک میں مل ہی جائے گی اور کبھی نہ جانے کیا کیا آفت آئے؟

آنند موئی چپ ہو گئیں! کرشن دیال ذرا رک رک کے بولے ”اور گورا کی شادی کے لئے میں نے یہ سوچا ہے کہ ایک صاحب میرے ساتھ پڑھتے تھے، پارٹیشن بکھٹہ پار یہ — وہ ابھی اسکول انسپکٹری ریٹائر ہو کر یہاں کلکتہ ہی میں بس گئے ہیں، — وہ پکے برہمن ہیں اور میں نے سنا ہے کہ ان کے گھر میں کئی لڑکیاں شادی کے لائق ہیں، اگر تم کسی طرح گورا کو گھسیٹ کر اس خاندان سے بچڑا سکیں تو دو چار بار جانے کے بعد وہ غالباً کسی لڑکی کو پسند کرے گا۔ اور پھر تو بڑی آسانی سے سب معاملہ کامیاب کر کے حوالے کیا جاسکتا ہے۔“

”کیا کہتے ہو؟ گورا اور برہمنوں کا جگہ کرنا! وہ دن اب اس کے لئے گزر گئے۔“

وہ ابھی یہ کہہ ہی رہی تھیں کہ خود گورا آموچہ دہوا، اپنی گرجتی ہوئی آواز میں پکارتا ”ماں“ — باپ کو وہاں بیٹھے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا اور ذرا جھجکا، ”آنند موئی جلدی سے اٹھ کر گئیں اور محبت سے بولیں“ کیا میرا بچہ۔ مجھ سے کوئی کام ہے۔“

”ایسا ضروری کام نہیں ہے ماں۔ ٹھہرتا ہوں“ یہ کہہ کر گورا جانے کے لئے مڑا، پتر کرشن دیال بابو نے اسے روک لیا ”ایک منٹ ٹھہرو گورا۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ میرا ایک بہنوئی دوست ہیں جو ابھی کلکتہ سے آئے ہیں اور سیڈن اسٹریٹ پر رہتے ہیں۔“

”کیا پارٹیشن بابو تو نہیں؟“ گورا نے پوچھا

”تم ان کو کیسے جانتے ہو؟ کرشن دیال بابو نے تعجب سے پوچھا

”بیوی سے ان لوگوں کا ذکر سنا، وہ قریب ہی رہتا ہے نہ۔“

”اچھا — تو میں چاہتا ہوں کہ تم ضرور ان کے یہاں چلے جاتے اور خبر پوچھ آتے۔“

گورا ذرا سا ہچکچایا جیسے دل ہی دل میں کوئی بات تول رہا ہو پھر بولا ”جی اچھا“

”سب سے پہلے یہی کروں گا۔ — ہو آؤں گا۔ —“

اندھ موی کو بھی تعجب ہوا کہ گورا اتنی جلدی کیسے راضی ہو گیا۔۔۔ لیکن ایک ہی منٹ بعد گورا نے کہا ”دیکھئے۔۔۔ میں بھول گیا تھا، کل تو نہیں جاسکوں گا۔“

”کیوں نہیں“ کرشن دیال نے پوچھا

”کل مجھے تربیتی جانا ہے“

”اور کوئی جگہ بھی نہیں۔۔۔ تربیتی!“ کرشن دیال نے حیرت سے کہا

”کل سوہتہ گریہن کا استنار ہے“ گورا نے آہستہ سے جواب دیا

”تو تو مجھے حیرت میں ڈال دیتا ہے بیٹا“ آندھ موی بولیں ”یہاں کلکتہ میں گنگا بہہ رہی ہے

یہاں نہیں نہا سکتا جو اتنی دور تربیتی جائے گا۔۔۔ تو نے تو دھرم کی حد کر دی“

گورا نے کوئی جواب نہیں دیا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

گورا نے اس لئے تربیتی میں استنار کرنے کا فیصلہ کیا تھا کہ وہاں بہت سے یاتری

آئیں گے، اور گورا چاہتا تھا کہ اپنے کچھلے خیالات کو اپنے ذہن سے بالکل نکال پھینکے، اپنے ملک

کے عام رہنے والوں میں اس طرح گھس مل جائے کہ سچے دل سے اُن سے کہہ سکے۔

من تو شدم تو من مشدی!

پریش بابو بات بنانے کے لئے بیچ میں بولے ”میں نے سنا ہے کہ اسی دن سنیٹس تمہارے یہاں آیا تھا۔ مجھے پڑ ہے کہ ان حضرات نے تمہیں بہت عاجز کیا ہوگا یہ اتنی بک بک کرتا ہے کہ اس کی بہن نے تو اس کا نام میاں کتر کتر رکھ دیا ہے“

”ارے صاحب مکنے پر آتا ہوں تو میں بھی خوب بکتا ہوں“ نبوتے نے کہا ”اس لئے ہماری خوب بیٹھتی ہے۔۔۔ ہے سنیٹس؟“

سنیٹس نے اپنے سوالات جاری رکھے اور نبوتے اُن کا جواب دیتا رہا لیکن پریش بابو نے بہت کم بات کی۔ وہ بس خوش ہو کر شکر اُتاتے اور ایک آدھ لفظ یہاں وہاں کہہ دیتے۔ چلتے وقت انہوں نے کہا کہ ”ہمارے گھر کا نمبر آٹھ ستر ہے، دروازہ اسی طرف مڑ کر بس سیدھی سڑک ہے“

”یہ تو ہمارا گھر جانتے ہیں“ سنیٹس نے بات کاٹی ”اس دن میرے ساتھ دروازے تک گئے تھے“ اس میں شرمانے کی کوئی بات نہ تھی پھر بھی نبوتے ایسا جھینپ گیا جیسے چوری کر کے پکڑا گیا ہو!

”تو پھر تم تو ہمارا مکان جانتے ہی ہو!۔۔۔ اگر کبھی ادھر سے۔۔۔“

”جی کہنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ میں۔۔۔ اگر کبھی ادھر سے۔۔۔“ نبوتے نے ٹرک کے کہا

”دیکھو ہم لوگ اتنے قریبی پڑوسی ہیں“ پریش بابو اُٹھتے ہوئے بولے ”لیکن کھلتے ہیں رہنے کا یہ اثر ہے کہ اتنے دنوں تک ایک دوسرے کو جانا بھی نہیں۔“

نبوتے نے اپنے ہاتھوں کو گلی تک پہنچایا، دروازے پر فدا اڑتا رہا اور دیکھتا رہا۔۔۔

پاریش بابو پیڑی ٹھیکتے آہستہ آہستہ چلے جا رہے تھے، اور سنیٹس مسلسل ستر کر رہا تھا، اُن کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا، نبوتے نے دل میں سوچا۔ پاریش بابو سا بزرگ میں نے کبھی نہیں دیکھا، ایسا جی چاہتا ہے کہ اس کے پاؤں کی دھول بنے ماسٹر، اس کی اسٹیش کتنا پیارا بچہ ہے، بڑا ہو کر بہت اچھا آدمی بنے گا، جتنا زمین بنے گا، اس کے پاس اتنا پیسہ ہو گا، کو بھی ہے“

وہیے پادشہ بابو جیتنے چھتے بزرگ رہے ہیں اور ستیش جتنا ذہین اور پیارا بچہ رہا ہو لیکن
 بنگالک اتنی محبت ہو جانے کی صرت یہی وجہیں تھیں۔ بات یہ ہے کہ نبوت کے دل میں اس
 وقت کچھ کیفیت تھی اسی تھی کہ اتنی ملاقات ہی بخت کی پیاس پیدا کرو بنے کے لئے کافی
 تھی۔ ”بہاؤ مجھے پادشہ بابو کے بہاں مانا ہی ہو گا ورنہ بد تہذیبی ہو جائے گی“ نبوت
 نے سوچا مین گورا کی ماری کا ہندوستان اس کا رستہ روکے کھر تھا۔ خبر در در۔۔۔ تو
 وہاں نہیں بے گنا، تو وہاں نرم بھی نہیں رکھے گا۔۔۔

نبوت سے ایک ایک دم پر اس ہندوستان کے منہ کر کے اور روکنے پر سہیلہ جیہ کا یا تھا،
 شک کہ در سبب اس بوئے زریعہ ہوئے تھے پھر بھی وہ دانت لوگیر تھی۔۔۔ لیکن اب اس کے
 صبر اور روش سے ایک بد وقت کی نصیب اٹھ رہی تھی، کیونکہ آج ہندوستان کا یہ تصور ایک
 بہادر و ہر مان ہے۔

لو کر سنے اگر دن داکہ نہ میا ہونے کی اصلاح وہی مینا ہوئے ابھی تک نہ پایا بھی نہیں تھی
 رہا رہی تھی اس نے سر پر لڑکر کو منہ کر لیا ”آج کل ہر کس کا دل کا۔۔۔ یہ ہے
 یہ کہ نہ مت۔۔۔ یہ کہ نہ ہے یہ نہ ہو کہ نہ ہے بغیر اس سے بچ رہی تھی وہ بہرہ میں نہیں کر
 آئے وہ سید و سار کے کھر چلے کیونکہ اسے علوم خا کہ ٹھیک ہر دیکھ گورا ہر سٹ اسٹ پیٹ چاہا تھا
 بہاں اس کا دفتر ہے۔۔۔ ”بند و مجتہان وطن“ کا دفتر۔۔۔ اور وہ وہاں بیٹھ کر سہیلہ جیہ
 اپنے ماری کے اُن ممبروں کو تو شیعہ خبر لکھتا جو بنگال بھر میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہیں اس کے
 نام معتقدین تھے ہوئے تھے اس کے، کائنات کے منتظر رہتے تھے اور اس کی ہر خبر ہوش
 بجالانا اپنے لئے قابلِ فخر بات سمجھتے تھے۔

بہاؤ نے۔۔۔ نہ سوچا نہ گورا حسب دستور دفتر چکا تھا، نبوت نے ایک دم اندر گھستا
 کیا یہاں تک کہ وہ ندوئی کے کمرے میں پہنچ گیا، وہ بھی کھانا کھانے بیٹھی ہی تھیں، انہیں
 بنگال کے پاس ہی بیٹھی تھی۔۔۔

”کیوں نبوتے کیا ہوا۔ کیا بات ہے“ اندھ مونی سے اس وقت دیکھ کر حیران

رہ گئیں

وہ اُن کے پاس بیٹھ گیا ”ماں۔۔۔ مجھے بہت بھوک لگی ہے۔۔۔ مجھے کھانے

کو دیجئے“

اندھ مونی گھبرا کے بولیں ”بھئی یہ تو بڑی گر بڑ ہے، وہ برہمن رسوئیا بھی چلا گیا

اور تم تو.....“

”کیا آپ سمجھتی ہیں کہ میں برہمن کے ہاتھ کا کھانا کھانے آیا ہوں“ نبوتے چیخ اٹھا ”اگر

ایسا کتا تو پھر میرے برہمن رسوئیا میں کیا بُرائی کھتی؟ میں تو آپ کے کھانے میں شریک ہونا چاہتا

ہوں ماں۔۔۔ کچھی مجھے ایک گلاس پانی لائے دوگی۔۔۔ ہیں؟“ نبوتے غٹا منٹ پانی پی گیا۔

پھر اندھ مونی اس کے لئے ایک ایر پلیٹ مانیں اور بڑی محبت سے اپنی تھالی میں سے کھانا

نکالی کر اس کی پلیٹ میں رکھا۔۔۔ نبوتے اس طرح کھانے پر بڑھاپا جیسے تھی دن کا بھوکا ہو

آج، اندھ مونی کی ایک بڑی تکلیف، اُن کا ایک بڑا دکھ دور ہو گیا اور ان کو خوش دیکھ کر کے جیسے

نبوتے کے دل پر سے بھی ایک بھاری بوجھ اٹھ گیا۔۔۔ کھانے کے بعد اندھ مونی اپنا سینا

پر دنا لے کر بیٹھ گئیں، کمرے میں پھولوں کی خوشبو بھری ہوئی کھتی، نبوتے اُن کے قدموں کے

پاس نیم دراز ہو کر لیٹ گیا اور کہنی پر سر رکھا کرنا نہیں کرنے لگا۔۔۔ اس وقت باقی تمام دنیا

اس کے ذہن سے محو ہو گئی تھی اور وہ اس طرح، اندھ مونی سے باتیں کرنے میں مصروف تھا

جیسے نہ سا گندیں کبھی کیا کرتا تھا۔

یہ خبر سن کر نبوتے کو ایک عجیب طرح کا اطمینان اور ایک عجیب طرح کی مایوسی ہوتی
پاریش بابو سے گفتگو کرنا آسان تھا اور باتوں ہی باتوں میں نبوتے نے اُن کو اپنے بارے
میں سب کچھ بتا دیا کہ وہ یتیم تھا، چچا چچی دیہات میں رہتے تھے اور کچھ زمین تھی اس کی دیکھ بھال
کرتے تھے وہ اپنے دو چچا زاد بھائیوں کے ساتھ پڑھتا تھا، بڑے نے تعلیم ختم کر کے وکالت
شروع کر دی تھی لیکن چھوٹے کا ہیضہ سے انتقال ہو گیا۔ اس کے چچا کی خواہش تھی کہ
نبوتے مجسٹریٹ بنے لیکن نبوتے کو ایسی کوئی تمنا نہ تھی اور اسی لئے وہ فی الحال طرح طرح
کے لا حاصل کام کر کے اپنا وقت گزار رہا تھا۔

اس طرح بات چیت میں کوئی ایک گھنٹہ گزر گیا اور بغیر کسی سبب کے اس سے زیادہ
کٹھنرنا بدھ بدی ہوتی اس لئے نبوتے نے اجازت چاہی اور کھڑا ہو کر بولا ”مجھے اپنے دوست
سٹیش سے ملاقات نہ ہونے کا بہت افسوس ہے، آپ کہہ دیجئے گا کہ میں آیا تھا۔“
”اگر آپ نرا دیر اور رکیں تو اُن سے ملتے ہی جاتے گا۔ وہ لوگ بس اب آتے ہی
ہوں گے۔“

نبوتے کو اپنے آپ پر شرم آ رہی تھی کہ ایسی تجویز کو جس میں اتنا کم اصرار تھا فوراً قبول کرنے
کو جی چاہا۔ اگر پاریش بابو ذرا اور زور دے کے کہتے تو وہ ضرور رک جاتا لیکن پاریش بابو
الفاظ کا واجبی استعمال کرتے تھے اور لوگوں کو اُن کی مرضی کے خلاف دبانے کی عادت نہ
تھی اس لئے نبوتے کو رخصت ہونا پڑا۔

پاریش بابو بس اتنا ہی بولے ”آپ کبھی کبھی آیا کریں تو مجھے بہت خوشی ہوگی۔“
نبوتے کو گھر جانے کی کوئی جلدی نہ تھی کوئی خاص ضروری کام بھی تھا۔ یہ صحیح ہے کہ وہ
مختلف اخباروں کے نئے مضامین لکھتا تھا اور لوگ اُس کی انگریزی کی تعریف بھی کرتے
تھے لیکن ادھر کچھ دنوں سے اُس کا دھیان لکھنے پر جمنا ہی نہ تھا، جب میز پر بیٹھتا تو ذہن
ادھر دھر کھٹکنے لگتا اس لئے پاریش بابو سے رخصت ہو کر وہ بس یوں ہی سامنے کی طرف

جھپٹنے لگا وہ ابھی مشکل سے چند قدم گیا ہوگا کہ پیچھے سے کسی لڑکے کی تیز آواز نے پکارا "نبوتے بابو، نبوتے بابو" اور سر اٹھا کر کیا دیکھتا ہے کہ ستیش ایک فٹن گاڑی میں سے جھانک کر زور زور سے ہاتھ ہلا کر اشارے کر رہا ہے۔ اس کے پاس ہی ایک ساری کا پلہ نظر آ رہا تھا اور ہڈوں کی آستین دکھائی دے رہی تھی اس لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ گاڑی میں ویسہ کون ہے۔

بنگالی رواج کے مطابق نبوتے کے لئے گاڑی کے اندر جھانکنا تو ممکن نہیں تھا لیکن اب یہی لمحے بدستیش کو نہ کر باہر آ گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بولا "نبوتے بابو، گھر چلنے نا"

"میں ابھی ابھی تو وہیں سے آ رہا ہوں" نبوتے نے بتایا۔

"مگر میں گھر میں کہاں تھا۔۔۔ اس لئے آپ کو پھر آنا پڑے گا نبوتے بابو" ستیش نے اصرار کرنا شروع کیا۔

نبوتے سے ستیش کے دھڑلے پر انکار نہ ہو سکا۔ ستیش اپنے قیدی کے ساتھ اندر چلا، درزور سے اعلان کرتا ہوا "بابا۔۔۔ دیکھتے ہیں نبوتے بابو کو پھر گھسیٹ لیا"۔

پاریش بابو اپنے کمرے سے مسکرتے ہوئے نکلتے "اب کی بار میں مضبوط ہاتھوں ہی پکڑے گئے نبوتے بابو، آسانی سے چھپنے والے نہیں ستیش بجا اپنی بہن کو بھی تو ڈا کر لا

نبوتے نے کمرے میں قدم رکھا تو اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ پاریش بابو کہنے لگے "آپ کی سائنس پچھل گئی نبوتے بابو، یہ ستیش بڑا ہی پریشان کرتا ہے۔ اس سے ذرا ہوشیار رہا کیجئے"

جب ستیش اپنی بہن کو کمرے میں دیا تو نبوتے کو سب سے پہلے ایک ہلکی سی خوشبو آئی۔

"ہوا، پھر اسے پاریش بابو کی آواز سنائی دی" راجد، نبوتے بابو آتے ہیں۔

"تمہیں تو یہ یاد ہی نہیں گئے"۔

نبوتے نے ذرا بڑبڑاتے ڈرتے سر اٹھا ہا تو دیکھا کہ سچا ریتا نے سر جھکایا اور پھر اس کے فریاد کی آواز سنائی دی، اب تو اس کو بھی سر جھکا کر سچا ریتا کے اس آداب کا جواب

جہازوں کے ساتھ لہروں پر ڈولتا جاتا تھا۔ ستیش شوق کے مائے آپے سے باہر تھا، کبھی جہاز کو دیکھتا، کبھی نبوئے کو، کبھی پھر جہاز کو اس طرح ستیش کے ذرا یہ نبوئے نے اپنے اجنبیت اور ہچکچاہٹ پر قابو حاصل کر لیا۔ وہ ذرا دیر بعد وہ سُجارتیا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈل کے باتیں کرنے اور سننے بوسنے لگا۔

کچھ دیر بعد لیلہ آئی جو پاریش بابو کی اپنی بیٹی تھی اور بولی ”آپ سب کو ماں اور پرانی کے ہیں بلکہ یہی ہیں۔“

نواں باب

اوپر برساتی کی چھت پر برآمدہ تھا۔ نیچے میں میز جس پر سفید میز پوش پڑا ہوا تھا اور اس کی چاروں طرف آرام کرسیاں لگی تھیں۔ نیچی دیوار میں کانس تھی اس پر چھوٹے چھوٹے ٹب لگاتے گئے تھے اُن میں پودے تھے اور وہاں کھڑے ہو کر نیچے کوئی دیکھتا تو گلی کے کنارے سریش اور کرشنا چوڑا کے درخت بارش سے نہا کر کھیلے ہوئے دکھائی دیتے تھے۔ سورج ابھی ڈوبا نہ تھا اور اس کی آڑی ترچھی کرغیں برآمدے کے ایک حصے پر پڑ رہی تھیں۔

بارش باوجود نبوئے کو لے کر اوپر پہنچے تو اس وقت وہاں کوئی نہ تھی لیکن ایک سی لمحے بعد ستیش ایک سیاہ سفید ہل دار کتے کو لے کر آگیا۔ اس کا نام کھووسے تھا۔ (یعنی ننھا) ستیش نے اس کے تمام کرتب نبوئے کو دکھانے شروع کئے۔ وہ ایک پنجاٹھا کر سلام کر سکتا تھا، زمین پر سر جھکا سکتا تھا، بسکٹ مانگنے کے لئے ہاتھ پھیلا سکتا تھا اور کھووسے کی اس شاندار کامیابی کا پورا سہرا تو ظاہر ہے کہ ستیش کے سر تھا ہی۔ جہاں تک کھووسے کا سوال تھا اُسے کامیابی سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی، اُس کی تو مخصوص دلچسپی صرف بسکٹ کے ساتھ وابستہ تھی،

پاس والے کمرے سے کبھی کبھی لڑکیوں کے ہنسنے بولنے کی آواز آجاتی تھی جس میں دلتا نوٹتا کسی مرد کی بھی آواز شامل ہو جاتی تھی رنگینی کی اُن لہروں کے ساتھ نبوئے کے دل میں ایک ریلا احساس پیدا ہوا اور ساتھ ہی رشک کا جذبہ بھی۔ اُس نے اپنی زندگی میں کبھی گھریلو لڑکیوں کی مصیبت شاہدانیوں کا ماحول دیکھا ہی نہیں تھا۔ اب یہ قہقہوں کی سحر بار موسیقی اتنی پاس معلوم ہو رہی تھی۔ مگر کبھی کس قدر دور تھی! بیچارہ نبوئے اس میں اس قدر اُلجھ گیا تھا کہ ستیش

کی کٹر کٹر کچھ اس کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہی تھی۔

اب پارٹیش بابو کی بیوی اپنی تین بیٹیوں اور ایک نوجوان مرد کے ساتھ آئیں، جو ان کا دور کا کوئی رشتہ دار تھا۔ پارٹیش بابو کی بیوی کا نام بڑو دا تھا وہ اب جوان تو نہیں تھیں لیکن یہ دیکھ کر ہنس آسان تھا کہ انہوں نے ناصی اہتمام کے ساتھ بس پہنا تھا شروع میں ان کی زندگی بہت معمولی اور سادہ طریقے پر بسر کی تھی لیکن پھر بچا یکہ انہوں نے سو سائنٹی کے مزاج کے ساتھ قدم ملائے شروع کر دیے۔ یہی وجہ تھی کہ ان کی بیٹی ساری ایک خاص انداز کے ساتھ رہ رہی تھی اونچی ایڑی کے جوتے ایک مخصوص ادا کے ساتھ کھٹ پٹ کر رہے تھے۔ وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتیں تھیں کہ کیا چیزیں در کیا باتیں بر ہوں ہیں اور کیا نہیں ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے سچا ریتا کے دنیا نو بس نام راجا کو برہنہ کر سچا ریتا رکھ دیا تھا۔

ان کی اپنی سب سے بڑی بیٹی کا نام ابو نپا تھا۔ وہ گدہ سے جسم کی خوش مزاج و متنفس کچھ لڑکی تھی ادگ و شپ کی مشقتوں، بہر دگول ٹول، آنکھیں بڑی بڑی جلد سناٹولی چمک دار۔ اُسے خود تو کپڑے لٹتے ہوئے کوئی اسی خاص پسینہ تھی لیکن اس معاملے میں وہ ماں کے ہاتھوں رہتی تھی، اُسے اونچی ایڑی کے جوتوں سے نفرت تھی، مگر پہننے پڑتے تھے اور شام کو ریب باہر نکلتی تو ان کے اصرار پر روز اور پاؤں پر بھی ستم کرنا پڑتا تھا مڑا ہے کی وجہ سے اس کے بلا در نہایت چست بنائے جانے تھے۔ براہی وجہ تھی کہ سب وہ اپنی ماں کے ہاتھوں سے نکل کر بیٹا روم سے باہر آتی تو ہاگل پریس سے نکلا ہوا مین معلوم ہوتی۔

سبھلی لڑکی کا نام لویتا تھا وہ اپنی بڑی بہن کے بالکل منقاد تھی۔ سناٹا رنگ، سر سے بھی زیادہ سناٹا، کافی ڈبلی پٹی، وہ ہمیشہ اپنی سی کرنی تھی، بہت کم سخن تھی لیکن موتی ہڑنے پر بڑی سخت اور تنگ باتیں کہہ جاتی تھی، اُس کی ماں دل ہی دل میں اُس سے بڑی تھی۔ اور غلط سنی تھی کہ اُسے غلط نہ دلائے۔

سب سے چھوٹی لڑکی، بھی صرف دس سال کی تھی، ہاگل لڑکوں کی طرح وہ سبیش کے

ساتھ لڑتی بھرتی اور دھکم دھکا کرنی رہتی تھی، خاص طور پر یہ بات ہر وقت بحث کی جڑ بنی رہتی تھی کہ کٹھودے کا اہلی، لک کون ہے — ستیش یا ایلا؟ ویسے اگر کٹھودے سے بڑھچا جاتا تو وہ غالباً ان دونوں میں سے کسی کو بھی اپنا مالک بنانا پسند نہ کرتا۔ مگر ہر حال اسے ستیش کے سکھائے ہوئے آداب سبب ملنا زیادہ پسند تھا یہ نسبت ایلا کی چھٹ پڑنے والی محبت کے جو اکثر اسے پریشان کرتے رہتی تھی۔

جیسے برو دادیوی چھت پر آئیں، نبوتے نے کرسی سے اٹھ کر جھمک کر انہیں سلام کیا۔ پارٹش بابو نے تعارف کروایا، ”یہی وہ بدست ہیں جن کے گھر میں اس دن ہم لوگ۔۔۔“ ”اوہ“ برو دادیوی نے ذرا حیرت سے زیادہ خلوص کے ساتھ کہا، ”آپ نے بڑی مہربانی کی تھی ہم لوگ آپ کے بہت مشکور ہیں۔“ لیکن مشکوریت کے اتنے چکینے چڑے اظہار سے نبوتے اس قدر بوکھلا گئے کہ اس سے کچھ کہتے ہی نہیں بنا۔

پھر نبوتے کا تعارف اس فرد سے کروایا گیا جو ان لڑکیوں کے ساتھ نہ آیا تھا اس کا نام سُدیہیر تھا، اچھا شگفتہ رُردن جوان تھا، صاف رنگت، چھوٹی چھوٹی مونچھیں، عینک لگاتا تھا۔ وہ ذرا چلبے مزاج کا آدمی لگتا تھا، ایک منٹ — نہیں بیٹھتا تھا، در برابر لڑکیوں کو اپنے جملوں، فقروں اور چھپر چھپرے ہنساؤں سے ہنساتا تھا۔ لڑکیاں اس پر ہلکتی تھیں، اُسے پھٹکارتیں۔ لیکن ایسا بھی لگتا کہ اپنے سُدیہیر کے بغیر وہ بھی نہ سکتی تھیں، شاپنگ کرتا، انہیر ساتھ لے کر سرس دکھاتا، باغ گھماتا، سُدیہیر اور ان لڑکیوں کی بے تکلفی نبوتے کے لئے ایک بالکل نئی بات تھی اور اُسے کوفت ہوئی، پہلے تو اس نے اس بات کو برا سمجھا لیکن پھر فوراً ہی ایک رشک کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوا۔

”مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں نے آپ کو برسوں پہلے کی میٹنگوں میں دو ایک بار دیکھا ہے“ برو دادیوی ذرا بے تکلف ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

نبوتے کو ایسا لگا جیسے کسی نے اس کو کوئی جرم کرتے ہوئے پکڑ لیا ہو خواہ مخواہ کو

شرمندہ ہو کر اس نے قبوٹا کہ وہ کشیب بابو کی تقریریں سُنے ” ایک بار جا چکا ہے “
 ” میں سمجھتی ہوں آپ کا لُحہ میں پڑھ رہے ہوں گے “ انھوں نے دوسرا سوال کیا
 ” جی نہیں — میں کا لُحہ کی تعلیم ختم کر چکا ہوں “
 ” کہاں تک پڑھا آپ نے ؟ “
 ” میں نے ایم۔ اے کر لیا ہے “

اس بات سے بڑوا دیوی کے دل میں اس نوجوان کے لئے ایک خاص احترام پیدا
 ہو گیا — وہ لگتا تو تھا اس قدر کم عمر لیکن ایم۔ اے کر چکا تھا۔ ایک کٹنڈی سانس بھر کر
 انھوں نے پارٹیش بابو کی طرف دیکھا، وہ بولیں ” اگر ہمارا میٹو زندہ ہوتا تو وہ بھی اب تک
 تو ایم۔ اے کر چکتا “

اُن کا پہلا بچہ منورنجی نو سال کی عمر میں مر گیا تھا اور جب بھی وہ کسی ایسے نوجوان کے
 متعلق سُنتی جس نے کسی امتحان میں نمایاں کامیابی حاصل کی تھی۔ کوئی اچھا عہدہ پایا تھا یا کوئی عمدہ کتاب
 لکھی تھی تو بڑوا دیوی کو فوراً خیال آنا کہ اگر اُن کا اپنا بیٹا زندہ ہوتا تو وہ یہی سب کرتا۔ بہر حال اس
 کے مرنے کے بعد انھوں نے یہ اپنا فرض قرار دے لیا تھا کہ سوسائٹی کو اپنے ٹینوں بیٹوں کی نخلیف خوبیا
 سے آگاہ کرتی رہیں — چنانچہ اس وقت بھی انھوں نے نبوتے کو معلومات دیتے کا یہ نادر موقع
 ہاتھ سے جانے نہیں دیا اور اس کو بتایا کہ اُن کی مڑباز کس قدر محنت شعار تھیں، اور یہ کہ اُن
 کی ذہانت اور اُن کی عالی لیاقت کے بارے میں اُن کی انگریز ٹیچر کا کیا خیال تھا جس دن رکیو
 کے اسکول میں اسامات بیٹے تھے اور فٹسٹ گورنر مہا اپنی میم صاحب کے تشریف لائے تھے تو
 اسکول کی تمام لڑکیوں میں سے لبونیا کو انتخاب کیا گیا تھا کہ اُن کو ہار پہنائے۔ اور نبوتے کو وہ
 الفاظ بھی سُنے پڑے جو فٹسٹ گورنر کی میم صاحب نے لبونیا کی تعریف کہے تھے — وہی
 الفاظ بالکل وہی، جو انھوں نے کہے تھے۔

اور آخر میں بڑوا دیوی لبونیا سے قاطب بولیں ” بیٹی وہ کشیدہ تو ذرا لے آؤ جس پر تمہیں

انعام ملا تھا۔

یکشیدہ جس میں اُون سے ایک طوطا بتایا گیا تھا، خاندان بھر میں مشہور اور جانا پہچانا تھا۔ نہ جانے کتنی مدت اور کتنی محنت سے یہ تیار ہوا تھا، کتنی مہینے تک بیونیا کی اُستنی صاحبہ بھی اُس پر محنت کرتی اور ہدایات دیتی رہی تھیں اور اس طرح سے بیونیا نے خود اس میں کوئی خاص حصہ نہیں لیا تھا لیکن ہر آنے ہاتے کو وہ دکھائے بغیر نہیں رہا جاسکتا تھا۔ شروع شروع میں تو پاریش بابو نے کچھ احتجاج کیا بھی تھا لیکن جب اکفیس یقین ہو گیا کہ یہ سارا احتجاج بیکار ہے تو وہ بھی خاموش ہو گئے۔

نبوتے اس فن پارے کے متعلق تحسین و آفرین کے کلمات کہہ ہی رہا تھا کہ نوکر اندر آیا۔ اور پاریش بابو کی طرف ایک پرچہ بڑھایا۔

”کون آیا ہے؟“ بڑوادیوی نے پوچھا

”میرے ایک پُرانے دوست کرشن دیال کا لڑکا مجھ سے ملنے آیا ہے۔“ پاریش بابو نے

جواب دیا۔

نبوتے کا دل ایک دم جیسے رُک گیا، اس کا چہرہ پیدا پڑ گیا، دونوں ہاتھ اُس نے کس کر اپنی گود میں باندھ لئے جیسے کسی حملے کا منتظر ہو۔ اُسے یقین تھا کہ ان لوگوں کے طبع طریقے گورا کو پسند نہیں آئیں گے اور وہ اسی حساب سے ان لوگوں کے متعلق رائے قائم کرے گا اور یہ سوچنے لگا کہ ان لوگوں کی طرف داری کس طرح اور کس طریقے سے کرے گا۔

سوال باب

سُجاریتا گیارہ سے ہیں کھڑی ایک کشتی میں کھانے پینے کی چیزیں سجا کر رکھ رہی تھی پھر اُس نے کشتی نوکر کو کھاد دی اور خود اُوپر چھپت رہ کر بیٹھ گئی۔ نوکر کشتی لے کر آگے آیا اور اس کے ہتھپے ہی گوراؤں میں ہوا۔ اس کے لمبے چوڑے جسم اور سجدہ گو سے رنگ کو دیکھ کر سبھی حیران رہ گئے۔ اُن کے ماتھے پر گنگا کی مٹی سے تسقہ کھینچا ہوا تھا، موٹے ٹکڑے کی دھوئی کریت پہنے تھا اور کُرتے پر کر کے پاس پُراسے فیشن کے طریقے پر ایک پیٹی بندھی ہوئی تھی۔ جو ستے نہ پھانٹ بیٹھ کے تھے نوکیں اُوپر اٹھی ہوئی۔ وہ آبلہ دھجک سے اندر آیا جیسے ماڈرن زمانے سے بغاوت کا ایک ختم تصور ہو۔ بیوی نے بھی اُسے کبھی اس جنگجو انداز میں نہیں دیکھا تھا۔ اور یہ بات بھی سچ تھی۔ راج گورا کے دل میں موجودہ حالات کے خلاف ایک ایسی نئی تھی اند اس آگ کا بھی ایک سبب تھا۔

بک دن پہلے ہی وہ اسٹیمر پر سفر کر کے اُٹھان کرنے تر بہنی گیا تھا۔ رستے کے چھوٹے چھوٹے اسٹیشنوں پر دہریوں کی بیٹریاں ایک ایک دہریوں کو ساتھ لے سوار ہو رہی تھیں، ہر شخص جی بیک گھیرنے کا خدا ہنسنہ تھا۔ اور اس جگہ پر خود۔ دھکم پیل ہو رہی تھی۔ سورتوں کے یہاں میں جسے لینی کیپٹر کی، اسٹیمر پر سوار ہوئے۔ اسے صرف ایک پتلا سا پٹرا لٹکا یا جاتا تھا، کئی ایک اُن پر سے پھسل پھسل کر پانی میں جا پڑیں۔ کئی ایک کو مدحوں نے جھکیں دیا۔ کئی ایک جو بھکیں چڑھ بھی آئیں اُن کے ساتھ چھوٹ گئے، ان سب پر یہ ہوں کہ بانی برسے لگا پانی کا گرت ہوئی بوجھاروں سے اُن کے جسم بھیگ گئے تھے اور عرش پر رہنے کے لیے نہ رہی پر اُن کو بیٹھن تھا۔ اُن کی سورتوں پر ایک دیوساں پریشانی تھی آنکھوں میں تار تار

بگ، چچی طرح جانتے تھے کہ اُن کے سے حقیر اور کمزور انسانوں کو ایس بات کی تو اُمید رکھنی ہی نہ
چاہتے کہ اسٹمر کا عمل یا اس کا کپتن اُن کی کوئی مدد کرے گا، اس لئے ایک ایک لمحہ اُن کیلئے
خوف اور گھبراہٹ کا پیغام تھا گورا ایک درجہ ہستی تھا جو ان یاتروں کو اس مصیبت کے عالم میں جو
کچھ ممکن ہو سکتی تھی وہ مدد پہنچی رہا تھا۔

فرسٹ کلاس والے عیشے کے جنگلے پر سے ایک انگریز بچے جھپک کر یہ سب دیکھ رہا تھا اور
اُس کے ساتھ ایک ماڈرن قسم کے بنگالی بابو بھی تھے، دونوں ہی سگاری پی رہے تھے، اور ہنس ہنس کر
”بس بس باتیں کر رہے تھے، درتاشہ دیکھ رہے تھے جب کبھی کوئی باتری کسی خاص شکل میں پھنس
جائے تو وہ، ”نیریز“ تہتہ مار کر ہنستا اور بنگالی بابو بھی اُس تہتے میں شامل ہو جاتا۔

جب دو چار شیشن اسی طرح گزر گئے تو یہ بات گورا کے بدانتہا سے باہر ہو گئی وہ اُمیر
کے پرستے پر پہنچا اور گورا ”بس بس بہت ہوا۔ آپ لوگوں کو شرم نہیں آتی“
انگریز نے تو بس کہ جالنے والی نظروں سے گورا کو گھورا، لیکن بنگالی بابو چپک چپ
”شرم، ہاں ضرور شرم آتی ہے“ انھوں نے طنز آمیز لہجے میں کہا ”ان جاتیوں کی اس شدید
حماقت پر“

گورا سنتے سے زل ہو گیا ”باب ہاں ٹھیک ہے مگر بت ذرا سن، انسانوں سے بدتر وہ جانور
ہیں جن کے پہلو میں دل نہیں“

”نکل یہاں سے بنگالی بابو کو بھی غصہ آگیا۔ ”یہاں فرسٹ کلاس میں کیوں گھس آیا ہے“
”جی بے تک“ آپ بجا کہتے ہیں آپ ایسوں میں میرا کیا کام میری جگہ اُن غریب یاتریوں
کے ساتھ ہے، پر میں آپ کو خبر دے رہا ہوں کہ اب ایسی حرکت نہ کیجئے گا جو میں یہاں آنے پر
مجبور ہو جاؤں“ در یہ کہہ کر گورا تیزی سے نیچے تر گیا۔

اس واقعہ کے بعد انگریز نو جنگلے پر دونوں پاؤں ٹیک کے، ڈیک چیر پر لیٹ گیا اور ایک ناول
میں نرق ہو گیا، بنگالی بابو نے بات چیت کے رشتے کو چڑھنے کی ایک دوبارہ کوشش کی جو ناکام ہوئی

پھر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ اپنے ہموطنوں کی اس بھڑیا دھسان سے، لگ کوئی چیز تھئے انھوں نے خاساماں کو بلایا اور اس سے پوچھا کہ کھانے پران کو مرغ کا روست مل سکے گا۔ خاساماں نے جواب دیا کہ چائے اور مکھن روٹی کے علاوہ اور کچھ سامان اسٹور ہسٹیں ہے تو وہ بھر پڑے اور انگریزی میں اتنی زور سے بولے کہ انگریز سن لے کیسی شرمناک بات ہے کہ اسٹور ہسٹ لوگوں کی معمولی ضروریات کا بھی کوئی سامان نہیں ہے۔ ان کے ساتھ نے اس بہارک کا بھی کوئی ٹکڑا نہیں لیا یہاں تک کہ جب ہوا کا ایک زور کا جھوٹکا آیا اور میز پر کھایا ہوا انگریزی کا اخبار اڑ کر روئے جا پڑا تو انھوں نے لپک کر اُسے اٹھایا اور شہ کر کے میز پر رکھ دیا پھر اس انگریز کے منہ سے شکریہ کا بھی ایک لفظ نہ پھوٹا۔

چند رنگ پر پاتر نے وقت وہ انگریز بیکایک گرا کے پاس پہنچا اور اپنی ہیٹ کو ذرا سا اٹھاتا ہوا بولا "میں اپنے رویہ کے لئے آپ سے معافی چاہتا ہوں، مجھے واقعی شرمندگی ہے" اور یہ کہہ کر جلدی سے کھسک گیا۔

گورا کو جو بات دل ہی دل میں پھونکے ڈال رہی تھی وہ بھٹی کہ اس کے اپنے تعلیم یافتہ ہموطن لوگ ایک بدیسی کے ساتھ مل کر اپنے غریب ہموطنوں کی مصیبت اور مشکل کا مذاق اڑاتیں اور اپنے کو اُن سے برتر کوئی چیز سمجھیں۔ گورا کو معلوم تھا کہ اس کے عوام بدہر طرح کی ذلت و حقارت کا رویہ برداشت کر لیتے ہیں اور اس بات کو سہہ لیتے ہیں کہ اُن کے اپنے ہموطن جو یہ وہ خوش نصیب ہیں اُن سے جانوروں کا سامنا کر لیں تو اس کی بنیادی وجہ صرف غریبوں کی جہالت ہے۔ وہ جہالت جو ملک میں بڑی گہرائی کے ساتھ بیوست ہے۔ اس خیال سے اس کا دل پھٹنے لگتا تھا۔ لیکن اُس سے بھی زیادہ کوفت اس بات سے ہوئی تھی کہ پڑھے لکھے لوگ سرس زمت و حقدارت کا کوئی بوجھ اپنے کندھوں پر لینے کو تیار نہ تھے بلکہ ان غریبوں کے مقابلے میں اُن کو برتری اور اُن سے جو علیحدگی حاصل تھی اس میں گمن تھے۔ یہی وجہ تھی کہ گورا اس کتابی تعلیم اور ایسے پڑھے لکھوں کی غلامانہ ذہنیت کی طرف اپنی نفرت کا اظہار کرنے کے لئے آج اس برہم خاندان

ہیں کیا تھا تو اس انداز سے کہ گنگا کی مٹی ملتے پر لگی اور پاؤں میں عجیب و غریب قسم کے دیہاتی جوتے جو صرف غریب اور پل عوام استعمال کرتے تھے۔

نبوتے نے دل میں سوچا "اے ہاپ لے آج تو گورا صاحب بال آما دہ پیکار ہو کر آتے ہیں" اور اس خیال ہی سے اس کا دل ڈرنے لگا کہ اب گورا پتہ نہیں کیا کہے اور کیا کرے چنانچہ وہ خود بھی ذہنی طور سے کمر بستہ ہو گیا۔

جب برو دیوی نبوتے سے بات کر رہی تھیں تو ستیش نے بڑے اطمینان سے ایک کونے میں بیٹھ کر لٹو گھمانا شروع کر دیا تھا، لیکن گورا کو دیکھتے ہی وہ لٹو کی دلچسپی بھول گیا، جیسے سے نبوتے کے پاس پہنچ کر اس کی کہنی سے لگ کر کھڑا ہو گیا اور آہستہ سے بولا "ہی ہیں آپ کے دوست" "ہاں بھئی" نبوتے نے جواب دیا۔

گورانے بس ایک نظر نبوتے کو دیکھا اور پھر ایسا بن گیا جیسے نبوتے وہاں کھڑا ہی نہیں پارٹش بابو کو اس نے باقاعدہ سلام کیا اور پھر کوئی جھجھک محسوس کئے بغیر اس نے میز کے پاس سے ایک کرسی ذرا آگے کھینچ لی اور بیٹھ گیا۔ جہاں تک عورتوں کا سوال تھا تو وہ ہی اور روایتی قاعدوں کے مطابق ان کا تو کوئی نوش لینا ہی نہیں تھا۔

برو دیوی نے یہ فیصلہ کیا ہی تھا کہ وہ اپنی لڑکیوں کو اس بد تہذیب جنگلی کی صحبت سے فوراً الگ چھائیں، کہ اتنے میں پارٹش بابو نے گورا کا ان سے تعارف کرانا شروع کر دیا کہ وہ ان کے ایک پڑائے دوست کا بیٹا ہے۔ اس پر گورا ان کی طرت مڑا اور جھجھک کر ان کو سلام کیا۔ سچا رہتا نبوتے سے گورا کا ذکر تو سن چکی تھی، مگر یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ آنے والے کونسا دہی ہیں اس سے پہلی نظر میں اسے گورا سے کچھ نفرت سی لگی، کیونکہ ایک تو اسے یہ تربیت ہی نہیں ملی تھی کہ جو لوگ بھی دقبالوسی خیالات رکھتے ہیں ان کو خواہ مخواہ برداشت کرے اور پھر وہ خود بھی ایسے لوگوں کو پسند نہیں کرتی تھی

پارٹش بابو، پنے لڑکپن کے دوست کرشن دبال کے بارے میں پوچھتے رہے اور اپنے

طالب علمی کے زمانے کے واقعات کو یاد کرتے رہے۔ اُس زمانے میں کالج کے طالب علموں میں ہم دونوں تو گویا بدترین کافر سمجھے جاتے تھے، روایتوں رسموں کا تو کوئی خیال ہی کبھی نہیں کرتے تھے، ایسا کھانا کھانا جو منع تھا گویا ہمارا فرض تھا؛ کالج اسکو اسکے پاس جو مسلمان نان بانی کی دوکان تھی اُس میں کتنی شاہیں ہماری گزری تھیں جب ہم ممنوع قسم کا کھانا کھا پا کرتے تھے، اور پھر اُدھی رات تک یہ بحثیں چلتی رہتی تھیں کہ ہندو سوسائٹی کی اصلاح کس طرح کی جائے۔

برمودا دیوی بچے میں بول پڑیں ”اور اب آپ کے دوست کے کیا خیالات ہیں؟“
 ”اے اب تو وہ تمام مذہبی رسوم کو بہت سختی کے ساتھ مانتے ہیں اور ان کے پابند ہیں۔“
 ”تو ان کو شرم نہیں آتی“ برمودا نے جمل کے کہا
 ”گورا پہنے لگا“ مشرم تو کردار کی ایک کمزوری ہے بعض لوگ تو اپنے باپ کو اپنا باپ کہتے ہوئے بھی شرماتے ہیں۔“

”کیا وہ پہلے برہمن نہیں تھے“

”برہمن تو کسی زمانے میں میں بھی تھا“

”اور اب آپ شاید کسی ٹورٹی میں عقیدت رکھتے ہیں؟“

”جی ہاں میں ایسا تو ہم پرست بھی نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ مورتیوں سے نفرت کرنے لوں۔“

گورا نے جواب دیا۔

”صرف برا بھلا کہنے سے تو مورتیوں میں کوئی بُرائی نہیں پیدا ہو سکتی کسی نے آج تک حدت

اور حقیقت کے راز کو واقعی دریافت کیا ہے؟“

”لیکن صورت کی تو ایک انتہا اور ایک حد ہوتی ہے۔“ پارٹیش نے دھیمی بڑا آواز میں کہا۔

”لیکن حدوں بغیر کوئی بھی چیز ظاہر کیسے ہو سکتی ہے؟ بھگوان نے جس کی کوئی حد نہیں اسی

سے تو صورتوں کا روپ دھارا ہے کہ اپنے کو ظاہر کر سکے ورنہ وہ ظاہر کیسے ہو گا؟ اور وہ جو ظاہر

نہیں وہ چھیل کیسے حاصل کر سکے گا، جیسے خیال صرف الفاظ کا لباس پہن کر جلوہ گر ہو سکتا ہے اسی

طرح لامصورت تختی صرف صوری حیثیت اختیار کر کے جلوہ دکھا سکتی ہے۔“

برودا دیوی نے انکار کرتے ہوئے سر ہلایا اور بولیں ”تو پھر آپ کا یہ مطلب ہوا کہ صورت جو ہے لامصورت سے زیادہ مکمل ہے، زیادہ مکمل حاصل کئے ہوئے ہے۔“

”میرا مطلب ایک بہت ہی حقیر سی چیز ہے، میں جو سوچتا ہوں اس پر دنیا کی صورت گری تھوڑا ہی منحصر ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ اگر لامصورت اندان دیکھا خدا ہی مکمل خدا ہوتا تو کائنات کو کسی صوری حیثیت کی کوئی ضرورت نہ تھی۔“

سچا بتا دل ہی دل میں کھول رہی تھی۔ کاش کوئی اس خود پسند اور گستاخ دوجوان کی ہر پہلوؤں کو کاٹ کر اس کو قائل کر سکتا۔ اُسے نبوت پر غفہ آ رہا تھا، کیسا چپ چاپ بیٹھا تھا جیسے سٹھ کھولنا ہی نہیں جانتا۔ گورا کی بات کرنے کے بچے ہی سے سُچا ریتا کو، یسا لگ رہا تھا جیسے اُس کے اپنے وجود میں کوئی قوت پیدا ہوئی جا رہی ہے کہ اُسے سٹھ لور جواب دے۔ مئی وقت ناکرکت میں پانی لے کر آگیا اور سُچا ریتا کو چائے بنانے کی طرف متوجہ ہو نا پڑا۔ نبوتے کبھی کبھی اُس پر دلی سی نظر ڈال لیتا اور پھر ہاتھیں کرنے لگتا۔ ویسے تو جہاں تک عبادت کا تعلق تھا گورا اور نبوتے کے خیالات میں کوئی خاص فرق نہیں تھا لیکن یہ بات نبوتے کو کھل گئی کہ گورا اڈل تو بغیر لگائے اس برہمہ خاندان میں آیا ہی کیوں، اور اگر آیا بھی تھا تو ایسی بد تمیزیاں کرنے کی کیسا ضرورت تھی۔ نبوتے کے دل میں پارش بابو کی بردہاری اور تمل کے لئے اور بھی عزت بڑھ گئی کیونکہ وہ نہایت سنجیدگی کے ساتھ دونوں طرف کی دلیلوں سے ہار ترکتے اور اس طرح گورا کے جھجھلائے ہوئے اماند کے مقابلے میں بلند تر نظر آتے تھے۔ اس نے دل میں سوچا کہ خیالات کا اظہار اور بحث مباحثہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے، اصل خوبی تو یہ ہے کہ انسان اپنی نظریں وسعت پیدا کرے اور حقائق کو سمجھے اسی سے اصل سکون و اطمینان حاصل ہو سکتا ہے۔ کون دلیل صحیح کون غلط۔ یہ کوئی بڑی بات ہے، بڑی بات تو وہ یقین ہے جو روج کی گہرائیوں میں بیوسنہ ہو جاتے۔

بحث کے دوران پارش بابو کبھی کبھی آنکھیں بند کر لیتے جیسے خود اپنی روج کی گہرائیوں میں

کھیر گئے ہوں۔۔۔۔۔ یہ اُن کی ایک خاص عادت تھی۔۔۔۔۔ بنوئے کچھ حیران ہو کر اُن کو بار بار دیکھتا۔۔۔۔۔ ایسی کیفیت میں اُن کے چہرے پر ایک عجیب قسم کا نورانی وقار چھا جاتا۔ بنوئے کو اس بات پر بھی کافی مایوسی ہوئی کہ اس قابلِ احترام بزرگ کی طرف بھی گورا کا زورِ دَبِ تعظیم کا نہیں تھا۔ پارٹیش بابو سے بات کرتے ہوئے بھی گورا اپنی زبان کو لگام نہ دے سکا۔

جب سچا ریتا کئی پیاہوسا میں چائے بنا چکی تو اُس نے سوالیہ انداز میں پارٹیش بابو کی طرف دیکھا جس کا مطلب یہ تھا کہ کس کس ہمان کو چائے دی جائے

برودا دیوی نے گورا کی طرف مخاطب ہو کر منہ پھٹٹ انداز میں پوچھا "آپ تو میں سمجھتی ہوں ان چیزوں میں سے کچھ کھائیں گے نہیں؟"

"جی نہیں" گورا نے قسطی لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں۔۔۔۔۔ آپ کو ڈر ہے کہ آپ کی ذات پر دھبہ لگے گا۔"

"جی ہاں"

"تو آپ ذاتِ پات کو مانتے ہیں"

"ذاتِ پات کوئی ہیں نے تو بنائی نہیں ہے کہ جب چاہوں اُسے توڑ دوں۔ سماجی رستموں

در قاعدوں کو مانتا ہوں اس لئے مجھے ذاتِ پات کا بھی لحاظ کرنا چاہئے"

"تو کیا آپ ہر بات پر سوسائٹی کی رسوم مانتے کے لئے پابند ہیں"

"سوسائٹی کو نہ مانتا اُسے مٹانا ہے"

"اے اگر مٹ ہی جائے تو کیا؟"

"پھر تو آپ یہ پوچھیں گی کہ جس ڈلی پر آدمی بیٹھا ہوا ہے وہی کاٹ دیں تو کیا؟"

"جس بیٹا بحث کا کیا نتیجہ ہے ماں" سچا ریتا عاجز ہو کر بولی "وہ ہم لوگوں کے ساتھ نہیں

کھائیں گے بس بات ختم ہو گئی"

گورا نے نکاد بھر کر سچا ریتا کی طرف دیکھا اور سچا ریتا بنوئے کی طرف مخاطب ہو کر زور سے چپکے

ہوتے یوں ”آپ تو.....“

نبوئے نے اپنی زندگی میں مکمل چائے نہیں پی تھی، مسلمانوں کی دوکانوں کے سینے ہوئے بسکٹ اور ڈبل روٹی کھانا بھی چھوڑ دیا تھا لیکن اس وقت اسے محسوس ہوا کہ کھانا اُس کا فرض ہوگا۔ اُس نے کوشش کر کے گردن سیدھی کی اور ہمت کر کے بولا ”ہاں۔۔۔ میں تو کھاؤنگا ہی۔۔۔“ اور پھر چوڑی نظروں سے گورا کی طرف دیکھا اُس کے چہرے پر ایک طنز آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

نہایت مردانہ وار طریقے پر نبوئے نے اپنی پیالی ختم کر دی! حالانکہ چائے کا مزہ تلخ تھا اور اُسے اچھا نہیں لگا۔ بڑا کچھ بولیں نہیں لیکن اُن کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا جیسے کہتی ہوئی یہ نبوئے کتنا اچھا لڑکا ہے۔“ اور گورا کی طرف سے پیٹھ موڑ کر وہ ہمہ تن نبوئے کی خاطر میں شخص بن گئی۔ اُن کی حرکت دیکھ کر باریش بابو نے گورا کے پاس اپنی کرسی گھسیٹی رہا ہتھ آہستہ اُس سے اُن باتیں کرنے لگے۔

ایک اور مہمان کے آنے کی اطلاع آتی سب ہی اُس کے آنے پر خوش ہوئے۔ یہ ہنوبابو کہلاتے تھے حالانکہ ان کا اصل نام ہرن جرن چند ناگ تھا اپنے صفے میں وہ اپنی غیر معمولی ذہانت اور علم کے لئے مشہور تھے۔ اگرچہ کچھ خاص بات چیت تو طے نہیں ہوتی تھی لیکن کچھ ایسا سمجھا جاتا تھا کہ اُن کی شادی سُجاریتا سے ہوگی۔ اس میں بھی شک نہیں کہ ہنوبابو خود اس رشتے کے بہت خواتین تھے اور سُجاریتا کی سہیلیاں برابر اُس کو ہنوبابو کے ساتھ چھیڑا کرتی تھیں۔ ہرن بابو کسی سکول میں پڑھا کرتے تھے اور یہی وجہ تھی کہ بڑا دیوی اس معمولی، شر کو کوئی مخصوص ہستی نہیں سمجھتی تھیں بلکہ اُنھوں نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ اچھا ہوا جو ہرن بابو نے اُن کی اپنی بیٹیوں ہی سے کسی لئے خیر نہیں کی۔ وہ تو ایسے دامادوں کی خواب دیکھ رہی تھیں جو خوب آگے بڑھنے اور مٹی کرنے کے لئے کوشاں ہوں، درجن کی منزلِ حیات کم از کم ڈپٹی مجسٹریٹ تو ہو۔

جب سُجاریتا نے ہرن کی طرف چائے کا پیالہ بڑھایا تو لبو نیانے دور ہی سے پیٹھے پیٹھے

معنی خیز مسکراہٹ سچاریتا کی طرف کشمکش اور شیعہ خفی سے منہ پچکا کر مسکرائی! یہ بات بنوئے نے بھی دیکھی کیونکہ جن ہی منٹوں میں اس نے کافی باتیں دیکھ لی تھیں، حالانکہ وہ اپنی قوت مشاہدہ کے لئے ایسا کبھی مشہور نہ تھا۔ بنوئے کو محسوس ہوا کہ سدھیرا وہ ہرن کا اس طرح یہاں دخل رکھنا بھی قدرت کی بڑی زیادتی ہے اور دخل بھی ایسا کہ ان کے متعلق خاندان کی ریاکیاں آپس میں اٹھائے کریں اور ایک دوسرے کو چھیڑیں

دوسری طرف ہرن کے آنے سے سچاریتا کے دماغ میں اسند کی ایک کرن چمکی، کاش کہ اس کا یہ نیا سہا ہی اس طرح میدان آئے کہ یہ خود پسند فاتحہ پسپا ہو کر مٹی میں مل جائے، تب اس کے کلیجے میں ٹھنڈک پڑے اور کوئی وقت ہوتا تو اسے ہرن کے بحث مباحثہ سے کوفت سی ہوتی لیکن آج، اس وقت الفاظ کے اس مرد میدان کا اس نے مسرت اور خلوص دل سے استقبال کیا، چائے اور کیک اور بسکٹ کی فراوانی سے اس کو ہر ممکن قوت پہنچانے کی کوشش کی۔

پارلش بالو نے تعارف شروع کیا ”پنوبالو، آپ ہیں ہمارے دوست.....“
پنوبالو نے ان کی بات کاٹ دی ”ارے میں ان کو اچھی طرح جانتا ہوں، کبھی کسی زمانے میں یہ ہمارے برہمن سماج کے بڑے جوشیلے ممبر تھے۔ یہ کہہ کر انھوں نے گورا کی طرف سے پیٹھ موڑ لی اور چائے میں مصروف ہو گئے۔

اس زمانے میں دو چار ہی بنگالیوں نے سول سروس کا امتحان پاس کیا تھا اور سدھیریاں کر رہا تھا کہ کس طرح کسی ایک بنگالی کا ولایت سے واپسی پر استقبال کیا گیا بغیر۔

ہرن بالو چونک کر بوسے ارے اس سے کیا ہوتا ہے۔ بنگالی چاہے امتحانات جتنے پاس کر لیں وہ کبھی اچھے وراثت حاکم نہیں بن سکتے اور پھر یہ ثابت کرنے کے لئے کہ کوئی بنگالی کسی صنایع کا منتظم نہیں چلا سکتا وہ بنگالیوں کی مختلف کمزوریوں اور عیبوں پر روشنی ڈالنے لگے۔ یہ سیلاب بہتا تھا کہ گورا کا چہرہ سرخ ہونا شروع ہوا لیکن وہ اپنی شیر کی سی گرجے کودتے رہا۔ یہاں تک کہ اس سے برداشت نہ ہو سکا اور بول پڑا ”اگر ایمان داری کے ساتھ آپ کی رائے یہی ہے تو

آپ کو اس بات پر مشرم آتی چاہئے کہ آپ بڑے اطمینان سے یہاں بیٹھے روٹی مکھن اڑا رہے ہیں۔

ہرن نے متعجب ہو کر بھوس تائیں ”تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں، میں کیا کروں“

”یا تو بنگالی قوم کے دامن پر سے یہ دھبے پاک کچھنے یا پھر بھپانسی لگا کر مرجائیے۔ یہ کہہ دینا کیا کوئی آسان بات ہے کہ ہماری قوم کبھی کچھ حاصل نہیں کر سکتی، میں حیرن ہوں کہ آپ کے حلق میں نوالہ پھنس کر آپ کا دم کیوں نہیں نکل جاتا“

”کیا مطلب — یعنی سچے بات نہ کہی جاتے“ ہرن نے تلخ لہجے میں پوچھا۔

”معاف کیجئے گا لیکن جو بات آپ کہہ رہے ہیں اگر اس پر آپ کو سچ کچھ یقین ہوتا تو آپ اس طرح سے بڑھ بڑھ کر نہ ہانکتے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ بات جھوٹ ہے، اسی لئے ایسا مزے لے لے کر اس کو بیان کر رہے ہیں۔ میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جھوٹ بولنا تو گناہ ہے ہی لیکن جھوٹا الزام لگانا اس سے بھی بڑھ کر گناہ ہے اور اپنی قوم پر خواہ مخواہ الزامات تھوپنا اور اُن کو ذلیل سمجھنا سب سے بڑا گناہ ہے“

ہرن بابو غصے سے کانپنے لگے مگر گویا کہتا ہی گیا ”آپ کیا سمجھتے ہیں کہ پوری بنگالی قوم میں اور اپنے ہموطنوں میں بس ایک آپ ہی سب سے بلند انسان ہیں، بس آپ ہی کو حق ہے کہ اُن کے خلات زہرا لگاتے پھریں اور باقی ہم سب جو اپنے پرکھوں کے نمائندہ ہیں وہ خاموش بیٹھے آپ کے فیصلوں پر جی حنفوری کیا کریں“

اب تو ہرن بابو کے لئے میدان سے ہٹنا ناممکن ہو گیا۔ چنانچہ انھوں نے اور زیادہ شدت سے بنگالیوں کے عیب گنوائے شروع کئے۔ بنگلہ سہاج کی بہت سی خراب رسموں کا ذکر کیا اور فیصلہ دیا کہ جب تک یہ رواج اور یہ رسمیں قائم رہیں گی اس قوم کے لئے نجات کی کوئی صورت نہیں نکال سکتی۔ ”آپ کا بری رسموں کی بات کرتے ہیں“ گورا حقارت سے بولا ”آپ نے انگریزوں کی بھی ہوئی کتابوں کو بر زبان رٹ لیا ہے، آپ کو ان رسموں اور رواجوں کی بنیادی معلومات ہی کیا ہیں۔ جب آپ انگریزی کی بری رسوم کو بھی اسی شدت کے ساتھ روکر سکیں، اسی ہی ایمانداری سے اُن پر

نکتہ چینی کر سکیں تب بات کیجئے گا۔

پارٹش بابو نے موصوفہ بدینے کی بہت کوشش کی لیکن ہرن بابو اتنے مشتعل ہو چکے تھے کہ ان کو روکنا دشوار تھا۔

اسی عرصے میں سورج ڈوب گیا اور بادلوں کی آڑ سے سُرخ شل کر آسمان پر رنگ بکھیرنے لگی۔ الفاظ کی جو لڑائی جاری تھی اس کے باوجود بنوئے کے دل میں جیسے موسیقی کے لطیف تار جھنڈانے لگے۔ پارٹش بابو بھی چھت پر سے اٹھ کر چلے گئے کیونکہ دونوں وقت ملتے وہ خاموشی سے غور و فکر کیا کرتے تھے، چنانچہ وہ نیچے باغ میں جا کر چمپا کے پک و زخمت کے تلے بیٹھ گئے! برودا دیوی کو اس سے مکمل نفرت ہو چکی تھی، ہرن بابو بھی ان کو کوئی خاص عزیز نہ سمجھتے تھے، وہ اس بحث سے عجز کیا گئیں تو بنوئے سے مخاطب ہوئیں ”آئیے بنوئے بابو۔۔۔ اندر چلیں“۔ ظاہر ہے کہ برودا دیوی نے بنوئے پر جب یہ مخصوص مہربانی کی تو بنوئے اس کی داد دینے کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا سو اس کے کہ نہایت سعادت مندی کے ساتھ ان کے پیچھے پیچھے کمرے میں چلا جاتے۔ برودا دیوی نے لڑکیوں کو بھی آواز دے کر بلایا اور تیش نے بھی جب دیکھا کہ بحث ختم ہونے کا منتظر کرنا بیکا: تو اس نے کتے کو لے کر وہاں سے کھسک لیا۔ برودا دیوی نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر بنوئے کو اپنی بیٹیوں کی تعلیم و تربیت کی مزید پہلوؤں سے آگاہ کیا، لیونیا سے مڑ کر بولیں ”اپنا وہ الیم لاؤ پیاری۔۔۔ لا کر بنوئے بابو کو دکھاؤ۔“

لیونیا کو اس الیم کے دکھانے کی اس قدر عادت تھی کہ وہ اس کی منتظر ہی رہتی تھی، بلکہ اُسے تو سخت کوفت ہو رہی تھی کہ وہ بیکار بحث اتنی لمبی ہو گئی، کہ الیم دکھانے کا معاملہ گول ہوا چاہتا تھا۔

بنوئے نے الیم کھول کر دیکھا تو اس میں انگریز شاعروں مثلاً مور اور لانگ فیلو وغیرہ کی نظمیں اور اشعار لکھے ہوئے تھے۔ نظموں کی سرخیاں اور شروط کے بڑے حروف نہایت بجاوٹ

کے ساتھ لکھے ہوئے تھے اور خط میں بھی نہایت صفائی اور احتیاط کا لحاظ رکھا گیا تھا۔ نبوت نے سچے سچ تعریف کی کیونکہ اس زمانے میں کوئی ہندوستانی لڑکی اس عمدگی سے انگریزی اشعار لکھ لے یہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ جب برودا دیوی نے دیکھا کہ نبوت نے پرکاشی رعب پڑ گیا ہے تو وہ لولتا سے مخاطب ہوئیں اور اس سے درخواست کی ”لولتا، میری جان، وہ جو ترکم سے شعر تم سناتی ہو، مگر لولتا نے قطعی جواب دے دیا ”نہیں ماں، سچے سچ میں نہیں سناؤ گی، مجھے ششک سے یاد نہیں ہے“ اور پھر دوسری طرف منہ کر کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ برودا دیوی نے نبوت کو سمجھایا کہ لولتا کو نظم یاد تو خوب تھی لیکن وہ اتنی شرمیلی تھی کہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی اور پھر انھوں نے یہ بتایا کہ وہ بچپن سے ہی ایسی تھی اور اس کے ثبوت میں انھوں نے کچھ مخصوص واقعات بھی بتائے جن میں لولتا نے بہت کچھ سیکھا تھا مگر ظاہر کسی پر نہیں کیا۔ یہ بھی انھوں نے کہا کہ لولتا اتنی بہادر تھی کہ بچپن میں اگر جڑ کھائی تو روتی تک نہیں تھی اور اس لحاظ سے وہ بالکل اپنے باپ پر پڑی تھی۔

اب لیلہ کی باری تھی، پہلے تو حبیب اس سے نظم پڑھنے کو کہا گیا تو وہ بھی کبھی کرنے لگی لیکن جب شروع ہوئی تو اس طرح جیسے کوئی کسی گھڑی کو کوک دے، ایک سانس میں وہ ”ٹوٹنکل، ٹوٹنکل، ٹوٹنکل“ والی نظم دہرا گئی، درحالت معلوم ہو رہا تھا کہ سمجھی بالکل نہیں۔ لولتا کو معلوم تھا کہ اب پردہ گرام میں گانا آئے گا اس لئے وہ کمرے سے باہر کھسک گئی۔

باہر جو بحث چل رہی تھی وہ اب نقطہ عروج تک پہنچ چکی تھی۔ ہرن نے دلیپ جھوڑ کر سخت الفاظ استعمال کرنے شروع کر دیے تھے، اور سچا رہتا ہرن کے اس بے تحاشہ بے انکام ہونے پر شرمندہ ہو کر اب گورا کی طرف سے بول رہی تھی۔ اس بات سے ہرن تاثر پذیر ہو جانے کے بجائے اور بھی مشتعل ہو رہا تھا!

آسمان پر بادل گھرائے تھے اور سیاہی پھیلی جا رہی تھی۔ نیچے گلی میں پھیری والے طرح طرح کی آفادیں لگا کر چھیلی کے باز پچ رہے تھے، سڑک پر لگے ہوئے درختوں کے نیچے پچ

ہیں سے اڑتے ہوئے جگنو دیک رہے تھے، پاس کے تالاب کا پانی سیاہ دکھائی دے رہا تھا۔
 بیوے سب کو خدا حافظ کہنے کے لئے کمرے سے برآمدے میں نکل آیا اور پارسیس بابو
 گورا سے بولے ”کرشن دیال تو میرے بھائی کی طرح تھا اور ہے اس لئے تمہارا جب جی
 چاہے ہمارے یہاں آیا کرو۔ ویسے اب میرے اور اُن کے خیالات میں فرق ہو گیا ہے اور ہم
 دونوں نہ کبھی ایک دوسرے سے ملتے ہیں نہ خط کتابت کرتے ہیں مگر لڑکپن کی دوستی تو ہمارے
 خون میں سمائی ہوئی ہے۔ تمہارے والد سے جو ہمارا پرانا رشتہ ہے اس کی بناء پر میں تم کو
 اپنے آپ سے بہت قریب محسوس کرتا ہوں۔“

پارسیس بابو کی مخلص آواز کی نرمی اور محبت نے گورا کے چڑھے ہوئے پارے کو جادو
 کی طرح اتار دیا۔ پہلے جب اُس نے اُن کو سدھم کیا تھا تو اس میں کوئی خاص ادب یا احترام
 شامل نہ تھا لیکن روانہ ہوتے وقت جب وہ جھجک کر اُن سے رخصت ہوا تو اُس جھکنے میں
 سچے سچے تکریم کا جذبہ موجود تھا۔ سچا ریتا کا اُس نے خاص کوئی نوٹس نہیں لیا کیونکہ اُس کے خیال
 میں کسی لڑکی طرت زیادہ مخصوص طور پر متوجہ ہونا انتہائی بدتمیزی تھی۔ بیوے اَلبتہ پارسیس بابو
 سے بھی جھجک کر رخصت ہوا اور سچا ریتا کی طرف بھی اس نے ذرا سسر جھکایا اور پھر اس تیزی
 سے گورا کے پیچھے ہو لیا گویا اُس نے کوئی شرمناک بات کی ہو۔

ہرن بابو اندر کمرے میں چلے گئے تھے تاکہ اُن کو ان لوگوں سے رخصت نہ ہونا پڑے
 اندر کمرے میں جا کر وہ میز پر رکھی ہوئی برہموسماج کی ایک مناجات کی کتاب کے ورق اُلٹنے
 پلٹنے لگے۔ جیسے ہی یہ دونوں مہمان رخصت ہو گئے انہوں نے باہر نکل کر پارسیس بابو سے
 کہا ”جناب عالی، یہ بات ذرا ٹھیک نہیں ہے کہ ہر کس و ناکس کو گھر میں بلا کر لڑکیوں سے
 تعارف کروایا جائے۔“

سچا ریتا کو اس بات پر اتنا غصہ آیا کہ وہ ضبط نہ کر سکی، بولی ”اگر بابو جی اسی اصول پر چلتے
 تو ہم لوگوں کا تعارف آپ سے کبھی بھی نہ ہوتا۔“

”لیکن اگر اپنے ہی فرقے کے لوگوں تک یہ معاملہ محدود رہے تو بہتر ہے“ ہرن نے سمجھانے کی کوشش کی۔

پارٹش بابو سنسنے لگے ”تو آپ چاہتے ہیں کہ اپنے ہی فرقے تک ملنا جلنا محدود کر کے زنان خانہ کی رسم کو جاری کیا جائے میرا تو خیال ہے کہ لڑکیوں کو ہر خیال کے لوگوں سے ملنا چاہئے ورنہ وہ تنگ نظر رہ جائیں گی؛ آخر ملنے جلنے میں اس قدر کنجوسی کی کیا ضرورت ہے“

”یہ تو میں نے کبھی نہیں کہا کہ لڑکیاں مختلف خیالات کے لوگوں سے میل جول نہ رکھیں لیکن اس قسم کے لوگوں کو تو عورتوں سے ملنے جلنے کی تمیز تک نہیں ہے“

”ارے نہیں بھئی“ پارٹش بابو نے عاجز ہو کر کہا ”جس چیز کو آپ بدتمیزی کہتے ہیں وہ صرف جینسپ اشرمیلاپن نہیں ہے، اہ حبیب تک اس طرح کے لوگ صحیح طریقے سے عورتوں کے ساتھ اچھے بھٹھیں گے نہیں تو یہ شرمیلاپن ٹھیک نہیں ہو سکتا“

گیارھواں باب

اُس دن ہرن بابو کی انتہائی کوشش یہ تھی کہ گورا کو اُس کی صحیح جگہ پر پہنچا دیں اور سُچا ریتا کی نظروں میں اپنی کامیابی کے جھنڈے گاڑ دیں، شروع میں تو سُچا ریتا کی بھی یہی خواہش تھی، لیکن بیویوں کے حالات بالکل متضاد ہو گئے۔ سماجی اور مذہبی معلومات پر تو سُچا ریتا گورا سے اتفاق نہیں کرتی تھی لیکن اپنی قوم کے لئے عزت اور اپنے ہم وطنوں سے محبت اس کی فطرت میں داخل تھی۔ ویسے اُس نے پہلے کبھی ملک کی حالت پر بحث مباحثہ نہیں کیا تھا لیکن جب گورا نے اپنی پوری گرجہ کے ساتھ بنی قوم کے ذیل کئے جانے پر احتجاج کیا تو اس احتجاج کی گونج سُچا ریتا کو بھی اپنے دل میں محسوس ہوئی۔ اُس نے کبھی کسی کو اس شدت اور اس جوش تیقن کے ساتھ مادر وطن کے ہارے میں گفتگو کرتے نہیں سنا تھا۔ پھر ان دونوں کے چلے جانے کے بعد ہرن نے بیوی سے اور گورا کو جو بدتمیز اور گنوار وغیرہ کہا تو سُچا ریتا کو یہ حرکت بڑی گھٹیا معلوم ہوئی اور اس کی ہمدردیاں ان دونوں کے ساتھ وابستہ ہو گئیں!

ایسا تو نہیں تھا کہ گورا کے خداف جو بغاوت کے جذبات سُچا ریتا کے دل میں پیدا ہوئے تھے وہ بالکل بجھ گئے ہوں، ابھی تک اُسے گورا کا دیہاتی لباس یاد آ کر کوفت سی ہو رہی تھی، غالباً گورا نے یہ لباس لوگوں کو چڑھانے کے لئے پہنا تھا، سچائی یا خلوص سے اس کا کیا تعلق ہو سکتا تھا۔ بھلا ایسا کر کے اس کے یقین اور ایمان کو کیا شکنیں ہو سکتی تھی!

اس روز شام سُچا ریتا کو اپنے درجہ میں ایک عجیب سے درد کا احساس رہا۔ سمولات اس نے سب پرے کئے لیکن کھانا کھاتے وقت، میلا کو کہانی سُناتے وقت ایک عجیب سا درد اُسے اندر ہی اندر کہیں محسوس ہو رہا تھا، کانٹے کی طرح چھبتا ہوا۔ لیکن کانٹا تو جب

ہی نکالا جاسکتا ہے جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ وہ ہے کہاں، اٹھ کر رکھ کر بتایا جاسکے کہ کس جگہ چُبتا ہے۔ اور سچا ریتا برآمدے کے اندھیرے میں تنہا بیٹھی یہ سوچتی رہی کہ وہ کانٹا کہاں چُبتا ہے جو اُسے اس درجہ بے چین کئے ہے۔ لیکن بے سود، ایک انجانا سا بوجھ دل پر تھا کہ رونے کو جی چاہتا تھا مگر آنسو نہ نکلتے تھے۔

یہ سوچنا تو ایک طاقت تھی کہ ایک نوجوان اجنبی دانتھے پر ایک بڑا سا قسطہ لگا کر آگیا اور اس کو بحث میں سہرا یا نہیں جاسکا، اس کے غرور کو مٹی میں نہیں مٹایا جاسکا اس لئے سچا ریتا اس قدر ہیچ و تاب میں مبتلا ہو گئی، ایسی بے وقوف تو وہ نہیں تھی، اس لئے اس تاویل کو تو اس نے نورِ داغ سے نکال دیا۔ سوچتے سوچتے اصل وجہ سمجھ میں آئی تو وہ شرم سے پانی پانی بیگمتی، وہ روئین گھنٹے اس نوجوان کے سامنے بیٹھی رہی تھی، کبھی کبھی اس نے بحث میں حصہ بھی لیا تھا لیکن اس نوجوان نے کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ رونا نہ ہوتے وقت کبھی اس کا رویہ یہی تھا کہ جیسے سچا ریتا تو وہاں موجود ہی نہیں ہے! اب بات بالکل صاف تھی، اس کی وہ بے نیازی تھی جس نے سچا ریتا کو اتنی گہری چوٹ پہنچائی تھی۔ ویسے تو نبوتے بھی ذرا اکھڑا، کھڑا سا لگتا تھا کہ صاف ظاہر تھا کہ یہ گھبراہٹ عورتوں کی صحبت میں بیٹھنے کا عادی نہ ہونے سے پیدا ہوئی ہے، نبوتے کے روتیہ سے شرمیلا پن، درخاکہ روی اور ہچکچاہٹ ظاہر ہوتی تھی لیکن گورا کے رویہ میں ان چیزوں کا شائبہ بھی نہ تھا!

لیکن سچا ریتا کے سنے گور کی اس سبب نیازی کو برداشت کرنا اتنا مشکل کیوں ہو گیا تھا؟ کیا وہ اس کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا نہیں سکتی تھی۔ وہ یہ سوچ کر مری جاتی تھی کہ گورا کی اس بے نیازی کے باوجود بھی اس نے بحث میں حصہ لینے کی کوشش کی تھی اور اپنے آپ کو روک نہیں سکی تھی۔ ایک بار جب اس نے ہرن کی ایک دلیل کو سچا کہہ کر ذرا غصے کا ظہار کیا تھا تو گورا نے نگاہ بھر کر اسے دیکھا، بھی تھا؟ یہی بات صاف نہ تھی؟ کیا اس نے سچا ریتا کو تیز و طرار سمجھا تھا یا سمجھا تھا کہ وہ بڑی اترار ہی ہے جو اس طرح مردوں کی بحث میں بغیر بلائے کود پڑ رہی ہے! لیکن اس نے

کیا سوچا یہ کون اہم بات تھی؟ کوئی اہم بات نہیں تھی؛ مگر پھر بھی سُچا ریتا کو پریشانی تھی۔ اُس کا جی چاہتا تھا سب کچھ بھول جائے، سارا نقشہ دماغ سے مٹا دے، پر ایسا نہیں کر پا رہی تھی۔ پھر اُسے گورا پر غصہ آنا شروع ہوا اور اس کی گستاخی اور خود پسند جوانی پر جھجھلاہٹ — اور پھر بھی جب وہ اُس لمبے چوڑے مرد کی گھن گرج والی آواز اور بے جھپک جھپکوں کا خیال کرتی تو اس کی اپنی خود داری اور غرور کے سارے منصوبے دھڑے رہ جاتے!

اس طرح متضاد خیالوں میں کھوبی بھرتی سُچا ریتا بڑی دیر تک رات کو تنہا بیٹھی سوچتی رہی، ریشمیاں بچھنے کی تھیں، گھر کے سب لوگ سونے چلے گئے تھے، اُس نے باہری دروازے کے بھی بند ہونے کی آہٹ سنی جس کے معنی یہ تھے کہ نوکر بھی اپنا کام ختم کر چکے اور سونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔

اس وقت لولتا ناٹ ڈریس پہنے ہوئے آئی اور سُچا ریتا سے کچھ کہے بغیر جا کر منڈیر کے پاس کھڑی ہو گئی، سُچا ریتا دل میں مسکرائی۔ لولتا غالباً اس سے خفا ہے کیونکہ اُس نے آج لولتا کے پاس سونے کا وعدہ کیا تھا اور پھر بالکل بھول گئی۔ لیکن بھول پر معافی مانگ لینا لولتا کے لئے کافی نہیں ہو سکتا تھا، سوال یہ ہوتا تھا کہ لولتا کو کوئی بھولا کیسے، اور وہ ایسی بڑی نہیں تھی کہ کسی کو اس کا وعدہ یاد دلائی۔ وہ تو خاموش بستر پر پڑے رہنے کا پکا ارادہ کر چکی تھی اور بالکل یہ ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ اُسے کس قدر دکھ پہنچا ہے لیکن جوں جوں وقت گذرتا گیا مایوسی کی کوفت بڑھتی گئی — یہاں تک کہ وہ اُسے بزدلانت نہ کر سکی اور پتنگ سے اٹھ کھڑی ہوئی صرف یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ اب تک جاگ رہی ہے!

سُچا ریتا اپنی کرسی سے اٹھی اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچ کر اُسے گلے سے لگا لیا، "لولتا پیاری مجھ سے خانا ہو بھئی"

لولتا نے کچھ بڑبڑا کر اپنے کو الگ کر لیا، "خفا؟ میں کیوں خفا ہونے لگی؟ آپ مہربانی کریں، بیٹھی رہیں"

سُچا ریتا نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا، "آؤ آؤ — سونے چلیں — آؤ بھئی"

لیکن لولتا اپنی جگہ پر اڑی کھڑی — اور کوئی جواب نہ دیا — سچا ریتا نے اُسے کھینچنا شروع کیا اور آخر کار دونوں سونے کے کمرے میں چلی گئیں۔

پھر آخر کار لولتا نے بھرائی ہوئی آوازیں پوچھا ”آپ نے کیوں اتنی دیر کر دی؟ آپ کو معلوم نہیں ہے کہ گیارہ بج رہے ہیں، میں نے ایک ایک کر کے ہر گھنٹے کو بکھتے سنا اور اب تو آپ کو نیند آرہی ہوگی، باتیں بھلا کیا کیجئے گا“

”مناں کرو بھتی“ سچا ریتا نے اُسے گلے لگاتے ہوئے کہا

”آپ اتنی رات گئے کہاں بیٹھی کس کے ہاں ہیں سوچ رہی تھیں دیدی؟ کیا پتہ پاؤ گے؟“
”ارے جاؤ بھتی“ — سچا ریتا نے اُس کو خاموش کر دیا

لولتا پنویا بونو کو بالکل نہیں برداشت کر سکتی تھی یہاں تک کہ اپنی اور بہنوں کی طرح وہ کبھی سچا ریتا کو اس سلسلے میں چھیڑتی بھی نہیں تھی۔ اُسے تو اس خیال ہی سے آگ لگتی تھی کہ ہرن بابو سچا ریتا کو بیا نہیں! چند منٹ ٹرک کر لولتا نے پھر بت شروع کی ”نبوتے بابو کیسے اچھے آدمی ہیں نہ دیدی؟“ — اس سوال کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا کہ سچا ریتا کارل ٹرولنے کی کوشش نہ تھی!

”ہاں بی بی، وہ کافی اچھے انسان معلوم ہوتے ہیں“ جواب ملا

لولتا کو ایسے سوکھے سا کھے جواب سے کیا تسلی ہو سکتی تھی چنانچہ اُس نے بات آگے بڑھائی

”آپ کچھ بھی کہیں دیدی یہ گورموہن بابو تو بالکل ہی بیہودہ ہیں، — کیسا خراب رنگ ہے کیسا سخت سخت نقشہ اور اپنے کو نہ جانے کیا سمجھتے ہیں، آپ کو کیسے لگے؟“

”میرے مذاق کے لحاظ سے تو اُن کے خیالات ذرا زیادہ ہی پُتانے ہیں“ سچا ریتا نے

جواب دیا —

”نہیں نہیں یہ بات نہیں ہے“ لولتا نے زور سے کہا ”کیوں، ہمارے چچا جان بھی تو پُرانے

خیالات کے ہیں لیکن وہ بالکل ہی الگ بات ہے — میں — کیا — کس طرح کہوں۔“

ہاں ہلک بات ہے ”سچا ریتا سننے لگی! پھر اُسے یکایک گور کی سفید پیشانی یاد آئی جس پر
 برہمنی نشان لگا ہوا تھا اور اس کو غصہ آنے لگا۔ کیا یہ واقعہ نہیں تھا کہ وہ نشان بڑے بڑے الفاظ
 میں لکھا ہوا گویا ایک اعلان تھا کہ ”میں تم سب سے الگ کوئی چیز ہوں“ اُس کا دل چاہا کہ
 علیحدگی اور احساس برقراری کے اس نشان کو مٹائی میں روند دیا جائے تب جا کے اُسکے گلے
 میں ٹھنڈک پڑے۔

دونوں ہمیں باتیں کرتے کرتے سو گئیں۔

دو بجے رات کے قریب یکایک سچی ریتا کی نیند ٹوٹ گئی۔ زبرد کی بارش ہو رہی تھی بکھر
 کے کونے میں رکھا ہوا المیہ پھج چکا تھا اور بجلی کی بار بار چمکنے والی روشنی چھرداروں کے
 اندر گھس گھس پڑتی تھی۔ رات کے اس سناٹے میں اس غمناک اندھیرے میں سچا ریتا کو
 بارش کی مسلسل آواز سے دل پر ایک عجیب سی بوجھ کا احساس ہوا جو بڑھتا ہی گیا، وہ سونے
 کی کوشش میں بار بار کروٹ بدلتی اور لوٹ کی صورت دیکھتی جو بڑے اطمینان سے گہری
 نیند سو رہی تھی۔ لیکن سچا ریتا کے سنے نیند کا کہیں پتہ نہیں تھا۔

آخر وہ پریشان ہو کر بستر سے اٹھٹی اور دروازے کے قریب جا کھڑی ہوئی۔
 دروازہ کھول کر اس نے گچے پر دیکھا۔ بارش زوروں سے ہو رہی تھی اور ہوا کا ہر جھوٹکا
 اُس کے کپڑوں پر چھینٹا تھا۔ اس کی نگاہوں کے سامنے گور کی صورت
 تھی۔ شفق کے رنگوں اور دل کے جوش سے ٹمٹماتے ہوئے چہرے کی تصویر اس کے
 سامنے چمک گئی۔ وہ تمام دیکھیں جو اس نے سنی تھیں اور اس کے ذہن سے محو
 ہو چکی تھیں اب پھر ایک ایک کر کے اس کی یادداشت پر ہجوم کرنے لگیں۔ اور اُسکی
 گرجدار آواز کی گونج پھر اس کے کانوں میں آنے لگی ”جن کو آپ جاہل کہتے ہیں وہ وہی
 ہیں جن کا میں ساکتی ہوں، جس چیز کو آپ توہم کہتے ہیں وہ سیر ایمان ہے۔ جب تک
 آپ اپنے وطن سے محبت کرنا نہیں سیکھیں گے، اپنی جنتا سے قریب نہیں جائیں گے تب تک

میں آپ کے منہ سے اُن پر نکتہ چینی کا ایک لفظ نہیں سُن سکتا۔
 ہرن نے جواب دیا تھا "لیکن اس رویت سے وطن کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے"
 اس پر گورا کڑکا تھا "اصلاح؟ اصلاح کے لئے بہت وقت ہے جناب۔۔۔ قوم
 کی اصلاح سے زیادہ ضروری تو یہ ہے کہ آپ قوم سے محبت کرنا سیکھتے، اس کی عزت کرنا
 سیکھتے۔۔۔ ہم متحد ہوں گے تو اصلاح خود بخود ہی ہو جائے گی،۔۔۔ البتہ آپ اس
 طرح الگ کھڑے رہیں گے تب تو وطن سیکڑوں ٹکڑوں میں بٹ جائے گا،۔۔۔ ہمارا
 ملک اور ہماری قوم اگر تو ہم ہی گرفتار ہے بھی تو آپ جیسے ترقی پسند لوگوں کا اپنے کو کوئی
 برتر اور علیحدہ چیز سمجھنا کیا معنی رکھتا ہے۔ میرا کہنا تو یہ ہے، میری تو سب سے بڑی خواہش
 یہ ہے کہ اگر برتر بھی ہو جاؤں تب بھی سب سے مل کر رہوں،۔۔۔ پہلے اتحاد ہو جائے
 پھر کون سی مذہبی اور پُرانی رسم رہے گی، کونسی میٹے گی یہ تو قوم اور اس قوم کا خُٹ ایصلہ
 کرے گا"

ہرن نے اُلٹ کر کہا "قوم اور ملک کی یہی رسمیں تو ہیں جو اس کو متحد نہیں مچنے دیتی"
 گور نے جواب دیا "اگر آپ سمجھتے ہیں کہ متحد ہونے سے پہلے سب خرابیاں، س میں دُور
 ہونی چاہئیں تو ہر بار جب آپ سمندر کا سفر کریں تو آپ کو سمندر خالی کرنا پڑے گا،۔۔۔ اپنا
 غرور چھوٹے قوم کے لئے اور اپنا یہ حقارت کا احساس چھوڑ دیتے، سچی خاکساری کے ساتھ
 جنتا کو اپنا سیئے، سبھی آپ کی یہ محبت اور یہ خلوص اُن ہزاروں خرابیوں اور رُکاوٹوں کو دور
 کر سکتی ہے جو ہمارے راستے میں ہیں۔۔۔ ہر سماج میں خرابیاں تو ہوتی ہی ہیں مگر لوگ
 محبت سے آپس میں متحد ہوں تو وہ ہر قسم کے رہبر کا ٹوڑ کر سکتے ہیں۔ ہوا میں طراند پیدا کر بیوالی
 کیفیت تو نظری طور پر پائی جاتی ہے لیکن وہ زندہ چیزوں کو نہیں سڑا سکتی، صرف مُردہ ہی سڑ سکتا
 ہے۔ میں آپ سے کہے دیتا ہوں کہ وہ آپ ہوں یا بدیسی مشینری ہوں لیکن اگر باہر سے ہماری
 اصلاح کرنے کی کوشش کی جائے گی تو ہم اُسے کبھی قبول نہیں کریں گے،۔۔۔

”کیوں نہیں“ بہرنے سوال کیا تھا

”اس کا بہت بڑا سبب ہے۔ ہم اپنے ماں باپ کی دی ہوئی سزا بھگت سکتے ہیں،
 ان کی کرڑی بات برداشت کر سکتے ہیں لیکن اگر کوئی پولیس والا ہم سے وہی بات کہے گا
 تو اس میں اصلاح سے زیادہ ہتک کا جذبہ شامل ہوگا اور اگر ہم اسے برداشت کریں تو یہ
 ہماری مردانگی کی تحقیر ہوگی۔ پہلے آپ ہمارے ساتھ محبت کا رشتہ قائم کیجئے پھر
 ہماری اصلاح کرنے آئیے ورنہ آپ کی نیک صلاح بھی ہمارے لئے مُضر ہوگی“ ”مفید نہیں“
 اس طرح سچا رتھا کو ایک ایک کر کے گورا کے منظر اور ان کی تفصیلات یاد آتی گئیں
 اور ان یادوں کے ساتھ ساتھ دل پر بوجھ بڑھتا گیا۔ آخر کار وہ بالکل سٹک گئی اور واپس جا کر
 بستر پر لیٹ گئی، آنکھوں کو ہاتھ سے دھپایا، گویا ان خیالات کو دماغ سے نچوڑ کر نکال دینا
 چاہتی ہو کہ کسی طرح غیظ آجائے، لیکن اس کے کان اور چہرے سے جیسے جیسی شکل رہے
 کتھے اور متضاد خیالات ایک دوسرے سے اس طرح گتھم گتھا ہو گئے تھے کہ دماغ پھٹا جا رہا تھا!

بارہواں باب

جب نبوتے پاریش بابو کے گھر سے نکل کر گلی میں پہنچا تو گورا سے بولا "گورا — یار ذرا آہستہ چلو — تمھاری ٹانگیں مجھ سے کہیں زیادہ لمبی ہیں، اور اگر ذرا چھوٹے قدم نہیں اٹھاؤ گے تو میں تمھارا ساتھ دیتے دیتے ہانپ کر مر جاؤں گا"

گورا نے بھٹن سے جواب دیا "میں آج اکیلا ہی چلنا چاہتا ہوں، مجھے بہت سی باتیں سوچنی ہیں" اور وہ اپنی معمولی رنتار سے قدم بڑھاتا رہا۔ نبوتے کے دل کو سخت چوٹ لگی، گورا کے خلاف بغاوت کر کے آج اس نے اپنا اصول بھی توڑ دیا تھا اور اس بات پر گورا اُسے ڈانٹ ڈپٹ لیتا تو اُس کو برا نہ لگتا بلکہ ایک گونہ تسلی ہو جاتی، اُن کی ایک عمر کی دوستی پر جو یکایک ایک گھٹن سی چھا گئی تھی اُس کو کوئی طوفان ہی توڑ سکتا تھا۔ کاش گورا کو ایک بار طوفانی غصہ آجاتا تو نقصا پھر سانس لینے کے لائق ہو جاتی۔ نبوتے یہ نہیں سوچ رہا تھا کہ گورا جو غصے میں آکر اُسے چھوڑ گیا تھا تو اس نے کوئی بڑی بات کی تھی لیکن مدتوں کی سہا ہی ہوئی دوستی میں آج یہ پہلا موقع تھا کہ دونوں کے درمیان واقعی اختلاف رائے ہوا تھا۔ نبوتے یہ سوچتا چلا جا رہا تھا اور اُس کے دل پر ایک عجیب طرح کا بوجھ تھا۔ رات اندھیری اور اُداس تھی، سیاہ بادل ذرا ذرا دیر بعد گرجتے تھے نبوتے کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب تک زندگی جس راستے پر چل رہی تھی آج یکایک اُسے چھوڑ کر ایک نئے موڑ پر نکل آئی ہے۔ چاروں طرف پھیلے ہوئے اندھیا سے میرا ایک دوست کسی طرف نکل گیا اور دوسرا کسی طرف!

دوسرے روز جب کہ نہ تو دل کسی قدر ہلکا تھا۔ اُسے محسوس ہوا کہ رات کی تاریکی اور اُداسی نے اس کو اور بھی زیادہ پشیمندہ کر دیا تھا اور اُس کے ذہن پر دُکھ کے ہجوم کو بڑھا دیا تھا

اب صبح کی روشنی میں تو ایسا لگتا تھا کہ بارش بابو کے خاندان سے دوستی اور گورا سے رفاقت ان دونوں چیزوں کا ٹکراؤ کوئی ضروری نہیں تھا۔ بلکہ رات کو جو اس قدر پریشان تھا تو اسے اپنی پریشانی یاد کر کے ہنسی آگئی۔ اس نے بھی کہا بات کا بتکر مشروط کر دیا تھا۔

اُس نے کندھے پر چادر ڈال اور گورا کی طرف چل دیا۔ گورا نیچے ہی بیٹھا مل گیا، پڑھ رہا تھا اُس نے بنوئے کو گلی سے آتے دیکھا لیکن ہمیشہ کی طرح آج بنوئے کے آنے پر اس نے اپنے منہ کے آگے سے اخبار نہیں اٹھایا۔ بنوئے نے ایک لفظ کہے بغیر اخبار اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔

”میرا خیال ہے آپ کو مجھے پہچاننے میں غلطی ہوئی۔ میں گورموہن ہوں۔ ایک دقیا نوسی تو ہم پرست ہندو“

”غلطی شاید آپ سے ہوئی“ بنوئے نے جواب دیا ”میں بنوئے بھوشن ہوں اُسی گورموہن کا اتنا ہی تو ہم پرست دوست“

”لیکن گورموہن ایسا ناقابلِ اصلاح دقیا نوس ہے کہ اپنی توہم پرستی کے لئے کسی سے سنا بھی نہیں مانگتا“

”بنوئے کبھی ایسا ہی ہے۔ البتہ وہ اپنی توہم پرستی دوسروں پہ نہیں لا دیتا پھرتا“ اور بس پھر کیا تھا۔ ذرا دیر نہ گزری تھی کہ دونوں دوستوں میں گرما گرمی بحث ہونے لگی، پڑوسیوں کو خبر ہو گئی کہ گورا اور بنوئے کی ملاقات ہو رہی ہے!

”لیکن تم کو اس بات سے شکار کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ تم بارش بابو کے یہاں گئے تھے؟“

گورا نے پوچھا

”ضرورت کا کیا سوال ہے“ بنوئے مسکرایا ”میں نے تو اس لئے شکار کیا تھا کہ میں دقتی

وہاں گیا ہی نہیں تھا، کل تو پہلی مرتبہ میں اُن کے گھر کے اندر گیا ہوں“

”مجھے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اندر جانے کا رستہ اب خوب معلوم ہو گیا ہے لیکن مجھے شک ہے کہ باہر آنا بھی آپ کے لئے اتنا ہی آسان ہو گا کہ نہیں“

”ہو سکتا ہے“ بنوئے نے کہا ”مکن ہے میری فطرت ہی ایسی ہو، جن لوگوں سے میں محبت کرتا ہوں یا ان کی عزت کرتا ہوں ان کو چھوڑنا میرے لئے آسان بات نہیں ہے۔ ہم سے زیادہ میری اس خصلت کو کون جان سکتا ہے“

”نو پھر اب آپ کا وہاں آنا جانا برابر قائم رہے گا“

”میں اکیلا ہی کیوں آؤں جاؤں گا، آپ کو بھی خدا نے حرکت کرنے کی قوت دی ہے، کوئی آپ کیل سے جڑے تو نہیں ہوئے ہیں۔“

”میں جاسکتا ہوں مگر میں واپس بھی آسکتا ہوں لیکن آپ کے یہاں جو آثار نظر آ رہے ہیں، ان میں تو واپس آنے کی کچھ خاص گنجائش نہیں دکھائی دیتی، کہتے چائے آپ کو کیسی لگی؟“

”ذرا کڑوی تھی“

”تو پھر کیوں.....“

”اس لئے کہ انکار کرنا اور بھی تلخ بات ہوتی“

”تو پھر ظاہر داری اور تمیز داری ہی گویا سوسائٹی کو قائم رکھنے کی اہلی بنیاد بٹھری!“

گورا نے پوچھا

”ہمیشہ نہیں..... مگر دیکھو گورا، سماج کی ریلیں جہاں دل کی بات سے ٹکرا جاتی

وہاں.....“

گورا نے جوش کے مارے پوری بات ہی نہیں سنی ”دل! بے شک دل! آپ کے

لئے تو سوسائٹی ایسی معمولی چیز ہے کہ رات دن آپ کے دل کا اس سے تصادم ہوا کرتا ہے۔

کاش کہ آپ یہ ندادہ کر سکتے کہ سوسائٹی کو کس قدر گہری چوٹ پہنچتی ہے تو آپ اپنے

دل کے متعلق اتنا جذباتی ہونے پر ڈوب مرتے! پارٹش بابا کی لڑکیوں کو ذرا سنا سنا کر تے آپ کا دل پھٹتا ہے لیکن میرا دل یہ کہہ کر پھٹتا ہے کہ کتنی ذرا سی بات کی آڑ لے کر آپ پوری سوسائٹی کو صدمہ پہونچا سکتے ہیں۔“

”بھئی دیکھو گورا“ نبوتے نے عاجز ہو کے کہا ”اگر کسی کی ایک پیالی چائے پی لینے سے سماج کو اتنا صدمہ پہونچتا ہے تو پھر میں تو یہی کہوں گا کہ ایسے صدمے قوم اور ملک کے لئے فائدہ مند ہیں، اگر اس طرح سوسائٹی اور ملک کو جو جو بنا کر رکھا جائے گا تو سوائے اس کے کہ وہ زمانہ ہونے کی حد تک نازک ہو جائیں اور کیا انجام ہو گا؟“

”سنئے جناب گورا نے جواب دیا“ میں اس طرح کے جوابات سے خوب واقف ہوں، مجھے بالکل ہی احمق نہ سمجھئے، لیکن موجودہ حالات میں ان دلیلوں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اگر بیمار بچہ دوا نہ پئے تو اچھی بھلی ماں بھی یہ دو چار قطرے پی لیتی ہے تاکہ بچے کو دھوکا دے سکے کہ وہ خود بھی بیمار ہے، پھر کوئی دوا علاج کا سواں نہیں رہ جاتا بلکہ محبت اور مامتا کا سوال بن جاتا ہے، اگر وہی محبت نہ ہو تو ماں چاہے جتنی عقل کی بات کرے، ماں بچے کے رشتے کو صدمہ ضرور پہونچ جاتا ہے۔ اور ایک بار صدمہ پہونچا، اہل مقصد فوت ہوا۔ مجھے اس چائے کی پیالی سے کوئی دشمنی نہیں ہے لیکن تم نے جو اپنے سماج سے رشتہ توڑ لیا اس کا صدمہ ضرور ہے۔ کیا چائے سے انکار کرتا اس سے آسان نہ ہوتا؟ پارٹش، بو کی لڑکیوں کا دل توڑنا اس سے آسان نہ ہوتا۔ اس وقت ہمارے ملک کو سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ سب روحانی طور پر متحد ہو جائیں، ایک بار وہ منزل آجائے پھر چائے پینے، نہ پینے کا سوال تو درغفلتوں میں طے ہو سکتا ہے۔“

”ارے بھئی تو پھر مجھے ایسا لفظ آ رہا ہے کہ چائے کے دوسرے پیالے کے لئے مجھے کافی انتظار کرنا پڑے گا۔“

”نہیں کرتی وجہ نہیں کہ زیادہ کھڑا پڑے لیکن نبوتے تم آخر مجھ سے چمٹے رہنے پر

اتنے مُصر کیوں ہو۔ اب وقت آ گیا ہے کہ بہت دوسو سا سٹی میں جتنی چیزیں تھیں، گوارہوں اُن سب کو چھوڑ دو، ادران کے ساتھ مجھے بھی ورنہ پارٹش بالو کی لڑکیوں کا دل ٹیٹ جائے گا۔ اسی وقت ابھنا اس کمرے میں داخل ہوا۔ وہ گوارا کے مُریبوں میں سے تھا اور گوارا کی زبان سے جو کچھ نکلتا اُسے ابھنا اس اپنے دماغ سے بہت کچھ جوڑ کر بالکل گھٹیا بنا دیتا۔ زبان سے بہت کچھ بڑھا کر بالکل نیچا کر دیتا اور پھر تمام میں پھیلاتا رہتا۔ یہ سب باندہ یہ تھی کہ اکثر جو لوگ گوارا کی زبان کو پوری طرح نہیں سمجھتے تھے وہ ابھنا اس کی زبان پر سمجھ جاتے اور اس کی تقریریں کرنے۔ ابھنا اس کو بنوئے سے خاص طور پر سنا کرتا تھا۔ جہاں موقع پاتا، یہ وہ دلیلوں کو رے کر اُس سے اُلجھنے کی کوشش کر دیتا۔ گوارا کو اُس کی حماقت کی ذرا برداشت نہیں تھی، بات بات پر اُس کو ٹکاسا جواب دیتا۔ اُن ہی دلیلوں کو لے کر میدان میں اُتر آتا اور ابھنا اس اُتراتا پھرتا کہ گوارا اُس کی بات سن کر ہوتی بات دُہرا رہا ہے۔

بنوئے نے دیکھا کہ ابھنا اس کے آجانے سے اس وقت گوارا کے ساتھ علیحدگی کے جو امکانات تھے وہ سب بگڑ گئے لہذا وہ چپ چاپ اُسٹھا اور کوٹھے پر آئند ہوئی کے پاس چلا گیا وہ مودی خانے کے سامنے بیٹھی کپنے کے لئے سبزیاں کاٹ رہی تھیں۔ اس کو دیکھ کر وہیں میں کچھ دیر سے ہتھاری آواز سن رہی ہوں، آج اتنی سویرے کیسے آگئے، گھر سے نکلنے کے پہلے ناشتہ کیا تھا؟

اگر کوئی اردن ہوتا تو بنوئے کہتا "نہیں۔۔۔ میں نے نہیں کیا" وہ وہیں بیٹھ کر آئند ہوئی کی میزبانی کا لطف اُسٹاتا لیکن آج اُس نے جواب "جی ہاں شکریہ رزاقہ ہونے سے پہلے کچھ کھا لیا تھا"

اُس کا جی چاہتا تھا کہ کم از کم آج گوارا کو اور زیادہ خفگی کا موقع نہ دے کہ اُسے معلوم تھا کہ ابھی تک گوارا نے اُسے پوری طرح سے معاف نہیں کیا۔ ہے اور یہ احساس کہ وہ اپنے

دوست سے دُور ہٹ گیا اُس کے دل میں گھٹن سی پیدا کر رہا تھا۔

اُس نے جیب سے قلم تراش نکالا اور آلو چھیلنے میں آئندہ موٹی کا ہاتھ بٹانے لگا۔
 کوئی پندرہ منٹ بعد وہ پھر بیچے گیا تو اُسے معلوم ہوا کہ ابھنا س اور گورا کہیں چلے گئے
 ہیں، وہ اکیلا تھوڑی دیر تک گورا کے کمرے میں بیٹھا رہا، اخبار اٹھا کے کھوٹے کھوٹے انداز
 میں اشتہارات پر نظر ڈالتا رہا۔۔۔۔۔ آخر ایک ٹھنڈی سانس بھری، اخبار رکھ دیا اور باہر
 نکل آیا۔۔۔۔۔ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد اُسے پھر گورا سے سننے کے لئے بے چینی ہوئی
 شروع ہوئی، اُسے اپنے اس دوست کے سامنے ٹھکنے میں کبھی کوئی تاثر نہ ہوا تھا، پھر بھی
 اگر اپنے لئے کوئی خود داری بیچ میں نہ آسکتی تھی تو اپنی درستی کے جذبے کا تو آخر کچھ وقار تھا
 اور اس وقار کا کچھ تقاضہ تھا۔ یہ سچ تھا کہ پارٹس بابو کے غائبانہ سے تعلقات پیدا کر کے اُس
 نے گورا کی دوستی میں کسی اور کو حصہ دار بنالیا تھا اور اس بات کے لئے اگر گورا اس کو بُرا بھلا
 کہتا تو وہ برداشت کرنے کو تیار تھا لیکن اس طرح ذلیل کر کے نکالے جانے کے امکان
 پر تو اُس نے کبھی سوچا بھی نہ تھا۔۔۔۔۔ وہ اپنے گھر سے نکل کر ذرا دُور گیا تھا کہ پھر اُلٹے
 پاؤں لوٹ آیا۔۔۔۔۔ اب اُسے گورا کے گھر جانے کی اس لئے ہمت نہ تھی کہ کہیں اُس کی
 دوستی، اس کی محبت کی پھر تک نہ کی جائے!

تیرھواں باب

کئی دن اسی طرح گزرے۔ پھر نبوتے ایک روز دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہاتھ میں پنسل کاغذ لے کر گورا کو خط لکھنے بیٹھا، خط کسی طرح آگے نہ چلتا تھا اور نبوتے اسکی سست رفتاری کو پنسل کی خرابی کا بہانہ دے کر بار بار بڑی احتیاط سے پنسل کو چھیلتا اور بناتا۔۔۔۔۔ اسی دھن میں وہ کھویا ہوا تھا کہ نیچے سے کسی نے اس کا نام لے کر آواز دی پنسل میز پر پھینک کر وہ جلدی سے پکارتا نیچے بھاگا "اوپر آجائے موہم دادا۔۔۔۔۔ اور اوپر آجائے"

موہم دادا اوپر آکے بڑے اطمینان سے نبوتے کے پلنگ پر بیٹھ گئے۔ کمرے کے سامان پر ایک نظر ڈالنے کے بعد وہ بولے "دیکھو نبوتے۔۔۔۔۔ ایسا تو نہیں تھا کہ مجھے تمھارا پتہ نہ معلوم رہا ہو یا یہ کہ میں آج مخصوص طور پر تمھاری خیریت دریافت کرنے آیا ہوں لیکن بات دراصل یہ ہے کہ آپ لوگ جو آج کل کے معیاری نوجوان ہیں آپ کے یہاں پان حَقّ ملنے کا کوئی سوال ہی نہیں اس لئے اگر کوئی ایسی ہی خاص بات نہ ہوتی تو میں کبھی بھی نہیں۔۔۔۔۔" پھر انھوں نے نبوتے کو نظر بھر کر دیکھا "وہ جھینپ رہا تھا اور انھوں نے اپنی بات جاری رکھی "اگر تم یہ سوچ رہے ہو کہ ابھی لپک کر باہر جاؤ اور ایک حقہ خرید کے لاؤ تو میں تم سے درخواست کروں گا کہ مجھے بخش دو! تم میری خاطر کے لئے تمباکو مہیا نہ کر سکو، یہ تو میں برداشت کر سکتا ہوں لیکن ایک نیا حقہ اور وہ بھی کسی اناڑی کے ہاتھ کا بھرا ہوا یہ مجھ سے نہیں برداشت ہو سکتا۔۔۔۔۔" یہ کہہ کر انھوں نے پاس ہی پلنگ پر رکھا ہوا پنکھا اٹھا لیا اور اپنے کمرے چھٹتے ہوئے بولے "بات دراصل یہ ہے کہ میں آج اتوار کی دوپہر والی

نیشہ حرام کر کے جہنم سے ملنے آیا ہوں تو اس کی ایک خاص وجہ ہے، میں چاہتا ہوں کہ تم
مجھ پر ایک مہربانی کرو۔“

”یہ آپ کیا کہتے ہیں! کیا بات کیا ہے؟“

”پہلے وعدہ کرو کہ میری بات مانو گے تب کہوں گا۔“

”بے شک۔ اگر میرے کرنے کا کام ہو گا تو.....“

”وہ ایسی بات ہے جو تم صرف تمہیں کر سکتے ہو تمہیں بس صرف ہاں کہنا ہے۔“

”یہ آج آپ کسی باتیں کر رہے ہیں۔ آپ تو جانتے ہیں میں بالکل آپ کے ہی خاندان

کا ایک فرد ہوں، اگر کسی طرح بھی میں آپ کے کام ہمسکوں تو ضرور ہاں کہوں گا۔“

موہم دادا نے ایک کپڑے میں لپیٹے ہوئے کچھ پان جیب سے نکالے، ایک آدھ نیوٹے

کی طرف بڑھاتے اور باقی اپنے منہ میں کھٹو لٹے رہے اور ان کو چبالتے ہوئے بولے ”تم میری

بیٹی شاشی کو تو جانتے ہی ہو۔ صورت کی بڑی نہیں ہے کیونکہ اس معاملے میں وہ اپنے باپ

پر نہیں پڑی ہے۔ وہ بڑی ہوتی جا رہی ہے اور مجھے اس کی شادی کی فکر ہے۔ اس فکر میں

میری راتوں کی نیند اڑ گئی ہے کہ کہیں وہ کسی ناکارہ کے پلے نہ پڑ جائے۔“

”لیکن آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ اسکی شادی کے لئے تو ابھی بہت وقت پڑا ہے۔“

موہم دادا نے ایک آہ بھری ”اگر تمہارے اپنی بھی کوئی اتنی بڑی بیٹی ہوتی تب تم میری

پریشانی کا اندازہ کر سکتے تھے۔“ جیسے جیسے دن گزرتے ہیں اس کی عمر خود بخود بڑھتی چلی جاتی ہے

لیکن دولہا تو خود بخود کہیں سے آ نہیں جاتے گا۔ اس سے وقت گزرتا جاتا ہے تو میرے دماغ

کی عجیب حالت ہوتی جاتی ہے۔ پھر بھی اگر تم مجھے کچھ اُمید دلاؤ تو میں کچھ دیر اور انتظار کرنے

میں مضائقہ نہیں سمجھتا۔“

نبرے کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا، منہ ہی منہ میں بولا، لیکن میں تو کسی رشتے کے لائق

خاندان کو جانتا نہیں ہوں بلکہ یوں کہتے کہ میں تو آپ کے خاندان کے علاوہ کلکتہ میں کسی کو بھی

”مفتور ضرور“ موہم دادا نے بات کاٹی، ”اُن لوگوں کی تو صلاح لینا ضروری ہے ہی جب تک بھٹارے چپا زندہ ہیں تب تک ہم لوگ اُن کی مرضی کے خلاف کھڑا ہی کوئی بات کرنے کی سوچ سکتے ہیں۔“ پھر انھوں نے حسیب سے ایک پان اور نکالا اور سُنھ میں رکھ چیتے ہوئے اس طرح روانہ ہو گئے جیسے سب بات مٹیک ٹھاک ہو گئی۔

کچھ دن پہلے آئندہ موتی نے اشارتاً اس بات کے امکان پر اظہار خیال کیا تھا کہ شاشی کی نسبت نبوت سے کر دی جاتے لیکن نبوت نے اس طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ آج بھی یہ رشتہ اس کو پہلے کی بہ نسبت کچھ زیادہ پسندیدہ نہیں معلوم ہوا تھا، لیکن اُس نے اس خیال کو اس لئے اپنے دل میں جگہ دی کہ اس طرح وہ واقعی گورا کے خاندان کا ایک فرد ہو جائے گا۔ اور آسانی سے اس کو ادگ نہیں کیا جاسکے گا۔ وہ انگریزی تہذیب کے اس خیال پر ہمیشہ ہنسنا کرتا تھا کہ شادی دل کا معاملہ ہے اس کے نزدیک شاشی سے بیاہ ہونے ایسی کوئی ناممکن بات نہ تھی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اس وقت اسے اس نسبت کے آنے سے ایک گونہ خوشی سی ہوئی کیونکہ موہم دادا کی اس تجویز کی وجہ سے اس کو گورا سے صلاح مشیرہ کرنے کا ایک اچھا بہانہ مل سکے گا۔ بلکہ اُسے تو کچھ ایسی اُمید بھی تھی کہ ممکن ہے اس کا دوست خود بھی اس سے اس رشتے کو قبول کر لینے پر زور دے کیونکہ اُسے یہ بھی یقین تھا کہ اگر وہ جلد مرضی نہ ہوا تو موہم دادا گورا سے بھی زور دلا دیں گے۔

ان خیالات نے نبوت سے کی اُداسی کو رفتہ رفتہ بڑی حد تک کم کر دیا اور گورا سے فوراً ملنے کی اشتیاق میں وہ اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ ابھی کھڑی ہی دُور گیا ہو گا کہ اُسے تیش کی آواز سُنائی دی جو اُسے پکار رہا تھا۔ وہ واپس ہوا اور دونوں نبوت سے کمرے پر پہنچے تیش نے اپنا حسیب میں سے رومال میں بندھی ہوئی کوئی چیز نکالی ”لو چھپے کیا چیز ہے“

نبوت نے ہر طرح کی ناممکن چیزیں بتائیں۔ ”کدھری ہے“۔ ”کتنے“

کا پلا ہے۔۔۔ وغیرہ لیکن ستیش براہِ انکار کہنے لگا۔۔۔ آخر کار اس نے بندل کھولا اور اُس میں سے کچھ کالے کالے پھل نکالتا ہوا بولا ”بتائیے یہ کیا ہے؟“

بیڑے نے دو چار نام اٹھلے پھل بتانے کی کوشش کی پھر ہار مان لی ستیش نے بتایا کہ اُن کی ایک فالہ رنگون میں رہتی تھی اور اُنھوں نے ان پھلوں کا پارسل ان لوگوں کے لئے بھیجا تھا۔ اور ستیش کی ماں نے اُن میں سے کچھ بنوئے بابو کے لئے تحفہ بھیجے تھے۔

یہ بری ام تھے جو کلکتے میں اُس زمانے میں نظر نہیں آتے تھے۔ اس لئے بنوئے کو کچھ معلوم نہ تھا کہ وہ کیا ہیں۔ اُس نے ان پھلوں کو ہلایا ڈولایا دبایا پھر پوچھا ”اچھا تو ستیش بابو یہ پھل آخر کھایا کیسے جانا ہے؟“

ستیش بنوئے کی اس جہالت پر ہنسنے لگا ”دیکھتے مسخہ لگا کے کھانے کی کوشش مت کیجئے۔ ان کو چھری سے کاٹئے اور پھر اس کا گو دا کھائیے“ ابھی کچھ دیر پہلے ستیش نے بھی ان پھلوں کو دانت سے کاٹ کر کھانے کی کوشش کی تھی اور گھر میں سب نے اس کا خوب مضحکہ اڑایا تھا اب وہ اپنی بات بھول کر بنوئے کی ہنسی اڑا رہا تھا۔ ذرا دیر دونوں دوست ہنستے اور مذاق کرتے رہے پھر ستیش بولا

”بنوئے بابو۔۔۔ ماں نے کہا ہے کہ اگر آپ کو نذرانہ فرصت نہ ہو تو میرے ساتھ گھر چلتے آج۔ لیلہ کی سال گرہ ہے۔“

”بھئی اس وقت تو مجھے فرصت نہیں ہے۔ میں کہیں اور جا رہا ہوں“

”پر کہاں جا رہے ہیں آپ؟“

”اپنے دوست کے گھر“

”کیا آپ اپنے دوست کے گھر جا رہے ہیں؟“

”ہاں“

ستیش کی سمجھ میں اس بات کا کوئی سبب نہیں آ رہا تھا کہ بنوئے اس کے گھر چلنے کے

بجائے اُن دوست کے یہاں کیوں جائے۔ اور دوست بھی وہ ایسے کہ کم از کم ستیش کو تو بہت بُرے لگے تھے۔ ستیش کو تو اس خیال ہی سے کوفت ہوئی کہ نبوتے اُن دوست کے یہاں جا رہا تھا جو اس کے ہیڈ ماسٹر سے بھی زیادہ غصہ ور اور ٹنک مزاج لگتے تھے اور جنہوں نے اُس کے شاندار باجے کا کوئی نوٹس ہی نہیں لیا۔ اس لئے وہ صبر کرنے لگا۔ نبوتے بابو۔۔۔ کبھی آپ ہمارے گھر چلتے۔۔۔ نبوتے کی ذہن میں زیادہ کشمکش

نہیں ہوئی۔ وہ پہلے ہی دو دو لاہور ہاسٹا اس لئے اس نے اپنے صیاد کا ہاتھ پکڑا اور ممبر اکھتر کی طرف چل دیا۔ اُس کے لئے نامکن تھا کہ اس بات پر خوش نہ ہو کہ مخصوص طور پر اُن غیر ملکی بچوں میں اس کا حصہ لگایا گیا اور اس طرح انہوں کی مانت بکایا گیا۔

جب نبوتے پارلش بابو کے گھر کے نزدیک پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ہرن بابو اور چن۔ ایک اور آدمی اُن کے ساتھ باہر نکل رہے ہیں، یہ لوگ سر لکڑہ کی دعوت میں آئے رہے ہوں گے۔ لیکن ہرن بابو نے نبوتے کی طرف دیکھا بھی نہیں اور نکل گئے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی اُس نے ہنسنے اور کچھ دھماچو کڑی مچنے کی آوازیں سنیں۔ بات یہ ہوئی تھی کہ سبھیر نے اُس دراز کی کنجی غائب کر دی تھی جس میں بیو نیا اپنا البم رکھا کرتی تھی۔ بیو نیا کو ادنیٰ شہرت حاصل کرنے کا بڑا شوق تھا اور اس نے اپنے البم میں جو گیت جمع کئے تھے اُن میں سے بعض ایسے تھے کہ جن پر اس کو چھیڑا جاسکتا تھا لہذا سبھیر دھمکی دے رہا تھا کہ وہ سب کے سامنے وہ اشعار سناتے گا۔ دونوں طرف سے بڑے زوروں کی جنگ ہو رہی تھی کہ ادھر سے نبوتے بھی میدان میں آ نکلا، اُس کے پہنچتے ہی بیو نیا کی پارٹی ہلک جھپکنے میں اڑ پھڑ ہو گئی اور ستیش اس موقع سے لطف اٹھانے کے لئے اُن کے پیچھے بھاگتا رہا۔ اس سچا ریتا آگئی اور بولی۔ آپ بیٹھے نبوتے بابو۔۔۔ ماں آتی ہی ہیں، بابو جی بھی۔ نتھ بابو سے ملنے گئے ہیں اور ابھی آجاویں گے۔

نبوتے کو ذرا بے تکلفی کروانے کے لئے سچا ریتا اس کے پاس ہی بیٹھ گئی اور گورا کے

متعلق باتیں کرنے لگیں۔ اور جنس کے پولیس میرا خیال ہے اب تو وہ بھی ہمارے گھر میں قدم نہیں دھر رہیں گے

”کیوں آپ کو یہ خیال کیسے ہوا“

”انہیں اس بات سے سخت غصہ آیا ہو گا کہ ہم لڑکیاں اس آزادی کے ساتھ مردوں سے ملتی جلتی ہیں، میرا خیال ہے وہ صرف انہیں عورتوں کی عزت کرتے ہیں جو محض گھریلو کام کاج میں مصروف رہتی ہوں“ بنوے کے لئے اس بات کا جواب دینا مشکل تھا۔ کاش کہ وہ کہہ سکتا کہ یہ بات غلط ہے لیکن جان بوجھ کر غلط بات کس طرح کہتا اس لئے بات کو بناتے ہوئے بولا ”میں سمجھتا ہوں کہ گورا کا خیال یہ ہے کہ جو عورتیں اپنی پوری توجہ گھر کے کام کاج کی طرف نہیں لگاتیں وہ گویا اپنے فرض کی طرف سے لاپرواہی برتی ہیں“

سچا رہتا ہے کہا ”تو پھر کیا یہ بہتر نہ ہو کہ مرد عورتیں اپنے اپنے فرائض بالکل ہی الگ کر لیں، اگر مرد گھر میں کوئی دخل دیں تو کیا اُس کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ وہ اپنے باہر کے فرائض سے لاپرواہی برت رہے ہیں۔ کیا آپ کے بھی یہی خیالات ہیں جو آپ کے دوست کے ہیں؟“

عورتوں کی سماجی حیثیت کے متعلق بنوے اب تک گورا سے مکمل اتفاق کرتا چلا آیا تھا بلکہ اسی موضوع پر اخبارات میں مضامین بھی لکھ چکا تھا لیکن اب اس رائے پر قائم رہنا اُسے مشکل نظر آ رہا تھا لہذا کچھ رک کر کہنے لگا ”دیکھئے۔۔۔ کیا آپ ایسا نہیں سوچتی ہیں کہ بہت سے سماجی معاملات پر ہم روایت کے غلام ہیں۔ ہمیں عورتوں کو گھر سے باہر نہ بیکھ کر اسی لئے توڑا لگتا ہے کہ ہم ایسا دیکھنے کے عادی نہیں ہیں پھر ہم اپنے احساسات کو دلیلوں سے مضبوط کرنا چاہتے تھے کہ ایسا ہونا چاہیے کہ نہ ہونا چاہیے۔ حالانکہ یہ سب ایلیس جنس بہانہ ہی بہانہ ہیں، اصل چیز تو وہ روایت ہے جو ان احساسات کے جڑ میں ڈلی ہوئی ہے“

اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے مسوالات اور اشارے کر کے سچا رہتا ہے برابر گفتگو کو گورا کی شخصیت اور موضوع تک رکھا اور بنوئے سے جتنا بھی بن سکا، خوبصورت الفاظ میں اپنے دوست کا تذکرہ کرتا رہا۔ آپ سے پہلے کبھی اس نے اپنی دلیلوں کو اور مثالوں کو اس عمدگی اور صفائی کے ساتھ نہیں پیش کیا تھا۔ بلکہ غالباً اگر گورا خود بھی ہوتا تو اتنی صفائی اور تیزی کے ساتھ اپنے اصولوں کو سامنے نہ رکھ سکتا۔ بنوئے کو خود حیرت ہو رہی تھی کہ وہ بھی اس غیر موقع ذہانت کے ساتھ اس قوت کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا تھا۔ اس احساس سے اس کو بے حد خوشی ہو رہی تھی، چہرہ دھمک رہا تھا۔ — وہ کہتا جا رہا تھا "ہمارے شناسٹر کہتے ہیں اپنے کو پہچانو"۔ — کیونکہ علم ہی آزادی کی بنیاد ہے۔ میں آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ میرا دوست گورا ہندوستان کی — کا مجسم نمونہ ہے۔ میں اسے کوئی معمولی آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ ہم میں سے بہتوں کے ذہن ادھر ادھر پھٹکتے رہتے ہیں، کبھی کوئی کشش ہے تو کبھی کوئی، ہر نئی چیز کی طرف ذہن لپکتا ہے۔ — پر وہ ایک آدمی ایسا ہے کہ ہر قسم کی ہوس اور کشش کے درمیان استقلال کے ساتھ جما اپنی گرج دار آواز میں صدا دیتا رہتا ہے کہ

”اپنے کو پہچان“ —

بات کبھی ختم ہی نہ ہوتی کیونکہ سچا رہتا بڑے شوق سے سن رہی تھی۔ لیکن بیک پاس والے کمرے سے ستیش کی تیز آواز آنے لگی۔ —

بیچارے ستیش کو کبھی جہازوں کے سامنے اپنے جہرہ دکھانے کا موقعہ ملتا ہی نہیں تھا۔ بس آنے والوں کو تو لیلہ کی انگریزی نظمیں سنوا سنوا کر عاجز کر دیا جاتا تھا۔ بڑو دادیوی ستیش سے کبھی کہتی ہی نہیں تھیں حالانکہ لیلہ اور ستیش میں ہر بات میں مقابلہ ہوا کرتا تھا اور ستیش کو زندگی میں سب سے بڑی خوشی اس بات سے ہوتی تھی کہ جس طرح بھی ہو سکے لیلہ کے غرور کو نیچا رکھائے۔ ابھی کھینچے ہی دن بیدا کو بنوئے کے سامنے آ رہا تھا لیکن ستیش کو کسی نے دھوکا

ہی نہیں دی کہ لیلہ کچھ اپنی برتری ثابت کر سکے۔ اور اگر وہ خود کو شیش کرتا تو اسے دبا کر
خاشاک کر دیا جاتا۔ اسی لئے آج اس نے بغیر کسی کے کہے، خیر ہی، پاس والے کمرے میں بیٹھے
بیٹھے نظم شروع کر دی۔ سچا بتا اس بات ہمیشی نہ روک سکی اور کھکھلا پڑی۔

اُسی وقت لیلہ دوڑتی ہوئی کمرے میں آئی، دونوں چڑیاں زور زور سے جھپٹتی ہوئی اور
سچا بتا کے پاس جا کر اس کے کان میں کچھ کہہ دیا۔ ویسے ہی گھڑی نے چار بجائے نبوتے
نے پاریش بابو کے یہاں آتے ہوئے ارادہ کیا تھا کہ وہاں سے جلد ہی رخصت ہو کر گورا سے ملنے
چلا جائے گا اس لئے وہ چار کی آواز سن کر ایک دم کمری سے اٹھ کھڑا ہوا۔

سچا بتا جلدی سے بولی ”آپ کو جانے کی اتنی بھی کیا جلدی ہے نبوتے بابو۔۔۔
ماں آپ کے لئے چائے بنا رہی ہیں، ذرا ساڑک کے نیچے گا تو ٹھیک نہ ہو گا کیا۔۔۔
نبوتے کے لئے یہ سوال نہیں محکم تھا اس لئے وہ فوراً پھر بیٹھ گیا۔ بونیا عمدہ ریشی ساری میں
بلبوس آئی اور اعلان کیا کہ چائے مک گنتی ہے، اور ماں سب لوگوں کو اُپر بلا رہی ہیں۔ جتنی
دیر نبوتے چائے پیتا رہا، بڑا دیوی س کو اپنے بچوں کی مکمل سوانح عمریوں سے آگاہ کرتی
رہیں لوتنا سچا بتا کو لے کر، ہر چلی گئی صرف بونیا رہ گئی جو سر جھٹکاتے آؤنی بنائی میں مصروف
تھی۔ کسی نے ایک بار اس کی مادک انگلیوں کی تعریف کرتے ہوئے کہا دیا تھا۔۔۔ کہ جنتے
وقت اس کی انگلیاں بہت اچھی لگتی ہیں اور اس وقت سے اس کو یہ عادت پڑ گئی کہ غاس کر
جب مہان آتے تو بلا وجہ بھی وہ بنائی لے کر ان کے سامنے بیٹھ جایا کرتی۔ شام ہو رہی تھی جو
باریش بالو بھی آگئے اور چو نکا اس دن اتوار تھا لہذا انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ سب لوگ
برہمہ سماج کی میٹنگ میں چلیں بڑا دیوی نے مڑ کر نبوتے سے کہا کہ اگر اُسے کوئی اعتراض
نہ ہو تو وہ لوگ اس کے ساتھ سے بہت خوش ہوں گے۔ اب اس کے بعد نبوتے کس طرح
انکار کر سکتا تھا۔

سب لوگ دو گاڑیوں میں بیٹھ کر سماج کی طرف روانہ ہوئے جب دعا وغیرہ ختم ہو گئی اور

وہ لوگ پھر گاڑیوں میں بیٹھتے ہی دالے تھے کہ سچا رہا ایک دم سے بولی ”ارے وہ دیکھو۔
گورنمنٹ ہال بوجار ہے ہیں۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ گورنمنٹ نے اس پارٹی کو دیکھ لیا تھا مگر وہ اس تیزی سے وہاں
سے ہٹ گیا جیسے ان لوگوں کو دیکھا ہی نہیں۔ بنوئے کو اپنے دوست کی اس بد اخلاقی پر
شرمنگی محسوس ہوئی لیکن وہ سمجھ گیا تھا کہ اس عجلت کے ساتھ اس کے وہاں سے
ہٹ جانے کا سبب کیا تھا۔

گورنمنٹ بنوئے کو ان لوگوں کے ساتھ دیکھ لیا تھا۔ ابھی تک جو خوشی بنوئے کے ذہن
چھائی ہوئی تھی وہ یکایک بجھ گئی۔ سچا رہنے ایک دم بنوئے کے خیالات کو پکڑ لیا اور ان
کا سبب بھی سمجھ گئی۔ اس کو گورنمنٹ پر پھر غصہ ہوتا شروع ہو۔ ایک تو یہ زیادتی کہ بنوئے ایسے
دوست کے متعلق ایسا نامہ صفائے رویہ اور دوسرے برہمن سماج کے خلاف بدوجہ یہ تعصب!
اس کا جی چاہنے لگا کہ جس طرح سے بھی ہو گورنمنٹ پر نشان ہو۔

چودھواں باب

گورا دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے بیٹھا تو آندھ موئی نے کوشش کی کہ اُن کو جو خیالات آج کل سب سے زیادہ پریشان کئے ہوئے تھے وہ گورا کے سامنے رکھیں۔ بات شروع کرنے کے لئے بولیں ”ہوئے آج صبح یہاں آیا تھا کیا تم سے ملاقات نہیں ہوئی؟“ گورا نے بغیر سر اٹھاتے مختصر سا جواب دے دیا ”ہوئی تھی“

آندھ موئی چپ ہو گئیں اور کافی دیر تک خاموش رہنے کے بعد پھر کہا ”میں نے اُس سے رُکنے کو کہا مگر وہ چلا گیا۔ کچھ عجیب کوئی کمزوری سی حالت تھی اُس کی“

گورا چپ رہا۔

آندھ موئی نے بات جاری رکھی ”گورا — مجھے یقین ہے ہوئے کسی بات کے متعلق پریشان ہے۔ اسی حالت تو میں نے اُس کی کبھی نہیں دیکھی، — مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا“

گورا ایک لفظ کہے بغیر کھانا کھاتا رہا۔ آندھ موئی کو گورا سے اتنی زیادہ محبت تھی کہ وہ اس سے کسی قدر ڈرتی تھیں، اس لئے عام طور پر جب تک وہ خود ہی کوئی بات نہ کرے وہ اُسے کسی سما سے متعلق چپ کر مخاطب نہیں کرتی تھیں۔ کوئی اور بات ہوئی تو وہ موضوع کو جانے دیتیں لیکن ہوئے کے بارے میں آج وہ اتنی پریشان تھیں کہ اُن سے رہا نہیں گیا

پھر بات شروع کی ”دیکھو گورا، بُرا نہ مانو تو میں صاف بات کہوں۔ بھگوان نے طرح طرح کے انسان بنائے ہیں لیکن اس کی یہ مضمی کبھی نہیں ہے کہ سب ایک ہی رستے

پڑھیں۔ بنوئے تھیں جن کے برابر چاہتا ہے اس لئے وہ تھری ہر بات برداشت کرتا ہے لیکن تم اگر اس کو بہدستی اپنے رستے پر نہ چاہو تو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہے۔ گورا نے اس اتنا ہی کہا ہاں۔۔۔ مجھے کھوٹا سا دڑ ہے اور وہ دیکھئے۔۔۔ ٹیجے گا ہاں۔ اور بات ختم ہو گئی!

آئندہ موتی نے کھانا کھا کر بنی سلائی اکٹھائی اور پینک پر بیٹھ کر سینے میں ٹھہری نے بیٹے کو بہت کوشش کی کہ وہ زکریا میں سے ایک کی پیمائشی کا ذکر کرے ان سے بات چیت کر کے یقین دہاں اس طرح سوچ رہی تھی کہ کوئی بدولت بیٹھی تھیں کہ چکی ریت سے بھر دیں ہتھ کے پاس ٹریش رہے ہتھ کر خراٹے سینے کی گور کو بیٹھنے سے خفا ہوئے تھے۔۔۔ بڑی دیر تک مکیڈ کر کے۔۔۔

ابھی سوئے تھے جھکی ہوئے رہے پھر بات کہ وہ ناراض ہے اور گور یہ سوچ رہی نہیں ہو سکتا تھا کہ بنوئے کے پاس کر شیج نہ رہے نہیں کرے گا۔ اس لئے وہ سٹا لکھتا تھا تھا سن اس کے کان نہ دیتے تھے قدموں کے سمٹنے کے مستطیل سے۔۔۔ لیکن دن دھل گیا دیر ہوئے نہ آیا گورا نے سب خفا کر کے ختم کیا اور کاغذات اکٹھے ہی رہا تھا کہ موہم داد کر کے میں آئے اور گوری پر دم سے گر کر رہے تھے اس مونیہ پر آگئے کہوں بھئی تانا تر کے بہا کے بارے میں کیا سوچتے ہو

گورا نے اب تک اس بہانے پر کبھی شوبہ کی نہ تھا اس لئے ایک بڑے۔۔۔ نامی اختیار کرنے کے سوا اور کیا کارہ متا بھر موہم دہا۔۔۔ گورا کو چپا کے فرانس سمجھاتے۔۔۔ شادی کے بازار میں بڑھائیں کی قیمت کافی اونچی تھی وہ یہ کہ فی الحال ان کے بہا حالات ایسے نہ تھے کہ معقول رقم جہیز کے لئے فراہم کی جا سکتی۔۔۔ یہاں تک کہ گور کو بہت بات بولنی پڑی کہ اس مشکل کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا ہے اور تب اضیوں نے بنوئے کو اس مسئلے کے حل کی صورت میں پیش کیا۔ گور کو مریم داکو نہ بدلتا تھی کہ اس قدر گھٹا پورا کر

گورا کو اصلی بات پر لائیں لیکن اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ مشغول سے چاہے جو کہتے دل میں انھیں گورا سے ڈر لگتا تھا۔

گورا کے خواب و خیال میں کبھی نہ آیا تھا کہ نبوت کا نام بھی اس سلسلے میں آسکتا ہے۔ خاص کر اس لئے کہ ان دونوں نے تو فیصلہ کیا تھا کہ ملک کی خدمت کرنے کے لئے عمر بھر کنویرے رہیں گے۔ اس لئے اس نے بڑی سادگی سے کہا ”لیکن نبوت سے شادی کریگا بھی؟“ یہ تم کس قسم کی ہنسنے ہو بھئی ”موتیم دادا نے کھڑک کر کہا ”یہ سب شکہ اور چہندن ماتھے پر لگا سننے کے باوجود بھی تمھاری اگر بڑی تعلیم تھاری پڑیں میں پل گئی سپہ یقیناً نقیض معلوم ہوگا کہ شاستروں نے ہر مذہب کے بیٹے پر سادی کرنا فرما کیا ہے“

موتیم دادا ڈیرن نو جوانوں کی طرح پرانی ریت رسوں سے غافل نہ تھے اور یہی بدشستروں کے کوئی خاص پابند تھے۔ ان کے خیال میں برٹلوں میں بیٹھ کر کھانا اور اس پر اترا نا بہو تو فی تھی ورنہ سنجیدہ سپاہ سے نہ دے وگوں کے واسطے یہ ضرور کی تھا کہ ہر بدشستروں کا جو لہر یہ کریں جیسا کہ گورا کی شوق تھا۔ ان کی پاسی تو یہ تھی کہ ”روم میں نہ کہہ دو جو رومی کرتے ہیں“ جیسا ویس دیا کہیں — — — اس لئے انھوں نے گورا سے بات کی تو شاستر دین کا جو نہ مخصوص طور پر دے دیا۔

گریس سہند آج سے دو روز پہلے پیش ہوتا تو گورا اس کے متعلق بات کرنے یا سننے تک کو تیار نہ ہوتا لیکن آج یہ ایسا نظر نہیں آ رہا تھا کہ بالکل التفات ہی نہ کیا جائے جس قدر پس اس لئے بھی کہ اس سے فوراً ایک ہانا نبوت سے سننے کا ٹکڑا سکنا تھا۔ اس لئے وہ آخر کار بولا ”اچھی بات ہے۔ میں نبوت سے بات کر کے معذور ہوں، اس کے کیا خیالات ہیں“ اسے بھتیں معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے، دو تو وہی کرے گا جو تم کہو گے۔ اگر تم اس معاہدے کی مینوفکت ہیں ایک لفظ کہہ دو گے تو پھر سب کشیک ہو جاتے گا، پھر تو گویا ہمیں یہ سمجھنا ہی چاہیے کہ بات طے ہوگی“

گورا اُس دن نبوئے کے کمرے پر گیا اور دھرم سے اندر گھسنا تو کمرے کو خالی پایا۔ اُس نے نوکر کو آواز دی، پتہ چلا کہ نبوئے تو نمبر اٹھتر کو گیا ہے۔ گورا کا دل پاریش بابو، اُن کے سارے خاندان اور پورے برہمن سماج کے خلاف نفرت سے بھر گیا، اور اپنے دل میں غصے اور بغاوت کے جذبات لئے وہ تیزی سے پاریش بابو کے گھر پہنچا۔ آج وہ صاف صاف بات کر کے اس برہمن خاندان کو ذرا گرم گرم سنائے گا لیکن وہاں پہنچ کر یہ پتہ چلا کہ سب لوگ شام کی میٹنگ میں گئے ہیں۔ ایک پل تو وہ شک میں پڑ گیا کہ نبوئے اُن لوگوں کے ساتھ گیا بھی ہے کہ نہیں، ہو سکتا ہے وہ اس کے ہی گھر گیا ہو۔ پھر اُس سے رہا نہیں گیا اور اس کی فطری سیما بیت سے کھینچ کر برہمن سماج کی طرف لے گئی دروازے تک پہنچا ہی تھا کہ اُس نے نبوئے کو برودا دیوی کے نیچے ایک گاڑی میں گھسے دیکھا۔ بے شرم کہیں کا، سڑک پر کھلم کھلا غیر لڑکیوں کے ساتھ ساتھ، بیوقوف کہیں کا، اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی اُن لوگوں کے پھندے میں کھینچ گیا۔ تو دوستی اب اس کیلئے کچھ مخفی نہیں رہتی، گورا طوفان کی طرح گذر گیا۔ نبوئے اندگاہی کے اندھے میں بیٹھا چپ چاپ باہر گلی میں دیکھتا رہا۔ خانوش!

برودا دیوی سمجھیں کہ اس پر برہمن سماج والی تقریر کا گہرا اثر ہوا ہے اس لئے انھوں نے اس خانوشی میں مداخلت کرنی مناسب نہیں سمجھی!

پندرھواں باب

اُس رات گورا لوٹ کر آیا تو سیدھا کونٹے پر چلا گیا اور وہاں سے چھپت پر جا کر بیٹھنے لگا۔ بھڑی دیر بعد میں دم دادا ہانپتے کانپتے وہاں پہنچے "ارے بھئی! ابھی میں نہیں آتا کہ جب بھگوان نے آدمی کو پر نہیں دے تو وہ تین تین منزل کے گھر کیوں بنا تا ہے سیرگ میں رہنے والے دیوتاؤں کو تو یہ بات کبھی پس نہیں آ سکتی کہ یہ زمین پر رہنے والا کثیر آکاش تک پہنچنے کی کوشش کرے۔۔۔ کہو تم بنوئے سے ملنے گئے تھے"

اس بات کا جواب دینے کے بجائے گورا نے کہا "ششی کا بیہ بنوئے کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ یہ نامکن ہے"

"کیوں۔ کیا بنوئے راضی نہیں ہے؟"

"میں راضی نہیں ہوں"

"کیا" موہم دادا نے پریشان ہو کر دلوں ہاتھ اوپر اٹھا دئے "اب یہ تمہیں کیا نئی بات سوجھی۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ تم کیوں نہیں راضی ہو"

گورا سمجھانے والے انداز میں بولا "موہم دادا، دیکھتے بات یہ ہے کہ اب زیادہ دن بنوئے اپنے مذہب کا پابند رہے یہ نامکن سا نظر آتا ہے۔ اس لئے ہمارے خاندان میں اس کا شامل ہونا مناسب نہیں ہے"

"ارے واہ۔ میں تو کبھی نہیں، ن سکتا" موہم دادا سپر بڑے "میں نے بڑے بڑے دھرم اتھا دیکھے مگر یہ تو سب سے باڑی لے گیا۔ ارے تم تو نارس اور ناویہ پنڈلوں سے کبھی بڑھ گئے۔ وہ تو بس مذہب دیکھ لیتے ہیں اور تم تو مذہب پر مڑنا چاہتے ہو۔۔۔ اب

اُگے کسی کے بارے میں خواب ہی دیکھ لیسناکہ وہ عیسائی ہوگی تو اس کی شدہ بھی کرنے
 دوڑنا — سمجھے

پھر کچھ تو تو میں نہیں ہوتی اور موہم دادا بولے ”لیکن یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں کسی جاہل
 کے حوالے اپنی بچی کر دوں گا۔ پڑھے لکھے لوگ بے شک شاستر کو کبھی کبھار نہیں بھی دانتے اس
 کے لئے آپ اُن سے ریتے جھگڑتے بھننے لیکن میری بچی نے کیا تصور کیا ہے جو آپ
 اس کی شادی میں اڑنکار لگا کر ش کو سزا دے رہے ہیں — داد بھتی واہ — کیا آدمی
 ہو کہ سارا معاملہ لے کے الٹ پلٹ کر دیا“

وہ بکتے جھکتے بچے اترے۔ در سیدھے آندھوئی کے پاس پہنچے ”ماں — س
 اپنے گورا کو ذرا لگام دیجئے“

”کیوں — کیوں — گورا نے کیا کیا؟“

موہم نے ساری بات بتائی ”دیکھتے ہیں نے ششی کی نسبت نبوت سے تقریباً
 ٹھیک ٹھاک کر رہ گئی اور گورا کو بھی اس پر راہنی کر لیا تھا اور اب یکایک ان گورا
 بعد حسب کو یہ پتہ چلا ہے کہ نبوت سے تو کافی ہندو نہیں ہے اور پرائوں اور شاستروں
 سے اُس کے خیالات سن بچن نہیں ملتے ہیں۔ اس لئے وہ بگڑ بیٹھے ہیں اور جب
 وہ بگڑ بیٹھیں تو آپ جانتی ہی ہیں اس کے کیا معنی ہیں — شاستروں کے بوجھ
 آپ ہی ”بیابان ایک ایسی ہستی ہیں جس کی بات کا وہ لحاظ کرتا ہے۔ اگر آپ اُس کو
 بھجائیں تو میری بچی کا مستقبل تباہ ہونے سے بچ جائے۔ نبوت سے، یسا رشتہ بھلا
 اس کو کہاں ملے گا —“ بھرا کھوں نے اپنی درگور کی بات چیت کی ساری
 تفصیل بیان کی۔ آندھوئی کو بھی یہ ہوا خاص کر اس وجہ سے کہ تمام بائیں
 نہ ہر کر رہی تھیں کہ گورا اور نبوت کے درمیان کوئی خلیج حائل ہے جو برابر بڑھتی
 جا رہی ہے۔

وہ کرکٹ پر گئیں۔۔۔ دیکھا کہ گورا نے چھت پر بیٹھنا بند کر دیا ہے اور کمرے میں آکر ایک کرسی پر بیٹھا، دوسری پر پاؤں رکھے، کوئی کتاب پڑھ رہا ہے آنند موئی نے ایک اور کرسی کھینچی اور اس کے پاس بیٹھ گئیں، گورا نے جدی سے اپنے پاؤں کھینچ لئے، سیدھا ہو بیٹھا اور سوالیہ انداز میں ان کو دیکھنے لگا۔

”گورا۔ میری جان۔۔۔“ آنند موئی نے شروع کیا ”میری بات سن۔۔۔“

اور بڑے سے بڑائی نہ کر۔ میرے لئے تو تم دونوں دو بھائیوں کی طرح ہو اور تم لوگوں میں کوئی جھگڑا ہو یہ تو میں برداشت نہیں کر سکتی۔“

”لیکن اگر میرا درست مجھ سے غمزدہی، لگ ہو نہ چاہے تو میں اس کا بچھا کر کے

اپنا وقت کیوں ضائع کروں“ گورا نے جواب دیا

”میرا بچہ“ میں نہیں جانتی کہ دراصل تم دونوں میں کس بات پر بڑائی ہوتی ہے

لیکن اگر تم ہی سمجھتے ہو کہ اب تک جو دوستی تم دونوں میں تھی اُسے بدست ختم کر دینا چاہتا ہے تو تمھاری دوستی کو کیا ہوا ہے؟“

”اب تو بابتی ہیں ماں، میں تو سیدھا راستہ چلنا جانتا ہوں، اگر کوئی دباؤ پر

چلنا چاہتا ہے تو میں تو اس سے یہی کہوں گا کہ میری طرف سے ٹانگ ہٹاؤ اور پھر

اس کی ٹانگ ہٹانے میں چاہیے مجھے خود ہی جو شائبہ ہے تو مجھے پردہ نہیں۔“

”پر آخر ایسی کیا بات ہوتی ہے؟“ وہ کسی برہمن نڈان میں آتا جاتا ہے بس

اتنا ہی نہ۔۔۔ اس کا سارا تشویر بس یہی ہے نہ۔“

”ارے ماں وہ بڑی لمبی کہانی ہے۔“

”رہنے دو جتنی بھی کہی ہو تجھے تو ایک چھوٹی سی بات یہ کہنی ہے کہ تو اس

بات پر بڑے اتراے ہو نہ کہ ایک بار جس چیز کو کھام لیتے ہو اس کو چھوڑتے نہیں ہو

پھر بڑے پر تمھاری گرنٹ اتنی زبانی کیوں ہے۔ اگر یہ تمھارا بھنا س تمھاری پارٹی

سے نکلنے کو کہتے تو تم اسے اتنی آسانی سے نکل جانے دیتے ہو، پھر نبوتے سے دوستی قائم رکھنا تھا اسے لئے اتنی معمولی بات ہے جانتے ہو کہ وہ تمہارا وفادار دوست ہے!“

گور، خاموش ہو گیا اور سوچنے لگا آئندہ موتی کے الفاظ نے اس کا اپنا فتنہ اس کے سامنے کھول کر رکھ دیا تھا۔ اب تو وہ اس خیال میں تھا کہ وہ فرض کے لئے دوستی کو قربان کر رہا ہے لیکن اب ایسا معلوم ہو کہ وہ اس کے بالکل متفقہ کر رہا تھا، وہ نبوتے کی دوستی کو صرف اس لئے چھوٹ پہنچا رہا تھا کہ اس نے ان کی دوستی کو — کو ٹھیس لگائی تھی۔ دوستی کا تقاضہ تھا کہ گور انہو سے کو شہادت سے اپنے ساتھ پیٹے رہنا لیکن یہی نہیں وہ کر پاتا تھا اور اسی کی ساری کھسب ہٹ تھی۔

آئندہ موتی کو جیسے ہی یہ احساس ہوا کہ ان کے لفظ کام کر گئے انہوں نے پھر کچھ نہیں کہا، اٹھ کے جانے لگیں، — گور ابھی اپنی کرسی پر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور الگنی پر سے چادر گھسیٹی

”کہاں چلے“ آئندہ موتی نے پوچھا

”نبوتے کے یہاں“

”پہلے کھانا نہیں کھاؤ گے“ تیار ہے

”اب نبوتے کو لے کر آؤں گا تو دونوں ساتھ ہی کھائیں گے“

آئندہ موتی نیچے اترنے کے لئے مڑیں لیکن زینے پر قدموں کی آہٹ سن کر رک گئیں

اور بولیں ”لو وہ نبوتے خود ہی آپہنچا — — — اور پھر نبوتے ان دونوں کے سامنے کھڑا تھا۔“

اس کو دیکھ آئندہ موتی کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ”نبوتے میرے بچے، امید

ہے تم نے اب تک کھانا نہیں کھایا ہے“

”نہیں ماں — — — کھانا تو نہیں کھایا ہے“

”نیکھر یہیں کھانا“

نبوتے نے گور کی طرف دیکھا۔ ”دو بولا“ نبوتے تھوڑی بڑی عمر ہے، میں ابھی تھوڑا

یہاں جا ہی رہا تھا۔“

سندھ موتی کو، بے دل پر سے ایک بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا، وہ دونوں دوستوں کو

چھوڑ کر نیچے چلی گئیں۔

یہ لوگ بیٹھ تو گئے لیکن مریضوں کے ہی دل میں تھا اس پر گفتگو شروع

کرنے کی دونوں میں سے کسی کی ہمت نہ ہوتی۔

گورا اڑھرا اڑھرا کی باتیں کرنے لگا ”تم اُس جتنا سٹک سکھانے والے کو جانتے ہو

نبوتے جیسے ہم لوگوں نے کباب میں لڑکوں کو سکھانے کے لئے رکھا ہے۔ بہت اچھا

مستاد ہے۔“ اور اسی طرح دونوں معمولی باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ نیچے سے

کھانے کے لئے بلایا گیا۔ دونوں کھانا کھانے بیٹھے تو آئندہ موتی نے اندازہ لگایا کہ ابھی

تک اُن کے دل صاف نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے کھانا ختم ہوتے ہی وہ بولیں ”نبوتے

ب اتنی دیر ہو گئی ہے رات کو یہیں رہ جاؤ، میں تمھارے کمرے پر اطلاع بھیجے دیتی ہوں۔“

نبوتے نے سوالیہ انداز میں گور کی طرف دیکھا اور کہنے لگا ”سنسکرت کے اشلوک

کہتے ہیں جو پیٹ بھر کر کھانا کھا چکا وہ تو بادشاہ ہے اس لئے آج رات میں گلیوں میں

کیسے مارا مارا پھر سکتا ہوں۔“ یہیں سیوےں لگا۔

کھانے کے بعد دونوں دُست اور جا کر چھت پر کچھی ہوئی چٹائی پر بیٹھ گئے

خزاں کی چاندنی سے آسمان روشن تھا، بادل کے ہلکے ہلکے سفید سفید، نیٹ کی جھپکیوں کی

طرح چاند پر سے گزرتے اور پھر فضا میں تیرنے لگے۔ ہر طرف، افق کے کناروں

تک، چھتوں کی قطاریں پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر سائز کی چھتیں، اونچی اور نیچی چھتیں، جو

یہاں وہاں درختوں کی پھشکیوں کے ساتھ کھڑی ہو رہی تھیں۔ جیسے کسی فنکار نے نور و سایہ کو

بس یوں ہی آپس میں گھنگھول دیا ہو۔

پاس ہی کسی گھڑیوں نے گیارہ بجائے۔ ملائی کی برت بچنے والے اپنی آخری آوازیں لگا کر جا رہے تھے سڑک پر آمد و رفت کا شور گھٹتا جا رہا تھا بچے گلی میں تو اب کسی کے ہانگنے کے اثر نہ رکھے، صرف کبھی کبھی کسی کے کتے کے بھونکنے کی آواز آجاتی یا کہیں گھوڑا اٹھنے کے چوٹی فرش پر اپنی کھڑکیں مارتا، ٹھپ ٹھپ !

بڑی دیر تک دونوں میں سے کوئی نہیں بولا۔ آخر کار نبوت نے بات شروع کی۔
 پیسہ تو ذرا بچ چکا یا لیکن پھر اُسے جوش سے اپنے دل کی بات کہنا گیا "گھرا، بھرا دل اتنا بھرا ہوا
 ہے کہ اب رہا نہیں جاتا، مجھے معلوم کہ میرے خیالات جس موضوع سے اُبھر رہے ہیں اُس سے
 تمہیں کوئی پسند نہیں ہے لیکن جب تک تمہیں سب کچھ بتانا دوں مجھے پسند نہیں آئے گا۔
 میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ کٹیک بات ہے یا نہ بات ہے لیکن اتنی بات میں ضرور حجبِ تناسل
 ہوا کہ معمولی بات نہیں ہے میں نے اس کے متعلق بہت کچھ مطالعہ کیا تھا اور سمجھتا تھا
 کہ سب کچھ بتا ہوں۔ جیسے کوئی جمیل کی صورت نظر نہ دیکھے اور اس میں تیرنے کے قصور
 سے مٹھتے ہوئے، مگر اب سب کہ میں اپنی دریاہیں ہوں یہ مجھے کوئی آسان بات نہیں معلوم ہوتی،
 اس کہنیر کے بعد نبوت نے سنہ گوارا سے دھیرے دھیرے اس عجیب و غریب تجربے کا
 حقائق بیان کرنا شروع کیا جو پچلک اس کی زندگی پر چھا گیا تھا۔ سچ کل سے ایسا محسوس
 ہوتا تھا جیسا دن و رات، کبھی چٹخ چٹخ کر آتی تھی۔ جیسے آسمان کوئی غلہ نہیں بلکہ اس اور
 شیرینی سے بھرا ہوا کوئی چیز ہے شہد کے چھتے کے مانند جو بہار کے موسم میں ڈھاس سے
 ہوا پر تاملو۔ کتنا جبر ہے اسے اپنے سے قریب نہ محسوس ہوتی ہے اُسے چھوٹی ہوتی گذر
 جاتا ہے اس کے لئے ایک نئے معنی بہار، کشتی ہے آج سے۔ یہی تو اسے یہ خبر تھی کہ
 یہ سب اس سے اتنا پیار ہے کہ آسمان اتنی جہاں نہ کہ سب سے زیادہ ہوتی ہے گھبراہٹ کے
 سبب تاراج کرنے والے اس کے لئے اتنی بڑی حقیقت ہیں جس سے اس کے لئے کچھ نہ

آنے کو جی چاہتا ہے ————— سو بچ کی طرح سرری دنیا کو فیض پہونچانے کی خواہش دل میں کر دین لیتی ہے !

نہوئے جس طرح بات کر رہا تھا اُس سے کسی کو یہ پتہ نہیں چل سکتا تھا کہ کوئی خاص صورت اس کے ذہن میں ہے۔ جیسے کسی کا نام لینا اسی نازک بات ہے کہ زبان سے نکالتے ہی اس کو ٹھیس لگ جاتے گی، بلکہ اس کی عزت تو سارہ بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ — اس طرح سے دل ہاراز بیان کرنے میں ہی کچھ شرمندگی سی کچھ ٹیٹھی ٹیٹھی جھینپ سی محسوس ہوتی تھی وہ کیوں اتنی گستاخی کر رہا تھا کہ اُن بدبات کو بیان کئے دے رہا تھا، لیکن اس وقت اپنے جگری دوست اور عظیم کے ساتھ بیٹھ کر خاموش آسمان کی چھاؤں کے نیچے رہا بھی تو نہیں سنا تھا۔

کیا حسین تھی وہ صورت ! زندگی کی تانہا کی کس نزاکت کے ساتھ اس کی نرم پیشانی سے دکھتی تھی، کیا شاندار ذہانت تھی اور کیا ناک نقشے کے راز و نیاز ————— سکراتی تھی تو گویا چھپے ہوئے خیالات اس مسکراہٹ سے پھیولوں کی طرح کھل اُٹھتے تھے اور پھر کس طرح پنوں کی اوت میں چھپ جاتے تھے کہ بیان سے باہر ہے، اور اس کے دو دونوں ہاتھ جیسے بولتے ہوں جیسے خدمت کے حُسن میں اس کے ذہن کی پہرہ کی اپنے آپ کو بھیر دینا چاہتی ہو، نہوئے کو، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی زندگی اور جوانی پر یہ تصور جما گیا تھا۔ — ایک سیلاب تھا کہ جس نے اس کے دل کو گھیر لیا تھا اور جسکی سُرت کی طوفانی لہریں بار بار اس کے سینے سے آ کے ٹکرا رہی تھیں۔ یہ کیسی خوش بخشی تھی کہ دنیا میں اور لوگ جس چیز کے شاہد سے بھی محروم رہ جاتے ہیں وہ اُس کا تجربہ کر رہا تھا۔ — یا یہ کوئی جنون تھا، یا یہ کوئی خوش فہمی تھی۔ اگر تھی بھی تو کیا ہوا، اب تو پانی سر سے گزر چکا تھا اب تو اس پر کوئی ردک نہیں لگائی جاسکتی تھی۔ گر یہ طوفانی لہریں اُسے کسی ساحل تک پہونچا دیں تو اُس سے بڑھ کر کیا بات ہو سکتی ہے، اگر اُسے یہاں لے جائیں، ڈبو دیں، تو بھڑی ہے، —

مشکل یہ تھی کہ اب اُسے بچائے جانے کی بھی خواہش نہ تھی اگر اس کو بچایا جاتا تو زندگی کی اصل منزل اُس سے چھین جاتی۔۔۔۔۔ وہ منزل جو اس کی روایت اور اس کی طبیعت تھی !

گورا چپ چاپ سُنتا رہا۔۔۔۔۔

ایسی بہت سی چاندنی راتوں میں، ایسے ہی سناٹے اور اسی طرح کی خاموشی میں ابن دوستوں نے بے شمار چیزوں پر بحث اور بات چیت کی تھی۔۔۔۔۔ ادب، جنتا، سوسائٹی کی اصلاح و بہتری کے راستے، اور یہ کہ وہ دونوں مستقبل میں کیسی زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ لیکن اپنی رازدارانہ بات کبھی نہیں بولی تھی مگر گورا کے مُتھ در مُتھ آج تک کبھی کسی نے اس پر خلوص انداز میں اپنا دل کھول کر نہیں رکھ دیا تھا۔ انسان کے دل کی اندرونی حقیقتیں اسی طرح کبھی اس کے سامنے نہیں آتی تھیں وہ تو آج تک اس طرح کی باتوں کو شاعرانہ نفسیاتیات اور بکواس سمجھتا آیا تھا لیکن آج اسی موضوع نے اتنی شدت سے اس کے دل کے تاروں کو چھپکا کہ وہ اس سے بے نیاز نہ رہ سکا۔ صرف یہی نہیں کہ اس نے اس کے ذہن کے دروازوں پر کبھی دستک نہ دی بلکہ اس کی دھمک اور کٹر نفرتی گورا کے وجود میں بھی کوہِ بے کی لپک کی طرح سیرات کر گئی۔

ایک پل کے لئے دل کے ایک گوشے سے نقاب اُلٹ گئی جس کے پاس سے اُسے تو شک بھی نہ تھا کہ اس کے دل میں بھی موجود ہے! غزلیں کی چاندنی چپکے سے اُس گوشے میں در آئی اور اندھیرے چھرے میں نور پھیلانے لگی !

دونوں باتیں کرتے رہے اور دونوں میں کسی کو ہتہ نہیں چلا کہ چاند چھتوں سے نیچے اتر گیا اور آبِ پُرب سے ایک ہلکی سی روشنی پھوٹ رہی ہے جیسے کسی سوتے ہوئے معصوم بچے کی صورت پر چھائی ہوئی مسکراہٹ :

آخر کار جب بنوئے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کر چکا تو وہ کچھ جھپٹتے ہوئے بولا مجھے جو یہ کچھ ہوا ہے یہ تمہاری نظروں میں تو بہت معمولی بات ہوگی۔۔۔۔۔ شاید تم مجھے حقیر بھی سمجھو

مگر میں کیا کروں، — میں نے تم سے کبھی کچھ نہیں چُپیا اور اس وقت بھی میں نے اپنا دل کھول کر تمہارے آگے رکھ دیا اور اس طرح میرا دل ہلکا ہو گیا ہے۔ اب تم سمجھو یا نہ سمجھو۔

گورا نے جواب دیا، "نوئے۔ جو ایمان کی پڑچھو تو میں یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں یہ سب سمجھتا ہوں، تم بھی غالباً آج سے کچھ دن پہلے نہیں سمجھ سکتے تھے۔" میں اس بات سے بھی انکار نہیں کر سکتا ہوں کہ زندگی کی اس عظیم وسعت کو دیکھتے ہوئے اس کا پہلا مجھے بیکار ہی سا معلوم ہوتا تھا باوجود کہ اس میں کئی وسیع جذبات غفلت پوشیدہ ہیں۔ ویسے میں یہ مانتا ہوں کہ ممکن ہے ایسا نہ ہو۔ — اور مجھ کو صرف اس لئے کمزور اور ہلکا معلوم ہوتا ہو کہ میں نے خود کبھی اس کی قوت اور گہرائی کا تجربہ نہیں کیا۔ یہ بھی ہے کہ تم نے جس چیز کو اتنی شدت سے جانا اور محسوس کیا ہے اس کو اب میں جھوٹ یا غلط کہہ کر الگ نہیں کر سکتا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ انسان جس میدان میں کام کر رہا ہے اگر اس کے باہر کی شقیں اس کو کم اہم معلوم ہوں تو پھر کوئی انسان اپنے میدان میں اپنے فرائض کو پورا نہ کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا نے انسان کو غلطی سے بچنے کے لئے سب چیزیں دیکھنے کی صلاحیت بخشی ہے۔ اور پھر میں خود ہی یہ فیصلہ کرنا چاہتا ہوں کہ زندگی کے کس پہلو پر ہم اپنی توجہ کو مرکوز کریں گے۔ اور اس کے باوجود کچھ ہے اس کی ہوس چھوڑیں ورنہ تو ہم زندگی کے کسی پہلو میں بھی سچائی کو نہیں پاسکتے جس مندر میں تم نے سچائی کی موتی کو پایا ہے وہ میں پوچھا نہیں کر سکتا کیونکہ ایسی صورت میں مجھے اپنی زندگی کی سچائی کا مندر بچ دینا پڑے گا۔ — ہمیں ایک ہی راستہ اختیار کرنا ہے۔ — یہ یا وہ۔

"اچھا یہ بات ہے" "نوئے نے زور سے کہا" "یا نوئے نے راستہ یا گورا کا راستہ — میں چاہوں گا کہ میں جو چاہتا ہوں وہ مجھے مل جائے اور تمہارے پاس جو کچھ ہے وہ تم سے چھٹ جائے"

گورا نے بے نصیری سے بات کاٹی "نوئے لطیفہ بازی مست کرو! میں سمجھتا ہوں کہ

آج تمھارے سامنے ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کا منہ نہ کھلے گا۔ اگر تم واقعی
 سچائی تک پہنچنا چاہتے ہو تو اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دو۔ اور کوئی
 طریقہ نہیں ہے۔ میری بھی زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہی ہے کہ جس سچائی کو
 میں تلاش کر رہا ہوں وہ بھی کسی دن اس طرح میرے سامنے آکھڑی ہو۔ اب تک
 تم نے عشق کے بارے میں کتابوں میں جو کچھ پڑھا تھا اس سے مطمئن تھے۔ مجھے بھی
 اپنے وطن کے عشق کی کچھ معلومات ہیں وہ سب کتابی ہیں۔ اب جو تم نے اصل جذبہ کا
 تجربہ کر لیا تو تم کو پتہ چلا کہ تم نے جو کچھ پڑھا تھا وہ تو بہت کم تھا، اصل چیز تو اس
 سے بہت ہی زیادہ عظیم ہے۔ کوئی شے اس تصور سے خالی نہیں، کم از کم جو تم اسکی قدر
 کر سکتے ہو وہ تمھارا پورا سرمایہ حیات ہے۔ وطن کا عشق اگر میرے سامنے بھی کبھی اس
 طریقے سے اپنے آپ کو دیکھ کرے گا، اس طرح مجھ پر چھا جائے گا، تو پھر میں بھی اُس سے
 باہر نہ ہوسکوں گا، میری زندگی میرا خون، میری ہڈیوں کا گودا سب وہ کچھ لے گا، میری
 زندگی کی رگ رگ میں سوا جائے گا۔ میرے لئے سمان و زمین، نور و روشنی سب کچھ وہی
 ہوگا۔ میرے وطن کا وہ تصور کتنا عجیب و غریب، کتنا حسین، کتنا دلکش اور صاف
 ستھرا ہوگا، اُس کا درد اس کا سوز اس کی مسرت اور اس کا اتساق کتنا شدید ہوگا، زندگی
 اور موت سب کو وہ بیک وقت اپنی طوفانی لہروں میں بہا لے جائے گا۔ تم بات
 کر رہے تھے اور میں اُس کے یہ سب جلوے دیکھ رہا تھا۔ تمھاری زندگی میں جو یہ ایک
 انوکھا تجربہ آیا ہے اس نے مجھے بھی ایک نئی زندگی بخشی ہے تم جو کچھ محسوس کر رہے ہو
 ایسے ہیں کبھی سمجھ سکوں گا یا نہیں یہ تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن تمھارے ذریعہ مجھے بھی تھوڑی
 سی وہ لذت ضرور حاصل ہوگی جس کے خواب میں مدتوں سے دیکھ رہا تھا جس کی ترپ
 مدتوں سے میرے دل میں تھی۔ یہ کہتے کہتے گورا چٹائی سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا اور ادھر ادھر
 ٹپٹنے لگا تھا۔ پورب سے ابھرتا ہوا ترکا اس کے لئے جیسے کوئی پیغام دیتا ہوا معلوم ہوتا تھا

جو اس کی رُوح کی گہرائیوں میں اُتر گیا تھا، کانوں میں اسی صدائیں آرہی تھیں جیسے ہندوستان کے کسی قدیم جنگل میں سے ویدک منترؤں کے پڑھنے جانے کی گونج سنائی دے رہی ہو، ایک پل کے لئے وہ بالکل سرکت کھڑا ہو گیا، جسم میں تھر تھری سی تھپی اور ایسا محسوس ہوا تھا کہ اس کے دماغ میں سے کنول کی ایک شاخ پھوٹ نکلی ہے اور کھیل کر پھول بن رہی ہے۔ اس کی پنکھڑیاں اوپر آسمان تک پھیلی چلی جا رہی ہیں۔ اور اس کی اپنی زندگی اُس زندگی کے ساتھ قوت اور سارا احساس اُس پھول کے لائقنا ہی خشن ہیں کھو گیا ہے۔

جب وہ ہوش میں آیا تو یکایک بولا "نبوتے" بتھاری اس محبت کو ابھی اور بلب ہونا ہوگا، میں تم سے کہتا ہوں کہ جہاں ہو وہیں پر رک جانے سے کام نہیں چلے گا۔ یک نہ ایک دن میں تمہیں اس غنیمت قوت کو دکھا سکوں گا جس نے مجھے پکارا ہے۔ آج مجھے ایک عجیب قسم کی مسرت ہے اور آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ میں تمہیں کسی کے حوالے نہیں کر سکتا۔ نبوتے بھی چٹائی سے اٹھ کر گورا کے پاس آکھڑا ہوا اور ایک عجیب جوش کے ساتھ اس سے پہٹ کر بولا "بھئیَا"۔ ہاے سے الگ ہونا مرنے کے برابر ہے۔ ہم دونوں ایک ہیں کوئی ہمیں الگ نہیں کر سکتا، کوئی ہمارے درمیان نہیں کر سکتا۔

گورا کے محلے بڑے عذبات کی لہریں نبوتے کے دھڑکنے بڑے دل سے ٹکرا رہی تھیں اور ایک لفظ کہے بغیر وہ بھی اپنے دوست سے پہٹ گیا۔ پھر دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈاے خاموش چہمت پر ٹہلنے لگے۔ اور پورب کی طرف آسمان پر سُرخ پھیلتی گئی، پھیلتی گئی.....

گورا نے پھر بات شروع کی "بھئیَا۔ میں جس دیوی کی پوجا کرتا ہوں وہ سُرخ و خوبصورتی میں لپٹی ہوئی نہیں آتی۔ بلکہ وہ تو مجھے وہاں دکھائی دیتی ہے جہاں غریبی ہنسنے کا نہیں ہے اور حقارت ہے۔ اس کے دربار میں پھولوں اور موسیقی کا چڑھاوا لے کر عبادت نہیں ہوتی، زندگی کا خون چھڑکا جاتا ہے۔ میرے لئے تو بہر حال سب سے بڑی خوشی کا

اپنے واسطے حقیقی نہیں بنانے اس وقت تک ہر قدم پر اختلاف ہوگا۔ ہر قدم پر چھٹ جانے کا۔
اندیشہ! پھر ایک دن ایسا بھی آئے گا جب ہم اپنے سارے اختلافات بھول جائیں گے،
اس دوستی کو بھی بھول جائیں گے، اور اس طرح ایک دوسرے سے کاندھے سے کاندھا کر
کھڑے ہوں کہ کوئی قوت ہمیں الگ نہیں کر سکے گی، ہم اپنے آپ کو کھو کر بے شادی کا ایک
عظیم جذبہ حاصل کر سکیں گے۔ اور اسی بل پر اور عظیم اور وسیع مسرت میں ہمیں اپنی رفاقت کی
تعمیل حاصل ہوگی۔

”خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔“ نبوت نے گورا کا ہاتھ دبا دیا۔

”لیکن اس درمیان میں تم کو کافی پریشان کروں گا“ گورا نے اپنی بات جاری رکھی۔
”تمہیں میری زیادتیاں برداشت کرنی پڑیں گی، کیونکہ ہم صرف دوستی کو نبھانا اپنا مقصد
نہیں بنا سکتے، ہم یہ نہیں کر سکتے بہر صورت اس کو لگائے رکھنے کے لئے جس کی تحقیر
ہونے دیں۔ اگر اس عظیم رفاقت کی خاطر ہمیں اپنی اس دوستی کو قربان کرنا پڑے تو مجبوری
ہے، ایسا کرنا پڑے گا، لیکن اگر ہماری دوستی ان آزمائشوں کو عبور کر جائے تب تو
سمجھو کہ دوستی کا حق ادا ہو گیا۔“

پچھلے قدموں کی تہٹ سن کر دونوں ہی چونک پڑے، اٹھ کر دیکھا، ان دونوں
رہنے پر سے چڑھ کر آرہی تھیں، — انہوں نے دونوں ٹائیک ایک دوسرے پر پکڑا
اور پانگوں کی طرف لے چلتے ہوئے بولیں ”چید چلو، بس بہت ہوا، سب چل کر سوؤ۔“
دونوں ایک ساتھ بو لے ”نہیں مال نہیں، اب نہیں ہو سکتے۔“

”سو کیسے نہیں سکتے“ انہوں نے دونوں کو زبردستی لٹاتے ہوئے کہا، پھر وہ دروازہ
بند کر کے اُن کے سرہانے آ بیٹھیں، اور پنکھا اچھلنے لگیں۔

”آپ کا یہ سارا پنکھا و نکھا اچھلنا بیکار ہے ماں“ نبوت نے کہا ”نبوت سے نہیں

نہیں نہیں آئے۔“

”ہوں — دیکھتی ہوں کیسے نہیں آتی“ آئندہ موتی نے جواب دیا
 ”بہر حال یہ تو ہے کہ اگر میں بیٹھی رہوں گی تو تم دونوں بک بک نہیں کر سکو گے“
 جب دونوں سو گئے تو آئندہ موتی چپکے سے باہر نکلیں، زینے پر اٹھیں، موتیہ دادا
 ملے جواب پر آ رہے تھے ۔

”ابھی نہ جاؤ —“ وہ ان کو روکتے ہوئے بولیں ”دونوں رات بھر
 جا گے ہیں۔ ابھی میں نے بڑی شکل سے ان کو سنا یا ہے“
 ”اے میری تو بہ بہ۔ اس دوستی کی بھی کوئی حد ہے کیا آپ کچھ جانتی ہیں
 کہ شادی کا مسئلہ ابھی چھڑا کہ نہیں“

”نہیں مجھے کچھ نہیں معلوم“ آئندہ موتی نے جواب دیا۔
 ”کوئی نہ کوئی ذیبا تو دونوں نے کر ہی لیا ہوگا“ موتیہ دادا بولے ”آخر یہ
 دونوں کب جائیں گے“

”جی! اگر شادی کا مسئلہ حل نہ ہوا تو بڑی گڑبڑ ہوگی“
 ”کوئی گڑبڑ نہیں ہوگی“ آئندہ موتی ہنسنے لگیں ”ذرا سا ان کے زیادہ سونے سے
 کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آج ہی تو جائیں گے کسی نہ کسی وقت“

”بھتی آخر آپ کیا سچا ریتا کا بیاہ نہیں کریں گے“ برو داد پو می چنچ کر بولیں
پاریش بابو نے اپنے خاموش اور سنجیدہ انداز میں دائرہ می سہانی اور نرم لہجے ہی میں
پوچھا ”مگر دُلہا کہاں ہے“

[illegible]

”دیکھو جی اُن کی بیوی چنچیں“ مجھے اس طرح کی باتیں پسند نہیں ہیں۔ اگر ہم نے ہمیشہ اس لڑکی سے اپنی پیٹیوں کا ساہرتہ دیکھا تو اس کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ وہ اتنا اتر جائے! اگر ہتھوڑ کا سا پڑھا لکھا اور اپنے مذہب کا پابند آدمی اُس کو پسند کرتا ہے تو یہ کوئی مہموں بات نہیں کہ جس کو ہنسسی میں اڑا دیا جائے۔ آپ کچھ کہیں لیکن اگرچہ میری بیوی تیار اس سے کہیں زیادہ خوبصورت ہے پر وہ ہمارے انتخاب کئے ہوئے ہے۔ اگر آپ اس سے کہیں نہیں کہنے کی۔ اگر آپ اسی طرح سچا ریتا کے غرور کو ہوا دیتے رہے تو اس کیسے رشتہ ٹوٹنا مشکل ہو جائے گا۔

پارٹش بابویوں کبھی کبھی بیوی سے بحث نہیں کرتے تھے۔ اور سچا ریتا کے متعلق تو کبھی نہیں کرتے تھے۔ اسی لئے وہ خاموش ہو گئے! اسٹیج کی پیدائش میں حبیب شجاریا کی ماں کا انتقال ہوا تو وہ صرف سات برس کی تھی۔ اس کے باپ رام سرن بہدر بیوی کا ساتھ چھپنے کے بعد برہمن سماج میں شامل ہو گئے تھے اور پاس پڑوس کے لکھنوی

سے بچنے کے لئے ڈھاکہ چلے گئے۔ وہاں پورٹ آفس میں کام کر رہے تھے جب پارٹیاں بابو سے اُن کی دوستی ہوئی۔ اور وہ اتنی بڑھی کہ سچا ریتا بھی پارٹیاں بابو کو اپنے باپ کے برابر چہ پہنے لگی۔ رَم سرن بابو کا یکایک انتقال ہو گیا۔ انھوں نے سارا روپیہ دونوں بچوں کے نام کر کے پارٹیاں بابو کو اُن کا ولی قرار دے دیا تھا۔ پھر یہ دونوں یتیم بھائی بہن پارٹیاں بابو کے خاندان کے ہی ساتھ رہنے لگے۔

یہ تو قاری کو معلوم ہی ہے کہ ہرن بابو نہایت جو شے برہموسماجی تھے، سماج کی تقریب ہر ایک تنظیم میں اُن کا ہاتھ تھا۔ رات کے اسکول میں پڑھ کرتے تھے۔ برہموسماج میگزین کے ایڈیٹر تھے اور بڑکیوں کے اسکول کے سکریٹری تھے۔ غرض اُنھیں کام کرتے تھے ہر شخص یہی امید کرتا تھا کہ یہ نوجوان برہموسماج میں ایک اچھی اور معزز جگہ حاصل کرے گا۔ یہاں تک کہ سماج کے باہر بھی اُن کی شہرت چلی چکی تھی۔ سکول کے شاگردوں کے ذریعہ اُن کی انگریزی زبان کی لیاقت و فلسفہ کی مسودات کا بہت شہرہ تھا!

ان مختلف وجوہ کی بنا پر سچا ریتا نے ہرن کے ساتھ ایک خاص عزت کا برتاؤ کیا جیسا کہ وہ سب ہی برہموسماج کے شریف لوگوں کے ساتھ کرتی تھی۔ بلکہ جب وہ ڈھاکہ سے ٹکٹ آئی تو ہرن بابو سے ملنے کا شوق تھا۔

پھر یوں ہوا کہ نہ صرف سچا ریتا کا اس مشہور آدمی سے تعارف ہو گیا بلکہ وہ خود بھی کافی صاف طور سے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے یہ ظاہر کرنے لگے کہ وہ سچا ریتا کو پسند کرتے تھے۔ ایسا تو نہیں تھا کہ ہرن بابو نے سچا ریتا سے محبت کا کھلم کھلا اعلان شروع کر دیا مگر جس انداز سے وہ اُن کی کمیوں کو دہرا کرتے ہیں انھیں طویر پر دلچسپی لیتے، اُن کی غلطیوں کو درست کرے، جوش کو بڑھاتے، وہ عام طور پر اُسے ایک بہتر برہموسماجی بنانے کی کوشش کرتے اس سے سب ہی نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ وہ اس بڑکی کو اپنی رفیق بنانے کیلئے

نصوحیت کے ساتھ یہ سب کوشش کر رہے ہیں۔ سچا ریتا کو بھی حب، اپنی جگہ پر یہ معلوم ہوا کہ اس نے اتنے مشہور آدمی کے دل پر قبضہ کر لیا ہے تو وہ فخر محسوس کئے بغیر نہ رہ سکی اور ہرن بابو کا ادب بھی احترام کرنے لگی۔

اگرچہ بزرگوں کے سامنے ابھی تک باقاعدہ شادی کا پیغام نہیں آیا تھا لیکن چونکہ سب ہی کا یہ خیال تھا کہ سچا ریتا کی شادی ہرن سے ہوگی اس لئے وہ خود بھی اس کو ایک طے شدہ بات سمجھنے لگی تھی اور خاص طور پر مطالعہ اور مختلف کاموں کے ذریعہ اپنے آپ کو اس قابل بنانے کی کوشش میں لگی رہتی کہ اس شخص کی رفیق زندگی بن سکے جس نے برہمہ سماج کی بہتری کے لئے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ اس شادی کا خیال سچا ریتا کے لئے ایک رنگین قطعہ کا سا تصور تھا، رعب، احترام اور ذمہ داری کا تصور تھا۔ جیسے صرف وہ ایسا گھر ہو جہاں خوشی سے زندگی بسر کر لی جائے بلکہ جس کے معنی ایک شدید جدوجہد کا۔ جو صرف گھریلو معاملے نہیں بلکہ تاریخ کا ایک واقعہ ہو!

اگر اس حد پر آکر بھی شادی ہو جاتی تو دو ماہن والے بہر حال اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتے۔ بدبختی یہ ہوتی کہ ہرن بابو اپنی اہم زندگی کی اہم ذمہ داریوں کو اتنا غلط سمجھنے لگے تھے کہ آپس کی پسند سے شادی کر لینا ان کو اپنے شایان شان نہیں محسوس ہوا۔ وہ یہ سمجھنے لگے کہ پورا برہمہ سماج اس شادی سے کیونکر مستفیج ہوگا اس لئے وہ پہلا قدم اٹھانے سے پہلے کافی سوچ بچار کر لیںا جاتے تھے اور اسی فکر میں کھنوں نے سچا ریتا کو آزمانا شروع کر دیا۔ اس چکر میں وہ یہ بھول گئے کہ اگر انسان دوسرے کو آدمائے تو اسے خود بھی آزمائش میں سے گزرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ حب اس گھر میں ہرن بابو اپنے زیادہ بے تکلف نام ”پتو بابو“ سے یاد کرتے جانے لگے تو بیرون کا انگریزی زبان کا خزانہ اور ان کی فلسفیانہ حکمت کافی نہ ہو سکی جس کی وجہ سے وہ برہمہ سماج کی منفرد کاموں بنے ہوئے تھے۔ پھر تو اس مسئلہ پر بھی غور کیا جانے لگا کہ وہ

آدمی کیسے نہیں اور اس معاملہ میں وہ صرف احترام ہی احترام کی مثال نہیں رہے پتہ نہ پائے
کا بھی نشانہ بنے۔

سب سے عجیب بات یہ ہوئی کہ وہی پہلو جو دُور سے سُچا ریتا کے دماغ میں اُن کیلئے
عزت پیدا کرنے کا باعث بنا تھا وہ قریب آنے کے بعد اس کی ناپسندیدگی کا سبب بنا۔ ہرن
بابو جس طرح اپنے آپ کو برہمن سماج کی ہر اچھی اور خوبصورت چیز کا محافظ اور کھٹیکہ رہتا ہے
تھے اس رویہ سے اُن کا گھٹیا پن نہایت مضحکہ خیز حد تک ظاہر ہوتا رہتا تھا۔ اصل بات
تو یہ ہے کہ انسان صرف ایک چُبّاری کی حیثیت سے ہی سچائی سے تعلق قائم کر سکتا
ہے کیونکہ اس جذبے کے ساتھ وہ خاکساری اختیار کرتا ہے۔ وہ خود پسندی اور غرور پر
اُترتا ہے تو یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ وہ مقابلتاً کس قدر پست ہے۔ اس معاملے میں سُچا ریتا
خاص طور پر ہرن اور پاریش بابو کا موازنہ کئے بغیر نہ رہ سکتی تھی۔ پاریش بابو کے پرسکون
چہرے پر نظر ڈالنے ہی وہ حق پرستی ظاہر ہو جاتی تھی جو اُن کے بطون و ارواح میں سمائی
ہوئی تھی۔ اُن کے دیکھتے ہرن بابو بالکل اس کے متضاد تھے۔ اُن کا برہمن ازم خواہ مخواہ
کا بر خود غلط انداز رکھتا تھا جو مسلک کی سبب چھائیوں کو دُشمنہ لا دیتا تھا جو کچھ وہ کرتے
یا کہتے اس سے وہ فلسفہ نہایت پر ہیئت اور ناپسندیدہ معلوم ہونے لگتا۔ وہ سمجھتے تھے کہ برہمن
سماج کے فلاح و بہبود کو اُن سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔ اس لئے جب یہ خیال ان پر حاوی
رہتا تو وہ پاریش بابو کو بھی اپنی پیٹ میں لینے سے نہ چُوتے۔ ایسے موقعوں پر سُچا ریتا
چرٹ کھاتے ہوئے سانپ کی طرح غصّے سے بل کھا کھا کے رہتی۔

اس زمانے میں بنگال کے انگریزی تعلیم یافتہ لوگ بھگوت گیتا نہیں پڑھا کرتے تھے۔
لیکن پاریش بابو کبھی کبھار سُچا ریتا کو پڑھ کر سنایا کرتے تھے۔ اور تقریباً ساری مہینہ رات
انشاء نے ختم کر دی تھی۔ ہرن بابو اس پر اعتراض کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اس طرح کی تمام
کتاؤں کو برہمنوں کا نالہ سے دیس نکالنے دینا چاہتے تھے۔ وہ خود ان کتاؤں کو کبھی نہیں

پڑھتے تھے۔ اور چاہتے تھے کہ تمام وہ ادب جو مذہبی خیالات کے لوگوں میں ہر دلعزیز ہے۔ اس سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ دنیا کی تمام مذہبی کتابوں میں سے وہ صرف انجیل پر بھروسہ کرتے تھے۔ پارٹیش بابو مذہبی کتابوں کے معاملہ میں برہمہ اور غیر برہمہ کا نسب نہیں بدلتے تھے۔ اور یہ بات ہرن بابو کے پہلو میں کانٹے کی طرح کھٹکتی تھی۔ اسی ہی اور بھی کچھ باتیں تھیں جن پر وہ نکتہ چینی کیا کرتے تھے۔ سچا ریتا کو اس بات کی برداشت نہیں تھی کہ کوئی دل میں بھی پارٹیش بابو پر تنقید کرنے کی مجال کر سکے۔ ہرن بابو جس طرح کھلا پارٹیش بابو کی شان میں گستاخی کرتے تھے اس طریقہ نے اُن کو سچا ریتا کی نظروں میں گرا دیا تھا۔

لیکن باوجود اس کے کہ سچا ریتا ہرن بابو کی اس متعصب ذہنیت اور خشک تنگ نظری کی وجہ سے اُن سے دن بدن دور ہوتی جاتی گئی پر ہرن بابو سے اُن کی شادی کے امکان پر طریقہ میں سے کسی نے بھی کوئی شک کبھی ظاہر نہیں کیا۔

جو فرقہ مذہب کا شدت سے پابن ہوتا ہے اس میں یہی ہوتا ہے کہ جو آدمی چاہے وہ اپنی قسمت خود ہی بڑھا کر اس کا لیں لگا لے اور باقی لوگ بھی اُن کی وہی قسمت سمجھنے لگتے ہیں یہاں تک کہ پارٹیش بابو نے بھی ہرن کے اس حق جتانے پر کوئی بحث نہ کی اور چونکہ ہر شخص سمجھتا تھا کہ وہ آئندہ چل کر برہمہ سماج کے اہم مسئول بنیں گے اس لئے پارٹیش بابو نے بھی گویا اس رشتے کے لئے فارش بازت سے دی گئی۔ نہیں بلکہ یوں سمجھا جاتا ہے کہ اُن کے سامنے تو کبھی سوال اٹھتا بھی تھا تو اس طرح کہ کہا سچا ریتا ہرن بابو جیسے شوہر کے لئے مناسب بیوی رہے گی؟ یہ انہیں کبھی خیال نہیں آیا جو سچا ریتا سے پوچھتے کہ ہرن بابو اُسے کس حد تک پسند ہیں۔

چونکہ کسی کو اس معاملہ میں سچا ریتا کا نقطہ نظر دریافت کرنے کا خیال نہیں آیا اس لئے وہ خود بھی اپنے ذاتی رجحان کو تسلیم کرنے سے کتراتے لگی۔ برہمہ سماج کے باقی لوگوں کی طرح اس نے بھی یہ رویہ اختیار کیا کہ جب بھی ہرن بابو اُس سے باقاعدہ طور پر شادی کیسے کہیں گے

تو اس پیشکش کو قبول کرنا اس کی زندگی کا مخصوص فرض ہو گا۔

معاملات اسی طرح چل رہے تھے جب پارٹیش بابو نے گہرا کی طرف سے سچاریتا کو ہرن بابو سے سنت لفظوں میں بحث کرتے سنا۔ اُن کو شک ہو گیا کہ سچاریتا کے دل میں ہرن بابو کے لئے کافی عزت ہے یا نہیں۔ یہ بھی بھنوں نے سوچا کہ خیالات کے اس اختلاف کی تہہ میں کوئی گہرا سبب تو نہیں ہے۔ اس لئے جب برادریوں نے سچاریتا کی شادی کا سوال اٹھایا تو انھوں نے پہلے تسلیم و رضا کا رویہ ظاہر نہیں کیا بلکہ اس سے مختلف بات کی۔

اسی دن برادریوں نے سچاریتا کو الگ لے جا کر بولیں ”تمھاری وجہ سے بابو جی بہت غمزدار ہیں۔“

سچاریتا چونک چڑی اور نہایت غمگین ہو گئی، وہ تو کبھی بھٹولے سے بھی یہ سوچ نہ سکتی تھی کہ اس کی وجہ سے پارٹیش بابو کو کوئی دکھ پہونچے۔ اس کے چہرے کی رنگت پہلی طرحی اور بدلی

”کیوں؟ میں نے کیا کیا؟“

”بہ یہ تو میں کیا جانوں بیٹی! انہیں خیال ہو گیا ہے کہ تم پتو بابو کو پسند نہیں کرتی ہو۔
عامانکہ برادریوں میں ہر شخص ہی یہ سمجھتا ہے کہ پتو بابو سے تمھاری شادی طے بات ہے۔
اور اب اگر تم۔۔۔۔۔“

سچاریتا نے حیران ہو کر ان کی بات سنی ”لیکن ماں میں نے تو اس معاملہ میں کسی سے بھی کچھ نہیں کہا۔“

سچاریتا کا اس طرح حیران ہونا شاید ہی تھا کیونکہ اس نے باوجود اس کے کہ وہ اکثر ہرن بابو کے طور طریقوں سے چڑھ جاتی تھی لیکن اُن سے شادی کرنے کے خیال پر اس نے کبھی دل میں بھی احتجاج نہیں کیا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں اُسے یہ باور کروایا گیا تھا کہ اس بات سے اس کی اپنی ذات کی مسرت کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔ پھر اُسے ایک دم

سے یہ نیاں آبا کہ اس دن اس نے اپنی ناراضگی پاریش بابو کے سامنے ہی ظاہر کر دی تھی۔ اور محتاط نہ رہ کر تھی، اور اسے خیال ہوا کہ اتنی بات سے بابو جی کو پریشان ہو گئی۔ وہ انتہائی پشیمان ہوئے لگی۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ پہلے کبھی وہ اس طرح سے نہیں اُبل پڑی تھی۔ اور اس نے دل ہی دل میں قسم کھائی کہ آئندہ کبھی ایسا نہ ہوگا۔

اسی روز سہ پہر کو اتفاق سے پھر ہرن بابو آپہنچے، برہم دیوی اُن کو اپنے کمرے میں لے گئیں اور بویں۔ دیکھتے ہرن بابو میں ہر ایک کی زبان سے سنتی ہوں کہ آپ ہماری سچا ریتا سے شادی کرنے والے ہیں۔ لیکن میں نے آج تک آپ کی زبان سے اس قسم کی کوئی بات نہیں سنی۔ اگر سچ مچ آپ کا ایسا ارادہ ہے تو آپ کہتے کیوں نہیں ہیں؟

اب ہرن بابو کے لئے فکوش رہنا یوں بھی مشکل تھا انھیں خود خیال ہو رہا تھا کہ اب سچا ریتا کو ہمیشہ کے لئے گرفتار کر لینے ہی میں خیریت ہے۔ اب یہ سب آزمائشیں آئندہ کے لئے اٹھ رکھنی چاہئیں کہ وہ سچ کی خدمت کر سکیں گی یا نہیں۔ اُن کی معتقد ہو سکے گی کہ نہیں، وغیرہ۔۔۔ اس لئے انھوں نے جواب دیا ”وہ تو مانی بات ہے“ کہنے کی کیا ضرورت میں تو صرف اس انتظار میں تھا کہ وہ اٹھارہ برس کی ہو جاتی۔

”رے آپ بھی حد کرتے ہیں۔ تنے بھی کیا آپ اصول کے پابند ہیں چودہ سال

کی ہو گئی ہے بس کافی ہے۔“

شام کو چائے کی میز پر سچا ریتا کا رویہ دیکھ کر پاریش بابو ذرا مستعجب ہوئے۔ بہت دنوں سے سچا ریتا ہرن بابو سے اتنی خاطر داری سے نہیں پیش آئی تھی۔ یہاں تک کہ جب وہ اٹھنے لگے تو اس نے بومیا کے بنائے ہوئے کشیدہ کا ایک نمونہ دکھانے کے بہانے اُن سے بیٹھنے کے لئے بہت ہی اصرار کیا۔

پاریش بابو کے دل پر سے ایک بوجھ ہٹ گیا۔ انھوں نے سوچا کہ ان سے نسلی ہوئی ہوگی اور دل میں یہ خیال کر کے ہنسنے کہ دو چاہئے باول میں کوئی پیوٹا موٹا جھگڑا ہو گیا ہوگا اور وہ

جھڑپ اسی کا نتیجہ تھی؛ اب میل ہو گیا ہوگا۔

اُس روز شام کو وردانہ ہونے سے پہلے ہرن بابو نے پاریش بابو کی خدمت میں باقاعدہ طور پر سچا ریتا کے لئے پیغام پیش کیا۔ اور یہ بھی کہا کہ وہ اب شادی میں زیادہ دیر نہیں ہونے دینا چاہتے۔“

پاریش بابو کو کچھ اُلجھن سی ہوئی۔ جب اب میں بولے ”مگر آپ تو کہتے تھے کہ اٹھارہ سال سے پہلے لڑکیوں کی شادی ہونا غلط بات ہے۔ اخبارات اور رسالوں میں آپ اسی خیال کو لے کر مضامین لکھ چکے ہیں۔“

ہرن بابو نے وضاحت کی ”جی ہاں۔ لیکن یہ اصول سچا ریتا پر لاگو نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس کا ذہن اس کی عمر کے اعتبار سے بہت زیادہ نشوونما پا چکا ہے۔“

پاریش بابو اپنی نرمی کے باوجود اڑے رہے ”ہاں ہو سکتا ہے۔ مگر پتہ بابو کو تو ایسی فہم وجہ نہ ہو تب تو آپ کو اپنے اصولوں کے مطابق چلنا چاہئے۔ اور اس کے بالکل ٹھہر جانے تک ٹھہرنا چاہئے۔“

ہرن بابو اپنی اس کمزوری پر شرمندہ ہو گئے۔ اور بات بنانے کیلئے جلدی سے بولے۔ ”جی ہاں؛ جی ہاں؛ وہ تو خیر میرا فرض ہی ہے، لیکن میرا خیال یہ تھا کہ باقاعدہ طور پر جتنا اور دوستوں کے سامنے کوئی رسم منگنی کے رسم کی ہو جاتی۔“

”یقیناً۔۔۔۔۔ یہ نہایت عمدہ تجویز ہے۔“ پاریش بابو نے اُن سے اتفاق کیا۔

سترھواں باب

دو تین گھنٹے سونے کے بعد گورا کی آنکھ کھلی اور اس نے جو نبوئے کو اپنے پہلو میں سوتا ہوا دیکھا تو اس کا دل جھوم اٹھا۔ اُسے دل پر سے ایک بوجھ ہٹتا ہوا محسوس ہوا۔ جیسے کوئی خواب دیکھے کہ کوئی بہت قیمتی چیز کسبہ بیٹھا ہے اور آنکھ کھلنے پر پتہ چلے کہ وہ تو خوب تھا۔ کتنا اطمینان، کتنی خوشی! اب وہ نبوئے کو بار بار دیکھتا اور سوچتا کہ اگر وہ اس کا ساتھی اس سے چھین جاتا تو زندگی کتنی بے دست و پا ہو جاتی۔ اسے تنی مسرت ہوئی کہ اس نے نبوئے کو نیند سے جھنجھوڑ کر اٹھا ڈالا۔ "اٹھو یا، چلیں۔" کام بہت کرنے کو پڑا ہے۔

گورا روز صبح باقاعدہ طور پر ڈیوٹی کرتا تھا۔ اور وہ یہ کہ پڑوس کے غریبوں کے یہاں جا کر ان کا دل احوال پوچھنا۔ کوئی یہ مقصد نہیں ہوتا تھا کہ ان لوگوں میں کسی قسم کا پرچار کیا جائے، یا ان کی صلاح کی جائے۔ بلکہ سرن ان سے قریب تر ہونے کا شوق تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ وہ اپنے پڑوسے لکھے دوستوں سے اتنی قربت نہیں محسوس کرتا تھا جتنی ان لوگوں سے، وہ سب اس کو "چچا" کہتے۔ اور ایسا حقہ اس کی خدمت میں پیش کرتے جو انھوں نے اونچی ذات والوں کے لئے اناج رکھا ہوتا تھا۔ ان لوگوں سے نزدیک ہونے کیسے طبیعت پر حبر کر کے گورا نے کبھی حقہ بھی پیا تھا۔

ان میں گورا کا ایک خاص معتقد ایک نوجوان تھا۔ وہ ایک بڑھئی کاڑھ کا تھا۔ بیس بائیس سال کی عمر تھی۔ اپنے باپ کی ہی دوکان میں لکڑیوں کے بکس بنایا کرتا تھا۔ وہیل کوڈ میں اڈوں درجہ پر تھا۔ اور محلے کے کرکیٹ کا بہترین بور۔ گورا نے ایک

اسپورٹ اور کرکیٹ کلب محلے میں قائم کیا تھا جس میں اس نے ان لوہاروں اور بڑھیوں کے رٹکوں کو کھاتے پیتے گھرانوں کے رٹکوں کے برابر کھڑا کیا تھا۔ اس ملی جلی جماعت میں جہاں کہیں بھی جسمانی مقابلے یا ورزش کا سوال آجاتا تو سدا ان سب سے بازی سے جیتا۔ نتیجہ کے طور پر کچھ اونچے درجے کے رٹکے سے ملتے جلتے تو ضرور تھے۔ لیکن گورا نے کچھ ایسی باقاعدگی طاری کر رکھی تھی کہ آخر کار ان لوگوں کو بھی سدا کو کپستہ بنانے میں ہاں کرنی پڑی

ابھی چند دن پہلے سدا کے پاؤں میں رکھنی سے ذرا سا زخم آگیا تھا اس لئے وہ کرکیٹ کھیلنے نہیں آ رہا تھا۔ گورا کی زیادہ توجہ بنوسے کی طرف لگی ہوئی تھی اس لئے وہ کچھ پوچھ گچھ کر نہیں پایا۔۔۔۔۔ اس سے اس وقت دونوں بڑھیوں کے کواٹر کی طرف جے ذرا سدا کی خیریت دریافت کرتے ہیں۔

اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے تو اندر سے عورتوں کے رونے سٹینے کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ سدا کا باپ یہ گھر کے دوسرے مردوں میں سے کوئی آس پاس دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پڑوس کے ایک دو دوکاندار سے پوچھنے پر پتہ چلا کہ آج ہی صبح سدا کا انتقال ہو گیا۔۔۔۔۔ اور ابھی ابھی لوگ اس کی ارکھی لے کر چلتا ہوں گھاٹ گئے ہیں۔

سدا مر گیا! اتنا ترست، تنا مضبوط، اور توانا اور پھر اتنا کمزور۔۔۔۔۔ مر گیا! آج صبح ہی حیرت سے گورا کا ایک ایک عضو جم کر رہ گیا! سدا ایک غریب بڑھتی تھا۔ اس کے مرجانے سے اس کے اپنے دائرے میں کچھ لوگ ضرور ایک خلا محسوس کریں گے مگر وہ بھی کچھ ہی دن۔ کبہ گورا کے نزدیک سدا کی موت ایک ظالمانہ زیادتی تھی، ایسی زیادتی جو کبھی ممکن ہی نہ ہونی چاہئے۔ اس نے دیکھا کہ سدا میں کسی بھرپور قوت تھی۔ زندہ تو بہت وگ ہیں۔ مگر وہ جان باری کہاں! وہ چھلکتی ہوئی توانائی کہاں۔

اس کی موت کا سبب دریافت کیا تو پتہ چلا ٹیفیس تھا، سدا کے باپ نے تو ڈاکٹر کو

بلانے کی کوشش بھی کی تھی لیکن اُس کی ماں بھی کہے گئی کہ نہیں اڑ کے کو تو اوپر کا کچھ ہو گیا ہے۔ اس لئے اس نے ایک سیانے کو بلوایا۔ جو رات بھر نہ جانے کیا کیا منتر پڑھ کر غریب مریض کو گرم گرم لوہے سے دغتلارہا۔ بیماری کے شروع میں نذرانے خود کہا تھا کہ گورا کو اطلاع کر دی جائے۔ لیکن اس کی ماں کو یہ ڈر ہوا کہ گورا آئے گا تو ڈاکٹری امداد کے لئے اصرار کرے گا۔ اس لئے اس نے اطلاع پہنچائی ہی نہیں۔ گھر لوٹتے ہوئے بنوئے نے ایک اور آہ بھیانک بھر کے کہا ”افوہ۔۔۔ کیا نادانی ہے اور اس نادانی کی کیسی سنگین سزا ہے“

”اس بات کو صرف نادانی کہہ کر اپنے کو تسلی نہ دو بنوئے“ گورانے تلخ لہجے میں کہا۔ ”اگر تمہیں یہ سچ سچ معلوم ہوتا کہ یہ نادانی کس حد تک پھیلی ہوئی ہے اور اس کے نتائج کہاں تک پہنچتے ہیں تو تم اتنی آسانی سے بس رنج کا اظہار کر کے بری الہتم نہ ہو جاتے۔“

جیسے جیسے گورا کا عقدہ اور جوش بڑھتا جا رہا تھا۔ ویسے ویسے اس کے قدم تیز ہوتے جا رہے تھے۔ بنوئے چپ چاپ اس کے بربر حملے کی کوشش کر رہا تھا۔ نذرانہ دیر بند گورا نے پھر بات شروع کی: ”بنوئے میں اس معاملہ کو اتنی آسانی سے ختم نہیں ہونے دوں گا۔ اس بد معاش نے میرے نذر پر جو ظلم دیا ہے مجھے سخت اذیت پہنچا رہا ہے۔ وہ منظم میرے تمام ملک کو اذیت پہنچا رہا ہے۔ میں اسے کوئی انفرادی یا کوئی معمولی بات نہیں سمجھ سکتا۔“

بنوئے کو کچھ بھی چپ دیکھ کر گورانے گرجنا شروع کر دیا: ”بنوئے میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔۔۔ تم سوچ رہے ہو کہ ان باتوں کا کوئی حل نہیں اور اگر ہے بھی تو وہ ابھی بہت دور ہے۔ گرمیرے لئے ممکن ہو سکتا تو میں اپنی زبان سے دیتا۔ میرے وطن کو جو زخم گہرے ہیں ان کا درد انگریز موجود ہے۔۔۔ چاہے وہ زخم کتنے ہی سخت کیوں نہ ہوں۔ درد بردار ابھی میرے ہی ہاتھ میں ہے۔ چونکہ میں

اسی بات پر یقین رکھتا ہوں یہی وجہ ہے کہ میں اپنے چاروں طرف پھیلے ہوئے غم،
پریشانی اور تھکے کو برداشت کر سکتا ہوں۔

”بہن! میں تو اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس بے نامک اور وسیع غم و اندوہ میں اپنا ایمان
سلامت رکھ سکوں۔“ بتوتے نئے کہا۔

”میں کیسی نہیں مان سکتا کہ غم، بدی ہے۔“ گورا نے جواب دیا۔ ”حالات کی مادی قوت فکر
اور قوت ارادی اس کو غم کرانے پر تلی ہے۔ دانٹلی اور غارنی دونوں حیثیتوں سے بنوتے ہیں
تم سے کہتا ہوں اور پھر کہتا ہوں، کبھی خواب میں بھی نہ سوچنا کہ ہمارے ملک کا آزاد ہو جانا
ناممکن ہے۔ ہمیں اپنے دل میں اس کی آزادی کا اٹل یقین رکھنا ہے اور یہ مسئلہ تیار
رہنا ہے! تم ایک موہوم دنیا پر مطمئن ہونے کی بجائے خاص مبارک لمبے پرستان کی
جنگ آزادی شروع ہوئی ملک میں کہہ چکا ہوں کہ وہ شہرت ہو چکی ہے اور یہ ملک باری ہے
الکر جس پر کتنا نہ رہیں، ہوشیار نہ رہیں تو ہمارے لئے اس سے زیادہ بڑا ناخاکت اور
کہا ہو سکتی ہے۔“

”بھئیو گورا! بنوتے کے جواب دیا۔ تم میں اور باقی لوگوں میں یہ فرق ہے کہ تمہاری
دوران ہوئے والی سمجھوتہ باتیں بھی نہ کوہ مبارک ایک نیا بوسہ دلاتی ہیں، ایسی باتیں جو مدتوں
سے ہوئی تھیں آ رہی ہیں اور مٹولی بن گئی ہیں، اور ہم ان سے اسے بے خبر ہیں جیسے ہر وقت
لے جانے والی سانس سے! وہ نہ ہمیں امید دلاتی ہے۔ نہ ہم پر یہ یوں طاری کرتی ہے، نہ
ہمیں خوش کرتی ہے نہ رنجیدہ۔ ہمارے شب و روز کچھ اسی طرح گزرتے رہتے ہیں کہ پاروں
موت سے پہلے پھوٹے وقت کے ہجوم میں گھر کرنے ہم اپنے کو پہچان پاتے ہیں نہ اپنے
ملک کو۔“

گورا کا چہرہ لال ہو گیا۔ ”تیرے میں کھڑی ہوئیں اس نے دونوں ٹھپا پیچ لی تھیں
اور ہونا۔“ اس کے ساتھ ایک اس کا پیچا رہنا نہ دیکھا جو دو لکھور سے بنتا ہوتا تھا۔

دوڑاتے ہوئے وہ زور زور اپنی گر جہار کر دیں پکارتا جہار ہاتھا۔ ٹرک جاؤ! رک جاؤ! ہانگہ ہانگے والے، موٹے سے سفید پوش، بنگالی بابو نے ایک ہار پیچھے ٹرک کر دیکھا اور پھر اپنے تیز رفتار گھوڑوں کو ایک زور کا چابک لگایا اور غائب ہو گئے۔

ہات یہ ہوتی تھی کہ ایک بوڑھا مسلمان باورچی جو کسی انگریز کا نوکر معلوم ہوتا تھا اپنے سر پر سودے کی ایک ٹوکری رکھے بیچ سڑک پر سے گزر رہا تھا۔ موٹے بنگالی بابو نے اس کو سٹپنے کے لئے آواز تو دی تھی مگر دڑھے نے، جو پہرہ تھا، سنی نہیں! ویسے وہ بچہ ٹوگیا لیکن کھڑکے کے گرائے ٹوکری اُلٹ گئی، تمام پیل سبز باں، مکھن، انڈے سڑک پر بکھر گئے۔ بنگالی بابو نے سیٹ پر دم کر ڈالا تھا، "کبھی سورت" اور بیچا سے بوڑھے کو پابک کا ایک ایسا سڑکا دیا تھا کہ خون پھوٹ آیا۔

"اللہ۔ اللہ۔" بوڑھے نے ٹشتری سانس بھر کے کہا اور پھر جو چیزیں مٹی میں نہیں گئی تھیں، وہ سڑک پر سے اٹھا کر ٹوکری میں رکھنے لگا۔ گورا بھی سی جگہ، پس لگیا اور سڑک پر سے چیزیں چھننے میں بوڑھے کی مدد کرنے لگا تاہم باورچی اس صاف ستھرے سفید پوش نوجوان کو اتنی شکایت کرنے دیکھ کر اور بھی گھبر گیا، آپ کیوں پریشان ہوتے ہیں۔ بابو اب یہ چیزیں کسی کام کی کٹوڑا ہی ہیں۔

گورا کو معلوم تھا کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے وہ کوئی خاص بد نہیں ہے، بس کو وہ مدد دے رہا ہے اس کو اس بات سے گھبر ہٹ ہی ہوگی لیکن اس سے محسوس کیا کہ اس وقت کچھ نہ کرنا ممکن ہے۔ آخر وہ چپتوں کو بہ اندازہ کیسے ہو کہ ایک شریف آدمی نے جو غلام بنایا ہے اس کو سڑا بہت کفارہ دوسرے شریف آدمی کو اس طرح ادا کرنا چاہئے کہ وہ بڑی سڑک سے گزرتی ہوئے کی دولت اٹھائے اور اس غریب بوڑھے کا ہاتھ بٹائے۔ تاکہ وہی نوٹوں پر مظاہر ہو۔

جب ٹوکری بھری تو گورا نے کہا: "مختار! بہت نقصان ہوا ہے کیسے بھر پائے گئے۔" گورے گھر چلو میں پورا کئے دیتا ہوں۔ مگر ایک بات تمہاری بھی ہے اس کو حل کرنے کو۔

پھر یاد دلا یا تھا کہ نبوتے اپنے دل کے طوفان میں بہتا ہوا ایک ایسے رستے چار ہاتھ جس کا اس کے راستے سے کوئی تعلق نہ تھا۔

نبوتے کو گورا کی خاموشی کا سبب خوب معلوم تھا لیکن وہ اس کی اس علیحدگی کی تفصیل توڑتے ہوئے کچھ بھجپچا رہا تھا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس وقت گورا کا ذہن ایک ایسی بات میں الجھا ہوا ہے چچا ان دونوں کی رفاقت کے درمیان ایک خلیج کی طرح حائل ہو گئی ہے۔ گھر پہنچے تو سوہم دادا کو دیکھا کہ زینے پر کھڑے نیچے گلی میں جھانک رہے ہیں۔

”ارے! یہ کیا ہو رہا ہے؟“ انہوں نے ان دونوں دوستوں کو دیکھتے ہی ہکا بکا میں نہ سمجھا تم دونوں کہیں آرام سے فنٹ پانت پر سو رہے ہو گے، افوہ! اتنا دیر ہو گئی ہے۔ نبوتے تم جا کر نہاؤ۔ کھانا آتا ہی ہے۔“

نبوتے کو اس طرح چلتا کسے رو گورا سے مخاطب ہوئے: ”دیکھو گورا میں نے تم سے جو بات کہی ہے اس پر تمہیں سنجیدگی سے غور کرنا ہے۔ اگر نبوتے تمہارے معیار کے مطابق مذہبی نہیں بھی ہے تو آخر ہمیں دنیا میں اس سے بہتر رشتہ اور ملے گا بھی کہاں۔ صرف مذہبیت لے کر کیا کرنا ہے۔ تعلیم بھی تو چاہئے، میں مانتا ہوں کہ مذہبیت اور تعلیم کا میل ہماری شائستگی کے عین مطابق نہیں ہے مگر سوچو تو یہ میل کچھ ایسا بڑا بھی نہیں ہے۔ اگر تمہاری اپنی کوئی بیٹی ہوتی تو مجھے یقین ہے کہ تم ضرور میری رائے سے اتفاق کرتے۔“

”وہ سب شکیک ہو جائے گا دادا“ گورا نے جواب دیا۔ ”میرا خیال ہے نبوتے کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

”ذرا اس کی بات کوئی سنئے۔ ارے! نبوتے کے اعتراض کی فکر کس کو ہے۔“

تو تمہارے اعتراض سے ڈرتا ہوں۔ اگر تم نبوتے سے اپنی زبان سے دو چار لفظ کہہ دیتے تب تو مجھے بہت ہی اطمینان ہو جاتا۔ لیکن اگر وہ نہیں کر سکتے تو خیر جانے دو۔“

”نہیں میں اس سے کہوں گا۔“ گورا نے مختصر جواب دیا سوہم بابو کو محسوس ہوا کہ اب

توصیف بات کے کھانے کا منتظر نام کرنا رہ گیا ہے۔!

جیسے ہی گورا کو موقع ملا اس نے بوسے سے بات چھڑادی: "دادا تمھارے رشتے کے لئے بہت زور دے رہے ہیں شاشی کے لئے۔ تم کیا کہتے ہو؟"

"پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ تمھاری خواہش کیا ہے؟"

"میں تو کہتا ہوں کہ کوئی ایسی بڑی بات تو نہ ہوگی؟"

"مگر تم تو اس سے بالکل مختلف طریقے پر سوچا کرتے تھے۔ کیا ہم دونوں نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا کہ ہم میں سے کوئی بھی شادی نہیں کرے گا۔ میں تو سمجھتا تھا بات طے ہو چکی ہے؟"

"کیوں ایک ہی رستے کے مسافروں کے لئے دو منزلیں کیسی؟"

"مجھے دو منزلیوں کا خدشہ ہے نہ جب ہی تو اس انتظام کی رائے سے رہا ہوں بعض لوگوں کو توڑنی پڑی ہوگی، مگر یہ ہے۔ اور دوسرے خوش فیصلہ ہونگے۔ اگر سب یہ دونوں قسم کے ہوں تو ایک ہی جوڑے تیار ہوں تو پھر ساتھ ساتھ چلنے کے لئے دروازے پر کسی تڑپتی بوجھ تو لانا پڑے گا۔ ہم دونوں بھی ایک دوسرے کا ساتھ دے سکیں گے۔ سبب یہ ہے کہ اوپر شادی کی ذمہ داریوں کا کافی بوجھ لاد دیا جائے۔"

"ابھی بات ہے۔ اس طرف بھی بوجھ ڈھیر کر دو۔۔۔ بالکل کر دو۔"

"لیکن وہ بوجھ کتنی خاص ہو تو تمہیں اس پر کیا اعتراض ہے؟"

"اس سبب کہ یہ توڑنی ہے تو وہ کچھ چیز سے بھی توڑی جا سکتی ہے۔ انہیں بوسے

یا پتھر۔۔۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

بوسے کو کھل مینہ پانی۔۔۔ من ٹپ گ، ٹھا: اور اس کی کوششوں پر اس کی من ٹھٹھ سے رہا تھا۔ یہ کوششیں اس لئے نہیں ہو رہی تھیں کہ وہ کسی کے جھکے سے کسی کے جھکے میں نہ پھنس جائے۔

وہ ہر کامیابی وقت بھی رستے کے بوسے کی تلاش کرتے کرتے دونوں دروازے

خوب سوئے۔ جب ساتے لیے ہونے لگے تو پھر دونوں چھت پر جا بیٹھے۔ اس وقت تک اور کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔

ہوئے نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا ”دیکھو گورا میں ایک بات تم سے کہنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم لوگوں کی حب الوطنی میں ایک بہت بڑی خرابی ہے اور کمی ہے۔“

”کیوں؟ کیا؟ کیا مطلب ہے تمہارا“ گورا نے چونک کے پوچھا۔
 ”ہم وگ ہندوستان کو صرف مردوں کا ملک سمجھتے ہیں۔ عورتوں کو ہم بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔“

”وہی انگریزوں والی بات؟“ گورا نے جواب دیا ”آپ تو ہر جگہ عورتوں کو دیکھنا چاہتے ہیں؟ گھر میں اور گھر سے باہر، زمین پر، پانی پر، آسمان پر کھاتے وقت، تفریح کرتے وقت، اور کرنے وقت، یہاں تک کہ اگر عورتیں مردوں پر بالکل چھٹا جاتیں تب بھی آپ یہی کہتے رہتے کہ ابھی معاملہ یکطرفہ ہے۔“

”نہیں بھائی آپ بس آسانی سے میری بات کو نہیں ختم کر سکتے۔ اس میں یہ سب ل نہ اٹھا سیتے کہ میں، نگریز کی طرح سوچنا بلوں یا کسی اور کی طرح! میرا تو کہنا یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کی عورتوں کو ان کی جائزہ جگہ دینے کی سوچتے ہی نہیں ہیں! مثلاً تم اپنے کو ہی لو۔ میں تقریبی طور سے کہہ سکتا ہوں کہ تم عورتوں کے بارے میں کبھی لمحہ بھر کے لئے غور نہیں کرتے۔ سوچتے ہو، تمہارے خیال میں ہمارے ملک میں عورتیں ہیں ہی نہیں۔ وہ یہ تو صحیح بات نہیں ہے۔“

”میں نے اپنی ماں کو دیکھا اور جانا ہے۔“ گورا نے کہا ”میں نے ان کی شخصیت میں پنسلک کی تمام عورتوں کو دیکھا ہے اور یہ بھی معلوم کیا ہے کہ عورتوں کی جگہ کیا ہے۔“
 ”اب تو پہلے گھر گھر کر اپنے آپ کو دھوکانہ دیو، ہوئے بولا۔“ اپنے گھر میں گزرتی
 ”اب بتائی ہوئی عورتوں کو دیکھنے سے اصل بات نہیں معلوم ہوتی۔ مجھے معلوم ہے کہ ان کی عورتیں

سوسائٹی اور اپنی سوسائٹی کا موازنہ کر دوں گا تو تم کو بُرا لگے گا۔ اور میں ایسا کرنا بھی نہیں چاہتا۔
 میں اس بات کو جاننے کا بھی دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اگر ہماری عورتیں باہر نکلیں تو کس طریقے سے
 اور کس حد تک نکلیں۔ کہ بات تو عدسے کے اندر بھی رہ سکتی ہے لیکن میرا بس اتنا ہی ہے کہ جب تک
 ہماری عورتیں ہم دے کے پیچھے بندہ ہیں ہمارا وطن ہمارے لئے ایک اڈھوری حقیقت ہے گا
 اور ہماری سکھل محبت اور عقیدت بحال نہیں کر سکتا۔“

جس طرح وقت کے دو پہلو ہیں، دن اور رات اسی طرح سوسائٹی کے دو حصہ ہیں
 مرد اور عورت۔ اگر نئے جٹ شروع کر دی۔ سوسائٹی کی فطری حالت میں عورتیں نظر نہیں
 آتی ہیں چھپی رہتی ہیں رات کی مانند لیکن ان کے تمام کام پردہ کے پیچھے بغیر کسی رکاوٹ کے
 سوتے رہتے ہیں لیکن جب سماج غیر فطری رجحان اختیار کرتا ہے تو پھر رات دن کے حدوں
 بے مزہ اور ہوتی ہے۔ کام و تفریح دونوں ہی مصنوعی روشنی سے ہونے لگتے ہیں۔ اور
 نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ رات کو پوشیدہ کام رک جاتے ہیں۔ پھر تشکن رفتہ رفتہ بڑھنے لگتی ہے
 سخت مندی کا عالم ہو جاتا ہے۔ اور پھر اس نشتہ کے مہا لے چلنے لگتا ہے۔ اسی طرح
 اگر ہم اپنی عورتوں کو باہر کے فرائض ادا کرنے کے لئے کھانچ نکالیں تو ان کا بوجھ و
 خاموشی سے کرتی رہتی ہیں ضرور حمل پڑے گا سوسائٹی کا امن و چین فارت ہو جائے گا۔
 دیر اس کے بجائے انفٹ پھیل جائے گا۔ بادی النظر میں یہ انتشار ایسا معدوم ہو گا کہ قوت
 ہے لیکن دراصل یہ ایک ایسی چیز ہو گی جو طوفان کی طرح کھٹ پڑے اور تباہی مچائے گی
 سوسائٹی کے ان دونوں منادوں میں مرد ایک ایسی قوت ہے جو کھلی ہوئی ہے۔ لیکن اسی لئے ہمارے
 کو بہت زیادہ کھینے کی ضرورت نہیں ہے؛ لیکن عورت کی محدود طاقت۔ اگر آپ سطح پر لے آئیں
 تو اس کے معنی یہ ہیں کہ سوسائٹی اپنے زوال کی طرح کر رہی ہے۔ اور ایسا کر کے
 وہ آخر کار یہ سب ہو جائے گی میں تو یہ کہتا ہوں کہ مرد اگر دعوت کھاتے ہیں تو عورت
 واپس آئے۔ اور نہ صرف کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا گھانا پینہ محفوظ رہ سکتا ہے۔

حادثہ غور سے اس کی حفاظت کرنی نظر نہیں آتی۔ اور یہ ساری قوت ایک ہی طرح سے ہے۔ ایک ہی جگہ، ایک ہی سمت صانع کر دی جاتے اس کی صلاح تو کوئی نشہ میں ہی نہ سے سکتا ہے، ہوش میں تو نہیں۔

”گورا بنوئے نے کہا“ تم جہاں کہتے ہو، میں اس پر تم سے بحث نہیں چاہتا لیکن جو دلیل میں نے پیش کی تھی اس کو غلط تو تم نے بھی نہیں ثابت کیا، اس بات یہ ہے کہ اگر ”دیکھو بنوئے“ گورا نے اس کی بات کوئی ”اگر ہم نے اس موضوع پر بحث کو بڑھا تو باقائدہ جھگڑا ہو جائے گا۔ میں اس بات کو ماننا ہوں کہ عورتیں میرے شعور پر اس بڑی طرح نہیں سوار ہو گئی ہیں جیسے وہ حال میں تھیں۔ اس لئے تم مجھے ان کے متعلق دیکھا اس میں نہیں کر سکتے جیسا نوڈ کر رہے ہو۔ اس وقت تو میں صرف اس بات پر اتفاق کرنا چاہتا ہوں کہ اس بات پر ہم ہیں، مختلف ہے۔

اس طرح گورا نے اس موضوع کو تو اس وقت اٹھا کے رد کر دیا لیکن بہر حال کوئی بچہ اگر کھینک دیا جائے تو بھی وہ گرتا ہے زمین ہی پر۔ اور وہ بال پڑا پڑا ہے، اس وقت کا انتظار کرتا رہتا ہے جب اسے پھوٹ نکلنے کا موقع مل جائے۔ ابھی تک گورا نے عورتوں کو اپنی حد نظر کے اندر بالکل نہیں آئے دیا تھا۔ اور اسے خواب میں بھی اس بات کا خیال نہ آیا تھا کہ اس طرح کرنے سے زندگی میں کوئی خلاء آگیا ہے یا کچھ کمی ہو گئی ہے۔ آج بنوئے کی بات سے اسے اس حقیقت کا احساس ہوا کہ عورتیں بھی سوسائٹی میں موجود ہیں۔ اور اس کا بڑا طاقتور حتمہ ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ابھی تک یہ فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ ان کی خاص جگہ اور ان کا خاص مقصد کیا ہے اس لئے وہ بنوئے سے یہ بحث کرنے سے کتر گیا۔ وہ جانتا تھا کہ اسے اس موضوع پر قدرت نہیں ہے۔ اس کو بیکار کہہ کر بھی رد نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے سوچا کہ اس پر گفتگو نہ ہی کی جائے تو اچھا ہے۔

اس رات نبوتے گھر جانے کے لئے روانہ ہی ہو رہا تھا کہ آندھ ہوائی نے اس کو اپنے پاس بلایا، اور پوچھا ”کیوں؟ شاشی سے تمنا را بہ طے ہو گیا؟“
 نبوتے نے کچھ جھینپتی ہوئی ہنسی کے ساتھ جواب دیا ”جی ہاں! — وہ گورائے ناؤ کا کام انجام دیا“

”شاشی اچھی خاصی رڑکی ہے۔ لیکن دیکھو نبوتے کوئی بچپنا نہ کر بیٹھنا ہیں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں۔ میرے بیٹے، چونکہ تم سچ سچ کوئی فیصلہ نہیں کر رہے تھے اس لئے تم نے جلدی سے ایک فیصلہ کر لیا: اس بات پر سوچنے کے لئے ابھی بہت وقت ہے۔ تم مانتے بڑے ہو کہ بچے متعلق صحیح فیصلہ کر سکو، جب تک اپنے عملی احساسات نا اچھی طرح جائزہ نہ لے لو اتنی بڑی بات کا فیصلہ مت کرو۔“
 یہ کہتے ہوئے، بخنوں نے آہستہ سے نبوتے کا کنہا کھینچ لیا۔ نبوتے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ چپ چاپ، آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں سے روانہ ہو گیا۔

اٹھارھواں باب

گھر واپس آتے ہوئے بنوئے آندھری کی بات پر غور کرتا رہا۔ کبھی تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ اکھنوں نے کوئی بات کہی ہو اور بنوئے نے اس پر سنجیدگی سے غور نہ کیا ہو ساری رات اسے یوں محسوس ہوتا رہا کہ کسی بھاری بوجھ تلے دبنا ہے۔

دوسرے دن صبح اٹھا تو اس کا ذہن کافی بالکا لگ رہا تھا، کم از کم اس نے گورا کی دوستی کی ایک بڑی قیمت تو ادھی کر دی تھی۔ شاشی کے بیاہ کرنے کا جو وعدہ کر کے اس نے ایک زندگی بھر کا بندھن قبول کر لیا تھا۔ اس سے اسے حق تو حاصل ہی ہو گیا تھا کہ دوسری پابندیوں کو وہ قدرے بڑھیدا کر سکے۔ گورا کے دل میں جو اس کی طرف سے یہ خیال بیٹھ گیا تھا کہ ایک برہمن خاندان میں شادی کرنے کی ہوس اس کو اپنے مذہب سے دور سے جارہی ہے تو شادی کا یہ پیمان کم از کم اس خیال کو لزبھینا ختم ہی کر دے گا۔

چنانچہ بنوئے اب اکثر پارلش بابو کے یہاں جانے لگا اور اسے کسی قسم کا تکلف نہیں رہا۔ ویسے بھی وہ جن لوگوں کو پسند کرتا تھا ان کے گھر میں بے تکلف ہو جانا اس کے لئے کبھی مشکل نہ ہوتا تھا۔ اب تو گورا کے خیال سے جو ہچکچاہٹ سی تھی وہ کبھی دور ہو گئی۔ پارلش بابو کے گھر کے لوگ اسے اپنے ہی خاندان کا ایک فرد سمجھنے لگے۔ شریک میں لوٹا لے بنوئے کے خلاف شہ شہر برہمن کر رکھی تھی لیکن یہ کیفیت اسی وقت تک رہی جب تک اسے یہ شک رہا کہ سچا ریتا بنوئے کو پسند کرنے لگی ہے جیسے ہی اسے بدلتا ہوا کہ سچا ریتا کے جذبات اس کی طرف کوئی خاص حسرت نہیں رکھتے، اس کی

بنات نے ہتھیار ڈال دئے اور بغیر کسی پس پشیم کے یہ تسلیم کر لیا کہ نبوئے بابو دی اچھے تھے۔

یہاں تک کہ اب ہرن بابو نے بھی مخالفت چھوڑ دی، بلکہ اس کے برخلاف وہ ہمیشہ یہ جتانے کے خواہشمند رہے کہ نبوئے میں واقعی اچھے اخلاق کے کچھ آثار پائے جاتے تھے جس کے دراصل معنی یہ تھے کہ گورائیں باطل نہیں پائے جاتے اور چونکہ نبوئے کو بھی ہرن بابو سے بحث نہیں کرتا تھا اور سچا رہتا بھی اس کی طرح اس حکمت عملی سے کام لیتی تھی، اس لئے نبوئے کی شفقت چاہئے کی میز پر بھگڑنے کی بنیاد کبھی نہیں بنتی تھی۔

لیکن اگر ہرن بابو موجود نہ ہوتے تو سچا رہتا نبوئے کو خوب اُکساتی کہ وہ سماجی مسائل پر بنی رائے کی فصاحت کرے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ اور نبوئے کے سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ، اپنے ملک کے پرانے رسم و رواج اور توہمات کو کس طرح سمجھتے ہیں! اگر ان دونوں سے اس کی ملاقات نہ ہوتی، تو وہ اس کو کشش کو نہایت حقارت سے شکر اکر کہہ کر دیتی، لیکن پہلی ہی ملاقات کے جب وہ گورا کی شخصیت کو اپنے ذہن سے نکال نہیں سکی اس لئے جب اسے موقع ملتا تو وہ گفتگو کو اس رخ پر موڑ دیتی کہ گور، کے خیالات اور اس کی طرز زندگی پر بحث ہونے لگتی۔ اور اس طرح وہ سوالات اور اعتراضات کرتے کرتے اصل موضوع کے قریب اور قریب تر ہونے کی کوشش کرتی، پارٹر بابو سچا رہتا کی تعلیم اور روشن خیالی کے لئے یہ ضروری سمجھتے تھے کہ وہ ہر مذہب و فرقہ کی رائے مدعو کرے اس لئے انہیں کبھی یہ خیال نہیں ہوا کہ سچا رہتا کو دہشت بھسار بھی سہتا ہے چنانچہ وہ اس طرح کی بحثوں کو کبھی نہیں روکتے تھے۔

لیکن دن سچا رہتا نے پوچھا مجھے یہ بتائیے کیا واقعی گورائیں بابو ذات پات

کو مانتے ہیں یا ان کا یہ سب اظہار خیال صرف اپنے وطن سے بی محبت کا نتیجہ ہے۔
 ”آپ زینے کی سیڑھیوں کو تو دیکھتی ہیں نہ؟ ایک کے بعد ایک ہوتی ہیں اور یہ
 حقیقت مانتی بھی ہیں، پھر آپ ایک سیڑھی کو دوسری سے اونچا ماننے سے گریز
 کیوں نہیں کرتیں؟“

”میں اس لئے ان پر اعتراض نہیں کرتی کہ ان کے ذریعہ اوپر جانا ہوتا ہے، سطح
 زمین پر ہیں ان کی کوئی ضرورت محسوس نہیں کروں گی۔“

”بالکل ٹھیک ہے“ بنوئے نے جواب دیا ”تو اس سماج بھی ایک زمین سمجھئے جس کا
 مقصد یہی ہے کہ لوگ نیچے سے اوپر کو جائیں، انسان کی زندگی کی آخری حدوں تک، اگر ہم صرف
 اسی سماج یا اسی دنیا تک اپنی نظروں کو محدود رکھیں تو ان اختلافات کو ماننے کی کوئی ضرورت نہیں،
 اور مغربی فلسفہ حیات کہ زیادہ سے زیادہ جگہ حاصل کر لی جائے، بھی ہمیں مطمئن کر دیتا۔“

”مجھے اسوس ہے یا میں آپ کا مطلب ٹھیک سے نہیں سمجھ پا رہی ہوں“ سچا ریتا
 نے اعتراض کیا۔ ”میرا سوال صرف اتنا ہے کہ ہماری سوسائٹی میں جس مقصد سے یہ مذہبی
 تفرقے پیدا ہوئے، ذات پات وجود میں آئی، کہا آپ کے خیال میں یہ مقصد کوئی کامیاب
 مقصد ہے؟“

”اس دنیا میں ہی کامیابی کا منہ دیکھنا ایسی آساں بات نہیں ہے، ہندوستان نے
 انسانی سماج کے مسائل کا ایک بہت بڑا حل نکالا تھا۔۔۔ یہی ذات پات کی تقسیم
 انسانوں کو مختلف گروہوں میں بانٹنا۔ یہ حل ابھی تک دنیا میں تجربہ کیا جا رہا ہے مغرب
 نے ہمیں بس سے بہتر ارادہ کوئی حل دیا نہیں کیونکہ ان کے یہاں نوسہ جی ایک طویل
 جدوجہد اور چین جھپٹ کا نام ہے۔ بس لئے انسانیت ابھی تک اس انتظام میں
 ہے کہ ہندوستان نے جو حل پیش کیا ہے وہ کامیاب ہو۔“

”دیکھئے آپ ناراض نہ ہوں“ سچا ریتا نے خاکساری کے ساتھ کہا۔ ”لیکن یہ مجھے

بشاہ کیجئے کہ آپ گورموہن بابو کے خیالات کی گونج پیش کر رہے ہیں یا پچھلے آپ خود بھی ان باتوں پر یقین رکھتے ہیں؟

”دیکھو بھائی سچی بات تو یہ ہے ”موتے نے مسکرا کے کہا“ کہ گورا کو جو قوت، یہانی حاصل ہے وہ مجھے نہیں ہے۔ میں جب اپنے سراج کی خرابیاں دیکھتا ہوں اپنے ذات پات کے سسٹم کا گھٹیا پن دیکھتا ہوں تو اپنے شک و شبہ کا اظہار کرتے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن گورا مجھے یہ کہتا ہے کہ شک تو صرف نتیجہ ہے عظیم چیزوں کو زیادہ تفصیل سے گمنگھو سننے کی کوشش کا۔ وہ کہتا ہے کہ اگر انسان کسی درخت کی گری ہوئی ٹہنی جھانی ہوئی پتیوں اور توڑی ہوئی سوکھی ہوائی ڈالیاں دیکھ کر اس درخت کی خاصیت کا اندازہ کرنا چاہتا ہے تو اس کو ریشور عجالت کہتے ہیں۔ اس کا یہ کہنا نہیں ہے کہ ٹوٹی ہوئی ڈالیوں اور پتیوں کی تعریف کی جائے لیکن یہ ضرور کہنا ہے کہ پورے درخت کا جائزہ لینے کے بعد وہی اس کے مقصد کو ٹھیک سے سمجھا جاسکتا ہے۔

”بیشک مرجھائی اور گرمی پتیوں کو ضرور چھوڑ دیجئے“ سچا بتانے جواب دیا۔ لیکن پھلوں کو کیا کہئے گا بھلے کے متعلق رائے دینے کا تو ہم لوگوں کو حق ہے۔ آپ کے خیال میں ذات پات، کے سسٹم نے ملک کو کس طرح کے پھل دے دیے ہیں؟

”آپ جیسے تقسیم ذرا بھلا کا پھل کہتی ہیں وہ صرف اسی سے متعلق نہیں ہے بلکہ ہمارے سراج کے مجموعی حالات کا نتیجہ ہے۔ اگر آپ ملتے ہوئے دانت سے کوئی چیز کھائیں گی تو ضرور آپ کو درد ہوگا۔ لیکن اس میں آپ کے دانت کو قصور وار نہیں ٹھیرائیں گے بلکہ اس کے ہٹنے کو ذمہ دار قرار دیں گے؟ چونکہ مختلف اسباب کی بنا پر یہ دہنیت کمزور اور مریض ہو چکی ہے اس لئے ہندوستانی خیالات کو آگے بڑھا کے کامیاب بنانے کے بجائے ان کو توڑ کر مڑ کر سچ کر کے پیش کرتے ہیں۔ اسی لئے گورا ہم لوگوں کو برابر اکساتا رہتا ہے کہ سیارہ دہنیت سے بچو۔ صحت فکر اور قوت خیال کو

مضبوط کر دو۔

”اچھی بات ہے تو کیا آپ برہمن کو کوئی خاص برگزیدہ مہستی سمجھتے ہیں؟ کیا آپ واقعی مانتے ہیں کہ برہمن کے پاؤں دھو کر سر سے لگانا انسان کو پاکیزہ بنا سکتا ہے؟“

”پہلے آپ یہ بتائیے کہ دنیا میں جو کچھ بھی نظر عقیدت کیا جاتا ہے وہ بہت کچھ کیا اپنا ایجاد کیا ہوا نہیں ہوتا۔ اگر ہم سچے برہمن ہیں تو کیا یہ ہماری سوسائٹی کے لئے کوئی معمولی بات ہوتی۔ ہمیں واقعی برگزیدہ بستیوں کی ضرورت ہے، معمولی انسانوں سے بالاتر لوگ درکار ہیں۔ اگر واقعی ہم اپنے ذہن کی پوری طاقت اردل کی پوری لگن سے ایسے انسان پیدا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں لیکن اگر اپنی خواہش کو حماقت کے راستے پورا کرنا چاہیں تو پھر تو ہمیں اطمینان رکھنا چاہئے کہ ہماری سرزمین شیطانوں سے ہی بھرے گی جن کے لئے کسی باہر کی شیطنت کی ضرورت نہیں، اور جو ہمارے سردوں پر اپنے پیروں کی دھول جھاڑ جھاڑ کر اپنا اُلوس بھا کریں گے۔“

”یہ آپ کے معمولی انسانوں سے بالاتر انسان دنیا میں کہیں پیدا ہوئے بھی ہیں؟“

سچا رہنے پوچھا۔

”وہ یہیں سے پیدا ہوں گے، ہندوستان کے بطنوں اور راج سے، مقصد سے ضرورتوں سے جیسے بڑے تن درخت ننھے سے بیج میں چھپے ہوئے ہیں۔ وہ ملکوں میں وطنگاہن سے سپہ سالاروں کی ضرورت ہے۔ نیوٹن ایسے سائنس دانوں کی ضرورت ہے۔ روٹھائیلڈ جیسے کروڑ پتوں کی ضرورت ہے۔ لیکن ہمارے ملک کو برہمن کی ضرورت ہے۔ ایسا برہمن جسے نہ معلوم ہو کہ خوف کسے کہتے ہیں، جو ہوس کو ختم کر سکتا ہو، سترت سے بے نیاز ہو، جسے احساسِ زباں نہ ہو، جس کی ذات، ذاتِ خداوندی سے بلا واسطہ طور پر فیض حاصل کرتی ہو۔ ہندوستان کو آج فوہادِ طبیعت روشن خیاں، ذہنوں والے برہمنوں کی ضرورت ہے، ایسے لوگ پیدا ہوں گے جنہی ہمارا ملک آزاد ہو گا۔ ہم بادشاہوں کے آگے سر

جھٹکانے اور جاہلوں کے جوئے کے سامنے گردنیں جھٹکانے والے لوگ نہیں ہیں۔ لیکن ہوا
یہ ہے کہ ہم اندرونی خوف کی وجہ سے جھٹکتے گئے ہیں۔ اپنی ہوس کے جال میں خود ہی پھنس
گئے ہیں، اپنی حماقت کے خود ہی شکار ہیں! سچے برہمن پیدا ہوں تو اپنی تربیت سے
ہیں اس خوف، اس ہوس اور اس حماقت سے نجات دے سکتا ہے۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ
وہ ہمارے لئے جنگیں لڑیں، تجارتیں کریں یا کوئی دنیاوی فائدہ ہمارے لئے حاصل کریں۔
اس وقت تک پاریش بابو فائبرش بیٹھے صرف سن رہے تھے، یہاں انہوں نے
بھی آہستہ سے کہا ”ہیں یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا کہ میں ہندوستان کو سمجھتا ہوں، یہ بھی
مجھے نہیں معلوم کہ ہندوستان اپنے لئے کیا چاہتا ہے اور کہاں تک اسے حاصل کرنے میں
ذمہ دار ہو، لیکن جو دن گزر گئے کیا آپ کبھی بھی ان کو واپس ماسکتے ہیں، یا ان تک
پہنچ سکتے ہیں۔ حال میں جو کچھ ممکن ہے میرا خیال ہے کہ اگر ہماری جدوجہد اسی سے
متعلق رہے تو اچھا ہے۔ آخر ہم ماضی کے آگے فریاد کے ہاتھ بڑھا بڑھ کے کیا حال
کر سکتے ہیں؟“

”میں نے اکثر اس طرح سوچا ہے۔ جیسے آپ فرما رہے ہیں ”نبوتے نے جواب دیا، لیکن
گورا جو کہتا ہے وہ بھی تو ٹھیک ہے کہ ہم ماضی کو گزری ہوئی چیز کہہ کر ختم نہیں کر سکتے۔
ماضی تو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ کیونکہ ایک چیز جو کبھی سچ رہی ہو وہ ہمیشہ سچ ہی
رہے اور وہ کبھی ختم نہیں ہوتی۔“

”آپ کے ذہن میں طرح ذہنیں کرتے ہیں اس طرح کوئی عام آدمی نہیں سوچتا۔“
”مچا ریتا نے اعتراض کیا۔“ پھر ہمیں کیسے بھروسہ ہو کہ آپ سارے ملک کے دل کی بات کہتے
ہیں۔“

نبوتے نے احتجاج کیا ”بھئی آپ نہرانی کر کے یہ نہ سمجھتے گا کہ میرا درست گورا
ان لوگوں میں سے ہے جو سخت ہندو ہونے پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ وہ ہندو ہر باب کی

داخلی اور روحانی اہمیت کو دیکھتا ہے اور اتنی سنجیدگی کے ساتھ کہ سچے ہندو کی زندگی کو وہ کوئی ایسی نازک اور لطیف چیز نہیں سمجھتا جو ذرا سا چھوٹے سے مرجھا جائے یا ذرا سی جفاکشی سے مرجائے۔

”لیکن مجھے تو ایسا لگتا ہے کہ وہ ذرا سے چھوٹنے سے بچنے کا ذرا زیادہ ہی خیال رکھتے ہیں۔“

”اس کی یہ نگاہ داریاں ایک خاص قسم کی ہوتی ہیں“ بندے نے سمجھاتے ہوئے کہا ”اگر ان چہروں کے بارے میں بحث کرو تو کہے گا ”ہاں! ہاں! یہ سب کچھ مانتا ہوں میں۔ ذرا ذرا مانتا ہوں، کہ چھوٹنے سے ذات ختم ہو سکتی ہے، ناجائز کھانے سے پاکیزگی مٹتی ہے، یہ سب کچھ صحیح ہے، کچھ غلط نہیں، لیکن میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ یہ سب اس کا کٹھن بن ہے اور کچھ نہیں۔ اس کے سننے والے اس کے جن خیالات کو سب سے عجیب اور احمقانہ سمجھیں گے ان ہی خیالات کے اظہار پر وہ سب سے زیادہ جوش صرف کرے گا۔ وہ پابندیوں کو سختی سے ماننے پر اصرار کرتا ہے۔ اور کسی قسم کا فرق ایک پابندی اور دوسری پابندی میں نہیں کرتا۔ تاکہ معمولی باتوں میں ڈھیل دینے سے کہیں یہ نہ ہو کہ زیادہ بے وقوف لوگ بڑی بڑی باتوں میں بھی ڈھیل چاہنے لگیں۔ با مخالفت پارٹی کوئی بادی مار لے جائے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بات کے لئے کسی کو نہیں بخشتا۔ مجھے بھی نہیں۔“

”مگر ہر سماج میں کبھی ایسے بہت سے لوگ ہیں“ پارٹیش بابو نے کہا ”وہ لوگ چاہتے ہیں کہ ہندوؤں سے تمام تعلقات ختم کر دیے جائیں اور اس بات میں کسی قسم کا فرق نہ کیا جائے تاکہ باہر والوں کو بالکل ہی یہ گمان نہ ہو سکے کہ برہمنو سماج ہندوؤں کی بڑی رسموں پر فساد کرتا ہے۔ لیکن ایسے لوگوں کو فطری اور معمولی زندگی بسر کرنے میں بڑی آنکھیں ہوتی ہیں کیونکہ یا تو وہ جھوٹ کہتے ہیں یا سبالغہ کرتے ہیں۔ اور سمجھتے

ہیں کہ سچائی اتنی کمزور چیز ہے کہ گویا اُسے اُن کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ چاہے وہ حفاظت جھوٹ ہو یا زیر دستی ہی کیوں نہ ہو۔ وہ ہوتا ہے جو سمجھتا ہے کہ صداقت کا کام میرے بغیر نہیں چل سکتا۔ وہ مجھ پر تکیہ لگاتے ہے، میں اس پر نہیں تکیہ لگاتے ہوں۔ جہاں تک میرا سوال ہے میں تو خدا سے دعا کرتا ہوں کہ میں ہمیشہ صداقت کا ایک معمولی اور حقیر پرستکار رہوں۔ چاہے وہ صداقت مجھے برہمنوں کے مُعبّر میں ملے یا ہندوؤں کے مندر میں۔ لیکن ظاہری اسباب کسی وقت بھی میری اس پرسنٹ کے بیچ میں روک نہ بن سکیں۔“

یہ الفاظ کہہ کر پارلش بابو چپ ہو گئے اور اُن کا توجہ اُن کے وجود کی گہرائیوں میں کہیں چھپ کر سکون حاصل کرنے لگا۔ اُن کے چند الفاظ نے بحث کی پوری فضا ہی کو جیسے ایک ڈنچے سطح پر سے ہٹا کر ٹھہرا دیا تھا۔ یہ نہیں کہ الفاظ میں کچھ غلط بات تھی بلکہ ایک ایسا سکون چھا گیا تھا جو پارلش بابو کی، اپنی زندگی کے تجربوں کا غیظ و کینہ، سچا ریتا اور لولتا کے چہرے کی روحانیت کے رنگ سے منور ہو گئے۔ بنوے کا بھی جی نہ چاہا کہ اب آگے کچھ اور کہے۔ اُسے یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ گورا اکثر زیادتی کرتا تھا۔ صداقت پرستوں کے عمل اور الفاظ اور خیالات پر جو یقینی سکون اور سادگی کا لباس ہوتا ہے وہ گورا کو حاصل نہیں تھا۔ پارلش بابو کی بات کے بعد تو بنوے کو اب بھی نہ یادہ اس حقیقت کا حساس ہوا اور وہ رنجیدہ ہو کے چپ ہو گیا۔

اگر رت حسب سچا ریتا سونے کے لئے لیٹی تو لولتا آکر پلنگ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔ سچا ریتا کو صاف نظر آ رہا تھا کہ لولتا کے دماغ میں کوئی چیز گھوم رہی ہے۔ اور یہ بھی جانتی تھی کہ وہ چیز بنوے بابو ہیں۔ اس لئے خود ہی چھیڑ کر بات شروع کر دی۔ ”بھئی دتت! یہ بنوے بہت اچھا آدمی ہے، مجھے بہت پسند آیا۔“

”اس لئے کہ وہ ہر وقت دوسروں کی بات کرتا رہتا ہے۔“ لولتا نے کہا۔

سچا رہتا اس اشارے کو سمجھ گئی مگر انجان بن کر مصیبت سے بولی ”ہاں سچ ہے۔“
گورموہن بابو کے خیالات جب نبوت کے منہ سے سنتی ہوں تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے جیسے
خود ہی میری آنکھوں کے سامنے کھڑے ہوں

”لیکن مجھے اچھا نہیں لگتا“ لولتا پھٹ پڑی ”مجھے تو غصہ آنے لگتا ہے“
”ارے! ————— وہ کیوں؟ —————“ سچا رہتا حیران رہ گئی۔

”جب دیکھو تب گورا، گورا، گورا! دن ہو یا رات وہی ایک ہی راگ لپاے
جاتے ہیں، ان کے دوست گورا کوئی بڑے آدمی ہوں گے مگر کیا وہ خود انسان نہیں ہیں؟
”ہاں یہ تو ٹھیک بات ہے لیکن گورا سے ان کو جو عقیدت ہے اس نے ان کو خود
کو انسان بننے سے کیسے روک دیا۔“

”وہ ان کے دوست صاحب اس بری طرح ان پر چھاتے ہوئے ہیں کہ نبوت
بابو کی شخصیت تو کہیں سے جھانک مک نہیں سکتی۔ جیسے کسی تیل چٹے نے کسی کپڑے کو
کھا لیا ہو، مجھے تو کپڑے پر غصہ آتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو شکار کیوں ہو جانے دیا، اور
تیل چٹے کے لئے بھی میرے دل میں کوئی خاص احترام نہیں پیدا ہوتا۔“

سچا رہتا کو لولتا کے غصہ میں بڑا لطف آیا، مٹنے لگی مگر بولی کچھ نہیں۔ لولتا نے
اپنی بات جاری رکھی۔ ”آپ کا جی چاہے تو منس لیجئے دیدی، لیکن میں یہ ضرور کہہ سکتی ہوں
کہ مجھے اگر کوئی اس طرح پیچھے دھکیلنے کی کوشش کرے تو میں تو کبھی ایک دن بھی نہ
برداشت کروں۔ اب آپ اپنے ہی کو لیجئے، لوگ کچھ بھی سمجھیں لیکن آپ کبھی مجھے پیچھے
کر کے خود آگے آنے کی کوشش نہیں کریں۔ یہ آپ کی فطرت ہی میں نہیں۔ اور اسی لئے
مجھے آپ سے محبت ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ آپ نے یہ سبق بابو جی سے سیکھا ہے وہ
ہمیشہ ہر شخص کے لئے جگہ رکھتے ہیں۔“

پارٹش بابو کے گھرانے کی یہ دونوں لڑکیاں سب بچوں سے زیادہ پارٹش بابو کی

معتقد تھیں۔ لفظ ”بابو جی“ سنتے ہی جیسے ان کے دل بڑھ جاتے تھے۔

”واہ! خوب کہی بابو جی سے بھلا کس کا مقابلہ کیا جاسکتا ہے؟“ سچا ریتانے احتجاج کیا۔ ”ویسے تم بھی کچھ کہو بی بی مگر بنوئے بابو بانیں خوب عمدہ کرتے ہیں۔“

”لیکن میری پیاری دیدی، آپ کو یہ کیوں نہیں دکھائی دیتا کہ ان کے خیالات اسی لئے اتنے شاندار لگتے ہیں کہ دراصل وہ ان کے خیالات ہیں ہی نہیں۔ اگر وہ وہی کہتے جو وہ خود سوچتے ہیں تو ان کے الفاظ سیدھے سادے اور سمجھ میں آنے والے ہوتے۔ ویسے بنے بنائے فقرے اور جملے نہ ہوتے، اور میں تو اسی صورت میں ان کی باتوں کو زیادہ ترجیح دیتی۔“

”لیکن اس میں بگڑنے کی کیا بات ہے بی بی؟“ سچا ریتانے کہ ”یوں ہی سمجھ لو کہ انھوں نے گورموہن بابو کے خیالات کو اپنا لیا ہے۔“

”اگر ایسا ہے تب تو میرے خیال میں اور بھی بدتر ہے“ روتانے کہا ”کیا خدا نے آپس میں بسنے ذہانت دی ہے کہ دوسروں کے خیالات دہراتے پھریں؟ کیا اسی لئے زبان دی ہے کہ دوسروں کے کہے فقرے پھر سے سُنااتے پھریں۔ وہ چاہے جتنے شاندار ہوں، میں تو کہتی ہوں لعنت ہے ایسی شاندار می پر۔“

”سیکن تم یہ کیوں نہیں سمجھتی ہو کہ بنوئے بابو کو گورموہن بابو سے اتنی محبت ہے تو اس رفاقت نے دونوں کو ہتھیال بنا دیا۔ ہے!“

”نہیں نہیں، نہیں،“ روتانا ایک دم چنجی ”ایسا کچھ نہیں ہوا۔ ہے۔ بنوئے بابو کی یہ بات پڑ گئی ہے کہ گورموہن بابو جو کہیں، سے وہ تسلیم کر لیں، یہ محبت نہیں ہے یہ غلامی۔۔۔ نہ سمجھتے ہیں کہ ان کے خیالات بھی وہی ہیں جو ان کے دوست کے ہیں۔ لیکن میں سوچ کر یہ اپنے آپ کو صرف دھوکے میں رکھنا چاہتی ہوں۔ مگر کیوں؟ اگر نشان محبت کرتا ہے تو اتفاق کئے بغیر بھی نباہ سکتا ہے۔ ہتھیار ڈال دے اگر انکسیر کھلی رکھے۔ وہ

اس بات کو سیدھی طرح قبولتے کیوں نہیں کہ محبت کے مارے وہ گورموہن بابو کے خیالات سے اتفاق کرتے ہیں۔ وہ تو صاف ظاہر ہے کہ معاملہ یہی ہے۔! آپ مجھے سچ بتائیے دیدی کیا آپ نہیں سمجھتیں کہ اصلیت یہی ہے؟

سچا ریتانے اس باب میں اس طرح سوچا ہی نہ تھا۔ اس کی تو تمام جستجو گورا سے متعلق تھی بنوئے کو اس سے الگ کسی حیثیت میں دیکھنے کا اسے کوئی احساس یا شوق ہوا ہی نہیں تھا۔ اس لئے لولتا کی بات کا کوئی صاف جواب دینے کے بجائے بولی اچھا مانا تم شکیک کہتی ہو۔ تو پھر کیا کیا جائے؟

”میرا تو جی چاہتا ہے کہ اُن کی زنجیریں کھول دوں اور ان کے دوست کے بچے سے اُن کو رہائی دلا دوں۔“

”تو کوشش کیوں نہیں کرتی ہو میری جان۔“

”میری کوشش سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہو گا۔ لیکن آپ اگر ذرا اس طرف اپنا دھیان دیں تو کچھ نہ کچھ ہو رہے گا۔“

سچا ریتا بھی دل میں تو اس بات سے بے خبر نہ تھی کہ بنوئے پر اس کا کافی اثر ہے پر اس نے ہنس کر معاملہ کو ٹالنا چاہا۔

لولتا اپنی بات کہتی رہی۔ ”مجھے بنوئے بابو کی ایک بات پسند ہے، آپ کے اثر میں آنے کے بعد اب وہ واقعی گورموہن بابو کے قبضے سے چھوٹنے کی جدوجہد کر رہے ہیں اگر اُن کی جگہ اور کوئی ہوتا تو اب اس سے وہ برہم پور کی جڑائی میں ایک

ڈرامہ لکھنا شروع کر دیتا لیکن آپ کا اور بابو جی کا وہ جتنا احترام کرتے ہیں اس سے ظہر

ہوتا ہے کہ ان کی آنکھیں کھلی ہوئی ہیں، ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ بنوئے بابو کو اپنے پیروں پر کھڑا ہونے میں مدد دیں۔ یہ تو نا قابلِ برداشت بات ہے کہ اُن کی زندگی

بس گورموہن بابو کے خیالات دھرا نے بھر کی رہ جائے۔۔۔

اسی لمحے ستیش دوڑتا ہوا کمرے میں گھسٹا "دیدی — دیدی" بنوئے اُس کو سرس لے گیا تھا اور اگرچہ دیر کافی ہو گئی تھی، پھر بھی ستیش نے پہلی باریہ تماشہ دیکھ کر اُس لئے اس کا جوش روکے نہ سکا۔ جو کچھ دیکھا تھا وہ بتانے کے بعد کہنے لگا "میں نے بڑی کوشش کی کہ بنوئے بابو یہاں رات رہنے کے لئے رُک جائیں لیکن وہ اندر آ کے پھر چلے گئے کہنے لگے کل صبح آؤں گا۔" دیدی میں نے اُن سے کہا ایک دن آپ سب کو لے کر سرس جائیں۔

"تو پھر اس بات پر وہ کیا بولے؟" لولتا نے پوچھا۔

"وہ کہنے لگے رڑکیاں شیر کو دیکھیں گی تو ڈر جائیں گی۔ لیکن میں — میں بالکل نہیں ڈرا دیدی۔" اور یہ کہہ کر ستیش نے مردانہ فخر کے ساتھ سینہ تان لیا۔

"ہاں! ہاں! ضرور —" لولتا نے کہا "وہ میں اچھی طرح جانتی ہوں جتنے بہادر قسم کے آدمی ہیں بھلا رہے دوست بنوئے بابو — میں کہتی ہوں دیدی اُن کو ضرور گھیرنا چاہئے کہ ہمیں سرس لے چلیں۔"

"کل ایک سہ پہر والا شو بھی تو ہے" ستیش نے اطلاع دی

"واہ! واہ! بس ٹھیک ہے، کل ہم لوگ جائیں گے۔"

صبح بنوئے آیا تو لولتا نے پُر جوش لہجے میں کہا "بنوئے بابو آپ تو بڑے وقت سے آئے۔ چلتے ہم لوگ روانہ ہی ہو جائیں۔"

"مگر کہاں" بنوئے نے حیران ہو کر پوچھا

"سرس اور کہاں" لولتا نے جیسے فرمان دیا۔

سرس! خیمہ کے نیچے، رڑکیوں کے ایک گروہ کے ساتھ دن دہاڑے، بنوئے کی گھگھی بندھ گئی!

"میرا خیال ہے گورموہن بابو خفا ہوں کیوں؟ ہوں گے نا" لولتا اپنی بات کی جھجک کئے گئی۔

اس سوال پر نبوتے کے کان کھڑے ہوئے مگر بولا۔ کچھ نہیں۔
 ”لڑکیوں کو سرکس لے جانے کے متعلق بھی تو گورموہن بابو کی کچھ رائے ہوگی؟ ہے نہ؟“
 ”ہاں ضرور ہوگی“ نبوتے اپنی جگہ جمارہا۔

”تو نہربانی کر کے ان کے خیالات کو ہمارے سامنے واضح کر دیجئے۔“ لولتا نے خوشامد سے کہا۔ مگر ٹھہرتے۔ میں ذرا اپنی بہنوں کو بھی بدالاؤں تاکہ سب اس سے مستفید ہوں۔
 نبوتے سمجھ گیا کہ بولی بول رہی ہے، اس کو برا بھی لگا مگر سنس کر ٹال دینا چاہا۔
 مگر لولتا کب چھوڑنے والی تھی ”آپ سنس کیوں رہے ہیں نبوتے بابو، کل آپ نے ستیش سے کہا تھا نہ کہ لڑکیاں شیر سے ڈرتی ہیں۔ کیا آپ کبھی کسی چیز سے نہیں ڈرتے؟“
 اب اس کے بعد نبوتے کے سامنے کیا چارہ تھا سوائے اس کے کہ لڑکیوں کو سرکس لے جاتا۔ اور فرصت سے وہاں بیٹھ کر خوب پیچ و تاب کھاتا رہا کہ نہ صرف لولتا بلکہ اور سب لڑکیاں اس کو کیا سمجھ رہی ہوں گی۔ اور اس کے اور اس کے دوست کے تعلقات کے بارے میں نہ جانے کیا سوچ رہی ہوں گی۔

دوسری بار جب لولتا کی ملاقات نبوتے سے ہوئی تو اس نے بڑی معصوم سی صیورت بنا کے پوچھا ”کیوں نبوتے بابو؟ اس دن جو ہم لوگ ساتھ سرکس گئے تھے اس کا ذکر آپ نے گورموہن بابو سے کیا تھا؟“

اب کی بار نشتر پورا دھنس گیا۔ نبوتے کانپ اٹھا اور شرم سے لال ہوتا ہوا بولا۔
 ”نہیں۔۔۔ ابھی تک تو نہیں۔“

انیسواں باب

گورا ایک دن صبح بیٹھا لکھ رہا تھا کہ نبوتے اچانک آگیا۔ اور بغیر کسی تنہید کے ایک دم بولا "اس دن میں پارٹش بابو کی لڑکیوں کو سرکس لے گیا تھا۔"

گورا سر جھکائے لکھتے ہی لکھتے بولا "ہاں میں نے سنا۔"

"تم نے کس سے سنا؟" نبوتے نے حیرت سے پوچھا۔

"ابھناش سے۔ وہ بھی اتفاق سے اسی دن سرکس گیا تھا۔"

تو گورا کو یہ بات معلوم ہو چکی تھی، وہ سن چکا تھا اور وہ بھی کس سے ابھناش سے۔

بھلا اُس نے نہ کہ مرچ لگانے میں کا ہے کہ کوئی کسرا کھٹار کھی ہوگی۔ نبوتے کے تمام پُرانے جذبات ابھر آئے اور اس کو مارت کرنے لگے۔ پھر ساتھ ہی ساتھ اس کو یہ بھی یاد آیا کہ کل وہ بڑی رات گئے تک سو نہیں سکا تھا کیونکہ وہ دل ہی دل میں لوت سے جھگڑ رہا تھا۔ لوتا سمجھتی ہے میں گورا سے ڈرتا ہوں، جیسے بچہ اسکول کے ماسٹر سے! لوگ بھی ایک دوسرے کے متعلق کس قدر نامنصفانہ طریقے سے فیصلے کرتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ میں گورا کا احترام کرتا ہوں اس لئے کہ اس میں غیر معمولی خوبیاں ہیں۔ اس طرح تو نہیں جیسے لوتا سوچتی ہے، یہ تو میرے اور گورا دونوں کے ساتھ زیادتی ہے۔ یہی خیالات اس کے ذہن کو رات بھر بوجھ کی طرح دبائے رہے تھے۔

گورا لکھتا رہا اور نبوتے کو لولنا کے دو تین سوال اور یاد آئے، جو نوک نشتر کی طرح اس کو جُھگڑ گئے تھے۔ وہ انہیں اپنے ذہن سے رد نہیں کر سکتا تھا۔ یکایک اُس کے دل میں بغاوت کی لہر اُٹھی۔ اچھا اگر میں کیا سرکس تو پھر کیا؟ اُس نے دل ہی دل میں

بیچ و تاب کھایا۔ ابھناش کون ہوتا ہے گورا سے میرے معاملات کی بات کرنے والا۔ اور گورا نے کیوں اس جمق کو اتنا مستند لگایا کہ وہ یہ سب باتیں کرنے لگا، کیا گورا کوئی میرا چوکیدار ہے کہ میں اس کو جواب دیا کروں، کہاں گیا اور کس کے ساتھ گیا، یہ تو ہماری بدستی کی بڑی توہین ہے۔

اگر بنوئے کو یکایک اپنی بزدلی کا پتہ نہ چلتا تو وہ گورا اور ابھناش سے اتنا ناراض کبھی نہ ہوتا۔ دراصل اس نے اتنے دن جو اس بات کو راز رکھا یہ راز داری اُسے ایک مجرمانہ احساسِ دلاری ہی تھی اور وہ اب کوشش کر رہا تھا کہ سب کچھ کسی طرح اپنے بدست کے سرِ تھوپ دے۔ اگر گورا بھی دو چار سخت الفاظ کہہ دیتا تو پھر دونوں بدست ایک سطح پر آجاتے اور بنوئے کو تسلی ہو جاتی، لیکن اس کی خاموشی ایسا ظاہر کر رہی تھی کہ وہ کوئی جج ہے جو بنوئے کے جرم پر راتے دینے بیٹھا ہے۔ اس صورتِ حال سے بولتا کے نشتری جہاں کی چیخیں اور کھٹکنے لگی!

اتنے میں موسم بالو ہاتھ میں حقہ لئے کمرے میں داخل ہوتے۔ ڈبیہ نکال کر سب کی طرف پان بڑھاتے اور کہنے لگے: ”بنوئے بیٹا، ہماری طرف سے تو تمام تیاریاں مکمل ہو چکی ہیں، سب کچھ طے ہو گیا ہے، اب صرف تمھارے چچا کی اجازت اگر مل جائے تو ہم سب کو بہت اطمینان ہو جائے۔ تم نے اُن کو لکھا کہ ابھی نہیں لکھا۔“

آج شادی کے معاملہ پر اصرار بنوئے کو مخصوص طویر پر بُرا لگا۔ یہ تو وہ جانتا تھا کہ موسم دادا کا اس میں کوئی تصور نہیں تھا۔ گورا نے اُن سے کہا ہو گا کہ بنوئے تیار ہے لیکن اسے خود اس طرح ناراض ہو جانے میں اپنی بڑی ذلت محسوس ہو رہی تھی، اتن میوئی نے تو عملی طویر پر اسے حامی بھرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی، نہ اسے اپنی ہونے والی دلہن سے کوئی دلچسپی ہی تھی۔ پھر اس تمام انتشار سے یہ سلجھا سلجھایا فیصلہ کیسے برآمد ہو گیا؟ یہ تو نہیں کہا جاسکتا تھا کہ گورا نے اس سے جلدی کر دادی تھی۔ کیونکہ اگر

ہوتے ذرا سی بھی ہچکچاہٹ ظاہر کرتا تو گورا کبھی اصرار نہ کرتا۔ پھر بھی ایسا کیوں ہوا؟ اور ”ایسا“ کے بارے میں سوچتے وقت اسے لولتا کے فغروں کی چھین پھر محسوس ہوتی۔ دیکھا جاتے تو پتہ چلے۔ تو کچھ اس وقت نہیں ہوا تھا۔ لیکن سستی کے سالہا سال کے عرصے میں گورائے اس پر جو اثر حاصل کر لیا تھا وہی اصل بات تھی۔ — وہی ”ایسا“ ہونے کی بنیاد تھا۔ ہوتے کی عادت پڑ گئی تھی کہ وہ گورا سے برابر دبتا ہے، کچھ تو اپنی محبت کی رود افزوں ترقی کی وجہ سے، کچھ اپنی نرم طبیعت کی وجہ سے، اور اس طرح سستی پر ایک حاکمانہ تسلط ہو گیا تھا۔ اب تک ہوتے نے اس بات کو اپنے آپ سے بھی نہیں قبول کیا تھا لیکن اب اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تو گویا اب اس کا یہ فرض ہو گیا تھا کہ شاشی سے بیاہ کرے! ہوں!

”جی نہیں ابھی تو میں نے اپنے چچا کو نہیں لکھا۔“ اس نے موہم بابو کے سوال کا روکھا منہ ہنا کے جواب دیا۔ ”ہاں ہاں۔ یہ تو بالکل میری غلطی ہے“ موہم دادا ایک دم سے بولے، بھلا تم کیوں خط لکھو وہ تو میرا فرض ہے۔ ہاں لو ان کا پورا نام اور پتہ مجھے بتا دو بیٹا۔

”پر آپ اس معاملہ میں اتنی جلدی کیوں کر رہے ہیں۔ ہویں میں اور کار تک میں تو شادیاں ہوتی نہیں ہیں۔“ گھن میں..... لیکن معاف کیجئے گا، میں بھول گیا، اس مہینے میں بھی ایک وقت ہے، ہمارے خاندان میں یہ مہینہ ہمیشہ محسوس سمجھا جاتا رہا۔ اور کوئی بھی مبارک رسم اس مہینے میں نہیں کی جاتی۔“

موہم اپنا حق دیوار سے لگا کے رکھتے ہوئے کہنے لگے: ”دیکھو بندے اگر تم اس طرح کے توہمات میں کھنسے رہو گے تو تمہاری یہ ساری نئی رسم کی تعلیم بس چند رٹے رٹاتے جلوں کے سوا اند کچھ معنی نہیں رکھتی۔ اس کمخت ملک میں تو ویسے ہی یہ حال ہے کہ کیلنڈر میں مبارک تاریخیں بڑھو ناظرہ نکالنا مشکل اند پھر اگر ہر خاندان اپنی پرائیویٹ تاریخ اور

ٹائمری سے مشورہ کرنے لگا تو پھر تو کوئی کام کاج ہونے سے رہا۔

”تو پھر آپ اسویں اور کارتک کو بھی منحوس کیوں مانتے ہیں؟“ نبوتے نے پوچھا
 ”میں مانتا ہوں، بالکل نہیں، لیکن میں کروں کیا، ہمارے دیں میں آپ بھگوان
 کو چاہے نہ مانیں لیکن بھدرا اسویں اور کارتک کے مہینوں کو اور جمعرات اور سنیچر کے دنوں
 کو اور پھر چاند کی طرح طرح کی حالتوں کو آپ کو ماننا ہی پڑے گا ورنہ آپ کو گھر میں
 گھسنے نہیں دیا جائے گا، اور بھائی ویسے میں یہ سب کہتے ضرور ہوں کہ نہیں مانتا لیکن یہ
 قبیلوں کا کہ عملی طور پر اگر تانہ بخوں وغیرہ کا خیال نہیں کرنا تو مجھے ذرا الجھن سی رہتی
 ہے۔ بات یہ ہے کہ ہمارے وطن کی مضافات میں ڈرا اور خوف اسی طرح سے پروان چڑھتے
 رہتے ہیں جیسے ملیر یا۔ اس لئے میں اس طرح کی الجھن کو رد نہیں کر سکتا۔“

”یہی میرے خاندان والوں کا بھی حال ہے، انھن کے مہینہ سے جو ڈران کو
 گنتا ہے اُسے وہ رد نہیں کر سکتے۔ کم از کم میری چچی تو کبھی نہیں مانیں گی۔“
 اس طرح نبوتے نے کسی نہ کسی طرح اس وقت بات کو ٹالا۔ موہم دادا کی
 سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اب وہ کس طرح سے حملہ کریں۔ اس لئے انھوں نے چپکے سے
 اپنا حق اٹھایا اور کھسک لئے۔

گورا نے نبوتے کے لہجے سے بھانپ لیا تھا کہ اس کا درست بچکچارہا ہے، ادھر
 کتنی دن سے نبوتے ابھی نہیں رہا تھا۔ اور گورا نے یہ اندازہ لگایا کہ پارٹیش بابو کے یہاں
 اس کا آنا جانا بڑھ گیا ہو گا۔ اب جو اس نے شادی کے مسئلہ پر بھی اس طرح آنا کانی
 کی تو گورا کو شدید خطرے کا احساس پیدا ہونا شروع ہوا، لکھنا چھوڑ کر وہ نبوتے سے
 مخاطب ہوا ”نبوتے جب ایک بار تم دادا کو زبان سے چکے ہو تو اب اس بیکار کی الجھن
 میں ان کو کیوں ڈال رہے؟“

”میں نے زبان دی یا زبان مجھ سے زبردستی چھین لی گئی؟“

اس یکایک باغیانہ انداز پر گورا حیران رہ گیا، جی کڑا کر کے سنجیدگی سے پوچھا
 ”کیس نے تم سے چھینی؟“
 ”تم نے“

”میں نے؟ کیوں؟ میں نے تو اس معاملے پر تم سے آدھی درجن الفاظ بھی نہیں
 کہے ہوں گے۔۔۔۔۔ اور تم اس کو زبان چھیننا کہتے ہو۔“

واقعہ تو یہی تھا کہ بنوئے نے جو الزام گورا پر لگایا تھا اس کو ثابت کرنے کے
 لئے بنوئے کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی، گورا نے جو بات کہی وہ سچ کھتی۔ بہت
 کم الفاظ دونوں نے ایک دوسرے سے کہے تھے۔ اور گورا نے جتنا کچھ کہا بھی تھا
 اس میں بھی اتنا زیادہ اصرار نہیں تھا کہ جس کو دباؤ ڈالنا سمجھا جاسکے۔ اور پھر بھی یہ
 حقیقت کھتی کہ ایک طرح سے گورا نے ہی بنوئے سے ہاں کہلوائی تھی۔ اور یہ مانی
 بات ہے کہ ظاہری ثبوت جتنے ہی کم ہوتے ہیں، الزام لگانے والا اتنا ہی زیادہ بے قرار
 ہوتا ہے۔ چنانچہ بنوئے کی آواز میں بیجا عفتے کی جھلک آگئی۔ کسی سے وعدہ کرنے
 یا ہاں کروانے میں کچھ بہت الفاظ نہیں لگتے۔“

”تو تم اپنے الفاظ اور اپنا وعدہ واپس لے لو۔“

گورا جیختا ہوا کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا ”تمہارا وعدہ کوئی ایسی بیش بہا چیز نہیں
 ہے جو میں اس کے لئے تم پر ڈاکہ ڈالوں یا تمہارے آگے ہاتھ پھیلاؤں۔۔۔۔۔“ پھر
 اس نے گرج کر موہم رادا کو آواز دی ”داد“ ”موہم بابوئل والے کمرے ہی میں تھے۔
 جلدی جلدی گھبراتے ہوئے آئے۔“

”دادا“ گورا نے چلا کے کہا ”میں نے آپ سے بالکل شرط ہی میں کہہ دیا تھا
 کہ بنوئے سے شاشی کا بیاہ ہونا ناممکن ہے۔۔۔۔۔ کہ مجھے یہ رشتہ پسند نہیں ہے۔“
 ”ہاں یہ تو تم نے کہا تھا۔ دوسرا کوئی تھوڑا ہی کہہ سکتا تھا، اور کوئی چچا ہوتا تو

اپنی بھتیجی کی شادی میں کچھ تو دلچسپی ظاہر کرتا۔

”لیکن نبوتے کو راضی کرنے کے لئے آپ نے میرے کندھے پر رکھ کے بٹ روق کیوں چھوڑی“ گورا نے منہ پھٹا انداز میں کہا۔

”کوئی وجہ نہیں تھی سوائے اس کے کہ میرے خیال میں نبوتے کو راضی کرنے کا یہ سب سے اچھا طریقہ تھا۔“

گورا کا چہرہ لال ہو گیا ”بھئی مجھے تو آپ ن باتوں سے بخش دیتے تو اچھا ہوتا۔ آخر میں کوئی پیشہ درناتی ہوں کہ رشتہ لگاتا پھروں“ اور یہ کہہ کر وہ دندنا تا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

بیچا بے موہم بالباب اور آگے کیا کہتے۔۔۔۔۔ نبوتے بھی باہر نکل کر گلی تک پہنچ گیا تھا، چنانچہ انھوں نے دیوار سے لگا کر رکھا ہوا حقہ اٹھایا۔۔۔۔۔ اب وہی ان کی تسکین کا آخری سہارا تھا۔

ویسے کتنی بار نبوتے کا گورا سے جھگڑا ہو چکا تھا لیکن ایسا ہنگامہ پہلے کبھی نہیں ہوا تھا کہ جیسے جوال مکھی پھٹ پڑا ہو۔ وہ خود اپنے اس کارنامے پر ششدر رہ گیا! گھر پہنچا تو اس کا ضمیر بڑی طرح کشک رہا تھا، جب بھی خیال آتا کہ اس ایک لمحے میں اس نے گورا کو کیا سخت دھکا لگا دیا تو نیند اڑ جاتی تھی، بھوک بھاگ جاتی تھی۔ خاص کچھتا داتا سے اس بات کا تھا کہ اس نے کس قدر بدعا بدھلی کے ساتھ سارا الزام گورا کے سر تقویٰپ دیا تھا۔ اس کا دل ہی کہے جاتا تھا کہ ”تو نے بُرا کیا، بُرا کیا، بُرا کیا“

کافی دن چڑھنے کے بعد نبوتے گورا کے یہاں پہنچا آنت موئی اسی وقت درپہر کا کھانا کھا کے، اپنی سلائی وغیرہ لے کے بیٹھی گئیں۔ وہ جا کر چپ چاپ اُن کے پاس بیٹھ گیا۔ آنت موئی کو موہم دادا سے کچھ تقویٰڑا بہت معلوم ہو گیا تھا لیکن گورا جب درپہر کا کھانا کھانے بیٹھا تو اس کی صورت دیکھ کر وہ بھانپ گئیں کہ، ایک طوفان آچکا!

بنوئے نے بات شرط کی: "ماں ————— مجھ سے غلطی ہوئی، میں نے کچھ صبح اپنے اور شاشی کے بیاہ کے بارے میں جو کچھ گورا سے کہا وہ سب بکواس تھا۔"
 "تو پھر کیا ہوا بنوئے؟ جب بھی انسان اپنے دل میں کسی دکھ کو نبھانے کی کوشش کرے گا، اپنے اعلیٰ احساسات چھپائے گا تو ایسا ہی ہوگا، چلو اچھا ہی ہوا جو یوں ہوا۔
 دو چار دن میں تم دونوں ہی اس جھگڑے کو بھول بھال جاؤ گے۔"
 "لیکن ماں! میں تو تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مجھے شاشی سے بیاہ کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"لڑائی کے بعد مل کرنے کی جلدی میں بگڑی بات کو اور نہ بگاڑو بیٹا، لڑائی جھگڑے ایک وقتی بات ہوتے ہیں، شادی زندگی بھر کا معاملہ ہے۔"
 لیکن بنوئے اس شور سے کو قبول نہ کر سکا۔

اس نے جب یہ محسوس کیا کہ وہ سیدھا گورا کے سامنے جا کر اپنی تجویز پیش کرنے کا مسند نہیں رکھتا تو وہ موہم دادا کے پاس پہنچا اور ان کو بتایا کہ اب شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، چار مہینے بعد ہو سکتی ہے اور یہ کہ وہ خمد اس کا بات کا ذمہ لے گا کہ اس کے چچا وغیرہ کو کوئی اعتراض نہ ہو۔

تو پھر سنگنی کی رسم فوراً ہی کر دی جاتے: "موہم دادا نے اصرار کیا: بہتر ہے آپ گورا سے صلاح کر کے جو مناسب سمجھیں کریں۔"

"پھر گورا سے صلاح کروں" موہم دادا چڑھ گئے!

"ہاں! ہاں۔ ایس ضروری ہے، اشد ضروری۔"

"اچھا اگر اشد ضروری ہے تو پھر میں سمجھتا ہوں کر نا ہی پڑے گا۔ لیکن....."

پھر موہم بابو کا مسند بند ہو گیا۔ کیونکہ وہ ڈبیہ سے پان نکال کر اس میں ٹھونس رہے تھے۔

موہم بابو اس دن تو کچھ نہیں بولے۔ دوسرے دن صبح ڈرتے ڈرتے گورا کے

کمرے میں گئے۔ کہ اب کے گورا کو راضی کرتے ہیں دیکھتے کتنی سخت جنگ کرنی پڑتی ہے لیکن جیسے ہی انھوں نے بتایا کہ نبوتے کل سہ پہر آیا تھا، شاشی سے ہیا کرنے کی رضامندی نہ گیا ہے اور ان سے کہہ گیا ہے کہ گورا سے صلح کر کے سنگنی کی تاریخ کھڑا دی جائے تو گورائے ایک ہم اپنی رضامندی ظاہر کی اور کہا۔

”بہت اچھا ہے۔۔۔ ہم لوگوں کو ضرور سنگنی کر لینا چاہیے۔“
 ”اب اس وقت تو تم بڑی سیدھائی سے بات کر رہے ہو، مگر کھگوان کے لئے آگے پھر کوئی اعتراض نہ کھڑا کر دینا۔“

”میرے اعتراض پر کھوڑا ہی جھگڑا ہوا، جھگڑا تو میری درخواست کی وجہ سے ہوا۔“
 ”غیر خیر۔۔۔ اب مجھ غریب کی آپ سے یہ التجا ہے کہ آپ نہ اعتراض کریں نہ درخواست میں غم نہ ہی سب کچھ کر لوں گا۔ لے بھلا اب مجھے کیا معلوم تھا کہ تم نبوتے سے کہو گے تو اس کا اٹھا اثر پڑے گا۔۔۔ میں تو بس ایک ہی بات جاننا چاہتا ہوں۔۔۔ تم واقعی چاہتے ہو کہ یہ شادی ہو۔“

”ہاں۔۔۔ میں چاہتا ہوں۔“

”تو بس اتنی خواہش تمہاری طرف سے کافی ہے اور باقی خواہ مخواہ مالے کو ابھانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

بلیواں باب

اب گورا اس نتیجے پر پہنچا کہ دُور رہ کر نبوتے پر گرفت رکھنا مشکل ہوگا۔ اب تو موقعہ وِردات پر پہنچ کر ہی چوکی دینی پڑے گی۔ اور نبوتے کو قابو میں رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہوگا کہ خود پارٹیش بابو سے خلا ملا بڑھایا جائے چنانچہ اسی دن جس دن جھگڑا ہوا وہ شام کو نبوتے کے کمرے پہ گیا۔

نبوتے کو بھلا کیا اُمید تھی کہ گورا اس قدر جلد آپہنچے گا۔ حیران بھی بے حد ہوا پھر اُسے اللہ زیادہ تعجب ہوا جب کہ گورا نے پارٹیش بابو کی لڑائیوں کا ذکر چھیڑا اور ذکر میں کسی قسم کی مخالفت بھی نہیں کی۔ اس موضوع میں نبوتے کی دلچسپی جگانا کون مشکل بات تھی۔ دونوں درست رات گئے تاک اس موضوع پر مختلف پہلوؤں سے باتیں کرتے رہے۔

اس رات گھر جاتے وقت گورا بھی اس عنوان کو اپنے ذہن سے نکال نہ سکا۔ بلکہ جب تک نیشنلزم آگئی تب تک وہ اُن خیالات کو رد نہ کر سکا۔ زندگی میں آج تک کبھی اس طرح کا انتشار اس کے دماغ پر نہیں چھایا تھا، واقعہ تو یہ ہے کہ عورت کا مسئلہ اس کے پروگرام میں کہیں بٹھا ہی نہیں۔

اب نبوتے نے ثابت کر دیا تھا عورت بھی دُنیا سے باقی مسائل میں ایک بڑی اہمیت رکھتی ہے اور اُسے بھی سمجھوتے کے رویے سے ہی طے کیا جاسکتا ہے۔ سچ کر کہیں نہیں جایا جاسکتا!

ہی وجہ تھی کہ دوسرے دن جب نبوتے نے گورا سے کہا "دیسے ساتھ پارٹیش بابو کے گھر چلو، وہ اکثر تم کو پوچھتے ہیں۔" — تو زور بغیر کسی پس و پیش کے

فوراً راضی ہو گیا۔

اور نہ صرف یہ کہ ظاہری طور سے راضی ہو گیا بلکہ اب اس کے اپنے دماغ میں بھی وہ بے نیادی نہیں رہ گئی تھی۔ شروع میں تو پارلش بابو کی لڑکیوں کی طرف اس کا رویہ لاپرواہی کا تھا۔ پھر اس کی جگہ ایک حقارت بھری مخالفت نے لے لی۔ مگر اب اسے خود بھی محسوس ہوتا تھا کہ وہ ان لوگوں کو اور زیادہ جاننے کا خواہشمند رہے۔ اسے یہ پتہ لگانے کی پریشانی تھی کہ آخر نبوتے کے دل پر جو اتنا اثر پڑ رہا ہے تو یہ کب کب ہو گیا؟ کافی شرم آگئی تھی جب دونوں وہاں پہنچے۔ کوٹھے پر برآمدے میں ہرن بابو لیمپ کے سامنے اپنا ایک انگریزی میں لکھا ہوا مقالہ پارلش بابو کو پڑھ کر سنا رہے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ پارلش بابو تو صرف ایک بہانہ تھے، اصل مقصد تو سچا رستہ پر رعب جمانا تھا، وہ بھی میسر کے نزدیک ہی بیٹھی سن رہی تھی۔ اور لیمپ کی چونچھی سے اپنی آنکھیں بچانے کے لئے ایک تار کے شے سے آڑ کئے تھی، چونکہ طبیعتاً فرمانبردار واقع ہوتی تھی اس لئے سمجھنے کی پوری کوشش کر رہی تھی۔ لیکن کبھی کبھی اس کا دماغ بھٹکتا ہوا دوسرے راستوں پر جانکتا تھا۔

جب نوکر نے نبوتے اور گورا کے آنے کی اطلاع دی، وہ یکدم اچھل پڑی! اور کمرے سے جانے لگی لیکن پارلش بابو نے اس کو روک دیا، "تم کہاں جا رہی ہو رادھا۔ بیٹھو، نبوتے اور گورا ہی تو آئے ہیں۔"

سچا رستہ کچھ گھبرا کے پھر بیٹھ گئی۔ حالانکہ اس نے اطمینان کا سانس بھی لیا کہ چلو ہرن بابو کا بور کرنے والا مضمون تو کسی طرح رکا۔ گورا سے پھر ملنے کا بھی اس کو ضرور اشتیاق تھا لیکن ہرن بابو کی موجودگی میں گورا کے آنے پر وہ شراب بھی رہی تھی اور گھبرا بھی رہی تھی! کہا نہیں جاسکتا کہ وہ ان دونوں میں پھر جھگڑا ہونے کے خیال سے پریشان تھی یا کیا تھا۔ گورا کے نام ہی سے ہرن بابو کو آگ لگ گئی۔ انھوں نے اس کے سامنے جواب

بھی یوں ہی سادہ دیا۔ اور پھر منہ میں گھنگھنیاں بھر کے بیٹھ گئے۔ اور گورا کا تو یہ حال تھا کہ ہرن بابو کو دیکھنے کے ساتھ ہی اس کا لڑنے کو جی چاہنے لگا !
 بروداد دیوی اپنی تینوں لڑکیوں کو لے کر کہیں ملنے ملانے کے لئے گئی ہوئی تھیں، اور یہ انتظار مہوا تھا کہ پارٹیش بابو شام کو جا کر ان لوگوں کو بوالائیں گے۔
 نبوئے اور گورا جب پہنچے تو پارٹیش بابو کے جانے کا وقت ہوا ہی چاہتا تھا۔ کچھ دیر ان لوگوں کے آنے کی وجہ سے رُک گئے۔ لیکن جب اور زیادہ نہ رُک سکے تو ہرن بابو ایرسچاریتا سے انھوں نے آہستہ سے کہا اور ان لوگوں کو ہانوں کی خاطر داری کی ہدایتیں دے کر چلے گئے۔

اُن کی پیٹھ مڑنا تھی کہ خاطر داری شروع ہو گئی !

چند ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ باقاعدہ جنگ چھڑ گئی ! موضوعِ بحث یہ تھا کہ ایک انگریز ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کلکتہ کے پاس ہی رہتے تھے، برادریوں اُن کا نام تھا اور جب پارٹیش بابو ڈھاکہ میں تھے تو اُن لوگوں سے بہت میل ملاقات تھی، چونکہ پارٹیش بابو اپنے گھر کی عورتوں کو علیحدہ زنا نے میں نہیں رکھتے تھے اس لئے صاحب اور میم صاحب ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ صاحب ہر سال اپنی سالگرہ کے موقع پر ایک زراعتی میلہ کیا کرتے تھے۔۔۔ اس طرٹ بروداد دیوی کئی بار مسز برادریوں کے یہاں آئی گئیں اور حسبِ دستور ان پر اپنی لڑکیوں کی انگریزی دانی کو خوب اچھی طرح واضح کیا۔ اس پر میم صاحب نے بڑے شوق سے ایک تجویز پیش کی اور وہ یہ تجویز تھی کہ چونکہ اس سال لفٹنٹ گورنر صاحب بھی اپنی میم صاحب کے ساتھ میلے میں شریک ہونے آرہے ہیں اس لئے اگر پارٹیش بابو کی لڑکیاں ان کے سامنے انگریزی میں ایک چھوٹا سا ڈرامہ پیش کر سکیں تو بہت اچھا رہے گا۔ اس تجویز کو بروداد دیوی نے نہایت خوشی کے ساتھ قبول کیا اور آج وہ تینوں لڑکیوں کو لے کر کسی درست کے یہاں رہا رہنے لگی تھیں۔

جب گورا سے پوچھا گیا کہ وہ میلے میں چل سکے گا تو اس نے نہایت زور سے کہا

”نہیں“

اس ”نہیں“ میں بیجا عقدہ تھا، چنانچہ گورا گرم بحث چل پڑی کہ انگریزوں اور بنگالیوں کے سماجی تعلقات میں کیا مشکلات حائل ہیں وغیرہ۔ ہرن بابو نے کہا ”یہ سب ہماری قوم کا تصور ہے۔ ہمارے یہاں ایسی بڑی بڑی رسمیں اور توہمات ہیں کہ ہم کسی راتق ہی نہیں ہیں۔“ اس پر گورا نے جواب دیا ”اگر یہ بات واقعی سچ ہے تو کپہر ہم جیسے بُرے ہیں وہ ہیں لیکن انگریزوں کی سوسائٹی میں گھسنے کے لئے خوشامدیں کرتے پھرنا تو ہمارے لئے اور بھی شرمناک بات ہے۔“

”لیکن جو لوگ راتق، مدد روشن خیال ہیں وہ انگریزی سوسائٹی میں سحرِ قدیم کی نگاہ

سے دیکھتے جاتے ہیں۔ جیسے ہمارے یہ دوست ہیں۔“

ان کا مطلب پارلش بابو کے خاندان سے تھا۔

”میرا تو خیال ہے کہ چند لوگوں کی اس طرح کی عزت افزائی تو ان کے ہستی تمام

امیونٹیوں کی ذلت اور حقارت کو اور بڑھا دیتی ہے۔“

ہرن بابو بہت جلد ہی غصے سے بے قابو ہو گئے اور گورا نے ان کو اشتعال دے

دے کر خوب رد سے پرچڑھایا، خوب تپایا، خوب تڑپایا، جب بحث پورے تھی تو سچا ریتا

نکپے کی آڑ سے بار بار گورا کو دیکھتی تھی، اور ایسا کہو جاتی تھی کہ بحث کے الفاظ اس کے

ذہن پر کوئی نقش نہیں چھوڑتے تھے۔ اس کا یہ دیکھنا بھی ایک بیخود سی کی کیفیت تھی ورنہ

اگر اس کو خود پستہ چل جاتا کہ وہ اس طرح دیکھ رہی ہے تو شرمناک رہ جاتی۔ گورا اس کے

بالکل سامنے ہی بیٹھا تھا، میز پر جھکا اپنے دونوں طاقتور بازو آگے کو پھیلائے، لمبے

کی روشنی اس کی صاف شفاف پیشانی پر پڑ رہی تھی۔ کبھی وہ حقارت سے ہنست، کبھی

غصے سے ماتھے پر لکیریں پڑ جاتیں، لیکن اس کے چہرے کے نقوش ایک ایسا وقار ظاہر

کرتے تھے کہ جس سے پتہ چلتا تھا اس کی بات صرف الفاظ کی شعبہ بازی نہیں ہے،
مدتوں، برسوں کے سوچے سمجھے خیال اور عمل کا نتیجہ ہے۔ اس کی صرف آواز نہیں بول رہی
تھی دل صراٹے رہا تھا۔ چہرے کے آثار چڑھاؤ میں جسم کی ہر حرکت میں گہرے یقین کے
آثار تھے۔

سچا ریتا حیران ہو کر اسے ٹکے جا رہی تھی! ایسا لگتا تھا کہ زندگی میں پہلی بار کسی
مرد کو دیکھا! ایک ایسا مرد جسے معمولی مردوں کی صف میں نہیں کھڑا کیا جاسکتا تھا۔ اس
کے مفاہجے میں ہرن بابو ایسے پھیکے لگتے تھے کہ اُن کا نقشہ، اُن کی حرکتیں یہاں تک
کہ اُن کا لباس بھی کچھ مضحکہ خیز سا معلوم ہوتا تھا۔ سچا ریتا نے اتنی بار بڑے بابو سے
گھبرا کے متعلق گفتگو کی تھی وہ اُسے کسی خاص پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے ہی دیکھنے
لگی، جو اپنے مستقل خیالات رکھتا ہے اور زیادہ سے زیادہ یہ کہ کسی طرح وہ ملک کے
لئے مفید ثابت ہو سکتا ہے۔ اس وقت جو اس کی صورت کو ٹکے جا رہی تھی تو اس کی
نظروں کے سامنے، پارٹی کے خیالات یا ملک کا مفاد نہیں، بلکہ صرف گورا
تھا۔ گورا ایک شخصیت! گورا ایک مرد! آج اُسے زندگی میں پہلی بار یہ احساس ہوا کہ
اس کی شخصیت کسی مردانہ وار تھی اور اس کی رُوح کس قدر مجید! اور اس انوکھے
تجربے میں وہ ایسی کھینی کہ اپنے آپ کو بھی بھول گئی!

سچا ریتا کی یہ بخود ہی ہرن بابو کی نظروں سے بھی چھپی نہ رہ سکی! اور وہ جو اپنا پورا
زور نہیں لگا رہے تھے اس کی ایک بہت بڑی وجہ یہ بھی تھی! آخر کار وہ زیادہ برداشت
نہ کر سکے۔ ایک دم کرسی سے اُٹھ کر اس طرح سچا ریتا سے مخاطب ہوئے جیسے وہ مسکمی
زندگی بہت قریبی رشتے دار تھی "سچا ریتا تم ذرا ادھر آؤ" اس کمرے میں، مجھے تم سے
کچھ بات کرنی ہے۔"

سچا ریتا جھجک کر پیچھے ہٹی، جیسے کسی نے اُسے ایک چابک مار دی ہو! اگرچہ

ہرن بابو کے اور اس کے تعلقات اتنے بے تکلف تھے کہ وہ اسے اس طرح بلا سکتے، کوئی اور موقع ہوتا تو اسے کچھ خیال بھی نہ آتا لیکن آج اس وقت گورا اور بیوے کی موجودگی میں یہ بات اسے اپنی ہتک محسوس ہوئی، اس لئے اور بھی کہ گورے نے ایک بار اس کی طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھا کہ جس کے بعد ہرن بابو کی یہ حرکت معاف نہیں کی جاسکتی تھی۔

پہلے تو اس نے سنی اُن سنی کر دی ——— سیکین پھر جب ہرن بابو نے ذرا اور جھنجھلا کے کہا ”میری بات نہیں سن رہی ہو سچا رہتا، مجھے تم سے کچھ کہنا ہے، اسی لئے تم سے کہہ رہا ہوں کہ ساتھ والے کمرے میں چلو“ تو اس نے آنکھیں چار کئے بغیر جواب دیا ”بابو جی کے آنے تک ٹھہر جاتیے۔ پھر آپ مجھے بتا دیجئے گا۔“

جب یہ نوبت پہنچی تو بنو تے اٹھ کھڑا ہوا ”بھئی مجھے بہت انسوس ہے، غالباً ہم لوگوں کی وجہ سے رکاوٹ ہو رہی ہے، اب تو ہم لوگوں کے چھپنے کا بھی وقت آگیا۔“ سچا رہتا تھا ہی سے بولی ”نہیں بنو تے بابو، اتنی جلد ہی آپ نہ غائبیں، بابو جی تو کہہ گئے تھے کہ اُن کے آنے تک ٹھہریں، وہ بس اب آتے ہی ہوں گے۔“ اور اس کی آواز میں ایسی پریشانی اور مسرت تھی کہ گویا بنو تے نے ہرن کو فرسکاری کے حوالے کرنے کی تجویز کی تھی۔

ہرن بابو پیر پٹختے کمرے سے باہر نکل گئے ”میں اب زیادہ انتظار نہیں کر سکتا، اب مجھے جانا ہی چاہیے۔“

باہر نکل کر وہ اپنی اس جلد باری پر کھپتا تے نوبہت مگر اب واپس جانے کا بہانہ بھی کیا کرتے: اُن کے ہانسنے کے بعد سچا ریتا شرمندگی سے لال ہو گئی، سر جھبکا کے بیٹھی رہی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہئے ——— اور اس بار گورا نے اس کے نقوش کو پہلی بار گہری نظر سے دیکھا! تعلیم یافتہ لڑکیوں کے خیال کے ساتھ اس کے ذہن میں جیتیزی اور بے حیائی کے تصورات تھے وہ کہاں تھے؟ بیشک اس کے چہرے پر ایک تانباک نہانت تھی لیکن اس

زہانت کو اس کے شرمیلے پن نے کس قدر ملاحظہ بخش دی تھی، خزاں کے صاف شفاف آسمان کی طرح چمکتی س کی پاکیزہ اور بے باغ و پیشانی، خاموش لب، جیسے کسی نوخیز کلی کے خم، جن میں ان کی بات چھپی ہو! گورا نے کبھی کسی تعلیم یافتہ عورت کے لباس پر غور نہیں کیا تھا۔ بغیر دیکھے ہی اس سے نفرت کرنے لگا تھا۔ لیکن اس وقت نئے فیشن کی یہ ساڑی جو سچا ریتا کے جسم پر لپیٹی ہوئی تھی، اسے بہت بھلی معلوم ہوئی!

اس کا ایک ہاتھ میز پر رکھا ہوا تھا۔ اور بلاؤز کے چٹٹ دتے ہوئے کف میں سے جھانکتا ہوا وہ گورا کو ایک ایسے دل کا بار بار پیغام محسوس ہوا جو محبت کو قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ — کیسی پرسکون شام تھی۔ اور اس میں لیمپ کی وہ ہلکی ہلکی روشنی جو سچا ریتا کے چاروں طرف سے ہالہ کئے تھی لیکن اچھی لگ رہی تھی، — کمرے میں چاروں طرف سے بھری ہوئی پرچھائیاں، دیواروں پر لگی تصویریں، صاف ستھرا فرنیچر۔ پورا کمرہ خود ایک تصویر سا لگتا تھا۔ — ایک ایسی تصویر جس کے یہ مادی نقوش اب ہم نہ دیکھ سکتے بلکہ یہ بات ہم قلمی کہ کسی عورت کی شگڑ انگلیوں نے اسے ایک گھریلو فضا بخش دی تھی۔ اور یہ گھریلو پن گورا کے دل میں یکایک گھر کر گیا تھا۔

آہستہ آہستہ دیکھنے ہی دیکھتے وہ اسے ایک گہری حقیقت، نظر آنے لگی، اس کا وجود اب ہم موتا چھا گیا۔ — پورا وجود — کنپٹی سے لپٹے ہوئے، ادھر ادھر جھٹکے ہوئے بالوں سے لے کر ساڑی کے بارڈر میں بنے ہوئے گل بوٹے تک! اب ایک ہی نظر میں سچا ریتا کی شخصیت کی تکمیل کو بھی دیکھ سکتا تھا اور ہر ایک تفصیل کو بھی!

ذرا دیر ہر ایک کو یہ خاموشی بڑی عجیب لگتی رہی، سب ہی گہرائے ہوئے تھے پھر

ہوئے۔ نے سچا ریتا کی طرف دیکھ کر ایک ایسا موضوع چھیڑ دیا جس پر یہ لوگ چند دن پہلے گفتگو کر چکے تھے۔ کہنے لگا "جیسا کہ میں اس دن آپ سے کہہ رہا تھا، میں کسی زمانے میں سوچا کرتا تھا کہ ہمارے ملک اور ہماری سوسائٹی کے لئے امت کا کوئی راستہ نہیں ہے

انگریز جو ہیں وہ ہمیشہ ہمارے سر پرست کی حیثیت سے رہیں گے اور ہم ہمیشہ نابالغ !
 اس طرح آج بھی ہمارے ملک کے بہت سے لوگ سوچتے ہیں، اور جب ایسی ذہنی حالت
 ہوتی ہے تو لوگ یہ تو اپنے ذاتی مفاد میں کھو جاتے ہیں یا اپنی تقدیر کے بارے میں غور
 ہی نہیں کرتے۔۔۔ میں نے بھی ایک بار گورا کے والد صاحب کے ذریعہ ایک سرکاری
 نوکری حاصل کرنے کے متعلق سوچا تھا مگر گورا نے مخالفت کر کے میری عقل ٹھکانے کر دی !
 گورا نے جب دیکھا کہ اس بات پر شجارت کا چہرے پر تجتب کے آثار پیدا ہوئے
 تو وہ بولا "دیکھئے یہ نہ سمجھئے گا کہ میں نے جو کچھ کہا اس میں گورنمنٹ سے نفرت کرنے کا کچھ
 ہاتھ تھا، جو لوگ سرکاری نوکر ہوتے ہیں، وہ عام طور پر سرکاری قوت پر ایسا اتراتے ہیں جیسے
 وہ ان کی اپنی ہی قوت تو ہے۔ اور اس طرح وہ اپنے ہاٹی ہوطنوں سے الگ ایک طبقہ
 بن جاتے ہیں۔ مجھے یہ دن بدن زیادہ صاف نظر آتا جاتا ہے۔ ایک زمانے میں میرے ایک
 رشتے دار ڈپٹی مجسٹریٹ تھے، اب تو وہ ریٹائر ہو گئے لیکن جب سروس میں تھے تو ڈسٹرکٹ
 مجسٹریٹ اکثر ان پر اعتراض کیا کرتا تھا، "بابو صاحب، آپ کی کچہری سے اتنے آدمی کیوں
 بری ہوتے ہیں؟" وہ جواب دیتے "صاحب اس کی تو ایک بہت بڑی وجہ ہے، آپ جن
 لوگوں کو جیل بھیجتے ہیں وہ آپ کے کئے اور بنیوں کی طرح ہیں مگر مجھے جن کو بھیجنا ہوتا ہے
 وہ میرے ہی بھائی بند ہیں، اس زمانے میں ہمارے بہت سے ہوطنوں کے منہ سے ایسے
 شریفانہ الفاظ نکل سکتے تھے اور ایسے شریف انگریزوں کی بھی کمی نہ تھی جو ان کو سُنتے تھے !
 لیکن اب تو غلامی کی دنجیروں کو زور سمجھ کر کے پہنا جاتا ہے۔۔۔ اور آج کل کے ڈپٹی
 مجسٹریٹ تو آہستہ آہستہ ایسے ہو گئے ہیں کہ اپنے ہوطنوں کو کتوں سے کچھ بہتر نہیں سمجھتے
 تجزیہ یہ بھی بتاتا ہے کہ ایسے لوگ سروس میں جتنے اونچے ہوتے جاتے ہیں ذہنیت اتنی ہی
 ذلیل ہوتی جاتی ہے۔ اگر آپ کسی کے کندھے پر چڑھ کر اونچے ہو گئے ہیں تو آپ کو اپنی جفا
 کو حقارت کی نظر سے دیکھنا لازمی ہو جاتا ہے۔ اور جہاں آپ نے ان کو حق سمجھا کہ آپ نے

اُن سے بے قصائی کی — اس طرح تو بہتری کی کوئی صورت نکل سکتی تھی ۛ

گورا نے بات ختم کرتے ہوئے نہایت جوش میں آکر میز پر مگس مارا، لیمپ ملنے لگا۔
 ”گورا بھوتے نے مسکرا کر کہا ”یہ میز سرکاری ملکیت نہیں ہے اور لیمپ پارلش بالو کا ہے۔“ اس بات پر گورا تہقہہ لگا کے ہنسنے لگا۔ اس کی معصوم مسرت سارے کمرے پر چھا گئی،
 سچا ریتا کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور خوشی بھی کہ اپنا مفلکہ اڑنے پر گورا لڑکوں کی طرح کھسکا کھلا کے
 ہنس بھی سکتا ہے! غالباً یہ بات اس نے اب تک کبھی نہیں سوچی تھی کہ جی جان سے وہی شخص
 ہنس سکتا ہے جس کے خیالات اعلیٰ ہوں!۔

اسی شام گورا نے کئی موضوعات پر باتیں کر ڈالیں، سچا ریتا ویسے نو خاموش رہی لیکن
 اس کے چہرے پر پسندیدگی کے ایسے آثار تھے جن سے گورا کا کلیجہ ہاتھ کھرکا ہو گیا۔ اس فرکار
 سچا ریتا سے ہی خاص طور پر مخاطب ہو کر بولا: میں چاہتا ہوں آپ ایک بات یاد رکھیں۔ اگر
 ہم اس غلط فہمی میں مبتلا رہیں کہ انگریز ہم سے زیادہ طاقتور ہے اور ہم جب تک اس جیسے
 نہ ہو جائیں گے اس کا مقابلہ نہیں کر پائیں گے تو یہ ایک ایسی ناممکن بات ہے جو کبھی حاصل
 نہیں ہو سکتی۔ گورا نے تقلید کر کے نہ ہم ادھر کے رہیں گے نہ ادھر کے — آپ سے تو
 میری بس ایک ہی درخواست ہے، ہندوستان کو سمجھتے — اس کی تمام خامیوں، تمام خرابیوں
 کو دل میں جگہ دیجئے، اگر کوئی خرابی ہے تو اس کو اندر سے ٹھیک ضرور کیجئے۔ ہر اسے اپنی
 آنکھوں سے دیکھتے تو سہی، اس کو سمجھتے تو سہی، اس کے بارے میں سوچتے تو سہی، اس کی
 ٹکاپوں سے ٹکاپیں تو ملائیے، اسے اپنا تو بنائیے۔ مخالف صف میں کھڑے رہتے گا تو کیا
 جانتے گا؟ انگریزی قسم کے خیالات اپنا کر باہر سے رائے دیجئے گا تو کیا کر بیجئے گا۔ اس سے
 تو صرف آپ زخم لگا سکتی ہیں کوئی خیریت تو نہیں کر سکتیں!“

اس بات کو گورا نے اپنی درخواست کہ تھا لیکن دراصل یہ حکم تھا۔ اس کے الفاظ میں ایسی
 دربر دست قوت تھی کہ دوسری طرف سے ہاں کہہ جانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔

سچا ریتا سر جھکا کے سُن رہی تھی؛ گورا کو اس قدر اشتیاق کے ساتھ اپنے سے مخاطب پا کر بس کا دل زبرد زور سے دھڑکنے لگا تھا۔ شرم و حیا پر مشکل تابا پا کر اس نے بڑی سادگی سے کہا: ”میں نے پہلے کبھی اپنے وطن کے بارے میں اتنی سچی اور اونچی طرح سے نہیں سوچا، لیکن بس بھی آپ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں۔ مذہب اور وطن کا آپس میں کیا رشتہ ہے؟ کیا مذہب وطن سے بالاتر نہیں ہے؟“

اس کی نازک آواز میں کہے ہوئے اس سوال نے گورا کے کانوں میں شبہ چکرایا، سوال کرنے وقت آنکھوں میں جو کیفیت تھی اُس نے اور بھی مٹھا اس گھول دی۔ اس نے جواب دیا: ”اگر کوئی چیز وطن سے بالاتر، وطن سے عظیم تر ہے تو وہ وطن کی محبت کے ذریعے ہی ظاہر ہو سکتی ہے۔ بھگوان نے اپنے واحد اور باقی وجود کو مختلف صورتوں میں ظاہر کیا ہے، لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ صداقت واحد ہے اس لئے کہ وہ صرف کسی ایک مذہب میں سچائی بن سکتی ہے وہ گویا یہ تو ماننے سے ہی ہیں کہ صداقت واحد ہے مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ صداقت لامحدود ہے۔ خدا کی ذات لامحدود ہے، اسی طرح بہت سی لامحدود صورتوں میں اپنے آپ کو ظاہر کرتی ہے۔ میں آپ کو یقین دلانا چاہتا ہوں کہ ہندوستان کے پار بھی آپ سورج کی روشنی دیکھ سکتی ہیں اس لئے کوئی ضرورت نہیں ہے کہ سات سمندر پار کے عیسائی کلیسا کے روزن سے ہی جھاٹکا جائے۔“

”تو آپ کا مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کے پاس ایک خاص راستہ ہے جو خدا تک پہنچا سکتا ہے۔ وہ خصوصیت کیا ہے؟“

گورا نے جواب دیا: ”وہ خصوصیت یہ ہے کہ یہاں پر مانا گیا ہے کہ ایک توت سب سے بالاتر ہے اس کی تعریف نہیں کی جا سکتی، لیکن وہ کسی حد تک ہر شے میں نمایاں ہے۔ دنیا کے ہر جزو کل میں اُسی کا ظہور ہے؛ وہ بیک وقت، بے انتہا صفات کا بھی ظاہری اور اشاری مالک ہے اور لا صفت بھی ہے۔ بید صورتوں کا روپ بھرتا ہے اور

لا صورت بھی ہے۔ اور ملکوں میں لوگوں نے خدا کو اس کی کسی ایک مخصوص خصوصیت کے ذریعے پہچانا ہے لیکن ان کوششوں کو کبھی انتہا نہیں سمجھا گیا۔ اور نہ ان میں کسی ایک کو سب کچھ مان لیا گیا ہے۔ کسی بڑے سنیا سی نے اس بات کو ماننے سے انکار نہیں کیا کہ خدا کی ذات ہمیشہ اسی مخصوص دائرے سے وسیع تر ہوتی ہے جو پرکش کرنے والے کو اپنی ذاتی توفیق کے حساب سے صداقت نظر آتی ہے۔“

”یہ تو پہنچے ہوئے عقلمند سنیا سیوں کی بات ہوتی نہ — مگر باقی لوگوں کے بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟“ سچا ریتا نے پوچھا۔

”میں ہمیشہ اسی بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ ہر ملک میں جاہلوں کے ہاتھوں سچائی مسخ کی جاتی ہے۔“

”لیکن کیا یہ وعدہ نہیں کہ جتنی توڑ موڑ یہاں ہوتی ہے، یہ اور ملکوں سے بھی زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔“

”ہاں ہو سکتا ہے۔“ گور نے جواب دیا۔ ”وہ صرف اتنی ہے کہ ہندوستان نے ہمیشہ مکمل عذر نہ مل کرنے کی کوشش کی ہے۔ ظاہری اور اشاری ہر ایک کے مستند پہلوؤں پر غور کیا۔ داخلی اور خارجی، روحانی اور جسمانی — اور ہو یوں کہ جو لوگ اشاری پہلوؤں کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے وہ ظاہری کو جھپٹ لیتے ہیں۔ اور کھران کی جہالت اس میں طرح طرح کے تفرقات کر کے یہ غیر منہولی توڑ مروڑ پیدا کرتی ہے۔ پھر کئی ہمارے لئے یہ کسی طرح مناسب نہ ہو گا کہ ہم اس عظیم اور گونا گوں اور حیرتناک راستے سے اپنے آپ کو بالکل علیحدہ کر لیں جو راستہ ہندوستان نے دوسری جسمانی، روحانی عمل اور حیثیتوں میں تلاش حق کی کوشش کے واسطے تجویز کیا ہے۔ جس میں وہ تجلی صورت اور بے صورت، مادی اور روحانی بر کیفیت ہیں ظاہر ہوتی ہے، مشاہدے اور مراقبے دونوں میں یکساں محسوس ہوتی ہے۔ اس کے بجائے اگر اٹھارھویں صدی کے یورپ نے جس خشک ادبی و فطری لقمے سے

تھے اور سندھیر حسب دستور بڑکیوں کو چھڑ رہا تھا۔

کمرے میں گھسنے ہی گورا کو دیکھ کر لولتا اور ستیش سنبھاہ ہو گئے۔ اور اپنی جگہ رک سے گئے مگر لبو نیابل کھاتی، لبھاتی کھل گئی، پھر ستیش بنوئے کی کرسی کے پاس گھس گیا اور اس سے کھسکھس کرنے لگا۔ لولتا نے سچا ریتا کے پیچھے ایک کرسی کھینچی اور بیٹھ گئی۔ وہاں سے وہ پوری طرح دکھائی نہیں دے سکتی تھی۔

پارٹیش بابو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولے ”مجھے واپس ہونے میں زرا دیر ہو گئی
غائب اپنویا بو تو چلے گئے؟“

جب سچا ریتا نے کوئی جواب نہیں دیا تو برتے نے کہا ”جی ہاں۔ یہ انتظار نہیں کر سکے۔
کوئی ضروری کام رہا ہوگا؟“

گورا اٹھ کھڑا ہوا اور پارٹیش بابو کی طرف تعظیماً جھٹک کر بولا ”اب ہم لوگوں کو بھی چلنا
چاہئے“

”بھئی میں آج تک لوگوں سے کچھ بات چیت نہیں کر سکا۔ پھر آنا۔ جب فرصت ملے چلے
آیا کرو۔“

گورا در بنو سے کمرے سے باہر نکلنے ہی والے تھے کہ برودا دیوی آگئیں، دونوں
جھٹک کر تعظیماً بجالائے۔ ”کیا؟ ابھی سے چلے؟“ انھوں نے زور سے کہا۔

”جی ہاں“ گورا نے کچھ بول کھلا کر کہا۔ اس پر برودا دیوی بنوئے سے مخاطب ہو گئیں
”لیکن بنوئے بابو آپ کو تو میں نہیں جانے دوں گی، آپ کو تو کھڑنا ہوگا، ہمارے ساتھ کھانا
کھانا ہوگا، اس کے علاوہ مجھے آپ سے کچھ بات بھی کرنی ہے۔“

ستیش اس دعوت نامے پر اچھل پڑا۔ اور بنوئے کے بازو میں جھپٹتا ہوا بولا ”ہاں!
ہاں بنوئے بابو کو مست جانے دیجئے ماں۔ ان کو آج رات یہاں میرے ساتھ رہنا
پڑے گا۔“

نبوتے کو ہچکچاتا دیکھ کر بروادیلوی گورا کی طرف مڑیں : کیا آپ نبوتے بابو کو نے ہی جائیں گے؟ کوئی خاص ضرورت ہے؟ کوئی کام ہے؟

”جی نہیں تو۔۔۔۔۔ بالکل نہیں۔۔۔۔۔“ گورانے جلدی سے جواب دیا۔ ”تم ٹھہرو نبوتے میں چلا۔۔۔۔۔ اور وہ تیزی سے باہر نکل آیا۔ جب بروادیلوی نے نبوتے سے رکنے کو کہا تھا تو وہ لولتا کی طرف ایک نظر ڈالے بغیر نہ رہ سکا تھا، لولتا نے مسکرا کر دوسری طرف منہ پھیر لیا تھا، نبوتے سے لولتا کی ان ننھی اور حسوم شرارتوں کے بغیر رہا بھی نہیں جاتا تھا اور پھر وہ شرارتیں کانٹے کی طرح چبھتی بھی نکلیں !

جب وہ پھر بیٹھ گیا تو لولتا آہستہ سے بولی ”نبوتے بابو آپ آج تو اپنے دوست کے ساتھ نکل ہی بھاگتے تو زیادہ عقل مندی کرتے!“

”کیوں۔“

”جیات یہ ہے کہ اماں نے آپ کو پھنسانے کا ایک پلان تیار کیا ہے، مجسٹریٹ دے میلے میں ہم لوگ جو ڈرامہ کر رہے ہیں اس میں ایک ایکٹر کی کمی پڑ رہی ہے۔ اور ماں نے یہ طے کیا ہے کہ آپ اس جگہ کو بھریں گے۔“

”ارے تو یہ۔۔۔۔۔ ارے کبھی نہیں۔ میں تو کبھی بھی یہ نہیں کر سکوں گا۔“

لولتا سننے لگی ”میں نے تو پہلے ہی ماں سے کہہ دیا تھا کہ آپ کے دوست صاحب آپ کو کبھی اجازت نہیں دیں گے کہ اس ڈرامے میں آپ حصہ لیں۔“

نبوتے اس ڈرامے سے تعلق لگایا ”تم لوگوں کو میرے دوست کی رات پرست کرنے کی کیا ضرورت ہے!۔۔۔۔۔ میں نے زندگی میں کبھی ایکٹنگ نہیں کی ہے مجھ پر کیوں یہ پارٹ لانا جارہا ہے۔“

”تو ہم لوگوں کے ہارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ کہ ہم لوگ تمام زندگی ایکٹنگ ہی کرتے رہے ہیں۔“

اس بات پر برودا دیوی نے مڑ کر دیکھا اور لوٹا بولی "ماں — شوئے بابو کو اپنے ڈرامے میں شریک کرنے کی کوشش بالکل بیکار ہے، جب تک کہ آپ ان کے درست سے بھی حامی نہ بھروائیں کیونکہ"

شوئے عاجز ہو کر بولا "افوہ۔ میرے درست کی اجازت کا بالکل کوئی مسئلہ نہیں ہے، مجھے ایکٹنگ کرنا آتی ہی نہیں ہے۔"

برودا دیوی نے چلا کے کہا "اے بی بی کی فکر تم مت کرو، ہم لوگ بہت جلد می تم کو سکھالیں گے، — تمہارا مطلب ہے، جو کام یہ لڑکیاں کر سکتی ہیں وہ تم نہیں کر سکتے کیا بیکار بات ہے یہ؟"

ظاہر ہے کہ اس کے بعد شوئے کے واسطے بھاگ نکلنے کو کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا۔

اکیسواں باب

پارٹش بابو کے یہاں سے نکل کر گورا اپنی معمولی رنتار سے چلنے کے بجائے آہستہ آہستہ چلتا رہا۔ اور سیدھے گھر جانے کے بجائے کھٹکتا ہوا دریا کی طرف جا نکلا۔ اس زمانے میں گنگا اور جس کے کنارے صفات سحرے ہو کر تھے۔ کاروباری لاکھ نے جو بد صورتی اس حسین دنیا کے طرقت پھیلائی ہے اس سے وہ ہنوز آزاد تھی۔ اس کے پاس ریلوے لائن نہیں تھی۔ اور پر سے کوئی ٹرل نہیں گزرتا تھا۔ ایرجاڑے کی شاموں کو بھرے ہوئے شہر کی ٹھواں بھسری بھٹکاروں سے آسمان دھندلتا نہیں تھا۔ اس وقت یہ دریا کلکتہ شہر کی خاک آلودہ بھاڑ میں رہنے والوں کے لئے دور دراز ہمالیہ کی بے دریغ چوٹیوں سے سکون کا پیغام لاتا تھا۔

اب سے پہلے مناظر فطرت کو کبھی یہ اجازت نہ تھی کہ وہ گورا کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ سکیں۔ اس کا ذہن اپنی کوششوں میں الگ ہی مصروف رہتا تھا۔ اور اپنے ماحول کے وہ حصے جو اس کی ان کوششوں کے دائرے سے باہر تھے۔ اور اس کو کبھی نظر ہی نہ آتے تھے۔ لیکن آج شام دیکھتے سستاروں کی دھند سے گزر کر آسمان کی بندی نے اس کے کچھ کہا اور طرح طرح سے اس کے دل کو چھوڑا، گنگا خاموش تھی جیسے کدیر آب ساحل سے نہ بھی کشتیوں کی رہشٹیاں جھلجھل کر رہی تھیں۔ اس پار گھنے درختوں پر اسی چھائی تھی۔ اور اس تمام منظر پر ملکہ شب زہرہ کی حکومت تھی، روشن ورتا ناک جیسے رات کا ضمیر جاگ اٹھا ہوا۔

گورا نے ابھی تک اپنی الگ الگ دنیا بسا رکھی تھی، خیال اور عمل کی دنیا پر اب اسے کیا ہوا تھا! وہ یکایک قدرت سے کہے آملہ کس طرح ہوا یہ تصادم؟ اور پھر لطف یہ کہ دنیا کے تاریک پانی نے، گہرے اندھیرے ساحلوں نے، لائقنا ہی اندھیا کے آسمان نے اسے

خوش آمدید کہی — گورا کو آج یہ محسوس ہوا جیسے وہ قدرت کے سامنے جھک گیا ہے!
 سڑک کے پاس کوئی کاروباری دفتر تھا، اس میں سے کسی خوشبودار پھولوں والی بیل کی
 تھک ایک دم گورا کے بمقدار دل پر اپنا نازک ہاتھ رکھ اُسے تسلی دینے لگی۔

دریا کا اشارہ تھا کہ انسان کی ان تھک محنت کے میدان سے نکل کر کسی دھندلے
 نامعلوم خطے میں چل کر جہاں حسین پھولوں سے لہے ہوئے تودے، ان جانے چشموں کے
 آئینوں میں پراسرار عکس پھیلاتے ہوں۔ جہاں کھلے پاک و صاف آسمان تلے دن کی چمک
 ایسی لگتی ہو جیسے حیران آنکھوں کا پر خلوص تجربہ راتیں ایسی معلوم ہوتی ہوں جیسے کبھی نظروں
 میں نہ تھکراتی کائناتی شرمیلی پرچھائیاں!

گورا خوشی کے ایک گرداب میں چکر کھا رہا تھا، ایک ایسا گرداب جو اُسے سُرّت اویں
 کی کسی گہرائیوں میں کھینچے لئے جاتا جو آج تک گورا نے محسوس نہیں کی تھی! اس کا پورا وجود
 جیسے کھنس گیا تھا۔ دُرد و درماں دونوں کا احساس بیک وقت اس کے دل کو کچلے ڈے رہا
 تھا۔۔۔۔۔ سناروں کی مبہم روشنی اس کی آنکھوں میں جھانک جھانک کر کھیل رہی تھیں، کانوں
 میں شہر کی آہٹیں تیر رہی تھیں، ایسی آہٹیں جن کے متعلق کچھ کہا نہیں جاسکتا تھا کہ وہ ہیں
 کیا۔ آج وہ کائنات کی پراسرار کیفیت سے سامنے کھڑا تھا جس پر ہمیشہ نقاب پڑی ہوتی
 ہے جو ہمیشہ پہنچ سے باہر ہوتی ہے۔۔۔۔۔ خزاں کی وہ رات، دریا کا وہ کنارہ اور
 اس پر طاری ہوتا ہوا بے خودی کا وہ عالم! گورا نے اب تک فطرت کی قوت کو تسلیم نہیں کیا
 تھا۔ تو آج فطرت نے اسے اپنے طلسمی پھندے میں پھانس کر، اسے زمین اور پانی اور آسمان
 کی رسیوں سے جکڑ دیا تھا، اس کی روزانہ زندگی کی تمام طنائیں کاٹ دی تھیں۔

گھاٹ پر سناٹا تھا! گورا اپنی حالت پر خود حیرن، گھاٹ کی ویران سیڑھیوں پر
 ڈھسے پڑا، بڑی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا اور بیٹھے بیٹھے بار بار اپنے آپ سے پوچھتا رہا کہ یہ
 انوکھا اور اپانک تجربہ آخر تھا کیا؟ — اس کے لئے کیا معنی رکھتی تھی یہ چیز! اپنی زندگی

کا جو نظام اس نے ترتیب دیا اس میں اس کی کیا جگہ تھی؟ اور کتنی کہیں کر نہیں؟ کیا اس نے جنگ کرنی ہوگی۔ کیا اس جذبہ کو اس احساس کو کھل دینا چاہئے!

لیکن جب بھی زور سے مٹھیاں بھینچتا تو اسے دو جاؤں بھری آنکھیں یاد آنے لگتیں جو اس سے کچھ پوچھنا چاہتی تھیں۔ جن میں ذہانت کی چمک تھی اور حیا کی نرمی۔ خیال ہی خیال میں اسے دو گدار ہاتھوں کی سٹروں انگلیوں کا لمس محسوس ہونے لگتا۔ مسرت سے اس کے کل وجود کے تمام تار جھنجھٹا اٹھتے، اندھیرے میں اس احساس کی گہرائی اس کے کان میں کہتی کہ اس کے تمام شکوک غلط ہیں۔ تمام شبہ بجا ہیں، گھاٹ کی سیڑھیوں پر سے اٹھنے کو اس کا جی نہیں چاہ رہا تھا۔ کہیں یہ احساس، یہ بخوری، یہ کیف اس سے چھین نہ جائے! اس رات جب دو گھر واپس آیا تو آنند موئی نے اس سے پوچھا، "تنی دیر میں کیسے آئے بیٹا؟ تمہارا کھانا سب ٹھنڈا ہو گیا۔"

"کچھ خبر نہیں ہاں۔۔۔۔۔ ذرا دیر یا پر چلا گیا تھا وہاں بڑی دیر تک بیٹھا رہا۔"

"کیا بنوئے تمہارے ساتھ نہیں تھا؟"

"جی نہیں ہیں۔۔۔۔۔ میں۔۔۔۔۔ اکیلا تھا۔"

آنند موئی کو بڑا تعجب ہوا کیونکہ اس سے پہلے کبھی گورا نے ایسا نہیں کیا تھا۔ گنگا کے کنارے تنی دیر بیٹھا کیا سوچتا رہا؟ اس کی تو یہ عادت نہیں تھی کہ خاموش پختہ دیر تک کسی بات پر غور کیا کرے اور وہ بھی اتنی رات گئے تک۔۔۔۔۔ گورا ایک کھوئے کھوئے انداز میں بیٹھا کھانا کھاتا رہا اور وہ اسے دیکھتی رہیں، آج اس کے چہرے پر ایک عجیب قسم کی بیتابی کے آثار تھے! ذرا رک کر آنند موئی نے نرمی سے پوچھا، "آج تم بنوئے کے یہاں گئے تھے نہ؟"

"جی نہیں آج ہم دونوں پارلش بابو کے یہاں گئے تھے۔" اس بات سے آنند موئی کو سوچنے کے لئے مصالحوں مل گیا۔۔۔۔۔ ذرا دیر بعد انھوں نے دوسرا سوال کیا۔ گھر کے

سب لوگوں ہی سے ملاقات ہوتی ہوگی؟

”جی ہاں۔ سب سے؛ کوئی تکلف نہیں کیا گیا۔“

”میں سمجھتی ہوں ان کی دیکھیں کو ہر ایک کے سامنے آنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔“

”جی نہیں! کوئی اعتراض نہیں ہے۔“ گورا نے سادگی سے کہا۔ اور کوئی وقت ہونا

گورا کے لمبے میں دشتی اور سختی ہوتی لیکن اس وقت وہ سختی نائب دیکھ کر آنت بیوتی کی حیرت اور
بڑھ گئی۔!

دو ہرے دن صبح گورا اتنی جلدی روزانہ کے کاموں کے لئے تیار نہیں ہو پایا جتنی جلدی

وہ ہمیشہ تیار ہو جاتا تھا۔ کافی دیر تک وہ کھویا ہو، سا اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑ رہا۔ کھڑکی ٹوپ

کی طرف کھلتی تھی؛ گلی کے اُس سرے پر جو بڑی سڑک پر نکلتا تھا، ایک اسکول تھا؛ اور اسکول

کے میدان میں ایک پرانا جھولن کا پیڑ؛ جس کے گھنے پتوں پر بچہ کی کھڑ، باریک نقاب کی

طرح بٹسکی ہوئی تھی اور ابھرنے ہونے سوجج کی مال لال کر نوں کی ہلکی روشنی چھین رہی تھی

گورا کے دیکھتے ہی دیکھتے یہ کہہ کھل گئی۔ ریتیز شامیں پتوں کی جالی سے دیکھتی سنگینوں کی طرح

ابھرنے لگیں؛ نیچے فنی سے لوگوں کے چلنے پھرنے اور سوار یوں کے آنے جانے کی آوازیں

آنے لگیں۔

یہ ایک گورا نے دیکھا کہ ابھناش اور اس کے کچھ سا کھتی طالب علم گلی سے س کے مکان

کی طرف آرہے ہیں؛ ایک بار زبردگاہ اس نے بخود دی کے اس جال کو توڑ دیا جو اُسے اپنی

طہمی لپیٹ میں لئے تھا۔ ”نہیں اس طرح کام نہیں چل سکتا“ اس نے اس قوت کے ساتھ

پنے آپ سے کہا کہ اس کے داغ پر ایک چوٹ سی لگی۔ تیزی سے وہ اپنے کمرے، تہا ہر

کھل گیا۔

وہ اپنے آپ کو تلخی کے ساتھ لعنت ملامت کر رہا تھا کہ اپنے ساتھیوں سے ملنے کے

لئے ہر وقت تیار نہ ہو سکا۔ اور یہ ایسی بات تھی جس نے پہلے کبھی نہیں ہونے دی تھی۔ اس نے

ارادہ کیا کہ اب پارٹش بابو کے گھر نہیں جائیگا اور کوئی ایسی ترکیب کرے گا کہ اس خاندان کو بالکل بھلا دے چاہے اس قصہ کے لئے کچھ دنوں بنوئے سے ہی علیحدہ کیوں نہ رہنا پڑے۔

پھر وہ اپنے ساتھیوں سے بات چیت کرتے لگا اور گفتگو کے دوران ان لوگوں نے یہ فیصلہ کیا کہ گرانڈ ٹرنک روڈ پر پیدل ایک یا ترائی جائے۔ اپنے ساتھ پیسے نہیں لے جائیں گے بلکہ راستے میں جو کچھ وہاں داری نصیب ہو جائے اسی پر بسر کی جائے۔ اس فیصلے پر گورا نے خوب جوش و خروش ظاہر کیا، ان تمام جنجالوں سے چھوٹ کر کھلی سڑک پر چل پڑنے کے خیال سے وہ خوش ہو گیا۔ اور محسوس کرنے لگا کہ اس سفر کے تقویر ہی نے دل کو اس حال سے آزاد کر دیا جس میں وہ پھنس گیا تھا۔ اسکول سے چھٹے ہوئے بچے کی طرح گورا تقریباً دوڑتا ہوا گھر سے باہر نکلا اور اس سفر کی تیاری کرنے لگا۔ اس کے دماغ میں یہی خیال اٹھل پھٹل رہتا تھا کہ دنیا میں صرف کام ایک ایسی چیز ہے جو حقیقت ہے باقی سب جذبات خام خیالی ہیں۔ وہم ہیں، خوش فہیاں ہیں، اور کچھ نہیں!

جیسے ہی کرشن دیال بابو گھر میں گھسے گنگا کے پوتر بانی کا لوٹا لئے، کانڈھے پر وہ چادر ڈٹالے جس پر دیوتاؤں کے نام چھپے ہوئے تھے، مقدس منتر پڑھاتے ہوئے۔ تو گورا اس جلدی میں یکایک اُن سے ٹکرا گیا۔ اپنی اس حرکت پر معافی مانگنے کے لئے فوراً جھک کر باپ کے پیر چھوئے، لیکن کرشن دیال ہچک کر اس سے دُور ہٹ گئے۔ اور جلدی سے بولے ”کوئی بات نہیں مجھے دے رہے دو۔“ اور پھر وہ اس طرح اس سے کترا کر نکل گئے جیسے گورا سے چھو جانے پر گنگا کا صلیب کا استنہان بالکل بیکار ہو گیا ہو!

گورا نے کبھی یہ غور نہیں کیا تھا کہ کرشن دیال کی ساری حتیٰ ذلیلہ صہیت کے ساتھ رہتی تھی کہ وہ اس سے بچے رہیں! وہ ان کے اس طرح کترانے سے یہی سمجھا کہ یہ تو ذرا سا بھی کسی سے چھو جانے سے بچتے ہی ہیں، اپنی بیوی آئندہ موتی تک کو دُور رکھتے ہیں جیسے وہ کوئی غیر ضروری ہوں۔ اور موہم کے پاس بھی شاذ ہی کبھی جاتے ہیں! — ویسے موہم دُور

کو بھی اُن کے پاس جانے کی فرصت کہاں تھی۔ گھر بھر میں وہ صرف اپنی پوتی شاشی سے کوئی
واسطہ رکھتے تھے، اسے سنسکرت کے اسٹوک یاد کراتے اور کٹیک سے پوجا پاٹ کرنے کے
طریقے سکھایا کرتے !

اس لئے کرشن دیال کے بچوں کو راتوں پر گورا بس اپنے باپ کے طور طریقوں پر سکرا کر
رہ گئے ! ان باتوں کی وجہ سے وہ اُن سے بہت دُور ہٹ گیا تھا۔ یہاں تک کہ آندھوئی کی غیر
مذہبی عاداتوں کو پسند نہ کرتے ہوئے بھی ان کی محبت اور عقیدت اپنی اس ماں ہی کے چاروں
طرف لپٹی رہتی تھی۔ جو رسم و رواج کی نہ پرواہ کرتی تھی نہ اُن کی پسند تھی !

ناشتہ ختم کر کے گورا نے کپڑوں کا ایک جوڑا چادر میں لپیٹا اور اسے انگریز مسافروں
کی طرح کندھے پر لٹکائے آندھوئی کے پاس پہنچا "ماں — میں کچھ دنوں کے
لئے باہر جانے کی سوچ رہا ہوں، — آپ اجازت دیں تو چلا جاؤں۔"

"پر کہاں جا رہے ہو بیٹا" — انہوں نے پوچھا۔

"یہ تو ابھی میں خود بھی کٹیک سے نہیں جانتا" اس نے جواب دیا "کوئی کام ہے؟"
اس طرح کا کام تو کوئی نہیں ہے جیسے کام کے ماں معنی ہوتے ہیں یہ سفر ہی بجائے خود
ایک کام ہے۔"

آندھوئی خاموش ہو گئیں۔ اُن کو چپ دیکھ کر گورا نے گہرا گہرا کے اُن کی خوش
شروع کر دی۔ دیکھئے ماں — آپ انکار مست کر دیجئے گا۔ آپ اتنا تو مجھے جانتی
ہی ہیں، آپ کو میرے بارے میں یہ تو نہیں سوچنا چاہیے کہ میں جوگی ہو جاؤں گا اور پھر
سڑکوں ہی پر مار مار پھروں گا آپ کو تو معلوم ہے کہ میں زیادہ ان آپ سے الگ نہیں
رہ سکتا۔ سہے نا —"

گورا نے پہلے کبھی اتنی صفائی سے ماں کے لئے اپنی محبت کا اظہار نہیں کیا تھا لیکن
اب کہنے کے فوراً ہی بعد اس کو عجیب سا لگنے لگا، گہرا کے چپ ہو گیا ! آندھوئی دل میں

تو خوش ہوتیں۔ لیکن سمجھ گئییں کہ یکایک اپنے ایک جذبے کا اظہار کر دینے سے گورا کو گھبراہٹ ہو رہی ہے اس کو تسلی دینے کے لئے بولیں ”نبوتے تو تمھارے ساتھ جا ہی رہا ہوگا؟“

”آپ تو بس ایسی ہی باتیں کرتی ہیں ماں۔۔۔۔۔ آپ سمجھتی ہیں کہ اگر نبوتے چوکیداری کرنے کے لئے موجود نہ ہوا تو آپ کے گورا کو کوئی اٹھالے جائے گا۔ نبوتے نہیں جا رہا ہے۔ اور میں صحیح سلامت رہیں، اگر یہ ثابت کر دوں گا کہ آپ بلاوجہ نبوتے پر اتنا بھروسہ کرتی ہیں۔ اور میں اس کی حفاظت کے بغیر بھی رہا پس آسکتا ہوں۔۔۔۔۔“

”پر کبھی کبھار خیر خبر تو بھیجے گے؟“

”بہتر تو یہی ہے کہ آپ خیر خبر ملنے کی امید نہ رکھیں، ایسی صورت میں اگر کوئی خبر ملے گی تو آپ زیادہ خوش ہوں گی، آپ گھبراہٹے نہیں آپ کے گورا کو کوئی نہیں چرائے لئے جا رہا ہے۔ وہ کوئی ایسا انمول خزانہ نہیں ہے جیسا آپ س کو سمجھتی ہیں۔۔۔۔۔ اگر یہ ایک جڑا کپڑا، یہ حقیر سامان کسی کو پسند آجائے گا تو تحفہ کے طور پر اس کی خدمت میں پیش کر دوں گا۔ اور خالی ہاتھ لوٹ آؤں گا۔ اس کے لئے اپنی جان تو دوں گا نہیں۔ اس کا آپ کو یقین دلاتا ہوں؟“

گورا نے جھٹک کر آنند موئی کے پیروں کی بھول لی اور انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر اپنی انگلیاں چومیں۔۔۔۔۔ لیکن اس کو اپنے ارادے سے باز رکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔

آنند موئی کبھی کسی ہوتے کام کو اس سے نہیں روکتی تھیں کہ اس سے اُن کو خود کو کوفت ہوگی۔ نہ کبھی ان کو یہ ڈر رہتا تھا کہ نہ جائے۔ اس میں کیا ایک خرابی پیدا ہو جائے، اپنی زندگی میں انھوں نے بہت سی مشکلات جھیلی تھیں، گھر سے باہر کی دنیا کو بھی دیکھا اور جانا تھا۔ لیکن انھیں کبھی کسی چیز سے ڈر نہیں لگا۔ اور اب رقت ان کی پریشانی یہ نہیں تھی کہ گورا جا رہا تھا۔ یا اسے کچھ ہونہ جائے بلکہ کچھ رات وہ یہ سمجھ گئی تھیں کہ گورا کسی ذہنی کشمکش میں

بہت ہے۔ اور یکایک اس طرح سفر پر نکل کھڑے ہونے کی اصل وجہ وہی ہو سکتی ہے!
گورا پیٹھ پر بندل باندھے گلی میں نکلا ہی تھا کہ بنوئے آتا ہوا نکلا۔ وہ دو گلاب کے
پھول بہت احتیاط سے سنبھالے، آہستہ آہستہ چلا آ رہا تھا۔

”بنوئے تم منحوس ہو یا مبارک اس کی آزمائش ہونے والی ہے۔ رونا
ہوتے ہی تم سامنے پڑ گئے!“

”کیا کہیں سفر پر جا رہے ہو؟“ بنوئے نے پوچھا

”ہاں“

”کہاں؟“

”جو بچ سندی لے گی، کہاں؟“ گورا کھکھلا کر ہنس پڑا۔

بنوئے چڑ گیا ”اس سے بہتر کوئی جواب نہیں دے سکتے ہو“

”نہیں۔۔۔ ماں کے پاس جاؤ۔ وہ تمہیں سب کچھ بتا دیں گی۔ مجھے تو اب چلنا

چاہئے۔“ اور یہ کہہ کر گورا تیز قدم اٹھاتا ہوا چلا گیا۔ ”مندی مونی کے کمرے میں داخل ہو کر بنوئے

تعظیماً جھکا، اور دونوں گلاب اُن کے قدیوں میں رکھ دئے۔ انھوں نے پھولوں کو اٹھایا

اور بولیں ”یہ گلاب کہاں سے لاتے بنوئے؟“

بنوئے نے ان کی بات کا جواب نہیں دیا اور دوسری بات کہی ”ماں۔۔۔ زندگی میں جہاں

بھی مجھے کوئی اچھی چیز ملتی ہے، تو میرا جی چاہتا ہے کہ سب سے پہلے لا کر اُسے آپ کے قدیوں

میں نذر چڑھاؤں۔۔۔ پر ماں۔۔۔ آپ۔۔۔ آپ۔۔۔ کچھ فکر مند نظر آتی ہیں

کچھ پریشان ہیں آپ؟“

”تمہیں یہ خیال کیسے ہوا؟“

”کیونکہ آپ نے حسب دستور مجھے ہان نہیں دیا۔ بھول گئیں۔“

جب ”مندی مونی“ نے اس کمی کو بُرا کر دیا۔ تو دونوں خوب گھل مل کر دوپہر تک باتیں کرتے

رہے۔ بنوئے بھی گرا کے اس نامعلوم سفر پر کچھ روشنی نہیں ڈال سکا، لیکن جب دوران گفتگو میں آئندہ موی نے بنوئے سے پارلش بابو کے یہاں جانے کا تذکرہ کیا تو اس نے کل داستان کہہ سنائی۔ جس کا ایک ایک لفظ انھوں نے غور سے سنا۔

جاتے وقت بنوئے نے کہا ”ماں میری پوجا تو قبول ہوگئی۔ اب جبکہ آپ نے ان پھولوں کو تبرک بنا دیا ہے، اجازت دیجئے تو انہیں لے جاؤں؟“

آئندہ موی نے ہنس کر بنوئے کو گلاب دے دئے: یہ اُن کو صاف نظر آ رہا تھا کہ صورت خوبصورتی کی وجہ سے اُن پھولوں کی یہ قدر نہیں ہو رہی ہے بلکہ یقیناً بناتانی دیکھی ہے۔ بالآخر بھی کوئی جذبہ ہے۔ جوان کی آڑ میں چھپا ہے۔

بنوئے کے جانے کے بعد جو کچھ انھوں نے سنا تھا اس پر بڑی دیر تک غور کرتی رہیں۔ دل سے دعا مانگی کہ گویا کوئی دُکھ نہ پہنچے اور کوئی ایسی بات نہ ہو جو اس کی اہ بنوئے کی دوستی کو بھرج کر دے!

باتسواں باب

ان دنوں گلابوں کی ایک تاریخ تھی بچپنی رات جب گورا پارٹیش بابو کے یہاں سے اکیلا نکل گیا تھا تو اس نے بیچا سے نبوئے کو ایک بڑی مصیبت میں پھنسا دیا تھا! مجسٹریٹ کے میٹے والے ڈرامے میں پارٹیش اپنے کے متعلق نبوئے کے کچھ طے ہی نہیں کر پارہا تھا۔ ویسے تو لولسا کو بھی اس ڈرامے سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی بلکہ حقیقت تو وہ اس سارے معاملے سے بور ہو رہی تھی۔ لیکن اسے کچھ ضد سی ہو گئی کہ نبوئے کو اس میں پھنسا کر رہے گی۔ گورا کی وجہ سے اُسے دراشتول ہوا۔ اور اس بات پر تن گئی کہ نبوئے سے ہر وہ کام کرا دے گی جو گورا کی مرضی کے خلاف ہو۔۔۔۔۔ اس کے خود سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ نبوئے پر گورا کا اس قدر حاوی رہنا۔۔۔۔۔ آخر اس کو کیوں بڑا لگتا تھا۔ لیکن وجہ جو کچھ بھی رہی ہو احساس یہ ضرور تھا کہ جب تک وہ نبوئے کو اس قسم کی تمام زنجیروں سے آزاد نہ کرا لے گی اس وقت تک اطمینان کا سانس نہیں لے سکتی۔

اس لئے شرارت سے سمر ہلا کر بولی ”کیوں جناب۔۔۔۔۔ ڈرامے میں آخر کیا خرابی ہے؟“

”خود ڈرامے میں کوئی خرابی نہ ہو لیکن مجسٹریٹ کے گھر ڈرامہ کرنے پر مجھے اعتراض ہے۔“
”یہ آپ کی اپنی رائے ہے یا کسی اور کی؟“

”میں دوسروں کی رائے کی ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ اور پھر دوسرے کی بات سمجھانی بھی مشکل ہے۔ آپ شاید مشکل سے یقین کریں گی۔ مگر میں ہمیشہ اپنی رائے بیان کرتا ہوں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کبھی الفاظ میرے ہوں اور کبھی کسی اور کے۔“

لوتا مسکرا کر رہ گئی۔ بولی کچھ نہیں! ذرا دیر بعد کہنے لگی ”آپ کے دوست گورنمنٹ
 بابو سوچتے ہوں گے کہ مجسٹریٹ کے بدلے کو کوئی اہمیت نہ دینا بڑی بہادری ہے کہ یہ بھی
 انگریزوں سے لڑنے کا کوئی خاص طریقہ ہے؟“

بنوئے کو غصہ آگیا ”میرا دوست اس طرح سوچتا ہو یا نہ سوچتا ہو مگر میں ضرور اس طرح
 سوچتا ہوں۔“ اور کیا واقعی یہ لڑنے کا ایک طریقہ نہیں ہے؟ یہ لوگ کیا سمجھتے ہیں
 کہ وہ چھنگلیا سے اشارہ کریں گے اور ہم اسے بڑی عزت افزائی سمجھ کر دوڑ پڑیں گے؟ جب
 تک ہم ان کے سامنے اس طرح جھکنا نہیں چھوڑیں گے تب تک ہم اپنی خودداری کو کیسے
 قائم کر سکیں گے؟

لوتا نظر تا خود دار تھی، بنوئے کو اس طرح خودداری پر زور دیتے دیکھ کر خوشی تو
 ہوئی لیکن اپنی دلیلوں کو کمزور پا کر وہ بیکار بنوئے کا مذاق اڑا اڑا کر اس کو ستانی رہی۔
 آخر کار بنوئے نے کہا، دیکھئے۔۔۔۔۔ آپ یہ بحث مباحثہ تو رہنے دیجئے
 آپ یہ کیوں نہیں کہتی ہیں کہ ”میری خواہش ہے کہ آپ اس ڈرامے میں پارٹ کریں۔“
 تب اپنی رائے کو قربان کر کے میں آپ کی بات رکھوں گا کہ کم از کم مجھے کچھ خوشی ہی ہوگی۔
 ”واہ“ لوتا نے کہا ”میں ایسا کیوں کہوں؟ اگر آپ کوئی صحیح رائے رکھتے ہیں تو
 میرے کہنے سے اس کے برخلاف کیوں کریں؟ لیکن وہ رائے سچ چچ۔ آپ کی رائے ہو۔“
 ”اب سمجھنا چاہتی ہیں تو ایسا ہی سمجھئے“ بنوئے نے کہا۔ ”مان لیجئے میری اپنی رائے
 کوئی نہیں ہے؛ اگر آپ کی درخواست پر میری قربانی قبول نہیں تو مجھے یہی تسلیم کر لینے دیجئے
 کہ میں بحث میں ہار گیا اور ڈرامے میں پارٹ کرنے پر تیار ہوں۔۔۔۔۔ بس۔۔۔“

اسی وقت بروڈا دیوری کمرے میں داخل ہوئیں، بنوئے کھڑے ہوتے
 ہوئے ایک دم بولا ”کیا آپ مہربانی کر کے مجھے بتائیں گی کہ مجھے ڈرامے میں پارٹ کے
 سلسلہ میں کیا کرنا ہے؟“

انہوں نے تختیں اتنی بہت سی تصویریں لا کے دیں۔ تم بھی کچھ کیوں نہیں اُن کو دیتے؟
 بنوئے نے انگریزی رسالوں میں سے بہت سی تصویریں کاٹ کر ستیش کو لاد دی تھیں۔ اور
 ستیش نے ایک ایلم اُن سے بنانا شروع کر دیا تھا۔ اور اب اسے ایلم کے صفحہ بھرنے کا مقدر
 خط سوار ہو گیا تھا کہ جیسے ہی کوئی تصویر ان کی نظر پڑتی، اُسے پھاڑنے کو انگلیاں کھجلائے
 لگتیں چاہے کتاب کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہوتی۔ اور اس کی ان حرکتوں پر اُس کی بہنوں کی
 ہنسیکار اس کے سر پر پڑنے لگتی۔!

اب ستیش کو یکایک یہ پتہ چلا کہ اس دنیا میں تختے صرف لینے نہیں ہوتے، دینے بھی
 ہوتے ہیں، اور وہ کچھ گھبرا سا گیا، اس کے پاس ایک پُرانی سی ٹین کی صندوقچی تھی لیکن اس
 میں جو کچھ بھی چیزیں تھیں وہ ایک خزانہ تھیں۔ اور اس کے لئے یہ سونچنا، سامان نہ تھا کہ اس میں
 سے کوئی چیز بھی چھین جائے۔ اس کے چہرے پر گھبراہٹ جاری ہو گئی۔ لولٹانے اس کے گال
 میں چٹکی بھری اور سنس کر بولی

”کوئی بات نہیں، تم فکر نہ کرو۔ اُن کو بس یہ دو گلاب دے دینا، کافی ہیں۔“
 اس سئلے کے، تنے سامان پر ستیش خوش ہو گیا، اور اپنے دوست کا قرضہ اتارنے
 بھاگا، سڑک ہی پر بنوئے سے ملاقات ہو گئی۔ اور پکارا ”بنوئے تے بابو، بنوئے بابو۔“ اس نے
 دونوں گلاب کوٹ کے اندر چھپا لئے۔ ”بھدا پو جھئے تو میں آپ کے لئے کیا لایا ہوں؟ جب
 بنوئے نے حسب دستور ہار مان لی تو ستیش نے گلاب کے دونوں اودھ کھلے پھول نکالے
 اور بنوئے چمکا ہائے، کتنے پیارے ہیں، لیکن ستیش بابو یہ آپ کے تو نہیں معلوم ہوتے۔
 کیوں؟ ہیں آپ کے؟ مجھے اُمید ہے کہ چوری کا مال قبول کرنے کے سلسلے میں پولیس
 مجھے گرفتار نہیں کرے گی۔“

ستیش ایک دم بوکھلا گیا کہ ان پھولوں کو اپنا کہے یا نہیں اور ایک منٹ سوچ کر بولا۔
 نہیں میرے تو نہیں ہیں۔ میری وہ جو لولٹا دیدی ہیں نہ انہوں نے کہا تھا کہ آپ کو دے دوں۔“

اب بات طے ہو گئی تھی۔ نبوئے ستیش سے شام کو آنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گیا۔
 پچھلی رات لوٹنا کے ہاتھوں نبوئے کو جو زخم لگے تھے وہ ابھی تک ہرے تھے۔ وہ
 شاذ و نادر ہی کبھی کسی سے لڑتا تھا۔ اس لئے اس کو یہ خیال ہی نہیں تھا کہ کوئی اس سے اتنے
 سخت الفاظ کہہ بھی سکتا ہے۔ پہلے تو وہ سمجھتا رہا کہ لوٹنا بھی سچا ریتا کے نقش قدم پر چل رہی
 ہے لیکن حال میں تو جہاں تک لوٹنا کا تعلق تھا نبوئے کی وہ حالت ہو گئی تھی جو ہر بار آنکس کی
 چٹھن کھانے والے ہاتھی کی ہوتی ہے کہ وہ کسی وقت بھی اپنے مہادت کو بھول نہیں سکتا۔
 اب اس کی ساری پریشانی یہ تھی کہ لوٹنا کسی طرح خوش رہے تاکہ کچھ امن رہے۔
 رات کو گھر واپس آکر لوٹنا کے کڑے بول ایک ایک کر کے یاد آتے رہے، وہ غ پریشان
 ہوتا رہا، عقیدہ آنا شکل ہو گئی!

”تو میں گورا کی پرچھائیں ہوں؟ تو میری اپنی کوئی رائے نہیں، لوٹنا یہ سمجھتی ہے اسی
 لئے مجھ سے نفرت کرتی ہے۔ پر یہ تو جھوٹ بات ہے۔“ اس کے خیالات اس طرح پھلتے رہے
 اور وہ اس خیالات کے برضات خود ہی رسیاں پیش کرتا رہا، لیکن سب بیکار تھا کیونکہ لوٹنا
 نے دراصل تو اس پر کوئی الزام لگایا ہی نہیں تھا۔ اور پھر بحث اور دلیل سے بھی تو کترا گئی تھی،
 نبوئے کے پاس ہر الزام کا جواب تو تھا لیکن اُسے زبان کھولنے کا موقع ہی کب دیا گیا۔
 یہ سوچ کر وہ ادھر بھی تھنبھارا ہوا تھا، اور اس پر طرہ یہ کہ ہارمان لی گئی تب بھی خوش نہ ہوئیں،
 اس سے تو وہ سجد پریشان ہوا، سجد غمگین!

”تو کیا میں اس قدر قابل نفرت ہوں؟“ وہ بار بار اس تلخ سوال کو اپنے آپ سے
 دوہراتے جا رہا تھا!

اور اس وقت جو اُسے ستیش نے یہ خبر سنائی کہ لوٹنا نے یہ پھول بھیجے ہیں اور شیش
 کو قاصد بنایا ہے، تو وہ پھولا نہیں سہا۔ وہ سمجھا کہ اس نے جو ہارمان لی تو یہ پھول صلح کی علامت
 بنا کر بھیجے گئے تھے پہلے تو اس سے سوچا کہ گھر لے جائے پھر سوچا سچا کر یہ فیصلہ کیا کہ

آندھوئی کے قدروں پر چڑھا ان کو ذرا تقدیس بخش دی جاتے۔
 اُسی شام جب نبوتے پاریش بابو کے یہاں پہنچا تو لولتا بیٹی ستیش کو اسکول کا سبق
 یاد کروا رہی تھی۔!

قدم رکھتے ہی نبوتے نے پہلی بات اس موضوع سے شروع کی ”سرخ تو جنگ کا رنگ
 ہے، صلح کے پھولوں کو تو سفید ہونا چاہئے تھا۔“ حیران ہو کر لولتا کھٹی کھٹی آنکھوں سے
 اُسے تکتے لگی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ پھر نبوتے نے اپنی مثال میں سے سدا بہار
 کا ایک گچھا نکالا اور اس کی طرف پیش کرتے ہوئے بولا ”آپ کے گلاب چاہے جتنے
 خوبصورت رہے ہوں لیکن ان میں پھر بھی غصے کا رنگ جھلکتا ہے، حسن میں تو میرے
 ان پھولوں کا ان سے کوئی مقابلہ نہیں لیکن خاکساری کے اس پاکیزہ سفید لباس میں
 یہ اس قابل تو ہرگز نہیں ہیں کہ آپ انہیں قبول نہ کریں۔“

حیا کے مارے لولتا کا چہرہ مال ہو گیا، بہکتے لہجے میں بولی ”آپ میرے کن پھولوں کا
 ذکر کر رہے ہیں — کیسے پھول؟“

”تو پھر کیا مجھ سے غلطی ہوئی۔“ نبوتے بوکھلا کر ہکھلانے لگا ”ستیش بابو آپ نے مجھے
 جو پھول دتے وہ کس کے تھے؟“

ستیش بُرا مان گیا ”واہ — لولتا دیدی نے کیا مجھے نہیں دتے تھے کہ آپ کو
 دے دوں۔“

”انہوں نے تم سے کیا کہا تھا کہ کیسے دو۔“ نبوتے نے پوچھا۔

”آپ کو دینے کے لئے کہا تھا اور؟“

لولتا کا چہرہ اور بھی سُرخ ہو گیا، ستیش کو کہنی مارتے ہوئے بولی ”میں نے ایسا
 گدھا کہیں نہیں دیکھا۔ تم نہیں چاہتے تھے کہ نبوتے بابو نے جو تصویریں تم کو دی ہیں ان کے
 بدلے میں ان کو پھول دو؟“

ستیش بچپان حیران رہ گیا۔ ہاں دیدی میں جاہتا تو ضرور تھا پر کہا تو آپ ہی نے
تھا کہ دے آؤ۔

اب لولتا پر حقیقت کھلی کہ ستیش سے جتنی ہی بات بڑھائی جائے گی اتنا ہی اُس کا
بھنڈا اور پھوٹے گا۔ کیونکہ بنو سے کو صاف معلوم ہو چکا تھا کہ گلاب تو لولتا نے ہی بھیجے تھے
پر یہ نہیں چاہتی تھی کہ اسے معلوم ہو۔ چپ ہو گئی۔ !

بنو نے سکوت توڑتے ہوئے کہا ”اچھا جانے دیجئے آپ کے پھولوں
سے میں دست بردار ہوتا ہوں لیکن میرے پھولوں کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہنی چاہئے۔ یہ
میری طرف سے صلح کی پیشکش ہے، ہمارا جھگڑا ختم ہو گیا۔“
سربلا کر لولتا نے اس کی بات کاٹی ”لیکن ہم لوگ لڑے کب تھے؟ یہ آپ کسی صلح
کی بات کر رہے ہیں۔“

”تو شرط سے آخر تک یہ سب خوش فہمی ہی خوش فہمی تھی۔ نہ لڑائی ہوئی، نہ پھول بھیجے
گئے، نہ میل ہوا، ایسا معلوم ہوتا ہے حکمتی چیز کو سونا سمجھنے کی غلطی کو کون کہے؟ چمک ہی سرے
سے مناسب تھی، صرت نظر کا بڑھو کا تھا۔ اور ڈرامے میں کام کرنے کی جو تجویز تھی وہ کیا.....“
”اس کے متعلق تو خیر کوئی غلط فہمی نہیں ہے۔“ لولتا نے پھر بات کاٹی۔ ”لیکن اس
سلسلے میں جھگڑا بھلا کیا ہوا؟ آپ کو یہ خیال کیسے ہوا کہ میں نے آپ کی منظوری حاصل
کرنے کے لئے کوئی سازش کی تھی؟ آپ راضی ہو گئے۔ میں نے کہا چلو ٹھیک ہے، بس
اتنا ہی تو! اگر آپ کو ڈرامے میں پارٹ کرنے میں واقعی کوئی اعتراض تھا تو آپ کیوں راضی
ہوتے۔؟ نہ ہوتے ہوتے چاہے جو بھی آپ سے درخواست کرتا۔“

سب معاملہ اُلٹا ہو گیا!

صبح ہی لولتا نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ بنو سے کے سامنے اپنی شکست تسلیم کرے گی۔

اور اس سے درخواست کرے گی کہ ڈرامے کا خیال ہی چھوڑ دیا جائے۔ لیکن حالات کچھ عجیب طرح

سے پلٹے کہ نتیجہ متضاد نکل آیا۔ !

نبوتے کو یہ خیال ہونے لگا کہ اس نے شریعت میں جو مخالفت کی تھی اس پر لوگ کو خفگی تھی وہ ابھی دور نہیں ہوئی ہے۔ اور وہ ابھی تک یہ سوچ کر ناراض ہے کہ ظاہری طور پر تو نبوتے نے اس کی ہر بات مان لی ہے لیکن دل میں وہ ابھی تک اس ڈرامے کا مخالف ہے۔ اسے اس بات سے سخت کوفت ہو رہی تھی کہ لوگ نے اتنی سی بات کا ہتنگڑ بنا دیا ہے اور دل میں فیصلہ کیا کہ اب وہ ہمیشی ہمیشی میں بھی کسی طرح کی مخالفت نہیں کرے گا۔ ڈرامے میں جو پارٹ اُسے ملا ہے اس کو اتنی تندہی اور خوبی سے ادا کرے گا کہ کوئی اس پر لاپرواہی کا الزام نہیں لگا سکے گا۔

سُجارتا اپنے کمرے میں صبح سے تنہا بیٹھی Imitation of Christ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی؛ آج صبح اس نے روزانہ کے کاموں کی طرف کوئی توجہ نہیں دی تھی۔ کبھی اس کا ذہن کھٹکنے لگتا؛ کتاب کے صفحے دھندلے پڑ جاتے۔ وہ پھر وہ دوسرا زور لگا کر کتاب پڑھنے کی کوشش کرنے لگتی۔ وہ اپنی کمزوری کو کسی حالت میں تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھی۔ ایک بار اُسے خیال ہوا کہ جیسے اس نے نبوتے کی آواز سنی، اور اس وقت وہ فوراً ہی کتاب میز پر رکھ کر بیٹھک کی طرف جانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ مگر پھر اُسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا کہ آخر کتاب کے موضوع میں اس کا دل کیوں نہیں لگ رہا ہے۔ پھر کتاب اٹھالی اور بیٹھ گئی دونوں ہاتھ کانوں پر رکھ لئے کہ اب کوئی آواز سنائی نہ دے اور حیران نہ رہے۔

یسا اکثر ہوتا تھا کہ نبوتے آتا تو گورا بھی اس کے ساتھ ہوتا تھا، وہ بے اختیار سوچنے لگی کہ کیا آج بھی وہ آیا ہوگا؟ گورا کے آنے کے خیال سے اُسے گھبراہٹ بھی ہو رہی تھی اور جب دھپتی کہ شاید نہ آیا ہو تو بھی تکلیف سی ہونے لگتی۔ وہ اسی انتشار میں مبتلا تھی کہ ولستا کمرے میں آئی، سُجارتا نے اس پر ایک نظر ڈالی اور بولی "کیوں بی بی — کیا بات ہے؟"

”کچھ تو نہیں“ لولتا نے سر جھٹک کے جواب دیا۔

”اتنی دیر سے تم کہاں تھیں“ سچا ریتا نے پوچھا۔

”وہ نبوئے بالو آئے ہیں۔ میرا خیال ہے وہ آپ سے کچھ بات کرنا چاہتے ہیں۔“

سچا ریتا کو یہ پوچھتے ہوئے ڈر لگا کہ کوئی اور بھی ان کے ساتھ آیا ہے، اگر کوئی اور آتا تو لولتا خود ہی بتاتی۔ پھر بھی اس کا ذہن کشمکش میں تھا، اب اس نے سوچا کہ الگ کرنے کی کوشش ختم کر دے اور میرا بانی کا حق ادا کرے۔ لولتا نے پوچھا ”تم نہیں آرہیں؟“ اور یہ کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکلی۔

”آپ پہلے جاتیے۔ میں بعد میں آتی ہوں“ لولتا نے کچھ جھنجھلائے بلجھے میں کہا، سچا ریتا بیٹھک میں پہنچتی تو اس نے مرث نبوئے سے استعیش کو باتیں کرتے پایا۔ وہ نبوئے سے مخاطب ہو گئی ”ہالو تو گھر پر نہیں ہیں، پر ابھی آجائیں گے اور ماں، بیلا اور لبو نیا کو لے کر ہماری ٹیچر کے یہاں گئی ہیں پارٹ سکھوانے“ آپ کیلئے کہتی تھیں کہ آئیں تو کھڑے ہیں۔“

”کیا آپ اس ڈرامے میں نہیں ہیں۔؟“ نبوئے نے سوال کیا

”ارے آپ سب ہی لوگ اس میں ایکٹ کرنے لگیں گے تو اسے دیکھنے والا کون

رہ جائے گا۔؟“ سچا ریتا نے جواب دیا۔

غلام طور پر سچا ریتا اور نبوئے بیٹھتے تھے تو گت گو کی کمی نہیں رہ جاتی تھی۔ لیکن آج ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں طرف سے کوئی رکاوٹ ہے جو انہیں کھل کر بات نہیں کرنے دے رہی ہے۔ سچا ریتا پکا ارادہ کر کے آئی تھی کہ گورا کا تہ کرہ نہیں ہوگا۔ اور نبوئے کے لئے بھی اس کا ذکر کرنا آسان بات نہ تھی۔ اس کا خیال تھا کہ لولتا اور یہ پورا خاندان اسے اپنے دوست کا غلام سمجھتا ہے۔

نبوئے سے کچھ ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد سچا ریتا کو جب اور کوئی پناہ نہیں ملی تو اس نے متیش سے اس کے اہم کی خوبیوں اور خرابیوں پر بحث کرنا شروع کر دیا۔ متیش نے

جس حساب سے تصویروں کو لگایا تھا اس پر اعتراض کر کے اس نے اُسے بہت جلد غصہ دلا دیا۔ اور پھر وہ جوش میں بھر کر اپنی باریک آواز اونچی کر کے سچا رہتا سے بحث کرنے لگا۔ اس درمیان اپنے ماتے ہوئے سدا بہار کے گچھے کو میز پر پڑے دیکھ کر بنوئے بے چین ہو رہا تھا۔ اس کی مخرج خود داری بار بار اس سے پوچھتی تھی۔ "لوتا نے میرے ان پھولوں کو کیوں نہیں قبول کیا؟ اسے لے لینے چاہتے تھے یہ پھول۔ کم از کم اخلاقیات ہی لے لیتی۔"

بیکام قدموں کی آہٹ آئی اور ہرن کو اندر آتے دیکھ کر سچا رہتا چونک پڑی اور اس کی یہ گھبراہٹ اس قدر کھلم کھلا ظاہر ہو گئی کہ ہرن نے اُسے گھور کر دیکھا اور وہ شرما گئی! ہرن بالو بیٹھے ہوئے بنوئے سے مخاطب ہو گئے "اچھا۔۔۔ تو آپ کے گورا بالو آج نہیں آتے۔؟"

"کیوں۔۔۔ آپ کو ان کی کچھ ضرورت ہے؟" بنوئے اس خواہ مخواہ کے سوال پر چڑھ گیا۔

"نہیں۔ میں نے اس لئے پوچھا کہ آپ اور وہ ساتھ نہ دیکھے جائیں ایسا نیراکم ہی ہوتا ہے۔"

بنوئے کو اور بھی غصہ آیا، اور غصے کو دبانے کے لئے ایک دم سے بولا وہ کلکتہ میں نہیں ہیں۔

"کہیں تب ہیج کر رہے ہوں گے" ہرن بالو نے فقرہ کسا۔

بنوئے کو غصہ ایدر بڑھ گیا مگر وہ چپ رہا۔

سچا رہتا بغیر کچھ کہے سنے کمرے سے باہر چلی گئی، ہرن بالو فوراً اکٹھ کے اس کے پیچھے لپکے لیکن وہ اتنی تیز گئی کہ وہ پکڑ نہیں پائے۔ بس آواز دے کر رہ گئے "سچا رہتا مجھے تم سے

ایک بات کہنی ہے"

اس نے فوراً جواب دیا کبھی آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور اس نے اپنے

کمرے میں گھس کر اندر سے کمرہ بند کر لیا۔

اب بروداد دیوی موقعہ واردات پر نازل ہوئیں۔ اور بنوئے کو الگ ایک کمرے میں بجا کر ڈرامے کے بارے میں ہدایتیں دینے لگیں۔ تھیٹر می دیر بعد بنوئے پھر بیٹھک میں لوٹا تو اس نے دیکھا کہ اسکے لائے ہوئے پھول غائب ہیں۔!

اس شام لوٹتے رہیں اس میں حاضری نہیں دی۔!

سچا ریتا دیر تک کبلی کمرے میں بیٹھی رہی۔ کتاب اس کی گود میں بند پڑی رہی اور وہ ایک کونے میں بیٹھی بیٹھی باہر اندھیرے کو نگہبانی کرتی رہی۔ ایسا معدوم ہوتا تھا کہ ایک نیا وطن، ایک حیرتناک وطن، اس کی آنکھوں کے سامنے اُمتڈا چلا آ رہا تھا۔ وہ اس کی زندگی میں گزرے ہوئے تھے تمام تجربات سے مختلف ہی کوئی چیز تھا، اندھیری رات میں آسمان پر چمکتے ہوئے ستاروں کے گچھوں کی طرح اس میں روشنیاں دکھتی دکھائی دے رہی تھیں، اور سچا ریتا کے ذہن پر چھپتی حیرتیں تھیں! اور اس کا ذہن کسی دُور دراز پر سرار حقیقت کو تلاش کر رہا تھا۔

وہ محسوس کر رہی تھی "میری زندگی کبھی کیسی بیکار سی گزری، آج تک جن باتوں پر یقین کیا اب اُن پر شک کی پرچھائیاں منڈلا رہی ہیں، روزانہ جو کچھ کرتی رہی تھی وہ اب بے معنی نظر آتا ہے، کاش میں اس روحانی دنیا میں پہنچ سکتی، تو وہاں شاید علم مکمل ہو جاتا، عمل بلند ہو جاتا، زندگی کی بنیادی اہمیت مجھ پر واضح ہو سکتی، اس حیرتناک، اس اجنبی، اس ٹہیب دنیا کے چور دروازے پر کس نے مجھے چپکے سے رکھ رکھا کیا؟۔ آہ میرا دل کیوں اس طرح کانپتا ہے، بڑھسنے کی کوشش کرتی ہوں تو ہاتھ پاؤں کیوں نہیں سناھ دیتے؟"

تینواں باب

نئی دن تک پارتیتا زیادہ تر وقت عورتیں صرف کرتی رہی۔ اس لئے رنہ برونہ
بارش بارے کے سہارے کی ضرورت محسوس ہوتی تھی۔

ایک دن بارش بابو اپنے کمرے میں اکیلے بیٹھے پڑھ رہے تھے کہ سچا ریتا آئی اور
چپ چاپ ان کے ساتھ لگ کے بیٹھ گئی۔ انہوں نے کتاب رکھ دی اور برسے: "کیوں
بیٹی، کیا بات ہے؟"

"کچھ نہیں بابو جی، سچا ریتا نے جواب دیا اور فیراٹھ کر ان کی لکھنے کی میز پر کاغذ
اور کتابیں ٹھیک کرنے لگی۔ تاکہ سب کچھ بالکل ٹھیک تھا۔ پھر چند منٹ بعد وہ بولی "بابو
جی، آپ مجھے کیوں نہیں پڑھاتے؟" جیسے پہلے بڑھا یا کرتے تھے؟

بارش بھت سے مسکراتے "میرا شاگرد میرے اسکول سے پاس ہو گیا، اب کوتم
ہمبروں کو خود سمجھ سکتی ہو بیٹی؟"

"نہیں میں ابھی کچھ نہیں سمجھتی؟" سچا ریتا نے احتجاج کیا۔ "میں پہلے کی طرح

آپ کے ساتھ پڑھنا چاہتی ہوں بابو جی؟"

"اچھی بات، سب کچھ سیکھ کر دے گے؟"

سچا ریتا نے جواب دیا "جی ہاں، ایک دن میں پوری راجی کل بنوئے بابو جی ذات پات کے

سبب میں بانٹ کر رہے تھے وہ آپ سے چہ کر چھائی کیوں نہیں؟"

"بھئی بیٹی، تم جانتی ہو کہ میں نے ہمیشہ یہ چاہا کہ تم لڑکیاں خود سوچنا سیکھو اور

دوسروں کی رائے کو خواہ مخواہ نہ تسلیم کر لو، چاہے وہ میری رائے ہو یا کسی اور کی۔ اگر کوئی

سوال ذہن میں خود نہ آئے اور اس پر لکچر اور نصیحتیں شروع کر دی جائیں تو ایسا ہی ہو گا جیسے کسی کو بغیر بھوک کے کھانا کھوٹا دیا جائے ! پھر تو بھوک مر جائے گی، ہاضمہ بگڑ جائیگا تم اگر مجھ سے کبھی کوئی سوال کرو تو میں ہمیشہ اس کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں۔“

”اچھی بات ہے تو لیجئے میں آپ سے پوچھتی ہوں۔۔۔ ہم لوگ ذات پات کے فرق کو کیوں بڑا کہتے ہیں۔“

”اگر ایک بلی تمہارے پاس بیٹھے اور پاس بیٹھ کر کھاتے پیتے تو کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر ایک انسان اتنا بھی کرے کہ صرف کمرے کے اندر آجائے تو کھانا کھا لے اور ہاتھ دے پھینک دینا چاہئے ! ذات پات کی جس تقسیم سے انسان انسان کے درمیان حقارت اور ذلت کے جذبات پیدا ہو جائیں، یہ نتیجہ نکلے تو اس سسٹم کو کیوں نہ بڑا کہا جائے ؟ اگر یہ بُرائی اور خرابی نہیں ہے تو میں نہیں جانتا کہ خرابی اور کس بات کو کہیں ! جو اپنے مجنوں کو اس بری طرح ذلیل کرتے ہیں وہ کیسے کوئی عظمت حاصل کر سکتے ہیں ! اُن کی باری بھی آجائے گی، دوسرے اُن سے اس طرح نفرت کریں گے، اس طرح حقارت کی نظر سے دیکھیں گے۔“

”ہمارے سماج کے موجودہ انحطاط کی وجہ سے بہت سی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں۔“
سچا رہتا نے گور کی کہی ہوئی بات کو دُسرایا : اور یہ خرابیاں ہمارے زندگی کے ہر پہلو میں داخل ہو گئی ہیں، لیکن اس حالت کی وجہ سے ہمیں اصل چیز پر الزام لگانے کا کیا حق ہے۔“

”میں تمہاری بات کا اس وقت جواب نہیں دے سکتا تھا جب مجھے یہ معلوم ہو جاتا کہ وہ اصل چیز کیا ہے، وہ کہاں مل سکتی ہے، پارٹش بابو نے حسب دستور نرمی سے کہا ”مجھے تو اپنے سامنے یہ نظر آتا ہے کہ ہمارے ملک میں انسان انسان سے ناقابل برداشت حد تک برہنہ کرتا ہے۔ اور اس سے ہماری جنتا ٹکڑوں میں اور ٹکڑوں میں تقسیم ہوتی جاتی ہے۔ اس

صورت میں اگر ہم اپنے ذہن اور تخیل سے کوئی ”اصل چیز“ پیدا کر لیں اور اسی کو پیشا کریں تو اصل کیا ہوگا؟

”لیکن بالوحی ہمارے ملک کی اصل صداقت تو یہی تھی نہ کہ تمام انسانوں کو غیر جانبدار نظر سے دیکھا جائے۔“ سچا ریتا نے پھر گورا کی بات دہرائی۔

”وہ غیر جانبدار روئے صرف دانشورانہ کاوش کا نتیجہ تھا۔۔۔ صرف دماغ کی پیداوار۔۔۔ دل اور جذبات سے اسے کوئی خلق، کوئی سرور کار نہ تھا۔ اس میں تو نہ محبت کی گنجائش تھی، نہ نفرت کی۔ وہ ان دونوں سے بالاتر تھا۔ ہر پسند و ناپسند سے اور بچا تھا، لیکن قلب انسان کو ایسے خیالات سے کوئی تسکین نہیں ہو سکتی جس میں دل کے تقاضوں کے لئے کوئی جگہ ہی نہ ہو، یہی وجہ ہوئی کہ ہمارے ملک میں اس فلسفیانہ مساوات کی موجودگی کے باوجود ہمیں یہ دکھائی دیتا ہے کہ بچہ ذات کے لوگوں کو بھگوان کے بھی مندر میں قدم رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ اگر بھگوان کی دھرتی پر انسان انسان برابر نہیں ہو سکتے تو پھر اس بات سے کہا فرق پڑتا ہے کہ وہ برابری کا تصور ہمارے فلسفہ میں پایا جاتا ہے کہ نہیں؟“

سچا ریتا نے خاموشی کے ساتھ اس بات کو ذہن میں گھمایا اور سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی ”تو بابو آپ نے یہ بات بتوئے بابو اور ان کے درست کو اس طرح کیوں نہیں سمجھائی۔“

پادش بابو مسکرائے لگے ”وہ نہیں سمجھیں گے، اس لئے نہیں کہ ان کی ذہانت میں کوئی کمی ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ ان کا دماغ اتنا اونچا ہے کہ ان معمولی باتوں کو وہ خود سمجھنے کے بجائے دوسروں کو سمجھانا چاہتے ہیں، جب ان میں واقعی عظیم ترین صداقت کے نقطہ نظر سے سوچنے کی خواہش ایک بار پیدا ہو جائے گی۔ دیانت داری کے ساتھ غور کریں گے، تو پھر تمہارے بابو جی کے سمجھانے کے محتاج وہ نہیں رہیں گے۔ اس وقت تو وہ لوگ ایک بالکل الگ ہی نقطہ نظر سے سوچتے ہیں، میں جو کچھ بھی کہوں ان کے لئے بیکار

ہی ہوگا۔

سچا ریتا نے بیشک گورا کی باتوں کو احترام سے سنا تھا لیکن یہ بھی واقعہ تھا کہ اپنے اور اس کے معیار کے اتنے فرق سے اس کو بچ تھا۔ اور اسی لئے جو نتائج گورا نے نکالے تھے وہ سچا ریتا کو مطمئن نہیں کر سکے تھے۔

پاریش بابو کی گفتگو سے اس کو فی الحال اس اندرونی غلجان سے نجات مل گئی۔ یہ تو وہ کبھی ایک لمحے کے لئے نہ سوچ سکتی تھی کہ بیوتے یا گورا یا کوئی اور دوسرا بھی، پاریش بابو سے بہتر طریقے پر کسی مسئلہ کو سمجھ سکتا تھا۔ بلکہ ان کی راستے سے جو کوئی اتفاق نہیں کرتا تھا اس پر سچا ریتا کو غصہ آنے لگتا تھا۔ ابھر کچھ دنوں سے البتہ وہ گورا کے خیالات کو فوراً اس حقارت کے ساتھ رد نہیں کر رہا ہی تھی جیسے پہلے کیا کرتی تھی۔ کہ بچپن کی طے سرج اس وقت بھی اسے پاریش بابو کے سامنے میں پناہ ملے۔

وہ کرسی سے اٹھی اور دروازے تک گئی، کچھ سوچ کر واپس لوٹی اور پاریش بابو کی کرسی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر بولی ”بابو جی ————— آج شام کو جب آپ دھیان کرنے بیٹھیں تو میں آپ کے ساتھ بیٹھ جاؤں؟“

”ضرور بیٹی“ — پاریش بابو نے جواب دیا۔

اس گفتگو کے بعد سچا ریتا اپنے کمرے میں چلی گئی۔ دروازہ اندر سے بند کیا، بیٹھی اور گورا کی تمام باتوں کو رد کرنے کی کوشش کرنے لگی۔ لیکن ایک دم گورا کا چہرہ اس کے سامنے ابھر آیا، یقین کے تمام نور سے دمکتا ہوا ————— اور وہ سوچنے لگی ”گورا کے الفاظ صرف الفاظ نہیں وہ گورا کا وجود ہیں، اس کی ہستی ہیں، اس کی بات مجسم حرکت ہے۔ زندگی اور جولانی سے لبریز، یقین کی قوت سے بھرپور، وطن کا دیکھ رزد ہے صرف مخالفت کر کے اس کی بات کو رد نہیں کیا جاسکتا؛ کیوں کہ وہ بات ہی اسکی شخصیت ہے۔ اور وہ شخصیت معرولی نہیں ہے؛ معرولی نہیں ہے۔“

اب سچا ریتا کس طرح گورا کو رو کرنے کے لئے ہاتھ بڑھائے؟ اسے اپنے ایک وجود
 میں سخت کشمکش محسوس ہوئی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی! آہ — اس ظالم نے
 اسے کس کرب میں مبتلا کر دیا تھا۔ اور پھر اتنی سسائی سے اسے چھوڑ بھی گیا۔ اس کے دل
 میں درد تھا، کسک تھی اور اس درد اس کسک پر شرمندگی! عجیب۔!

————— ❦ —————

چوبیسواں باب

ٹھے پہ کیا گیا تھا کہ نبوئے ڈرامیٹن کی نظم "موسیقی کی قوت" ترجمہ کے ساتھ ڈرامائی انداز میں پڑھے گا اور ریکیوں حسب مناسب لباس پہن کر نظم سے متعلق مضموعات کو تیار کر کے اسٹیج پر پیش کرتی جائیں گی۔ اس کے علاوہ ریکیاں الگ الگ انگریزی گانے اور مترنم نظمیں بھی سنائیں گی۔

برودا دیوی بار بار نبوئے کو یقین دلاتی رہتی تھیں کہ وہ اس دن کے سینے میں کواچھی طرح تیار کر دیں گی۔ ویسے انھیں خود نو انگریزی واجبی واجبی ہی آتی تھی لیکن ان کے دائرے میں کچھ لوگ ایسے تھے جو اچھی انگریزی جانتے تھے اور وہ ان ہی کے سہارے تھیں۔ جب ریہرسل شروع ہوئی تو نبوئے نے برودا دیوی کی ان اچھی انگریزی جانتے والے ماہر دوستوں کو حیران کر دیا۔ اور برودا دیوی کو بھی اس مسترت سے ہاتھ دھونا پڑا کہ وہ اس نووارد کی ترتیب کریں گی۔ اب تک جو لوگ نبوئے کو کچھ نہیں سمجھتے تھے وہ بھی اس کا احترام کر لے کر مجبور ہوئے۔ جب ان کو یہ پتہ چلا کہ وہ انگریزی میں کس قدر زیادہ دل رکھتے ہیں خود ہرن بالو نے نبوئے سے درخواست کی کہ وہ کبھی کبھی ان کے اخبار کے لئے مفادین لکھا کرے اور سبھی بھر کر لے لگا کہ وہ طالب علموں کی جس سوسائٹی کا ممبر ہے وہاں نبوئے انگریزی پر دو چار لیکچر دے دے۔

جہاں تک لوگتا کا سوال تھا اس کی کیفیت عجیب تھی۔ ایک طرف اسے خوشی بھی تھی کہ نبوئے کو تو اب اپنی قوت کا احساس ہو گیا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم لوگوں سے کچھ سیکھنا ہی ایک سرے سے ختم کر دے! وہ خود نہیں سمجھ پا رہی تھی کہ آخر وہ نبوئے سے چاہتی کیا ہے۔!

اور کبس طرح وہ اپنا کھویا ہوا سکون و اطمینان حاصل کرے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی پریشانی اور جھنجھلاہٹ ذرا ذرا سی بات میں ظاہر ہونے لگی اور ہر بار اس کا نشانہ بنوئے ہی بنتا تھا۔ لولتا اچھی طرح جانتی تھی کہ یہ بنوئے کے ساتھ نہ انصاف ہے نہ اخلاق، اسے خود بھی تکلیف ہوتی تھی، اپنے کو روکنے کی کوشش بھی کرتی تھی مگر ذرا سا کوئی بہانہ ملا اور دل کی جھنجھلاہٹ اس کی نقل پر حاوی ہوتی۔ اور پھر تو اس طرح بلاوجہ پھٹ پڑتی کہ خود ہی نہیں سمجھ پاتی، جس طرح اس نے شروع میں بنوئے کو عاجز کیا تھا کہ ڈرامے میں شریک ہو یا نکل اسی طرح اب اس کو عاجز کرنا شروع کیا کہ ڈرامے کو چھوڑ دے۔ لیکن اب اتنا آگے بڑھ کر اگر بنوئے سے ہٹ جاتا تو ظاہر ہے کہ سر اپڈن گر بڑکتے بغیر ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔ پھر غالباً یہ بات بھی تھی کہ بنوئے کو اپنی چھپی ہوئی صلہ حسرتوں کا بھی احساس ہو گیا تھا لیکن اب وہ خود شوق سے اس میں حصہ لے رہا تھا۔!

آخر ایک دن لولتا نے اپنی ماں سے کہا ”بھئی میں تو اب واقعی اس ڈرامے سے عاجز آگئی ہوں! میں اپنے نہیں کروں گی“

بروداد دیوی اپنی اس منجھلی بیٹی کو اچھی طرح جانتی تھیں، تنگ آکر پوچھا ”کیوں۔؟“

اب کیا ہوا؟ — کیا پریشانی ہے؟“

”بس، ب مجھ سے نہیں ہو سکتا۔ ہو ہی نہیں سکتا مجھ سے۔“

واقعہ یک یہ بھی تھا کہ جس وقت سے بنوئے نے اپنا پارٹ کیا تھا اور لوگوں پر یہ ثابت

ہو گیا کہ اس کو ناٹھی نہیں سمجھا۔ اس وقت سے لولتا اس کے سامنے اپنا حصہ پڑھنے یا اپنا پارٹ

دہر نے میں آنا کافی کرنے لگی۔ وہ پریکٹس تو کرتی تھی مگر اکیلے، ظاہر ہے اس سے باقی سب

کرتے ہی۔ پریشانی ہوتی تھی، لیکن لولتا کے معاملہ میں کچھ کرنا ناممکن تھا۔ آخر کار سب کو ہار ماننی

پڑی اور یہ ہر سہل اس کے بغیر ہی ہونے لگا۔ لیکن ہوتے ہوتے جب تاریخ نزدیک آگئی تو

ولتا نے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ تو بالکل ہی کوئی حصہ نہیں لے گی۔ بروداد دیوی کی کچھ سمجھ میں نہیں

اگر ہاتھ لگا کر کیا کریں۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ ان کا کچھ بھی کرنا یا کہنا کوئی اثر نہیں ڈالے گا۔ اس لئے وہ پارلش بابو کی مدد لینے پر مجبور ہو گئیں۔

پارلش بابو اپنی بیٹیوں کی پسند یا ناپسند میں کبھی دخل نہیں دیتے تھے۔ لیکن چونکہ بڑے بڑے سے وعدہ کر لیا گیا تھا اب دوسرا کوئی انتظام اتنی جلدی کیسے ہو سکتا تھا؟ اس لئے انھوں نے لولتا کو اپنے پاس بلایا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولے "لولتا بیٹی، اب اس وقت جو تم الگ ہوئی جا رہی ہو تو کیا یہ غلط بات نہیں ہے؟"

"مجھ سے نہیں ہو گا بابو جی" — لولتا نے بھڑائی ہوئی آواز میں کہا "میرے بس کی بات نہیں ہے۔"

"اگر تم اچھی طرح نہ کر پاؤ تو یہ تو کوئی تمھاری خطا نہیں ہوگی" پارلش بابو بولے "لیکن اگر تم بالکل کرو ہی نہ تو یہ تو یقیناً تمھاری غلطی ہوگی۔"

لولتا نے سر جھٹکا لیا۔ اور وہ اپنی بات کہتے رہے "دیکھو بیٹی اگر تم نے ایک بار ایک ذمہ داری کو قبول کر لیا تو پھر تمھارا فرض ہو جاتا ہے کہ تم اُسے پورا کرو، اب تو موقع نہیں ہے کہ تم نکل بھاگنے کی کوشش کرو صرف اس لئے کہ اچھا نہیں کر پا رہی ہو اور تمھارے وقار کو ٹھیس لگ رہی ہے! اگر تمھارے وقار کو ٹھیس لگتی بھی ہے تو کیا تمھیں فرض پورا کرنے کے لئے اس تکلیف کو برداشت نہ کرنا چاہیے؟ بولو! کوشش کرو گی — کرو گی نہ بیٹی؟"

"کروں گی بابو جی" لولتا نے سر اٹھا کر جواب دیا۔

اسی شام اس نے خاص کوشش کی اور بنو سے کی سوجدگی سے جو بچکچا ہٹ تھی اس کو چھپر پر رکھ دیا۔ اس زوروں سے اپنے پارٹ میں جھپٹی کہ گویا چیلنج کر رہی ہو کہ اب کوئی میدان میں آئے۔ بنو سے نے آج اس کی پہلی بار ہٹھتے سنا۔ وہ اس کی طرراوا کی صفائی اور روانی پر حیران رہ گیا۔ کس طرح بے جھجک اُس نے اُسے بنو کی وضاحت کی۔ وہ اُمید کے خلاف بیدار سر رہا۔ اور غم ختم کرنے کے بعد لولتا کی آواز اس کے کانوں

میں گر بختی رہی۔! نظم کو چھی طرح پڑھنے والا سننے والے پر ایک عجیب طرح کا جادو کرتا ہے۔
کیونکہ شعر اپنی کشش بھی پڑھنے والے کو بخشتا رہتا ہے، جیسے پھول ان ٹہنیوں کو بھی خوشنا
بنادیتے ہیں جن پر وہ کھیتے ہیں۔ اور پھر اس محے کے بعد سے لولتا نبوتے کے تصور شعر میں مجسمہ
بن کر رہ گئی۔!

اب تک لولتا نبوتے کو اپنی زبان کی تیزی سے اکساتی رہی تھی، اور جس طرح انسان کا
ہاتھ بار بار لا شعوری طور سے دھکتے مقام پر پہنچتا رہتا ہے۔ اس طرح نبوتے کے نزدیک
لولتا کی شخصیت صرف چھٹے الفاظ اور طنز بھری مسکراہٹوں تک محدود تھی جب بھی وہ لولتا
کے بارے میں سوچتا تو یہی کہ اس نے یہ بات کیوں کہی؟ ایسا کیوں کیا۔ اور جتنا ہی لولتا
کا غصہ پُر اسرار ہوتا جاتا اتنا ہی زیادہ نبوتے اس کے متعلق پیچ و تاب کھاتا جاتا۔ سچ اٹھ کر
سب سے پہلے اسی بات کا خیال آتا، اور ہر بار جب وہ پاریش بابو کے گھر چلنے لگتا تو یہ
فکر اُسے کھائے لیتی کہ پتہ نہیں لولتا کا موٹر اس وقت کیسا ہوگا۔ جب وہ نہر بان ہوتی تو
نبوتے کے سامنے یہ مسئلہ آتا کہ اب یہ مہربانی مستقل کیسے رہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ ایسا
حل تھا جس کا حل نبوتے کی قوت سے بالکل باہر تھا۔!

یہی وجہ تھی کہ ادھر بہت دنوں کی ذہنی پریشانی کے بعد جو لولتا کی پڑھی ہوئی یہ نظم
اس نے سنی تو ایک عجیب زوردار طریقے سے متاثر ہوا۔ یہاں تک کہ اُسے جو مسرت ہوئی
اس کے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں مل رہے تھے! لولتا سے تو کچھ کہنے کی اُسے بہت
نہیں ہوئی کیونکہ یہ پتہ ہی نہیں چل سکتا تھا کہ تقریب سے خوشی ہوگی، سبب اور نتیجہ کا جو معمولی
طریقہ ہے وہ اس کے ساتھ بھی چلے گا کہ نہیں۔؟ زیادہ امکان تو یہ تھا کہ نہیں چلے گا۔ کیونکہ
معمول کے مطابق کوئی چیز اس کو پسند نہیں آتی تھی۔ اس لئے نبوتے بروہ دیوی کے پاس
گیا اور لولتا کے اس کارنامے کی خوب تعریفیں کر کے، پنا دل ہلکا کیا۔ ایسا کرنے سے اسکی
... میں اور عقلمندی کے متعلق بروہ دیوی کی رائے اور بھی اونچی ہو گئی۔

اسی وجہ سے نبوت کے دماغ میں جب کبھی کوئی خیال آتا تو وہ اُسے لولتا سے بیان کرنے سے پہلے آسان ترین بنانے کی کوشش کرتا۔ اتفاق سے کوئی تشبیہ یا استعارہ آپڑتا تو جھینپ جاتا۔ لولتا خود خوب چمکتی پھرتی جیسے بادل چھٹ کر روشنی نکل آتی ہو یہاں تک برودادیوی بھی اس میں یہ تباہی دیکھ دیکھ کر حیران تھیں۔ اب لولتا پڑانے طریقے سے ہر چیز ایدہ ہر بات پر اعتراضات نہیں کرتی تھی۔ بلکہ سب مل کر جو کچھ کر رہے تھے اس میں مل جان سے شریک ہوتی اور ہونے والے ڈرامے کے لئے اپنی طرف سے طرح طرح کے آئیڈیا اور تجویز پیش کرنے کی بھرمار کئے رہتی۔ اس معاملے میں برودادیوی سے اس کا تضادم ہوا کرتا کیونکہ وہ ذرا کفایت شعاری کو مد نظر رکھ کر سب کام نبٹانا چاہتی تھیں چنانچہ پہلے برودادیوی کو لولتا کی بے نیازی کا رونا تھا اور اب اس کے حد سے زیادہ بڑھے ہوئے جوش کی پریشانی تھی۔

اس نئے جوش کے تحت لولتا اکثر سچا ریتا کو بھی گھیرتی اور بڑے شوق اور اُمید کے ساتھ اس کی رائے طلب کرتی۔ سچا ریتا ہنستی بولتی تو ضرور لیکن لولتا کو اس کی موجودگی میں کچھ گھٹن کا سا احساس ہوتا، ایسا لگتا جیسے وہ رُکی رُکی سی ہے؛ لولتا ہر بار اس کے پاس جانے کے بعد مایوس ہو کر لوٹتی!۔

ایک دن وہ پارلش بابو کے پاس پہنچی ”بابو جی“ کبھی یہ تو بڑی زیادتی ہے کہ ہم لوگ تو ڈرامے کے لئے مار پے چلے جا رہے ہیں اور دیدی ہیں کہ مزے سے کتابیں لئے بیٹھی رہیں آخر وہ کیوں ہمارے ساتھ شریک نہیں ہوتیں!“

پارلش بابو خود بھی دیکھ رہے تھے کہ سچا ریتا اپنے ساتھیوں سے ذرا الگ تھلک رہتی ہے اور یہ سوچ رہے تھے کہ اس طرح فکروں میں مبتلا ہونا اس کے لئے کھڑیک نہیں ہے۔ اب لولتا کے کہنے پر انھیں خیال آیا کہ اگر سچا ریتا کو دوسروں کی دلچسپیوں میں گھسیٹا نہ گیا تو یہ صورت کہیں اس کی مستقل عادت نہ بن جائے۔ اس لئے وہ لولتا سے بولے ”تم اپنی ماں سے اس بارے میں

”کیوں بات نہیں کرتیں؟“

”ماں سے تو میں کہوں گی ہی“ لولتا نے کہا ”لیکن دیدی کے پیچھے تو آپ ہی کو پڑنا ہوگا ورنہ وہ کبھی راضی نہ ہوں گی۔“

آخر کار جب پارلش نے سچا ریتا سے بات کی تو وہ یہ معلوم کر کے حیران بھی ہوئے اور خوش بھی کہ سچا ریتا نے کوئی عذر نہیں پیش کیا بلکہ فوراً اس کام میں جُٹ گئی جو اس کے لئے تجویز کیا گیا۔ جن ہی سچا ریتا نے اپنی عیسیٰ کی ختم کی ہوئے پھر پہلے کی طرح اس سے بے تکلف ہوئے کی کوشش کرنے لگا لیکن اس درمیان نہ جانے کیا ہو گیا تھا کہ وہ پہلی سی بات نہ پیدا ہو سکی۔ سچا ریتا کی آنکھوں میں ایک فاصلہ آگیا تھا چہرے پر کچھ الگ تھلک رہنے کے تاثرات رہتے تھے کہ ہوئے بنے آپ کو اس سے نزدیک نہ کر پانا تھا۔ ویسے تو وہ اپنے کو ہمیشہ ہی ذرا لیتے رہتے رہتی تھی لیکن ریہرسلوں میں شریک ہونے کے بعد توجہ اب وہ کیفیت اور زیادہ واضح اور گہری معلوم ہوتی تھی بس اپنا پارٹ ادا کرتی اور پھر کمرے سے باہر چلی جاتی۔ اس طرح وہ اور ہوئے رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے دُور ہی ہٹتے چلے گئے۔ عجیب بات یہ تھی کہ سچا ریتا کی اس تبدیلی کو لولتا بھی دیکھتی تھی لیکن پہلے کی طرح اس کو شکایت نہ تھی، کیا یہ بات تھی کہ ڈرامے کا جوش اور اپنے پلاٹ کی بھنسن بس پر بُری طرح چھائے ہوئے تھے۔ اور کوئی دوسری بات نہیں سرچنے دیتے تھے؟۔

ہرن بابو نے جب سچا ریتا کو اپنے ڈرامے میں دلچسپی لیتے دیکھا تو وہ بھی اپنی جگہ بڑے خوش ہوئے اور انہیوں نے خود بھی یہ پیشکش کی کہ ڈرامہ ٹیڈن کی نظموں کے سنائے جانے سے پہلے وہ موسیقی کی دلکشی پر ایک مختصر لیکچر دیں گے اور ”جنت کشہ“ پر ایک بند سنائیں گے۔ یہ تجویز برو داد دیو کی کوئٹہ می لگی اور لولتا کو بھی خوشی نہیں ہوتی لیکن ہرن بابو نے مجسٹریٹ کو اس پروگرام کی تحریری اطلاع دے کر بات طے کر لی تھی۔ چنانچہ جب لولتا نے اشارہ بھی کیا کہ ممکن ہے مجسٹریٹ کو اتنا لمبا پروگرام کھل جائے تو ہرن بابو نے فوراً ایک فاتحانہ انداز سے

مجسٹریٹ کا شکریہ کا خط اپنی جیب سے نکال کر دکھایا اور اسے خاموش کر دیا۔

کسی کو معلوم نہیں تھا کہ گورا کب اپنے سفر سے واپس آ رہا ہے۔ ویسے تو سچا ریتا نے پکا ارادہ کر لیا تھا کہ اس خیال ہی کو اپنے دماغ سے نکال دے گی لیکن ہر روز اس کے دل میں ایک امیر کروٹ لیتی کہ شاید آج ہی اس کی واپسی کا دن ہو۔ ایک طرف اسے گورا کی بے نیازی کا احساس کھاتے لیتا تھا۔ دوسری طرف اپنے دل کی کیفیت جو بغاوت برپا ہوئی تھی اور عین اس وقت جب کہ وہ اس کشمکش سے کسی طرح آزاد ہونے کا کوئی راستہ ڈھونڈ رہی تھی بہن بابو نے ایک بار پھر پارٹیش بابو سے درخواست کی کہ وہ خدا کا نام لے کر ان کے ساتھ سچا ریتا کی منگنی کی رسم ادا کر ہی ڈالیں۔

”لیکن شادی ہونے میں تو ابھی کافی دیر لگے گی“ پارٹیش بابو نے اعتراض کیا۔ ابھی سے تم لوگوں کا اس طرح بندھ جانا کیا تمہارے خیال میں عقلمندی ہے۔“

”ہاں سمجھتا ہوں یہ ہم دونوں کے لئے اشد ضروری ہے کہ شادی سے پہلے کچھ عرصے اس طرح فسلکا رہیں“ بہن بابو نے جواب دیا ”ہماری پہلی ملاقات سے لے کر ہماری شادی شہہ زندگی کے درمیان، اگر اس طرح کا ذہنی رشتہ قائم رہے تو یہ ہمارے روحانی اتحاد کے لئے ایک بڑا کام ہو گا۔۔۔۔۔ یہ ایک ایسا اتفاق ہو گا جو ہر طرح کی ذمہ داری سے آزاد ہو گا۔“

”بہتر ہے کہ آپ ہماری سچا ریتا سے پوچھیں وہ کیا کہتی ہے“ پارٹیش بابو نے رائے دی۔

لیکن وہ تو پہلے ہی اپنی مرضی کا اظہار کر چکی ہیں۔

اس بات کے باوجود بھی پارٹیش بابو کو اطمینان نہیں تھا کہ بہن بابو کے لئے سچا ریتا کے عملی جذبات کیا تھے۔ اس لئے انہوں نے سچا ریتا کو خود بلایا اور بہن بابو کی تجویز اس کے سامنے رکھی

سچا ریتا ایک ایسی ذہنی کیفیت میں مبتلا تھی کہ اس کے منتشر دماغ کو تنکے کا بھی سہارا نہ ملتا تھا۔ اس لئے بغیر ہچکچائے اپنی جلد ہی راضی ہو گئی کہ پارٹیش بابو کے سبب مشکوک رقعہ

ہو گئے۔ انھوں نے ایک ہارکھڑ سچا رہتا ہے کہا کہ طویل مدت تک جو سنگینیاں چلتی رہتی ہیں ان کی ذمہ داری کو اچھی طرح سمجھ لے اور پھر بھی جب اس نے کوئی اعتراض نہ کیا تو یہ طے کر دیا گیا کہ جیسے ہی براؤنٹوالا ڈرامہ ختم ہو جائے تو کوئی دن سنگینی کے لئے مقرر کر دیا جائے۔

اس کے بعد کچھ عرصے تک سچا رہتا کو یوں محسوس ہوتا رہا جیسے اُسے کسی دیو کے پیچھے سے چھڑایا گیا جو آہستہ آہستہ اُسے کھائے جا رہا تھا۔ اور اس نے طے کر لیا کہ ہرن بالہ سے شادی کر کے رہنمائی کے ساتھ برہمنو سماج کی خدمت میں جٹ جائے گی۔ اس نے فیصلہ کر لیا کہ روز ہرن بالہ کے ساتھ بیٹھ کر مذہبی مسائل پر مدد انگیزی کی کتابوں سے پڑھائی کیا کرے گی تاکہ اپنی زندگی کو، اپنے جیون ساکھی کے منہ پر لا سکے۔ اس شکل — قدرے ناگوار بوجھ کو قبول کرنے کے بعد یہ اس سے کچھ اپنی غفلت کا احساس ہو چکا تھا۔

اور اس نے بہت دنوں سے رہنمائی میں بیٹھتی جس کے ایڈیٹر ہرن بالہ تھے۔ جس دن یہ فیصلہ ہوا اس دن اُسے پریس سے نازہ نکالا ہوا شمارہ ملا جو غالباً ایڈیٹر نے اپنے دست خاص سے بھجوا دیا تھا۔ سچا رہتا، اخبار لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی اور شروعاتی آخر تک پڑھنے کا ارادہ کر کے بیٹھ گئی۔ جیسے یہ کئی کوئی مذہبی فرس ہو جیسے کوئی فرمانبردار اور سعید طالب علم پورا سبق زبانی یاد کرنے پر نالگیا ہو۔

لیکن اس کے بجائے ہوائوں کہ جس وقت ہوا نہ اپنے بادبانوں میں پوری ہوا بھرے ہوئے شہرت کے ساتھ اڑ رہا تھا تو کب پڑا۔ اسے زبردست تکر ہوئی — اخبار میں ایک مضمون دکھائی پڑا جس کی سرخوشی تھی۔ اس سے پسند می کا جنون — اس مضمون میں ان لوگوں پر بڑی تلخی کے ساتھ ہلکا کیا گیا تھا جو رہتے تو ہیں موجودہ زمانے میں لیکن ان کی گردنیں اپنی اکڑ میں ہمیشہ نیچے، ماضی کی طرف گھومی رہتی ہیں۔ اور اسے دسلیں دسلیں ہیں، غلط نہیں تھیں — بلکہ واقعہ تو یہ ہے کہ سچا رہتا خود اس طرح کی دسلیوں کی تلاش میں تھی۔ لیکن جیسے ہی اس نے وہ مضمون پڑھا یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ اس

مضمون میں گورا پر حملہ کیا گیا تھا۔ یہ سچ ہے کہ اس کا نام مذکور نہیں تھا، نہ اس کے مضامین کا حوالہ تھا۔ لیکن یہ بات قطعی طور پر ظاہر تھی کہ جس طرح سپاہی کو خوشی ہوتی ہے کہ اس کی بندوق سے ٹکلی ہوتی ہو گولی کسی دشمن کے سینے میں بیٹھے، اس طرح اس مضمون سے ایک کمینہ مسرت کا احساس ہوتا تھا کہ اس کا ہر لفظ کسی زندہ دل انسان کے دل کو دھک پہونچاتے۔!

پڑے اخبار پر جو مقصد اور نیت چھائی ہوئی تھی وہ سچا ریتا کے لئے ناقابل برداشت تھی۔ اس کا جی چاہا کہ اخبار کے پڑے پڑے کر کے ہوا میں اچھال دے بے اختیار اس کے دل نے کہا ”گور موہن بابو ہوتے تو اس مضمون کو خاک میں ملا سکتے تھے“ اور دل کی یہ آواز سُنتے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے گورا کا دکھتا ہوا چہرہ دکھائی دینے لگا۔ اس کی قوت پر آواز کانوں میں گونجنے لگی۔ اس تصویر کے سامنے اس آواز کی غیر معمولی قابلیت اور معیار کے آگے یہ مضمون اور اس مضمون کا لکھنے والا اتنے حقیر اور اتنے گھٹی نظر آتے کہ اس نے اخبار اٹھا کر زمین پر پھینک دیا۔!

سچ کئی دن کے بعد سچا ریتا خود آکر بنوئے کے پاس بیٹھی۔ اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد بولی ”بھئی وہ اس اخبار کا کیا ہوا جس میں آپ کے اور آپ کے دوست کے مضامین چھپتے ہیں۔ آپ نے تو مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ مجھے پڑھنے کو لادیں گے۔“

اب بنوئے اس سے کیا کہتا کہ ادھر جو تبدیلی اس میں آگئی تھی تو کس کی ہمت تھی کہ اپنا وعدہ پورا کرتا۔ بس اتنا ہی کہہ سکا؛

”میں نے آپ کے لئے جمع کر کے رکھے ہیں، لانا بھول گیا، کل ضرور لادوں گا۔“
دوسرے دن بنوئے ایک بوجھ اخبار اور رسالے لے آیا اور سچا ریتا کے پاس چھوڑ دینے

لیکن اب جو اُسے یہ رسالے اور اخبار ملے تو اس نے پڑھے نہیں بلکہ اٹھا کر ایک کجس میں
 بند کر دئے۔ صرف اس لئے نہیں پڑھے کہ اس کا دل بھی بے قرار رہتا اور وہ ایک بار پھر
 اپنے باغی دل سے لڑ کر کسی طرح اپنے متے امن کی تلاش کر رہی تھی وہ صاف انکار
 کر دینا چاہتی تھی کہ وہ دل کے کہے پر نہیں چلے گی؛ نہیں چلے گی۔ اور ہرن باپ کے رستے
 کو قبول کرے گی۔۔۔۔۔ صرف اس راستے کو، جہاں کوئی کشمکش نہ تھی۔!

پچیسواں باب

انوار کی صبح کئی آئندہ مولیٰ بیٹھی بان بنارہی تھیں اور شاشی ان کے پاس ہی بیٹھی
 چھایاں کتر رہی تھی جو بنوتے کمرے میں داخل ہوا۔ شاشی جھلپ کر چوبھانگی تو گود میں
 رکھی ہوئی تمام چھایاں زمین پر بکھر گئیں۔ آئندہ مولیٰ مسکرائیں۔ !
 بنوتے کی عادت ایسی تھی کہ ہر ایک سے اس کی دوستی ہو جایا کرتی تھی اور
 شاشی سے تو خاص طور پر اس کا بڑا خوشگوار دوستانہ تھا۔ شاشی بنوتے کے جوتے
 پھپھادی کرتی اور جب وہ کہانی کہنے کا وعدہ کرتا تب ہی جا کر جوتے واپس ملتے، بنوتے اپنا
 نہ بٹکانے کے لئے شاشی کی ہی رنہ گئی کے واقعات کو بڑھ چڑھا کر رنگ و روغن نہ کر
 بیان کرتا، تو یہ اس کے لئے ایک اچھی غامضی سزا ہو جاتی، پہلے تو وہ کہانی کہنے والے کو
 جھوٹا، جھوٹا، کہہ کے پنی جان بچانے کی کوشش کرتی، پھر جب بنوتے بھی جواب
 دیتا تو وہ بنوتے سے زیادہ چٹختے لگتی، آخر میں سخت شکست کھا کے کمرے سے بھاگ
 جاتی۔ کبھی کبھی وہ آتی طرچ کی کہانیاں بنوتے کے متعلق گڑھ کر بدلہ لینے کی کوشش کرتی
 لیکن نہ ہر سب سے قوت، ایجاد و تخلیق میں وہ اپنے حریف کا مقابلہ کہاں کر سکتی تھی۔ بہر حال
 جب کسی بنوتے اُن کے گھر آتا تو وہ سب کام چھوڑ بنوتے سے اپنی مذاق اور چھیڑ چھاڑ
 کرتے بیٹھتی اور بعض وقت دُش کو تھانہ جو کرتی کہ آئندہ مولیٰ کو ڈانٹ کر کھانا پڑتا۔
 ویسے تو ہر نہ صرف شاشی کا نہیں ہوتا تھا۔ بنوتے اس خوبی کے ساتھ یہ یقینیت مول لینے
 کی دعوت دیتا تھا اور شاشی سے پھر رہا نہیں جاتا تھا۔ !
 چنانچہ اس وقت وہی شاشی بنوتے کے سے ہی شرما کر کمرے سے بھاگ گئی تو

آنند موئی مسکراتیں تو ضرور، لیکن وہ خوشی کی مسکراہٹ نہ تھی !

بنوئے بھی اس ذرا سی بات سے اس قدر بوکھلا گیا کہ کئی منٹ بیٹھا رہا مگر اس سے کچھ بولا نہیں گیا۔ اس کو یکایک اس بات کا احساس ہوا کہ شاشی کے ساتھ اس کا یہ نیازشتہ کس قدر غیر فطری تھا، جب اس نے شادی کے لئے حامی بھری تھی تو وہ صرف اپنی اور گورا کی دوستی کے متعین سوچ رہا تھا، یہ اُس کے ذہن میں کبھی صاف ہی نہ ہوا تھا کہ اور بھی تو رشتے تھے، اور ان رشتوں کا کیا تعلق تھا ! اس کے علاوہ ہمارے ملک کی شادی ایک ذاتی نہیں بلکہ سماجی معاملہ ہے۔ بنوئے خود بھی رسالوں میں اپنے مضمناں میں اس پر لکھ چکا تھا : اپنے ذاتی معاملے میں بھی اس نے پسند ناپسند سوچا ہی نہیں تھا۔ اس وقت جو اس نے شاشی کو اپنے ہونے والے شوہر سے شریک کر بھاگتے دیکھا تو اسے کچھ اندازہ ہوا کہ ان کے آنند رشتہات کس قسم کے ہوں گے۔ اور اب اس کو یہ پتہ چلا کہ گورا اسے اپنی نظرت کے بالکل برخلاف کتنی ڈور تک گھسیٹ لایا تھا، اسے اپنے دوست پرانے آنے لگا، اور اپنے آپ پر بھی لغت ملامت کرنے لگا۔ پھر اُسے یاد آیا کہ کس طرح آنند موئی نے شروع سے ہی اس رشتہ کی مخالفت کی تھی اور اس کے دل میں ان کے لئے احترام و احترام کے جذبات اور رٹھ گئے حیرانی بھی ہوئی کہ کس طرح انہوں نے اس معاملے کا بالکل صحیح اور گہرا اندازہ لگایا تھا !

بنوئے کے دل پر جو کچھ زور رہی تھی، اسے آنند موئی اپنی جگہ پر خوب سمجھ رہی تھیں۔

اس خیال کو بٹانے کے لئے بولیں ”بنوئے، کل مجھے گورا کا ایک خط ملا۔“

”کیا کہتے ہیں؟“ بنوئے نے کھوتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

”اپنے ہائے میں تو کوئی خاص بات نہیں کہی ہے، لیکن ملک کے عوام کی حالت کا نشہ

بڑے بڑے کے ساتھ کھینچا ہے، کوئی گاؤں ہے گھوسی پورہ وہاں کے محبٹرٹ کی زیادتیوں

کا حال تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔“

ہوتے کو دل میں تو گورا پر غصہ اُسی رہا تھا، کسی قدر تنک کر کہا: ”گورا کی نگاہیں ہمیشہ دوسروں کی غلطیوں پر پڑتی ہیں۔ لیکن ہم لوگ دن رات اپنوں پر جو سماجی مظالم توڑتے ہیں ان کو وہ ضرور معاف کر دے گا، بلکہ ان کو خوبیاں کہے گا“ گورا پر چوٹ کرنے کے لئے ہوتے کو یوں مخالف سمت میں کھڑے ہوتے دیکھ کر آنند موئی مسکراتا مگر بولیں کچھ نہیں!۔

ہوتے کہتا رہا ”آپ تو مسکرا رہی ہیں ماں اور سوچتی ہوں گی کہ کیوں مجھے یکایک غصہ آگیا؟۔ بتاؤں آپ کو مجھے کیوں غصہ آیا۔ اس دن سدھیر مجھے ایک دوست کے گھر کاکتہ سے باہر لے گیا۔ جب ہم لوگ کاکتہ سے روانہ ہونے لگے تو بارش ہونے لگی، جنکشن پر ٹرین رکی، تو میں نے دیکھا کہ ایک بنگالی بالو، انگریزی لباس پہنے، چھتری اپنے اوپر اٹکاتے، ٹرین سے اپنی بیوی کو اتر دے رہے تھے، بیوی کی گود میں ایک بچہ تھا، اور شمال سے وہ کسبھل بچہ کو بارش سے بچاتے تھی۔ وہ خود بالکل کھلے پلیٹ فارم پر کھڑی سردی اور پریشانی سے تھر تھر کانپ رہی تھی۔ میں نے دیکھا کہ شوہر صاحب بے نیازی سے خود چھتری لگائے کھڑے ہیں اور بھسکی ہوئی بیوی بھی کوئی خاص شکایت نہیں کر رہی ہے۔۔۔ گویا ایسا ہی ہونا چاہئے جیسا ہوتا تھا۔۔۔ تو مجھے ابسا محسوس ہوا کہ آج بنگال بھر میں کوئی ایک عورت۔ امیر یا غریب۔۔۔ ایسی نہیں ہے جو دھوپ یا بارش سے محفوظ ہو! اس وقت سے میں نے قسم کھائی کہ یہ جھوٹ کبھی نہیں بولوں گا کہ ہم اپنی عورتوں کا بہت احترام کرتے ہیں، انھیں فرشتہ سمجھتے ہیں، دیویاں مانتے ہیں۔۔۔ وغیرہ وغیرہ“

کہتے کہتے اسے ایک دم سے خیال آبا کہ جوش میں آکر اس کی آواز بہت اونچی ہو گئی تھی، فوراً ٹک گیا، اور پھر اپنی معمولی آواز میں بولا، ”آپ تو یہ سمجھتی ہوں گی ماں کہ میں آپ کو کوئی کچھ نہیں رہا ہوں جیسے کہ میں اور جگہوں پر کرتا ہوں۔ ہو سکتا ہے میری عادت ہی اس طرح

بات کرنے کی ہو گئی ہو کہ جس میں لکچر کا لہجہ ہو مگر اس وقت تو میں لکچر نہیں دے رہا ہوں۔ اب سے پہلے مجھے کبھی اندازہ نہیں ہوا تھا کہ ہماری عورتیں ہمارے ملک کے لئے کس قدر اہمیت رکھتی ہیں۔ میں نے تو کبھی ان کے بارے میں سوچا بھی نہیں تھا۔۔۔۔۔ اُدھ۔۔۔۔۔ خیر اچھا ماں اب میں زیادہ بکرا اس نہیں کر دوں گا۔ اتنی بات کرتا ہوں تبھی تو لوگ سمجھتے ہیں کہ میں دوسروں کے خیالات بیان کرتا ہوں۔ اب آئندہ احتیاط کر دوں گا۔“ پھر وہ اٹھا اور اسی طرح یکایک باہر چلا گیا، جیسے آیا تھا۔ اس کے دل میں نئے نئے طوفان اُمنڈ رہے تھے!

آئندہ موتی نے موہم دادا کو بلوایا اور بولیں ”بنوئے اور شاشی کا بیاد کبھی نہیں ہوگا۔“
 ”کیوں؟“ موہم دادا نے پوچھا ”کیا آپ اس کے خلاف ہیں؟“ ”ہاں میں اس رشتے کے خلاف ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے یہ آخر تک نبھے گا نہیں۔۔۔۔۔ در نہ تو کیوں خلاف ہوتی؟“

”گورا اپنی مرضی دے چکا تھا، بنوئے بھی راضی ہے تو پھر کیوں نہ نبھے گا۔ ویسے یہ تو ظاہر ہے کہ سب مخالفت کریں گی تب تو بنوئے کبھی شاشی سے بیاد نہیں کرنے کا۔“
 ”میں بنوئے کو تم سے زیادہ جانتی ہوں۔“
 ”گورا سے بھی زیادہ؟“

”ہاں میں اس کو گورا سے زیادہ اچھی طرح سمجھتی ہوں، اور اسی لئے ہر نقطہ نظر سے سوچنے کے بعد میں محسوس کرتی ہوں کہ مجھے حامی نہ بھرنی چاہئے۔“
 ”اچھا۔ اچھا۔۔۔۔۔ گورا کو واپس آجانے دیجئے۔“

”موہم۔ میری بات سنو، اگر تم اس بات پر اصرار کرو گے اور معاملہ کو زیادہ آگے بڑھاؤ گے تو میں یقین دلاتی ہوں کہ مشکلیں کھڑی ہو جائیں گی۔۔۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ اس موضوع پر اب گورا اور بنوئے کچھ بھی بات چیت کریں۔“

”اچھی بات ہے۔۔۔۔۔ دیکھ جاتے گا، دیکھا جائے گا۔“
 موہم نے منہ میں پان کا بیڑا دبایا اور کمرے سے باہر چلے گئے۔

چھبیسواں باب

گورا اپنے سفر پر روانہ ہوا، تو اس کے ساتھ چار ساتھی تھے۔ ابھناش، موتی لال، بسنت اور رام پتی۔ لیکن گورا کا جوش کسی کو نہیں بخش رہا تھا اور اس جوش کا ساتھ دینا ان سب کو بھی مشکل ہو رہا تھا۔ چند ہی دن بعد ابھناش اور بسنت، بیماری کا بہانہ کر کے واپس کھلتے بھاگ گئے۔ باقی صرف گورا سے عقیقت کی وجہ سے اپنے لیڈر کو کیلا چھوڑنے پر تیار نہیں ہوئے۔ واقعہ بھی یہ ہے کہ موتی لال اور رام پتی کو اس وفاداری کا معمولی بھگتان نہیں بھگتنا پڑا کیونکہ گورا بسنت ہی چلنا تھا کھلتا نہیں تھا، کتنی ہی دیر رکتا پڑتا تھا، اکتاتا نہیں تھا۔ جس سے جو کچھ بھی ہو سکتا اس پر مہن سفر کی خاطر داری کرتا اور گورا اس میزبانی کو قبول کر کے کئی سی دن لوگوں کے یہاں پڑاؤ ڈالے رہتا چاہے اس میں جتنی بھی تکلیف اور دشواریاں ہوتیں۔ دیہات کے لوگ گورا کے چاروں طرف اکٹھا ہو جاتے بڑے مشرق سے اس کی بات سُنتے اور اسے چھوڑنے پر تیار نہ ہوتے۔

اب پہلی مرتبہ گورا کو پتہ چلا کہ کھلتے کی حذب اور کھاتی پیتی سوسائٹی کے ہر ملک کی اہل اور واقعی حالت کیا تھی۔ ہندوستانی دیہات کی عظیم الشان وسعتیں کس طرح منتشر تھیں کتنی کمزور تھیں، ٹکڑے ٹکڑے تھیں۔ یہ اپنی طاقت سے کتنی انسوسناک حد تک بے خبر تھے، جہالت ان پر کتنی بڑی طرح چھائی تھی؛ اپنی بہتری سے کس قدر بے نیاز تھے۔ شہروں سے یہ گاؤں چند ہی میل پر تو تھے لیکن سماجی فرق کی کتنی بڑی خلیج ان دونوں کے درمیان تھ۔ پھوڑے ہوئے حاکم تھی! دنیا کے منافع میں جو ان کا حق تھا، جو ان کی جائز جگہ تھی وہ ان کو کیسے ملتی جبکہ انہوں نے خود ہی بے حساب خیالی رُکاوٹیں درمیان میں کھڑی کر رکھی تھیں، ذرا

ذرا سی اور بیکار باتوں کو وہ اہم سمجھتے تھے چھوٹی چھوٹی روائت بھی تو بڑی نہیں کہی جاسکتی تھی، اگر ان باتوں کو خود دیکھنے کا یہ موقع گورا کو نصیب نہ ہوتا تو وہ تصور تو کر ہی نہیں سکتا تھا کہ ان لوگوں کے ذہن کتنے محدود تھے، زندگیوں کس قدر نجی، کوششیں کیسی کمزور اور بے جان !

ایک بار گورا کسی گاؤں میں ٹھہرا ہوا تھا کہ وہاں آگ لگ گئی ! اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اتنی بڑی مصیبت پڑنے پر بھی لوگ اپنی کوششوں کو متحد نہ کر سکے، ہر طرف انتشار پھیل گیا، کوئی ادھر بیٹھا گا جا رہا تھا، کوئی اُدھر بیٹھا گا جا رہا تھا، رونا پیٹنا ہو رہا تھا، مرتب یا منظم کوشش کا کہیں پتہ نہ تھا، گاؤں میں پینے کے پانی تک کا انتظام نہ تھا، عورتیں گھریلو کاموں کے لئے دور کہیں سے پانی بھر کے لایا کرتی تھیں ! اچھے کھانے پیتے لوگ لوگ بھی گاؤں میں تھے لیکن یہ خیال کبھی کسی کو نہ آیا کہ کم از کم اس روزانہ کی مشکل کو اور کیسا جائے ! تاکہ سب کے گھروں کو سہولت ہو، پہلے بھی کوئی بار آگ لگ چکی تھی لیکن سہولت قسمت کا ایک پھیر ایک گردش سمجھا جاتا تھا اور یہ کسی نے سوچا ہی نہیں کہ قریب میں پانی کا کچھ انتظام کر لیا جائے۔

اب گورا کو یہ بات مصلحہ خیر معلوم ہونے لگی کہ وہ ان لوگوں کو وطن کی عمالت سے آگاہ کرتا رہے جبکہ وہ اپنے چاروں طرف کی بھی شدید ضرورتوں کو سمجھنے کی اہلیت اور صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ عادات، رسموں اور روائتوں نے ان کی آنکھوں پر سیاہ پردہ ڈال رکھا تھا ! لیکن سب سے زیادہ تعجب اُسے اس بات پر ہوتا تھا کہ سوتی لال اور رام پتی بھی یہ سب دیکھتے تھے مگر ان کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ وہ گورا کی پریشانی کو ایک بیکار اور خواہ مخواہ کی ایک بات سمجھتے تھے۔ آپس میں کہتے "غریب لوگ تو اسی طرح زندہ گی بسر کرنے کے عادی ہیں جس بات میں ہم تکلیف و سختی محسوس کرینگے اس کا ان کو کوئی احساس ہی نہیں ہوتا ہے" ان لوگوں کے لئے ایک بہتر زندگی کو تصور کرنا

رام پتی اور موتی لال کے خیال میں جذباتیت تھی اور کچھ نہیں۔ لیکن گورا کو روزیہ نظر آنا کہ امیر اور غریب، جاٹ اور بڑے لکھے ہر ایک پر ڈکھ، لاعلمی اور بے پروائی کا بوجھ لدا ہوا ہے ان ہی باتوں سے وطن کی ترقی کا راستہ روک رکھا ہے اور یہ چیزیں اس کو بحدِ صدمہ پہنچاتیں۔

پھر موتی لال کے پاس اپنے کسی رشتہ دار کی بیماری کی خبر آئی اور وہ واپس چلا گیا۔ اب گورا کے ساتھ صرف رام پتی رہ گیا !

سفر کرتے کرتے یہ دونوں دریا کے کنارے ایک گاؤں میں پہنچے جو مسلمانوں کا تھا۔ بڑی تلاش کے بعد ایک واحد گھر ہندو کا ملا۔ وہ نائی تھا۔ اس نے برہمن مہانوں کو اپنے یہاں کٹھہرنے کی دعوت دی گھر گئے، پتہ چلا کہ گھر والوں میں ایک مسلمان لڑکا بھی ہے جسے نائی اور اُس کی بیوی نے گود لیا ہے۔ رام پتی بے حد مذاہبی تھا، اُسے سخت کوفت ہوئی اور جب گورا نے نائی سے اس ہندو انجرات کی وجہ پوچھ گچھ کی تو نائی نے کہا کہ ”اس سے کیا فرق پڑتا ہے حضور! ہم لوگ اُسے سہری کہتے ہیں، مسلمان اُسے اللہ کہتے ہیں۔ ہے وہ ایک ہی۔“

اب سوچِ خوب چڑھ آیا تھا، دھوپ میں تیزی اور تپش بڑھتی جا رہی تھی۔ دریا بہت دُور تھا، بڑا سا پتیلامیان پار کرتے تو وہاں تک پہنچنے — پیاس کے مارے رام پتی کے گلے میں کانٹے بڑ گئے تھے، اور وہ گھبرا گھبرا کر یہ سوچ رہا تھا کہ ہندو کے پینے لائق پانی اب کہاں سے۔۔۔ نائی کے گھر کے پاس ہی ایک کنواں تھا، پر اُس ادھری کے ہاتھ کا چھوا ہوا گتہ کیا ہوا ہوگا ! وہ رام پتی کے کس کام آسکتا تھا۔ !

”کیا اس لڑکے کے ماں باپ نہیں ہیں؟“

”اس کے ماں باپ دونوں زندہ ہیں جہاں جت گریہ پھر بھی یتیم اور انا تھا برابر ہے۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“

پھر نائی نے اس لڑکے کی داستان سُنائی۔

جس زمین پر یہ لوگ رہتے تھے۔ وہ نیل کی کاشت کے لئے دی گئی تھی اور نل بونے والے برابر ان کسانوں سے جھگڑتے رہتے تھے کہ دریا کناسے کی زمین اور ترائی والے حصے پر بھی اُن کا ہی حق ہے، اب ہی کسان ان 'صاحبوں' کے سامنے جھک گئے تھے مگر گھوسی پورہ کے کسانوں نے اُن نئے کاشتکاروں کے ہاتھوں بیدخل ہونے سے انکار کر دیا۔ یہ سب لمان تھے اور ان کا رہبر فارو سردار کسی سے نہیں بولتا تھا۔ جب سے اُن انگریز کاشتکاروں سے جھگڑا شروع ہوا تھا وہ پولیس سے لڑنے کے جرم میں دو بار جیل بھیجا جا چکا تھا۔ اور اب اس کی یہ نوبت پہونچ گئی ہے کہ فاروں میں بسر ہوتی ہے مگر برابر بارہ نئے سے انکار کتے جا رہا ہے۔

اس سال کسانوں نے کسی طرح ترائی پر فصل لگا کر دقت سے پہلے ہی کاٹ لی تھی لیکن انگریز کاشتکار بندہ کو آ پہونچے۔ تقریباً ایک ہی ماہ پہلے اُن کے ساتھ بہت سے لکھ مند تھے اور وہ زبردستی کاٹا ہوا اناج ان کسانوں سے چھین لے گئے۔ اس موقع پر فارو سردار نے اپنے گاؤں والوں کا ہچاؤ کرتے ہوئے ایک صاحب کے ہاتھ پر ایک ایسا وار کیا تھا کہ ہاتھ کا ٹنا پڑا۔ ایسی ہمت اور ایسی مجال تو اس علاقہ میں آج تک کسی کی نہیں ہوتی تھی!

اس وقت سے پولیس برابر آگ لگے کی طرح، اس علاقے کو براہِ باد کر رہی ہے اور ٹوٹ رہی ہے۔ نہ کوئی گھراؤن کے زیادتیوں سے بچا تھا نہ کسی محورت کی آبرو محفوظ رہی تھی۔ فارو اور اس کے بہت سے ساتھیوں کو جیل میں کٹھولس دیا تھا، گاؤں میں جو لوگ بچے رہے تھے، ان میں سے بہت سے بھاگ گئے تھے، فارو کے گھریں اناج کے دانے کا نام نہیں تھا، اس کی بیوی کے جسم پر ساڑھی کے نام صرف ایک چلتھڑا تھا، درود چلتھڑا بھی ایسا کہ اس کو باندھ کر وہ باہر نہیں نکال سکتی تھی، ان کا ایک ہی بچہ تھا۔ یہی، تیسرے

اس نانی کی بیوی کو خال کہتا تھا اور جب نانی کی بیوی نے دیکھا کہ وہ بھوکوں مر رہا ہے تو وہ اُسے اپنے گھر لے آئی۔

گاؤں سے درمیان میل دودھ نیل کی فیکٹری کا دفتر تھا اور وہیں پولیس انسپکٹر ان کے سپاہی وغیرہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ کب وہ گاؤں پر ٹوٹ پڑیں گے اور تفتیش کے نام پر کیا کیا زیادتیاں کریں گے۔ ابھی ایک ہی دن پہلے وہ نانی کے پرانے بڑے ناظم کے یہاں ایک ہم راہ ہو گئے۔ ناظم کے یہاں اس کا نوجوان چھوٹا سالہ ٹھہرا ہوا تھا جو در کے کسی اور ضلع سے اپنی بہن سے ملنے آیا تھا، اسے دیکھ کر پولیس انسپکٹر بے بات بے وجہ کہنے لگا "اچھا۔۔۔۔۔ یہ تو کوئی لڑکا تو مرغا نہیں نظر آ رہا ہے بڑا سینہ پھل کے مٹکتا چلتا ہے۔" اور یہ کہہ کر اس نے اپنے ٹاڈے سے نوجوان کے منہ پر ایک ایسا ہاتھ دیا کہ کئی دانت گر پڑے اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ اس ظلم پر اس کی بہن بھاگی بھاگی پہنچی اور اپنے بھائی کو سینہ ہالنے لگی تو اسے بھی ایک درہنڈ دی گیا کہ چکرا کے زمین پر گر پڑی۔

پہلے پولیس کی یہ عہدہ نگاری کہ اس علاقے میں، ایسے مظالم ڈھاتے لیکن اب چونکہ سب مضبوط اور تندرست مرد یا تو بیلوں میں بٹھولیں دے گئے ہیں یا بھاگ گئے ہیں اس لئے پولیس والے اطمینان سے گاؤں والوں پر اپنا غصہ اتارتے ہیں؛ اور کون جالنے کہتا کہ اس خطے پر ان کی یہ کالی منحوس پرچھائیاں منڈ لانی رہیں گی۔

گورا تو نانی کی داستان میں ایسا کھویا کہ وہاں سے اٹھا ہی نہیں۔ سنے گیا سنے گیا۔ لیکن اپنی پیاس کے مارے بچپن تھا اس لئے جیسے ہی نانی نے کہانی ختم کی اس نے سواں کرنا "کسی ہندو کا گھر یہاں سے کتنی دُور ہو گا؟"

"نیل کی فیکٹری میں جو شخص لگان وصول کرتا ہے وہ برہمن ہے۔ مادھو جیتر جی اس کا نا ہے۔۔۔۔۔ وہی یہاں ایک ہندو ہے جو سب سے پاس ہے۔ وہیں دھڑکی بلڈنگ

میں رہتا ہے۔۔۔۔۔ یہاں سے کوئی دوتین میل دُور۔۔۔۔۔

ملکیا آدمی ہے وہ؟“ گورائے پوچھا

”پکا شیطان کا بھائی۔ ایسا بے ایمان اور ظالم تو کوئی اور آپ کو مل ہی نہیں سکتا۔

اور باتیں ایسی جھپٹی چھڑی کرتا ہے کہ کیا کہوں۔۔۔۔۔ ان تمام دلوں میں اس نے ہی تو پولیس انسپکٹر کی غلطمداری کی۔ ہم لوگوں سے پیسے وصول کرتا ہے اور اس میں اپنا منافع بھی رکھتا ہے۔“

”جیتے گورابا بڑے۔۔۔۔۔ اب تم لوگوں کو چلنا چاہئے۔“ رام پتی بے صبری سے بولا

”کبھی اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔“ بات یہ ہوئی کہ نائی کی بیوی حاطے میں بنے ہوئے کنویں سے ہانی بھر کر گھڑوں سے اس کبکھت مسلمان لونڈے پر ڈال رہی تھی۔ اور وہ نہا رہا تھا۔ یہ دیکھ کر رام پتی کا پیما صبر برباد ہو گیا اور دماغ۔ اتنا پریشان ہو گیا کہ اب وہ ایک منٹ بھی اس گھر میں نہیں کھڑے ہو سکتا تھا۔

گورائے چلتے چلتے نائی سے پوچھا ”ان سب زیادتیوں کے باوجود تم یہاں کیسے ٹھہرے ہو تے ہو۔ کیا تمہارے کوئی اور رشتے دار کہیں اونٹیں ہیں جن کے پاس چلے جاؤ۔۔۔۔۔

”میں نے ساری زندگی یہیں بسر کی ہے“ نائی نے سمجھایا ”مجھے اپنے ہمسایوں سے محبت ہے، اس جوار میں ایک میں ہی ہنر و نائی ہوں، زمین سے مجھے کوئی واسطہ نہیں اسی لئے پولیس والے مجھ کو زیادہ پریشان بھی نہیں کرتے، پھر یہ بات بھی ہے کہ گاؤں میں اور مرد مشکل ہی سے رہے ہیں، اگر میں بھی جلا جاؤں تو یہاں کی عورتیں تو ڈر کے مارے مرجائیں گی۔“

اچھا تو پھر ہم لوگ چلیں، گورائے کہا ”لیکن میں کھاپی لوں تو پھر آتا ہوں تمہارے

پاس۔“

رام پتی کو سخت جھوک اور پیاس لگی تھی اور اس پریشانی میں یہ بھی داستان سن کر اس پر

یہ رد عمل ہوا کہ اسے گاؤں والوں پر سخت غصہ آنے لگا۔ جنہوں نے خود اپنے سر پر مصیبت

نہوں لی تھی! حکومت کی طاقت کے آگے یہ سرکشی اسے اُچھڑ مسلمانوں کی سخت حماقت اور خرد
 دماغی معیوم ہوئی اور اس نے محسوس کیا کہ اچھا ہی ہوا جو ان کو یہ سبق ملا۔ گستاخی اور شیخی
 سب نکل گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اسی طرح کے لوگ ہیں جو پولیس سے بُری بُری حرکتیں
 کرواتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اُس کے ذمہ دار وہ خود ہیں۔ آخر اپنے مالکوں اور حاکموں
 کا کہنا مانتے کیوں نہیں؟ اس طرح کی آزادی کا مظاہرہ کرنے کا کیا نتیجہ؟ اب کہاں گئی
 ساری احمقانہ اینٹھ؟ — سچ پوچھئے تو اندر اندر رام پتی کی ہمدردی انگریزوں کی
 طرف تھی!

روپہر کا وقت تھا اور دونوں دھوپ میں جلتی ریت پر چبے چارے تھے۔ گورا بالکل
 خاموش تھا۔ ایک لفظ اس کے منہ سے نہیں نکلا۔ آخر کار جب نیل فیکٹری کی چیتیں دُور درختوں
 کے سچ میں سے نظر آنے لگیں تو وہ ایک دم ٹرک گیا اور بولا ”رام پتی — تم جاؤ،
 کچھ کھاپی لو، — میں تو س نانی کے یہاں واپس جاتا ہوں۔“
 ”ارے — کیا مطلب آپکا؟ آپ کچھ نہیں کھائیں گے؟ ہم لوگ اس برہمن
 کے یہاں کچھ کھاپی لیں، تب چلے جائیے گا۔“

”تم فکر مت کرو، میں اپنی دیکھ بھال کر لوں گا، تم کچھ کھانا دانا کھا لو اور اُسکے بندہ
 انتظام کر کے کلکتے لوٹ جاؤ۔ — میں سمجھتا ہوں کہ مجھے یہاں گھوسی پودہ ہیں اب کئی
 دن تک رہنا پڑے گا۔ اور تم سے یہ سنبھے کا نہیں۔“

رام پتی کو ٹھنڈے پینے چھوٹنے لگے۔ اُسے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں ہو رہا تھا،
 گویا ایک شریف دھرمی ہندو ہو کر ان چھوٹوں کے یہاں ٹھہرنے کی کیسے سوچ رہا تھا۔ پاگل
 ہو گیا تھا یا جھوٹوں مرجانا چاہتا تھا؟ — لیکن اب سوچنے کی ٹہلت کہاں تھی؟ ایک
 ایک لمحہ ایک عمر معلوم ہو رہا تھا اور کلکتہ بھاگ کے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کیلئے رام پتی
 کو زیادہ کہنے سننے کی ضرورت نہ تھی! پھر بھی دفتر میں گھستے وقت اُس نے مڑ کر گورا کے بے

چوڑے وجود پر ایک نظر ڈالی، ویران — جلتی ہوئی ریت پر وہ تیز تیر قدم اٹھاتے چلا
جا رہا تھا۔ کتنا اکیلے لگ رہا تھا وہ۔!

گورا بھوک پیاس سے بالکل بڑھال ہو چکا تھا لیکن اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کے سنے اس
بدعاش برہمن، مادھو چٹرجی کے یہاں کھانا کھانے کے خیال سے اس کو اب بھی سخت نفرت
معلوم ہو رہی تھی۔ جتنا ہی سوچتا اتنا ہی یہ تصور اُسے گھناؤنا اور ناقابل برداشت لگتا، اس کا
چہرہ لال تھا، آنکھیں خون کی طرح ہو رہی تھیں۔ دماغ میں ہخاوت اور بھل کی آگ سی لگی تھی،
سوچ رہا تھا کہ پاکیزگی کو فہر داری کا روپ دے کر ہم کتنی شدید غلطی کرتے رہے ہیں —
غریب اور بے گناہ مسلمانوں کو تنا آزار پہنچانے والے برہمن کے ہاتھ کا کھانا کھا کر
کیا میری ذات پاکیزہ رہ سکتی ہے۔؟ کیا اس انسان کے یہاں کھا کر میں گندہ ہو سکتا ہوں
جو نہ صرف اپنے پڑوسیوں کی مصیبتوں کا شریک ہے بلکہ ان میں سے ایک کو اپنے یہاں
پناہ بھی دیتے ہوئے ہے، حالانکہ اس میں اُسے خود برادری باہر کتے جانے کا خطرہ بھی
ہے۔ اب آخری حل اس مسئلہ کا جو بھی ہو لیکن فی الحال تو میں اس نتیجے اور اس کلیہ
کو نہیں تسلیم کر سکتا۔

گورا کو اکیلا واپس آتے دیکھ کر نائی حیران رہ گیا۔ گورا نے پہلا کام یہ کیا کہ نائی کا
گھر اے کر اُسے احتیاط سے مانجھا اور پھر کنویں سے بھرا۔ پانی پی کر وہ نائی سے بولا: اگر
تمہارے یہاں دال چاول ہوں تو تھوڑے سے مجھے دے دو۔ پکالوں گا، میزبان کھانا
پکانے کی تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ جب گورا کھانا پکالے کے فارغ ہوا تب اُس نے
اپنے میزبان سے کہا کہ وہ چند دن اسی کے ساتھ کھڑے گا۔

نائی اس تجویز پر بھولا نہیں سمایا۔ ہاتھ جوڑ کر منیت سے بولا: یہ میری خوش قسمتی ہے
کہ آپ اتنی مہربانی کر رہے ہیں۔ لیکن یہ مکان پولیس کی نگاہ میں رہتا ہے اور اگر ان لوگوں
کو معلوم ہوا کہ آپ یہاں ہیں تو کوئی مصیبت نہ آپڑے۔“

”جب تک میں یہاں ہوں پولیس کی کیا مجال ہو سکتی ہے کہ وہ ہتھیں تنکھی نظروں سے بھی دیکھے۔ اگر کچھ کریں گے تو پھر میں دیکھوں گا۔“

”نہیں، نہیں“ نانی نے غور شاہ کی ”آپ ایسا سوچتے بھی مت، اگر آپ نے میری حفاظت کی تب تو میں کہیں کا نہیں رہوں گا۔ یہ لوگ سوچیں گے کہ میں ان کی آفت بن رہا ہوں۔ باہر کے ایک آدمی کو بنا کر ان کے ظلموں کا گواہ بنا رہا ہوں، ابھی تک تو میں کسی نہ کسی طرح ان سے صاف بچتا رہا لیکن ایک بار انھوں نے مجھے تڑپا تو پھر مجھے بھی یہاں سے بھاگنا پڑے گا اور گاؤں بالکل ہی تباہ ہو جائے گا۔“

گورا نے اپنی ساری زندگی شہر میں گزری تھی اس کو اس آدمی کے خوف، ڈر کی وجہ سمجھ ہی میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ تو ہمیشہ یہ سوچتا تھا کہ انسان سچائی پر پوری قوت سے قائم رہے تو بُرائی پر خود بخود غالب آجائے گا۔ اسے اپنا یہ فرض محسوس ہو رہا تھا کہ ان بد بخت دیہاتیوں کو ان کی تقدیر کے حوالے کر کے یہاں سے ہٹ جائے۔ لیکن نانی اس کے پیروں پر گر پڑا، وہ اس کے پاؤں بٹڑنا ہوا اور ”نانی بابا۔۔۔ آپ تو برہمن ہیں، اور پھر بھی میرے مہمان نہیں۔ آپ سے میں جانے کی باتوں میں سے بڑا پردہ مجھ سے کیا ہوسکتا ہے۔۔۔“ وہیں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کو سچے سچے ہم دگوں پر ترس آ رہا ہے اس لئے اس نے کہنے کی ہمت کر رہا ہوں کہ اگر میرے گھر میں رو کر آپ نے پولیس کی زیادتیوں کو روکنے کی کوشش کی تو آپ ضرور مجھے مصیبت میں پھنسا دیں گے۔“

گورا کو نانی کی اس بے وجہ بڑی سے سخت رنج ہوا اور اسی دن وہ اس سے رولہ ہو گیا بلکہ اسے یہ بھی کوفت ہوئی کہ اس نے اس نکتے آدمی کے یہاں کھانا بھی کیوں کھایا۔ تنہا ہوا اور بالکل عاجز ہو کر وہ شام کے قریب فیکٹری کے دفتر میں پہنچا۔۔۔ رام پتی نے کھانا کھا کر کلکتے روانہ ہونے میں ذرا سی بھی دیر نہیں کی تھی۔ ہنادو وہاں نہیں تھا۔

دھو چڑھتی نے گورا کا بڑے احترام کے ساتھ استقبال کیا اور اسے اپنے یہاں نہان

بدتر کوئی مجھے کیا کہے گا۔ اور بُرا نہ ماننے کا درست اگر کوئی پولیس انسپکٹر کو شیطان کا بھائی کہے تو یہ کیا کوئی گالی ہوئی۔ چلتے کا تو کام ہی پھاڑ کھانا ہے۔ پھر اُسے کسی نرم اور ملائم نام سے یاد کیا جائے تو بھلا کیا بات ہوئی۔ ب وہ تو جو ہے سو تو ہے ہی۔ خیر۔ خیر۔ اب کیا کیا جائے، کسی طرح کمانا کھانا تو ہے ہی۔“

آج تک کسی نے مادھو کو غصہ آتے نہیں دیکھا تھا سوائے جبکہ اُس غصے سے اس کو کوئی منافع ہوتا نظر آتے۔ کون جانے کس سے مدد ملے اور کون نقصان پہنچا دے۔ اس لئے کسی پر غصہ کرنے یا کسی کی ہتک کرنے سے پہلے وہ ہر پہلو کو اچھی طرح سوچ بچار لیتا تھا۔ خواہ مخواہ اپنی جان جلا نے اپنا خون کھپانے سے کیا فائدہ؟

پھر انسپکٹر گورا سے بولا، دیکھتے باجوہی، ہم یہاں سرکاری حکم کو پورا کرنے آئے ہیں۔ اگر آپ اس بیچ میں ٹانگ اڑائیے گا تو پھر کھگتے گا، یہ میں جتاتے دیتا ہوں۔“

گور نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہاں سے چل پڑا، لیکن مادھو اس کے پیچھے پیچھے آیا۔ ”آپ جو کچھ فرماتے ہیں وہ بجا ہے جناب ہم لوگوں کا کام سچ سچ تصامیوں کا ہے، اور یہ جو بد معاش انسپکٹر پولیس ہے نہ، اس کے تو پاس بیٹھنا گناہ ہے،

میں نے بھی اس کمبخت کے ذریعے بڑے بڑے گناہ کروائے ہیں۔ اب کیا آپ کو بتاؤں۔ لیکن اب زیادہ دنوں کی بات نہیں ہے، چند برسوں میں اتنا

کمالوں گا کہ اپنی بیٹی کی شادی کر سکوں، پھر میں اور میری بیوی سنیاس لے کر کاشی چلے جائیں گے، میں ان باتوں سے بہت تھک چکا ہوں، بہت تنگ آ گیا ہوں۔

کبھی کبھی جی چاہتا ہے پھانسی لگا کے مرجوؤں کہ سارا قصہ ہی ختم ہو۔ بہر حال آپ رات کو کہاں کھڑے کا ارادہ رکھتے ہیں؟ میرے ساتھ آپ کیوں نہ بھوجن کیجئے

اور کیوں نہ میرے یہاں سوئیے۔ آپ کے لئے میں الگ بن و بست کردوں گا۔ کہ

اس کھڑے کی پرچھائیں بھی آپ پر نہیں پڑے گی۔“

گور اکو ہمیشہ غیر معمولی بھوک ہوتی تھی۔ پھر آج تو ایسا منحوس دن نکلا کہ اس نے کھانا ہی بہت کم کھا، لیکن اس کا سارا جسم غصہ کی آگ سے جھلس رہا تھا، جا بے کچھ بھی ہو وہ ہرگز وہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ اس لئے اس نے صاف انکار کر دیا۔

”کم از کم ایک لائین تو مجھے بھیج دینے دیکھتے آپ کے ساتھ یہ مادہ ہونے کہا لیکن گور اتیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا اور رک کر جواب تک نہیں دیا۔ مادہ گھر واپس ہوا اور انسپکٹر سے بولا ”یہ شخص ضرور ہماری رپورٹ کرے گا دوست، اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو پہلے ہی کسی کو مجسٹریٹ صاحب کے پاس بھجوا دیتا“

”وہ کیوں؟“ انسپکٹر نے پوچھا۔

”تاکہ وہ ہوشیار ہو جائیں کہ یہاں ایک نوجوان بالو کہیں سے آ گیا ہے اور ادھر ادھر گڑبڑ کر کے مقدمے کے گواہوں کو توڑنے کی کوشش کر رہا ہے“

نصیحتیں کرتی رہیں۔ ہر کسب پر ان کو مذہبی کتابیں بطور تحفہ بھیجتیں۔

میلہ شروع ہو گیا تھا۔ اور برودا دیوی اپنی لڑکیوں اور بہن اور سدھیر اور بوائے کو لے کر پونچ علی تھیں؛ سرکاری سنگلے میں ان کے ٹھہرنے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ پارٹیں بابو اس ہنگامے اور جوش و خروش کو برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے وہ تنہا کلکتہ میں چھوڑ دئے گئے تھے۔ سچا رہنے والی اپنی سی بہت کوشش کی کہ وہ پارٹیں بابو کی تنہائی بتانے کے لئے کلکتہ میں ہی چھوڑ دی جائے لیکن خود پارٹیں بابو نے مجسٹریٹ کے دعوت نامے کو قبول کرنا ایک فرض کی ادائیگی سمجھا اور اسے بھی سمجھنے پر اصرار کیا۔

طے یہ ہوا کہ ڈرامے اور نظموں کا پروگرام یک شام کی پارٹی میں دیا جائے گا۔ جو میلہ ختم ہونے کے دو دن بعد مجسٹریٹ صاحب کے مکان پر دی جائے گی۔ ضلع کے کمشنر صاحب اور لفٹنٹ گورنر صاحب بھی اس موقع پر موجود رہیں گے؛ مجسٹریٹ نے اپنے بہت سے انگریز دوستوں کو نہ صرف اسی ضلع سے بلکہ کلکتہ تک سے بلایا تھا۔ کچھ مخصوص بنگالیوں کے لئے بھی انتظام کیا گیا تھا اور یہ سننے میں آ رہا تھا کہ ایک ایک خیمہ لگے گا جس میں مذہبی قسم کے لوگوں کے لئے کھانے پینے کی چیزوں کا انتظام کیا جائے گا۔

بہن بابو نے بہت جلد مجسٹریٹ کو خوش کر لیا تھا کیونکہ وہ نہایت اعلیٰ معیار کی گفتگو کرتے تھے۔ اور صاحب کو یہ حیرانی تھی کہ عیسائی مذہب کی مقدس کتابوں کا اتنی غیر معمولی علم رکھتے ہوئے بھی بہن بابو اند آگے کیوں نہیں بڑھے۔ کیوں نہیں وہ عیسائی ہو گئے اور کیسے رک گئے۔! آج شام کی بھی دریا کے کنارے چل قدمی کرتے ہوئے ان دونوں میں ایک سنجیدہ بحث اس موضوع پر ہو رہی تھی کہ برہمن سماج کے طریقہ کار کیا ہیں۔ اور بہن و سماجی نظام کو کس طرح سدھارا جاسکتا ہے۔

یہ ایک اس گفتگو کے درمیان گورا ٹپک پڑا اور اس نے صاحب ہدایت گڈ ایوننگ سر کہینکا۔ ایک دن پہلے وہ مجسٹریٹ صاحب سے ملنے کی کوشش کر چکا تھا۔ لیکن فوراً ہی

اسے یہ پتہ چلا کہ صاحب کی حضوری میں پہنچنے کے لئے ان کے نوکروں کو رشوت دینی پڑے گی۔ اس شرمناک فعل کو انجام دینے یا برداشت کرنے کو اسکا جی نہ چاہا۔ اس لئے اس نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر صاحب کو سیر کرنے میں جالیا۔ اس ملاقات میں ہرن اور گورائیں اسے کسی نے بھی یہ ظاہر نہیں کیا کہ وہ ایک دوسرے کو پہلے سے بھی جانتے ہیں۔

محسٹریٹ صاحب اس عجیب و غریب حلیہ کے آدمی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ انہیں کبھی بھی یاد نہیں تھا کہ اتنا لمبا، چھ فٹاقد، چوڑا چمکا ہوا، اور اس طرح کا بدن و سرکش و جوراٹھوں نے اس صوبے میں پہلے کبھی دیکھا ہو۔ رنگ بھی معمولی بنگالیوں کا سا نہیں تھا۔ جسم پر ایک خالی قمیض تھی ایک موٹی، ذرا میلی سی، دھوئی، شال سر پر صمانے کی طرح لپٹی ہوئی، ہاتھ میں بانس کی لاٹھی! ”میں ابھی گھوسی پورہ سے آرہا ہوں“ گورائے نے بات شروع کی۔

محسٹریٹ صاحب نے گھوسی پورہ کا نام سننے ہی ایک دبی ہوئی سیٹی بجائی۔ ابھی کل ہی ان کو اطلاع ملی تھی کہ ایک اجنبی نوجوان کہیں سے گھوسی پورہ آگیا ہے اور وہ پولیس کی تفتیش میں رکاوٹ ڈال رہا ہے۔ تو یہ تھا وہ اجنبی۔

انہوں نے غور سے گورا کو اوپر سے نیچے تک سوالیہ انداز میں دیکھا اور پوچھا ”آپ اس ملک کے کس خطہ سے آئے ہیں؟“

”میں بنگالی برہمن ہوں۔“

”اوہ۔۔۔ میں سمجھتا ہوں کسی اخبار سے آپ کا تعلق ہوگا۔“

”جی نہیں۔“

”تو پھر آپ گھوسی پورہ میں کیا کر رہے ہیں؟“

”میں نے پیدل سفر کرنے کا ایک پروگرام بنایا تھا، اسی سلسلے میں ادھر سے گزرا

اور یہاں ٹھہرا۔ یہاں میں نے پولیس کے مظالم کے آثار دیکھے۔ مجھے ڈر ہوا کہ یہ مظالم اور

بڑھیں گے اور اسی لئے میں یہ اسید لے کر آپ کے پاس آیا ہوں کہ آپ اس کا کچھ ازالہ

کر رہے گے۔“

”کیا آپ کو معلوم ہے کہ گھوسی پورہ کے لوگ بد معاشوں کا ایک گروہ ہیں؟“ مجسٹریٹ

نے پوچھا۔

”جی نہیں۔۔۔۔۔ وہ بد معاش نہیں ہیں، وہ لوگ آزاد طبیعت، درنادر لوگ ہیں

جو بے انصافی کو احتجاج کرتے بغیر برداشت کرنے پر تیار نہیں ہیں۔۔۔۔۔“

مجسٹریٹ کو اس بات پر غصہ آگیا۔ اچھا تو یہ حضرت ان ماڈرن جو اڑیں ہیں کہ تسلیم

حاصل کرنے سے جن کا داغ بگر گیا ہے۔ ”ناقابلِ برداشت“ انھوں نے کپڑے سے پھینکا کہہ کر

اور پھر آواز بلند کر کے بولے ”دیکھتے آپ یہاں کے مقامی حالات سے واقف نہیں ہیں ان

کی آواز میں ایسی سختی تھی جس کے آگے اب کچھ اور کہے جانے کی اُمید نہیں ہو سکتی تھی۔

گورا نے بھی اپنی گرج سنائی ”آپ تو ان حالات کو خج سے بھی کم جانتے ہیں؟“

”دیکھتے جناب۔۔۔۔۔“ مجسٹریٹ نے کہا ”میں آپ کو خبردار کرتے دیتا ہوں کہ گوراس

گھوسی پورہ والے معاملے میں آپ نے اپنی ٹانگ اڑائی تو آپ سستے نہیں چھوڑ سکیں گے۔“

”چونکہ آپ کو گاؤں والوں کے خلاف تعصب ہے اس لئے میرے واسطے اب یہی

راستہ باقی ہے کہ میں گھوسی پورہ والوں جہاں تک مجھ سے ہو سکے لوگوں کا دل بڑھاؤں

کہ وہ پولیس کے مظالم کے سامنے ڈٹے رہیں۔“

مجسٹریٹ صاحب ٹپٹے ٹپٹے ایک دم رُک گئے اور چپک کے گورا پر برسے ”یہ کیسی کمزورت

گستاخی ہے۔“

گورا نے کوئی جواب نہیں دیا، آہستہ آہستہ چلتا ہوا وہاں سے روانہ ہو گیا۔ مجسٹریٹ

نے بڑی حقارت کے ساتھ ہرن بابو سے پوچھا ”یہ آج کل آپ کے ہم وطنوں میں کیسے علومات

پیدا ہو رہے ہیں؟“

”کچھ نہیں، بس یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ تعلیم نے ان لوگوں پر گہرا اثر نہیں کیا ہے۔“ ہرن بابو

ذرا اونچے سے بولے — ”روحانی اور اخلاقی تعلیم ہے نہیں اور انگریزی تہذیب کے بہترین عناصر کو یہ اپنا نہیں سکے ہیں — وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سبق صرف رٹ لئے ہیں۔ ان سے کوئی اخلاقی نتائج نہیں نکالے، یہی بات ہے جو یہ احسان فروش لوگ ہندوستان میں انگریزی حکومت کی موجودگی کو خدا کی نعمت نہیں سمجھتے۔“

”ایسی تہذیب اور ایسا اخلاق یہ کبھی نہیں پاسکیں گے۔ جب تک عیسائی مذہب اور یسوع مسیح کو قبول نہیں کریں گے“ مجسٹریٹ صاحب نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

”جی ہاں۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو آپ کا فرمانا بجا ہے“ ایر پھر انہوں نے نہایت بلخ و فنکارانہ طریقے سے اپنے خیالات کا اظہار کیا — کسی جگہ وہ عیسائی مذہب کے نقطہ نظر سے اتفاق کرتے تھے اور کسی جگہ اختلاف۔!

مجسٹریٹ صاحب اس بخیارہ اور عالمانہ مباحث میں اس قدر محو تھے کہ انہیں وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا۔ وہ تو جب اُن کی بیوی پارٹیش بابو کی لڑکیوں کو بنگلہ چھوڑ کر گاڑی لے آئیں اور اُن کو آواز دی ”ہیری — کبھی چلنے کا ارادہ نہیں ہے“ تب اُن کو ہتہ چلا کہ کتنی دیر ہو گئی ہے۔

انہوں نے گھڑی دیکھی ”اُوہ — آٹھ بج کے بھی میں منٹ آگئے“ گاڑی میں بیٹھتے وقت انہوں نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ ہرن بابو کا ہاتھ دبایا اور کہا ”آج کی شام آپ کی باتوں میں بڑے لطف سے گزری“

ہرن بابو نے بنگلہ پر پوچھ کر اپنی اور مجسٹریٹ کی گفتگو کو خوب تفصیل سے بیان کیا لیکن گورا کے اس طرح یہاں اچانک پہنچ جانے والے معاملے کو صاف گول کر گئے۔

اٹھائیسواں باب

گاؤں کے سینتالیس بد نصیب کسانوں کو بغیر مقدمہ چلائے جیل میں ٹھونس دیا گیا تھا۔ تاکہ ان کی مثال سے اوروں کو عبرت ہو۔

مجسٹریٹ کو چھوڑ کر گوراکھی وکیل کی تلاش میں نکلا اور اسے یہ بتایا گیا کہ اس علاقے میں ست کوٹڑی ہلدار سب سے اچھے اور مشہور وکیل تھے۔ ان کے گھر پونچنے پر یہ کھلا کہ یہ وکیل صاحب گوراکھے ایک پرائے کلاس فیلو تھے۔

”اے یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں! — گوراکھی — تم یہاں کیا کر رہے ہو؟“
گوراکھی نے اُن کو بتایا کہ وہ گھوسی پورہ کے قیدیوں کو ضمانت پر رہائی دلوانے کی فکر میں ہے۔

”لیکن کون لے گا ضمانت؟“

”میں لوں گا۔“

”مگر تم اکیلے سینتالیس آدمیوں کی ضمانت لے سکو گے؟“

”اگر مختار لوگ ضمانت لینے پر تیار ہوں تو جو خرچ ہو وہ میں دینے کو تیار ہوں۔“

”کافی خرچ پڑے گا۔“

دوسرے دن مجسٹریٹ کی کچہری میں باقاعدہ طور پر ضمانت کی درخواست داخل کی گئی۔ جیسے ہی مجسٹریٹ کوکل والی شکل دکھائی دی — رہی لمبا قد، گرد آلود صافہ اور کپڑے۔ اس نے درخواست قبول کرنے ہی سے صاف انکار کر دیا۔ اس طرح تمام قیدی جن میں اسٹی سال کے بوڑھے اور چودہ سال کے لڑکے، سبھی قسم کے مرد تھے،

جیل میں سڑنے کے لئے پڑے رہ گئے۔ !

گورا نے ست کوٹری سے درخواست کی کہ وہ مقدمہ دائر کریں پر انہوں نے جواب دیا ”گواہ کہاں سے ملیں گے؟“ جو لوگ موقعہ واردات پر تھے وہ تو جیل کے اندر ہیں، اس کے علاوہ صاحب کے حکم کی جو نفیض ہوئی اس کی وجہ سے تمام علاقے میں خوف و ہراس پھیلا ہوا ہے، ب مجسٹریٹ کو یہ بھی شبہ ہو گیا ہے کہ کچھ پڑھ لکھے لوگ بھی سازش کر رہے ہیں؛ اگر میں اس معاملہ میں زیادہ دھنسنے کی کوشش کروں گا تو ممکن ہے مجھ پر بھی شک کرنے لگیں، اینگلو انڈین اخبارات برابر لکھ رہے ہیں کہ اگر ہندوستانیوں کو اسی طرح اُبھرنے اور مسخ لگنے کا موقع دیا جاتا رہا تو اس جوار میں انگریزوں کی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ دوسری طرف یہ حالت ہے کہ دیسیوں کو اپنے ہی ملک میں زندہ رہنا دشوار ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ مظالم بہت سخت ہو رہے ہیں لیکن ان کا مقابلہ کرنے کی صورت نظر نہیں آتی ہے۔“

”کوئی صورت کیوں نہیں نظر آتی؟ گورا چہنچہ لگا ”کیا تم لوگ ایسا نہیں کر سکتے کہ.....“

ست کوری ہنسنے لگا ”یار مجھے یہ دکھائی پڑا ہے کہ تم امکول کے زمانے میں جیسے تھے بالکل ویسے ہی اب بھی ہو، ذرا نہیں بدے، ہم کچھ نہیں کر سکتے ہیں بھائی، کیونکہ ہمارے بھی تو بیوی بچے ہیں، اگر روز کچھ نہ کچھ کما کر ان کا پیٹ نہ بھریں تو وہ ناقوں مرجائیں؛ کتنے آدمی دوسروں کی مصیبتیں اپنے سر پر لے کر اپنے بال بچوں کو موت کے منہ میں دھکیل سکتے ہیں، خاص کر ہمارے ملک میں جہاں خانہ ان چھوٹے بھی نہیں ہوتے، جن کے کٹھنوں پر پہلے ہی ایک درجن انسانوں کی دیکھ بھال کا جوا رکھا ہو وہ اور ایک درجن کا رُز د کیسے پال لیں؟“

”تو پھر تم ان غریب انسانوں کے لئے کچھ نہیں کرو گے؟“ گورا اپنی بات پراکھڑا رہا

”کیا تم اپنی کورٹ میں ایک درخواست داخل کروا سکتے یا پھر.....“

”تم صبرتِ حال کو سمجھ نہیں رہے ہو گورا“ ست کوری نے بے صبری سے جواب دیا۔ ”وہ ایک انگریز ہے جسے جوڑ آتی ہے۔ اور ہر انگریز شاہی نسل کا ہوتا ہے۔ ذیل سے گورے کو بھی کوئی نقصان پہنچانا انگریزی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے برابر ہے۔ اس نظام کے خلاف جا کر میں مجسٹریٹ سے ناحق برا بننا نہیں بننا چاہتا، — خاص کر جب کہ اس سے کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔“

دوسرے دن گورا نے یہ فیصلہ کیا کہ ساڑھے دس کی ٹرین سے کلکتہ جائے گا تاکہ کلکتہ کے کسی دکیل سے کوئی مدد حاصل کر سکے، اسٹیشن جا رہا تھا جو رستہ میں ایک اور ارچن پیدا ہو گئی۔

میلہ کے آخری دن کے لئے مقامی کریکٹ ٹیم اور کلکتہ کی کریکٹ ٹیم میں ایک میچ ہونا طے ہوا تھا۔ یہ دونوں ٹیمیں طالب علموں کی تھیں، کلکتہ کی ٹیم یوں ہی پریکٹس کر رہی تھی جو ایک کھڑی کے پاؤں میں گیند سے بڑی طرح چوٹ آگئی۔ فیلڈ کے کنارے ایک بڑا سا تالاب تھا۔ درطالب علم چوٹ کھائے ہوئے کھڑی کو لے کر اس کے کنارے گئے اور پانی میں کپڑا بھگو کر اس کی چوٹ پر باندھ ہی رہے تھے کہ یکایک ایک پولیس کانسٹیبل نے جانے کہاں سے وارد ہو گیا اور بلاوجہ ان طالب علموں کو گالیاں دے دے کر پیٹھے لگا۔ اول تو کلکتہ کے طالب علموں کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ تالاب ریزرو ہے اور اگر معام ہوتا تو بھی وہ اس طرح بے سبب پولیس کی گالیاں اور مار کھانے کے عادی نہیں تھے۔ پھر وہ تگڑے بھی تھے، انھوں نے اس ہتک کا اسی طرح جواب دینا شروع کیا جیسا کہ چاہئے تھا۔ شور مچا کر اور کچھ کانسٹیبل بھی دوڑ آئے اور گورا بھی اسی وقت وہاں پہنچا۔ وہ ان طالب علموں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ کیونکہ اس نے اکثر ان کی ٹیموں کو کھلایا تھا اور جب اس نے دیکھا کہ بڑوں کو اس طرح کچلا جا رہا ہے تو اس سے ان کی طرف سے کھڑے ہوئے بغیر کیسے رہا جاسکتا

تھا۔ درود سے گرج کر پولیس کو آواز دی " خدا سنبھلے رہتے گا، خبردار، جوڑکوں پر ہاتھ اٹھایا۔"
اس بات سے پولیس والے اس پر اُلٹ پڑے اور اُسے گالیاں دینے لگے، دیکھتے دیکھتے
ہاتھ لڑائی ہونے لگی،

چاروں طرف بھیڑ اٹھی ہو گئی۔ پلک جھپکتے میں بیسوں طالب علم اس جگہ جمع ہو گئے۔
گورا کے ساتھ اور رہبری کی وجہ سے ان کے دل اتنے بڑھ گئے تھے کہ انھوں نے
بڑی کامیابی کے ساتھ پولیس کو خوب پیٹا۔ اور پھر منتشر کر دیا۔ دیکھنے والوں کو بھی بڑا
لطف آیا البتہ یہ کہنا تو بیکار ہے کہ گورا کے لئے یہ واقعہ کوئی ہنسی کھیل ثابت نہ ہوا۔

تین یا چار بجے ہوئے، ہرن بابو اور لڑکیاں منگھٹے میں بیٹھی ڈرا سے کی رہبر مل کر رہے
تھے کہ دو طالب علم نبوتے کے پاس پہنچے۔ وہ نبوتے کو جانتے تھے، انھوں نے آتے
ہی خبر دی کہ گورموہن بابو اور کچھ طالب علم گرفتار کر لئے گئے ہیں اور مقدمے کے ہونے تک
کے لئے پولیس کے حوالات میں بند ہیں۔ مقدمہ کل مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہو گا۔!

گورا حوالات میں! اس خبر سے سب چونک کر پریشان ہو گئے، سوائے ہرن بابو
کے، نبوتے دوڑا ہوا اپنے پُرانے کلاس فیلوسٹ کوڑی ہلدار کے پاس گیا اور اُسے لیکر
پولیس حوالات پہنچا۔ سٹ کوڑی نے ضمانت کی تجویز پیش کی لیکن گورا نے کوئی وکیل
کرنے یا ضمانت کی درخواست دینے سے انکار کر دیا۔

سٹ کوڑی نے حیران ہو کر نبوتے کی طرف دیکھا "اُف وہ بھئی، کون سوچ سکتا ہے
کہ گورا اسکول سے نکل چکا ہے، اسے اس وقت جتنی عقل اس کو تھی اس سے رتی برابر
بھی زیادہ نہیں حاصل کی ہے۔"

"اگر میرے پاس روپیہ ہے، یا میرے جان پہچان کے لوگ یہاں موجود ہیں تو
صرف اس بناء پر میں کیوں چھوڑا جاؤں؟" گورا نے کہا "ہمارے شاستروں کے مطابق
نیا سے کرنا راجہ کا کام ہے اور انیا سے کا جرم اور الزام اس پر لگتا ہے لیکن اس حکومت

میں اگر لوگ روپے سے اپنی رہائی خرید سکتے ہیں تو ایسا انصاف خریدنے کے لئے کم از کم
میں تو ایک پائی خرچ کرنے کو تیار نہیں ہوں۔“

”مسلمانوں کی حکومت میں تو رشوت دینے کے لئے اپنا سر تک گروی رکھنا پڑتا

تھا جناب۔“

”وہ قانون کی خرابی تھی حاکم کی نہیں! آج بھی ذلیل جج لوگ رشوت لے سکتے ہیں

لیکن موجودہ نظام میں تو بد بخت انسان چاہے بد — ہو، چاہے مظلوم، چاہے معصوم،
چاہے مجرم، جو بھی انصاف کے لئے حکومت کا دروازہ کھٹکھٹاتے، پھر بھی اس

کی مشکل ہے۔ اس کے علاوہ جب حکومت خود ہی مدعی ہو اور مجھ جیسے انسان اپنا

بچاؤ کرنا چاہیں تو سارے کیل اور مختار حکومت ہی کی طرف سے بولتے ہیں، میرا

ساتھ کون دے گا سوائے میری قسمت کے — اگر مقدمہ ٹھیک ہے تو پھر

وکیل سرکار کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اور دوسری طرف اگر وکیلوں کی پیروی ایسی ہی

ضروری چیز ہے تو مخالفت کو کیوں نہیں وکیل مہیا کیا جاتا؟ یہ حکومت کرنے کا طریقہ

ہے یا رعایا پر دھاوا بولنے کا بہانہ؟

”ارے بھئی اتنے گرم کیوں ہونے ہو؟“ سٹکڑی لئے ہنس کے کہا ”تہذیب کوئی

سُتھ کا نوالہ نہیں ہے۔ اگر باریکی کے ساتھ انصاف کرنا ہے تو پھر باریک قانون بھی تو بننے

چاہئیں، اور اگر قانون میں باریکی آئے گی تو پھر قانون ایک کاروباری چیز بن جائے گا۔

جس میں تول تول اچانا لازمی ہے۔ اسی لئے تو مہذب عدالتوں میں انصاف کی خرید و فروخت

ہوتی ہے۔ اور جن کے پاس روپیہ نہیں ہے وہ تو غچا کھائیں گے ہی۔ میں پوچھتا ہوں

اگر تم حاکم ہوتے تو کیا کرتے؟“

”اگر میں اپنے قانون بناتا کہ بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ججوں کی ذہانت

بھی ان کے اسرار کو سمجھ نہ پاتی تو پھر میں دونوں طرف کے لئے ہوشیار وکیلوں کا سرکاری

خرچے پر بند رست کرتا۔ بہر حال اس بات پر نہ اترتا پھر تا کہ میں پٹھان یا مغل حاکموں سے بہتر حاکم ہوں جبکہ میری غریب رعایا پر انصاف خریدنے کا بھی سارا بار پڑتا ہے۔

”اچھا کہتی ہے۔۔۔۔۔ اب ہم سمجھے۔ لیکن خیر۔۔۔۔۔ چرنکہ ابھی وہ مبارک رقت نہیں آیا ہے، آپ حاکم نہیں ہیں بلکہ ایک مہذب شہنشاہ کی عدالت کے نزدیک صرف ایک قیدی ہیں اس لئے یا تو آپ پیسہ خرچتے اور یا پھر کسی دوست دیکیں کی مہربانی قبول کیجئے اس کے علاوہ جو کچھ ہو گا اس کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔“

وہی انجام میرا ہونے دیجئے۔ میں کچھ نہیں کریں گا۔ گورا نے زوردار لہجے میں کہا ”میں چاہتا ہوں کہ میرا کئی وہی مقدمہ ہو جو اس شہنشاہیت میں رہنے والے ان باقی لوگوں کا ہے جن کے پاس انصاف خریدنے کے لئے ذرائع نہیں ہیں۔“

بنوئے نے بہت غور سے دیکھا کہ گورا کچھ تو مصلحت سمجھے لیکن گورا نے صاف انکار کر دیا اور بنوئے سے پوچھا ”تم یہاں کیسے بیٹے؟“

بنوئے نے شرمندگی سے لال ہو گیا۔ اگر گورا جیل میں نہ ہوتا تو شاید وہ اپنے یہاں ہونے کی وجہ بتا ہی دیتا۔ اور ممکن ہے اس کے لہجے میں کچھ بغاوت بھی ہوتی لیکن اس صورت میں وہ صحیح جواب نہیں دے پایا۔ بس اتنا ہی کہا ”میں اپنے باپ سے ہیں بعد کو بتاؤں گا۔ اس وقت تو تمھارا.....“

”آج تو میں بادشاہ کا مہمان ہوں“ گورا نے بات کالی ”بادشاہ خود میری کچھ بھل کر رہے ہیں، تم میں سے کسی کو میرے متعلق پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے“ بنوئے جانتا تھا کہ گورا کے ارادے کو توڑنا ناممکن ہے اس لئے اس نے کسی دیکیں کو پیروی کے لئے حق رکرنے کا خیال چھوڑ دیا۔ لہذا یہ ضرور بولا ”میں جانتا ہوں کہ تم جیل کا کھانا نہیں کھ سکو گے اس لئے میں تمھارے لئے باہر سے کھانا بکھوانے کا انتظام کرتا ہوں۔“

”بنوئے۔۔۔۔۔ گورا نے تنک کر جواب دیا“ تم خواہ مخواہ اپنی جان کھپا رہے ہو۔

مجھے باہر سے کچھ نہیں چاہئے۔۔۔ جیل میں ہم لوگوں کی جو عام تقدیر ہے اس سے بہتر
میں کچھ نہیں چاہتا۔

نبوتے سخت پریشانی کے عالم میں سنگمے پر واپس آیا۔ سچا رہتا اپنی خواب گاہ کی کھلی
کھڑکی سے اس کا رستہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے تئیں کو کمرے میں بند کر لیا تھا کیونکہ اس
وقت اس کے بے کسی کے پاس بیٹھنا یا کسی سے بات کرنا ناممکن تھا۔ جب اس نے نبوتے
کو سنگمے میں داخل ہوتے دیکھا اور اس کے چہرے پر رنج اور پریشانی کے آثار دیکھے تو خون
کے ارے اس کا دل دھڑکنے لگا۔ بڑی کوشش سے اس نے اپنے جذبات پر قابو حاصل
کیا۔ ہاتھ میں ایک کتاب اٹھائی اور کمرے سے باہر نکلی۔ لوٹا ڈرائنگ روم کے ایک کونے
میں کچھ سلائی سے بیٹھی تھی حالانکہ ویسے اس کو سہنی سے سخت نفرت تھی، لیونیا سہیر
کے ساتھ الفاظ کے تاش کھیل رہی تھی۔ اور لیلا، ان دونوں کو کھیلنے دیکھ رہی تھی۔ ہرن بابو
آنے والے ڈرامے کے انتظامات کے متعلق برودادیوی سے کچھ بات چیت کر رہے تھے۔

نبوتے نے گورا کا حال بیان کیا کہ کس طرح آج ہی صبح اُن کی اور پولیس کی جھڑپ
ہوئی۔ سچا رہتا خاموش بیٹھی سنتی رہی، جیسے اُسے سہنپ سو بگڑ گیا ہو، مگر لوٹا کا چہرہ لال
ہوتا گیا۔ اور سلائی اس کی گود سے کھسک کر زمین پر گر پڑی؛ برودادیوی پولیس ”آپ
پریشان نہ ہوں نبوتے بابو، میں گورا بابو کے متعلق آج شام ہی کو مجسٹریٹ کی میم صاحب
سے ذکر کروں گی۔“

آپ کیجئے گا بھی مست۔ نبوتے نے خوشامد کی۔ اگر گورا کو یہ پتہ چل گیا تو آخری
سائنس تک مجھ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔

”لیکن اُن کی پیروی کرنے والے کو بچانے کے آخر کچھ تو کرنا ہی چاہئے۔“ سدھیر
نے کہا۔

اس پر نبوتے نے سب کو بتایا کہ کس طرح اس نے گورا کو ضمانت پر رہا کروانے کی تو

کوشش کی تھی لیکن گورا نے وکیل کتے جانے پر اعتراض کر کے اس تجویز کو رد کر دیا تھا۔
 ”انہ۔۔۔ کس قدر بتا ہے یہ آدمی! ہرن بابو گورا کی داستان سنتے سنتے اکت کے
 بیقرار ہو رہے تھے۔“

ہرن بابو کی طرف لوٹا کے اصل جذبات جو کچھ بھی لہے ہوئے لیکن لوٹتا نظر ہی طور پر
 ان کا احترام کرتی تھی۔ اور ان سے کبھی مسند درمختہ بحث نہیں کرتی تھی۔ لیکن اس وقت اس نے
 اپنا سر بڑی زور سے جھٹکا اور سچٹ پڑی ”اس میں بننے کی کیا بات ہے۔ گور موہن بابو
 نے جو کچھ کیا وہ بالکل ٹھیک کیا۔ آخر ہم کیا اس مجسٹریٹ کے ذیل ہیں کہ ہم اپنی پیروایاں
 کراتے پھریں؟ پہلے تو ہم ان افسروں کو موٹی موٹی ٹنخا دیں اور اُدھر سے وکیلوں کو
 فیس بھی دیں کہ وہ ہمیں ان کے پنچے سے رہائی دلوائیں۔۔۔ بہت صحیح بات ہے
 کہ اس طرح سے انصاف مول لینے سے توجیل میں رہنا کہیں اچھا۔“

ہرن بابو نے حیران ہو کر لوٹا کو گھورا۔ وہ اُسے بچہ سمجھتے تھے اور انہیں گمان
 بھی نہیں تھا کہ وہ بھی اپنی ایک الگ رائے اور کافی زوردار رائے رکھتی ہے۔ انہوں نے اس
 پمٹ پر سنجیدگی سے اُسے ڈانٹا ”تم ان معاملات کو کیا سمجھتی ہو؟ کالج کے ان کچے دماغ
 کے نوجوانوں کی بکواس سنتے سنتے تمہارا بھی سر پھر گیا ہے۔ ارے ان لوگوں نے تو بس چند
 کتابیں رٹ ڈالی ہیں، ان کے اپنے تو نہ کوئی خیالات ہیں، نہ کوئی تہذیب نہ تمدن۔“

پھر انہوں نے کچلی شام گورا اور مجسٹریٹ کی سٹ بھٹر کا حال سنایا اور یہ بھی بتایا کہ
 گورا کے چلے جانے کے بعد مجسٹریٹ نے ان سے کیا باتیں کی تھیں۔ گھوسی پورہ کے اس
 واقعہ کی خبر نہ تھی۔ اس کے لئے تو یہ ایک سنائی بن گیا اور یہ سب معلوم کر کے
 وہ اور بھی پریشان ہو گیا۔ کیونکہ ظاہر ہے اسی صورت میں مجسٹریٹ گورا کو آسانی سے چھوڑنے
 والا نہ تھا۔

اس واقعہ کو بیان کرنے سے ہرن بابو کا جو اصل مقصد تھا وہ بالکل فوت ہو گیا۔ سچا ریتا کو

اس کہنے پن سے گہرا دھکا لگا جس کی وجہ سے ہرن بابو ابھی تک اس معاملات کا حال چھپائے رہے تھے۔ اور ہر ایک پر یہ ظاہر ہو گیا کہ ہرن بابو گورا سے جلتے ہیں اور اس بنا پر سب کے ہی دل میں ہرن بابو کی طرف سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوا۔

سچا ریتا پورے وقت خاموش رہی۔ ایک آدھ بار تو ایسا لگا جیسے وہ بھی پھٹ پڑے گی۔ لیکن اس نے اپنے آپ پر قابو پالیا، صرف کتاب کے صفحے کا نپتی انگلیوں سے الٹتی پلٹتی رہی۔۔۔۔۔ اور بالکل چپ رہی۔!

لوتا نے آخر میں بھڑک کر کہا ”مجھے آپ کی پروا نہیں ہے کہ ہرن بابو مجسٹریٹ کی طرف ہیں۔۔۔۔۔ ہیں تو ہوں۔۔۔۔۔ مجھے تو اس سارے معاملے سے گورنمنٹ بابو کی سمجھ اور شریف طبیعت ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔“

انتیسواں باب

چونکہ لفٹ گورنر اس دن آنے والے تھے اس لئے مجسٹریٹ صاحب ٹھیک وقت پر ساڑھے دس بجے کچہری پہنچے تاکہ انصاف بانٹنے سے جلد فراغت حاصل کر سکیں۔

سٹکوری بابو جو طالب علموں کی طرف سے پر دی کر رہے تھے انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے دوست کی مدد کرنی چاہی۔ کل حالات کا جائزہ لینے کے بعد وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ بہترین طریقہ یہ ہے کہ اقبال حرم کر لیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور طالب علموں کی کمسنی اور اپنے موکل کی ناجائز بہ کاری کو عذر بنا کر جسم کی درخواست کی۔ !

مجسٹریٹ نے لڑکوں کو بیس سے لے کر پچیس بید تک کی سزا دی۔ عمر اور جرم کے حساب سے۔ گورا کا وکیل کوئی نہیں تھا اس نے خود ہی بیان دیا کہ پولیس کی حکمتیں کس قدر ناجائز اور ذلیل تھیں، لیکن مجسٹریٹ نے اس کو ڈانٹ کر خاموش کر دیا اور اس جرم میں ایک ماہ قید سخت کی سزا دی کہ اس نے پولیس کو اپنا فرض انجام نہیں دینے دیا۔ اور اس میں مداخلت کی، آخر میں انہوں نے گورا سے یہ بھی کہا کہ اتنا مستاحپوٹنے پر اس کو ان کا شکر گزار ہونا چاہئے !

سدھیر اور نبوتے عدالت میں حاضر تھے لیکن نبوتے گورا سے آنکھیں چار نہیں کر پار ہا تھا۔ تیز تیز قیموں سے چلتا ہوا جب وہ عدالت سے باہر نکلا تو ان سے ایک گھٹن کا احساں ہو رہا تھا۔ سدھیر نے اس سے بہت کہا کہ سبکے چلا ہے اور نہ ہادھو کر کچھ کھا پی لے، لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ عدالت کے اعلیٰ کو پار کر کے وہ

ایک درخت کے نیچے بیٹھ گیا اور سدا حیر سے بولا "تم منگلے واپس جاؤ، میں ابھی واپس آتا ہوں۔"

سدا حیر کے چلے جانے کے بعد بنو نے کتنی دیر تک اسی طرح بیٹھا رہا۔ یہ اسے خود ہی پتہ نہ چل سکا، جب سورج نصف النہار سے گزر گیا تو ایک گاڑی آئی اور عین اس کے سامنے آ کے رکی۔ اس میں سے سچا ریتا اور سدا حیر اترے اور اس کی طرف آئے، ان لوگوں کو آتے دیکھ کر وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کے کان میں سچا ریتا کی بھرتی ہوئی آواز آئی "بنوئے بابو — کیا چلے گا نہیں؟"

بنوئے کو بیکار احساس ہوا کہ وہ لوگ اس طرح وہاں کھڑے ہوئے راگیروں کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اس لئے وہ فوراً ان کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گیا۔ لیکن واپسی میں رستے بھر کوئی ایک لفظ نہیں بولا۔

منگلے پر پہنچے تو بنوئے کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ ایک سخت قسم کا تنازعہ پیدا ہو گیا ہے۔ لوت نے اپنے اس ارادے کا اعلان کر دیا تھا کہ آج شام وہ ہرگز ہرگز ہسٹریٹ کے یہاں نہیں جائے گی اور ہرگز وادہ بوی سخت ٹھیسے میں کھنسی ہوئی تھیں، ہرن باجو اس ذرا سی چھپکلی لوتا کے اس بے وجہ باغیانہ رویہ پر بے حد براؤ درختہ کھتے۔ بار بار وہ اس خیال کا اظہار کر رہے تھے کہ ان ماڈرن لڑکے لڑکیوں کو نہ جانے کیا مرض لاحق ہو گیا ہے جو کسی قسم کی ڈسپلن ان میں باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ہر قسم کے لوگوں سے ملتے جلتے اور ان سے ہر طرح کی بکواس کرنے کا یہی تو نتیجہ ہو گا۔

جب بنوئے پہنچا تو لوتا بولی "بنوئے بابو میں آپ سے معافی مانگتی ہوں میں نے آپ کی باتوں کو بوری طرح سمجھا نہیں۔ ان کے ساتھ انصاف کیا نہیں اس لئے میں نے آپ کے ساتھ بڑی زیادتی کی ہے۔ ہم لوگ اپنے لالچ و دودھ سے کے باہر کچھ جانتے نہیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اس بڑی طرح دوسری باتوں کو غلط سمجھنے لگتے ہیں یہ پتہ بابو

سب سن کر سچا ریتا فوراً وہاں سے کھسک گئی۔ اور اپنے تئیں کمرے میں بند کر لیا۔ پھر لو لٹا بھی وہاں پہنچی اور اس نے دیکھا کہ سچا ریتا دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپے پلنگ پر پر پڑی ہے۔ لو لٹا نے اندر سے چٹختی لگائی اور سچا ریتا کے پاس بیٹھ کر اپنی انگلیاں اس کے بالوں میں پھیرنے لگی۔ مکتوڑی دریدہ بن جب سچا ریتا کی طبیعت ذرا کٹھری تو لو لٹا نے خاموشی سے اس کے ہاتھ اس کے چہرے سے ہٹا دئے اور جب اس کا چہرہ پوری طرح نظر آنے لگا تو اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولی ”دریدی، کبھی ہم لوگ یہاں سے چل دیں کلکتے۔ آج رات ہم کسی مجسٹریٹ کے یہاں نہیں جا سکتے۔“

سچا ریتا نے دیر تک کچھ جواب نہ دیا۔ لیکن لو لٹا نے کئی بار اپنی تجویز اس کے سامنے رکھی تب وہ بستر ہراٹھ کر بیٹھ گئی اور کہنے لگی ”لیکن ہم لوگ ایسا کیسے کر سکتے ہیں بی بی“ میں تو آنا ہی نہیں چاہتی تھی۔ مگر بابو جی نے مجھے بھیجا تو اب جب تک اُن کا حکم پورا نہ کروں یہاں سے کیسے ہٹوں؟“

لیکن یہاں جو کچھ ہوا ہے وہ سب بابو جی کو کہاں معلوم“ لو لٹا نے بحث شروع کر دی ”اگر ان کو معلوم ہو جائے تو کبھی ہم لوگوں سے یہاں ٹھہرنے کو نہیں کہیں۔“

”بھئی اس کا یقین کیسے ہو سکتا ہے بی بی؟ سچا ریتا نے سٹھکی ہوئی آواز میں کہا۔

”لیکن مجھے یہ بتاؤ دیدی کہ کیا تم سچ سچ اپنا پارٹ ادا کر سکو گی؟ اس مجسٹریٹ کے یہاں تم سے کس دل سے جایا جائے گا؟ پھر سچ بن کر اسٹیج پر کھڑا ہونا اور شہر سنانا۔ میں تو اگر اپنی زبان کاٹ کر خون خون کر دوں تب بھی اس میں سے ایک لفٹاؤ نہ نکلے۔“

”بس جانتی ہوں بی بی“ لیکن انسان کو جہنم کی سی اذیت بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ اب ہم اس مرحلے سے بچ نہیں سکتے! کیا تم سمجھتی ہو کہ میں آج کے دن کو کبھی بھی بھول سکوں گی؟“

لو لٹا کو سچا ریتا کے اس دلوں پر بھی غصہ آیا، بھنائی ہوئی اپنی ماں کے پاس پہنچی

گنجائش نہیں رہ گئی۔۔۔ ایک منٹ کو نبوتے کو خیال ہوا کہ شاید وہ اسے لینے آئی ہے، پھر یاد آیا کہ لولتانے آج رات مجسٹریٹ کے یہاں جا کر ڈرامہ کرنے کی سخت مخالفت کی تھی۔

لولتانے بس کسی نہ کسی طرح اسٹیمر پکڑ ہی لیا، ملاح لنگر اٹھا چکے تو نبوتے جلد ہی اس سے ملنے نیچے اُترا۔ گھبرایا، بوکھلایا ہوا !

”چلئے اوپر والے عرشے پر چلتے ہیں“ لولتانے کہا۔

”لیکن اسٹیمر تو بس اب چلنے ہی والا ہے“ نبوتے نے پریشان ہو کے کہا۔

”معلوم ہے“ لولتانے جواب دیا۔ اور نبوتے کا انتظار کئے بغیر اوپر والے عرشے کی سیڑھیوں پر چڑھنے لگی۔

اسٹیمر نے زور سے بھونپو دیا اور روانہ ہو گیا !

نبوتے نے لولتا کے لئے عرشے پر ایک کرسی لا کے رکھی اور خاموش سوالیہ انداز سے اس کی طرف دیکھا۔

”میں کلکتہ جا رہی ہوں کیونکہ میں نے محسوس کیا کہ میرے لئے یہاں کھڑنا ناممکن تھا۔“ لولتانے اسے بتایا۔

”اور لوگ کیا کہتے ہیں؟“

”ابھی تک تو کسی کو کچھ نہیں معلوم ہیں نے ایک پرچہ چھوڑ دیا ہے جب پڑھیں گے تو آپ ہی پتہ چل جائے گا۔“

لولتا کی اس خود ارادیت کے اظہار پر نبوتے سست رہ گیا۔ رُک کر بولا ”مگر۔۔۔۔۔“ لولتانے اس کی بات کاٹ دی ”اب جبکہ اسٹیمر روانہ ہو گیا ہے تو پھر اگر مگر سے کیا فائدہ؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر میں کیوں کسی بات پر احتجاج نہ کروں، صرف اس وجہ سے کہ میں لڑکی ہوں۔ ہم عورتوں کے لئے

بھی تو یہ الفاظ ممکن اور ناممکن، صحیح اور غلط — کچھ معنی رکھتے ہیں۔ میرے لئے تو اُن کے ڈرامے میں اس وقت کام کرنے سے کہیں زیادہ آسان یہ تھا کہ میں خودکشی کر لیتی۔“

نبوتے کی سمجھ میں آگیا کہ اب تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا، اور اب یہ سوچنے سے کوئی فائدہ نہیں کہ جو ہوا وہ اچھا ہوا یا بُرا ہوا۔ کچھ دیر چپ رہ کر لو لٹانے پھر کہنا شروع کیا ”میں نے آپ کے دوست گورموہن بابو کے ساتھ بڑی ہی بے انصافی کی۔ نہ جانے کیوں جب سے میں نے پہلی بار اُن کو دیکھا اور اُن کی باتیں سنی کئیں تو میرا دماغ اُن کے خلاف ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ وہ اتنی جوش سے بات کرتے تھے اور آپ سب اتنی مسکینی سے ان کی ہاں میں ہاں ملائے تھے کہ مجھے غصہ آنے لگتا تھا۔ مجھ پر زبردستی کسی کی نہیں چل سکتی چاہے بات میں ہو۔ چاہے عمل میں ہو لیکن اب تو مجھے نظر آتا ہے کہ گورموہن بابو اپنے آپ پر بھی اور دوسروں پر بھی کس طرح چھا جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اسے کہتے ہیں سچا زور۔ میں نے تو ان جیسا کوئی اور دیکھا ہی نہیں۔۔۔۔۔“

لو لٹا اسی طرح باتیں کرتی رہی! صرف یہی نہیں تھا کہ وہ اُس رویہ کی تلافی کرنا چاہتی تھی جو اس نے اب تک گورموہن بابو کی طرف ظاہر کیا تھا بلکہ اس لئے بھی وہ بات کر رہی تھی کہ جو کچھ اس نے کیا تھا اس پر کسی قسم کی ندامت یا پشیمانی کا احساس اس کے ضمیر سے پیدا نہ ہونے پائے۔ وہ اس بات کو پوری طرح نہیں سمجھ رہی تھی کہ ایسٹمر پر نبوتے کا اس کے ساتھ کیلا ہونا کیا عجیب لگے گا۔ لیکن یہ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ شرم کا جتنا بھی اظہار کیا جائے وہ معاملے کو اتنا ہی شرمناک بن دیتا ہے لہذا وہ بولے گئی، بولے گئی۔

نبوتے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کہے۔ ایک طرف تو وہ اُس ذات اور ذہیت

کے متعلق سوچ رہا تھا جو مجسٹریٹ کے یہاں وہ ڈرامہ کرنے کے لئے پہنچتا، اور ان سب پر یہ نئی آفت کہ لوٹا نے اسی ایسٹمر سے سفر کر کے اس کی پولیشن اور بھی گڑبڑ کر دی۔ سب بلا جلا کر اس کے لبوں پر چہر لگ گئی تھی !

بچھلا زمانہ ہوتا تو لوٹا کی اس حماقت پر وہ ضرور اُسے بُرا بھلا کہتا لیکن آج اس کے دل پر یہ خیالات نہیں پیدا ہو سکتے تھے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اگر ایک طرف وہ اس کے اس طرح نکل بھاگنے پر حیرن رہ گیا تھا تو دوسری طرف اس کی ہمت کے لئے دل میں اعتراف کا جذبہ بھی تھا۔ اس خیال سے بھی خوش ہو رہی تھی کہ پورے گروہ میں دو ہی جری تھے جنہوں نے گورا کی اس حقیر پر کسی شدید جذبے اور کسی بہادرانہ عمل کا مظاہرہ کیا تھا۔ — لوٹا اور وہ خور !

یقیناً اس باغیانہ حرکت کے عوض دونوں میں سے نبوئے کو کوئی خاص خمیازہ نہیں بھگتنا پڑے گا۔ مگر لوٹا کو تو ابھی بہت دنوں اس کے تلخ بچپن کو چکھنا ہونا۔ کیسی عجیب بات تھی کہ اسی لوٹا کو نبوئے ہمیشہ گورا کا مخالف سمجھتا رہا تھا !۔ وہ جتنا ہی سوچتا اتنا ہی اس کے دل میں یہ لوٹا کے لئے عظمت اس لئے بڑھتی جاتی کہ اس نے بلالضانی کو برداشت نہیں کیا، جس بات کو سچ سمجھا اسی پر قائم رہی، مصلحت کے حکم کی اس نے کوئی پروا نہیں کی۔ — یہ سب جذبات اس طرح اس کے ذہن میں گڑبڑ ہو رہے تھے کہ اس کا دل قابو میں نہیں تھا ! —

وہ محسوس کر رہا تھا کہ لوٹا نے جو اس کو بزدل سمجھا تھا، یہ سمجھا تھا کہ اس میں ہمت نہیں کہ جس بات کو کھٹیا سمجھے اس پر قائم رہے تو یہ خیال اس کا کھٹیک ہی تھا۔ وہ تو کبھی اپنے خاندان والوں کی تعریف یا الاہنوں کو اس ہمت کے ساتھ بالائے طاق نہ رکھ پاتا، جس راستے کو وہ صحیح سمجھتا تھا اس کو قبول کرنے کے لئے۔ —

گورا کو نہ راض کرنے کے ڈر سے کتنی بار وہ اپنے آپ کو دھوکا دے چکا تھا، اس

خوف سے کہ گورا اسے کمزور نہ سمجھے اس نے کتنی بار ایسا کیا تھا اور پھر کس مزے سے اپنے آپ کو فریب دے لیا تھا کہ میرے کبھی وہی خیالات ہیں جو گورا کے ہیں !۔

اُسے پتہ چلا کہ بولتا نے اپنے آپ کو اس سے کتنا بالاتر ثابت کیا تھا جو اپنے آواز ذہن ہی کی بات مانی اس کے دل میں بولتا کی عظمت بڑھ گئی۔ بڑی طرح اس کا دل چھپنے لگا کہ بولتا سے معافی مانگے کہ اس نے اس کو کتنا غلط سمجھا تھا، دل ہی دل میں، بیستہ دنوں میں اس نے اس پر کتنے الزامات لگائے تھے۔ لیکن ان جذبات کو ظاہر کرنے کے لئے اُسے لفاظی نہیں مل رہے تھے !۔ بولتا کے اس حسین پہا درانہ اقدام میں آج بھروسے کو غور کا ایک بیادوپ دکھائی دے رہا تھا۔ اور ایسا معلوم ہو رہا تھا، جیسے آج اس نے اپنی زندگی کی منزل کو پا لیا :-

نیسوال باب

جیسے ہی یہ دونوں کلکتے پہنچے نبوتے لولتا کو لے کر پاریش بابو کے گھر آیا۔ ایسٹمر پر اس طرح سفر کرنے سے پیشتر نبوتے کو کچھ اندازہ نہیں تھا کہ لولتا کے لئے اس کے دل میں سچا مچ کس طرح کے جذبات ہیں اس سے اور لولتا سے جو جھگڑے ہوا کرتے تھے، وہی اس کے دل پر حاوی تھے۔ اور روزانہ جب ملاقات ہوتی تو سب سے بڑا سوال یہ ہوتا کہ اس لڑکوں کی سے کس طرح پُر امن تعلقات رکھے جائیں۔ سچا ریتا کا وجود نبوتے کی افق زندگی پر رہرہ کی طرح طلوع ہوا تھا۔ ————— نسائیت کی پاکیزہ دشمنیوں اور سے دکتا ہوا۔ — اور اس نے یہ محسوس کیا تھا کہ اس کی اپنی فطرت اس روشنی میں وسیع ہو کر مکمل ہو گئی تھی۔ اس قدر اس حیرتناک ظہور نے اس کو مسرت بخشی تھی! لیکن دوسرے ستارے بھی طلوع ہو گئے ادب اب تو اسے ٹھیک سے یاد بھی نہیں تھا کہ وہ پہلا ستارہ جو اس کے لئے کائنات کی چراغاں لے کر طلوع ہوا وہ کب افق کے پار ڈھل گیا! جس لمحہ باغی لولتا نے ایسٹمر پر قدم رکھا اسی وقت سے نبوتے نے سوچ لیا تھا کہ اب میں اور لولتا ایک دوسرے کے ساتھ ہیں، ایک دوسرے کے پہلو میں کھڑے ہو کر اب ہمیں پورے سماج کا مقابلہ کرنا ہے۔ اور اب وہ اس خیال کو دماغ سے کیسے نکال سکتا تھا کہ آزمائش کے اس موقع پر لولتا نے سب کا ساتھ چھوڑ کر اس کا ساتھ دیا تھا۔ لولتا کے سامنے وجہ اور سبب جو بھی رہا ہو لیکن یہ بات تو صاف تھی کہ اب نبوتے اس کے لئے بہت سے دوستوں میں ایک کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ — وہ اس کے لئے ایک خاص ہستی تھا۔ بلکہ واحد ہستی! اس کے رشتہ دار اس سے دُور تھے

اور وہ قریب تھا، اور قربت کے اس احساس سے اس کے دل میں ایسی تھر تھری، ایسی کپکپاہٹ پیدا ہو رہی تھی جیسے بجلی بھرے بادلوں میں بار بار کوندالپکے! رات ہوئی تو لوٹا اپنے کیمن میں سونے چلی گئی، پر بنوئے کو نیند نہیں آئی۔۔۔۔۔ اس نے جوئے اتار دیتے اور بے پاؤں عرشے پر ادھر ادھر ٹھٹھنے لگا۔ اس سفر میں لوٹا کی حفاظت یا چوکیداری کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی لیکن قدرت نے آج ایک ایسی، نوکھی ذمہ داری بنوئے پر ڈال دی تھی جس کی اُسے کبھی امید بھی نہیں تھی، خیال بھی نہیں تھا۔ اور وہ اس سے حامل ہونے والی کسی بھی مسرت کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لئے خواہ مخواہ بھی وہ ٹھٹھل ٹھٹھل کر اس کی حفاظت کرتا رہا۔

رات کی تاریکی میں غضب کی گہرائی تھی۔ آسمان پر بادوں کا نام و نشان نہ تھا اور ستھری سطح پر تارے بھرے ہوئے تھے۔ کناروں پر لگے ہوئے سیاہ سیاہ پتروں کے جھنڈا پس میں گتھے ہوئے ایسے لگتے تھے جیسے آسمان کو لگانے کے لئے تھم کھڑے کئے گئے ہوں۔ نیچے چوڑے دریا کا نیل اور خاموش دھارا بہہ رہا تھا اور ان سب کے درمیان لوٹا غنڈ میں غافل سوئی ہوئی تھی۔ بات بس اتنی تھی کہ لوٹا نے آج رات اپنی نیند کے پرسکون سُن کی حفاظت بڑے بھر دے کے ساتھ بنوئے کے ہاتھ میں سوئپ دی تھی۔۔۔۔۔ اور کچھ نہیں! بنوئے نے بھر دے کو قبول کر لیا تھا جیسے وہ دُنیا کا سب سے انمول تحفہ ہو! اور اسی ذمہ داری کے ساتھ اس کی حفاظت کر رہا تھا۔۔۔۔۔

نہ ماں قریب تھی نہ باپ، نہ کوئی بدستہ دار۔۔۔۔۔ پھر کبھی لوٹا نے اپنا حسین جسم اس بستر کے حوالے کر دیا تھا اور کیا مزے سے سوئی ہوئی تھی جیسے کوئی فکر نہیں، کوئی خورج نہیں۔ اس کی نیند ایک اُخمہ تھی، اس کے ساتھ کا آنا چڑھاؤ جس کے ساتھ تال دے رہا تھا، سلیہ سے اندھنی بیڑی چوٹی کا ایک بال بے جگہ نہ تھا۔

دونوں حال جو نساہت کی نرمی اور شیرینی کے نمونے تھے کس اطمینان سے چادر پر رکھے ہوئے تھے۔ اس کے بیقرار ادھر ادھر پھدکنے والے تلوے اب آخر کار آرام کر رہے تھے جیسے کسی رسم کی ادائیگی پر بکبتی ہوئی موسیقی بالآخر رک جائے۔ اس کی یہ تصویر کتنی جویاں بار نبوتے کے تصور میں ابھرتی تھی۔ !

صدف میں پڑے ہوئے موتی کی طرح لولتا کو بھی اس خاموش اندھیرے نے چادروں طرت سے لپیٹ رکھا تھا، ستاروں بھرا آسمان اُسے اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے تھا اس رات نبوتے کے لئے لولتا کی یہ نیند اور اس کا یہ مکمل حُسن ہی سب کچھ تھا۔ اسے یکایک اپنے مرد ہوئے کا احساس ہو گیا تھا اور جاگی ہوئی اس مردانگی کی گہرائیوں سے فتح کی شہنائیاں گونج گونج کر بس یہی الفاظ کہتی تھیں — ”میں جاگ رہا ہوں“ میں جاگ رہا ہوں“ اسے اپنا وجود ایک دولہا کی طرح محسوس ہو رہا تھا۔ دولہا جو سو نہیں سکتا اور جس کی بے خوابی کائنات کا پہرہ دیا کرتی ہے۔ !

لیکن اس اندھیری رات میں جب کہ چاند غائب تھا اور آسمان ستاروں سے جڑا ہوا تھا ایک خیال درکتا جو بار بار نبوتے کے دل کا دروازہ کھٹکھٹا رہا تھا۔ ”آج رات گورا جیل میں ہے“ — اب تک نبوتے اپنے دوست کے ہر بچہ راحت کا شریک تھا۔ آج یہ پہلا موقع تھا کہ بات مختلف تھی — وہ جانتا تھا کہ گورا جیسا آدمی جیل کی مشکلوں اور مصیبتوں کو کی خاطر میں لاتے گا۔ لیکن دکھ یہ تھا کہ نبوتے اپنے دوست کے ساتھ نہ تھا۔ اور اس میں کسی طرح سے شریک نہ ہو سکا تھا۔ ان کی زندگی کے دھارے اگ ہو گئے تھے — جب وہ پھر ملیں گے تو کیا یہ جدائی کی خلیج بھر سکے گی؟ — کیا اس کے آئندہ یہ معنی ہوں گے کہ ایسی غیر معمولی دوستی جو کبھی نہیں ٹوٹی تھی ٹوٹ جائے گی؟ —

رات گزرتی رہی، گزرتی رہی اور نبوتے کو بیک وقت ایسا معلوم ہوتا رہا کہ

اس نے سب کچھ پالیا ہے۔ اور بہت کچھ کھودیا ہے۔ جیسے وہ ایک نلکڑ پر اکھینچا ہے۔ جہاں سب کچھ مل گیا اور سب کچھ ٹٹ گیا۔ وہ دور اندھیرے میں دیکھتا رہا اور ٹہلتا رہا۔

جب گاڑی پاریش بابو کے دروازے پر پہنچی اور لو لٹا اُتری تو نبوتے نے دیکھا کہ وہ کانپ رہی تھی۔ اور یہ کہ اُسے اپنے آپ کو سنبھالنے میں کافی کوشش کرنی پڑ رہی تھی۔ واقعہ تو یہ تھا کہ اب تک وہ پوری طرح سمجھ نہیں پائی تھی کہ اس نے سناٹا کاکتسنا بڑا گناہ کیا ہے جو اس طرح کا خطرناک قدم اٹھایا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ پاریش بابو الفاظ میں تو کچھ نہیں کہیں گے، زبان سے اس کو نہیں ڈانٹیں گے لیکن یہی وجہ تھی وہ ان کی خاموشی کے خیال سے اور بھی خوف زدہ تھی۔

بنوئے چکر میں تھا، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس صورت میں سب سے بہتر طریقہ کار کیا ہوگا۔ اس نے یہ آزمانا چاہا کہ اگر وہ ساتھ رہے گا تو کیا لو لٹا کو اور زیادہ پریشانی تو نہ ہوگی؟ بہنا ہچکچاتے ہوئے بولا ”میرا خیال ہے یہ بہتر ہوگا کہ اب میں چلوں۔“

”نہیں نہیں۔۔۔۔۔۔ واہ۔۔۔۔۔۔ آپ کو رکنہ ہوگا۔ بابو جی سے تو ملنے

جائے“ لو لٹا نے جلدی سے جواب دیا۔ اس کے جواب میں جو التجا تھی وہ بنوئے کو اچھی لگی تو گویا صرف گھر پہنچا کر ہی بنوئے کا فرض ختم نہیں ہوا تھا۔ اس حادثہ کی وجہ سے تو اب اس کی اور لو لٹا کی زندگی میں ایک گہرا رشتہ پیدا ہو گیا تھا۔ اور اُسے یہ محسوس ہوا کہ اُسے پورے استقلال کے ساتھ لو لٹا کے پہلو میں کھڑا ہونا پڑے گا۔ اس خیال سے اس کا دل بھرا آیا کہ لو لٹا نے اس پر کتنی بھروسہ کیا تھا۔ جیسے اس نے سہارے کے لئے ہاتھ بڑھایا ہو۔ اگر پاریش بابو لو لٹا پر خفا ہوں گے کہ اس نے یہ جلد بازی کیوں کی، یہ قاعدے کے خلاف قدم کیوں اٹھایا تو پھر اُسے اپنے سر تمام

ذمہ داری یعنی ہوگی، تمام الزام لینا ہوگا۔ اور ڈھال بن کر لوٹا کو ہر دوار سے بچانا ہوگا۔ مگر لوٹا کے ذہن پر کیا گزر رہی تھی اس کا نبوئے کو پورا اندازہ ہی نہیں تھا وہ نبوئے کو اپنے بچاؤ کا ذریعہ بنانا ہی نہیں چاہتی تھی، اصل بات یہ تھی کہ اُسے چوری چھپے کوئی کام کرنے سے نفرت تھی، اور اب پارٹیش بابو کو پوری تفصیل کے ساتھ بتا دینا چاہتی تھی کہ اصل معاملہ کیا تھا۔ باپ کا جو کچھ بھی فیصلہ یہ اس کی پوری سختی یا نرمی کو وہ برداشت کرنے پر تیار تھی۔ صبح سے اس نبوئے پر غصہ آ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ یہ زیادتی ہے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ زیادتی کا احساس ہی اور غصہ دلا رہا تھا۔ ایسٹمر پر اس کی ذہنی کیفیت اثر کرتی تھی۔ بچپن سے اس کو بات بات پر غصہ آتا تھا اور اسی لئے اکثر اس سے صافیتیں ہوا کرتی تھیں، لیکن یہ اس طرح شکل بھاگن تو بہت بڑی بات تھی۔ نبوئے کے بھی اس چکر میں کھنس جانے سے معاملہ اور ٹیڑھا ہو گیا تھا، لیکن پھر اُسے ایک خفیہ مسرت کا احساس ہو رہا تھا جیسے شجر ممنوعہ کا پھل اس نے کھا لیا ہو۔

بیشک اس بات سے بڑی نازک صورت پیدا ہو گئی تھی کہ ایک نسبتاً اجنبی کے ذہن میں اس نے پناہ لی تھی، دونوں کے درمیان رشتہ داروں کی یا سماج کی کوئی آڑ نہ تھی پھر بھی نبوئے کی فطری شرافت نے پورے راقعہ پر پاکیزگی کی ایک چادر ڈھانپ دی تھی اور اس شرافت کا احساس لوٹا کو خوشی بخش رہا تھا۔ یہ تو وہ نبوئے معلوم ہی نہیں ہوتا تھا جو اس بے شکافی کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور سنسنی دہانگی اور مذاق میں شریک ہوا کرتا تھا، لوگوں تک سے جس کا مذاق ہوتا تھا۔ اس وقت وہ چاہتا تو بڑی نرمی سے اس کی حفاظت کرنے کا بہانہ کر کے اس پر حاوی ہو سکتا تھا۔ لیکن اُس نے فاصلہ قائم رکھا اور یہی دُوری اُسے لوٹا کے دل کے بالکل نزدیک سے آتی — اس رات لوٹا بھی اپنے کیبن میں جاگتی رہی اور یہی سب خیالات اس کے ذہن میں چکر کاٹتے رہے۔ بڑی دیر تک بستر پر کروٹیں ہلنے کے بعد اُسے محسوس ہوا تھا کہ

آخر کار رات گزر گئی ہے اور پو پھٹنے ہی والی ہے۔ اس نے آہستہ سے کیبن کا دروازہ کھولا
 کھانا اور باہر جھانکی تھی۔ رات ختم ہو رہی تھی لیکن ٹینم کی بھگی ہوئی اس کی تاریکی ابھی تک
 دریا کے کناروں سے گلے مل رہی تھی اور ان درختوں کو لپٹی ہوئی جوب دریا کھر طے
 تھے۔ ٹھنڈی ہوا چلنی شروع ہو گئی تھی اور پانی کی سطح کو جھکورے دے رہی تھی۔
 نیچے آنجن والے کمرے سے کچھ آہٹیں اسی آہٹیں جن سے صبح ہونے کا پتہ چلتا تھا
 لوٹا اپنے کیبن سے نکلی تھی اور آگے عرشے پر قدم بڑھایا ہی تھا کہ اس کی نظر
 بنوئے پر پڑی۔ وہ ڈیک کی کرسی پر شمال سپیٹے سو رہا تھا۔ لوٹا کو پتہ چلا کہ وہ رات
 پھر اس کی حفاظت کرتا رہا ہے۔ اور یہ سوچ کر اس کا دل دھڑکنے لگا۔ آہ
 وہ کتنا قریب تھا اور پھر بھی کتنا دُور!۔ کانپتے قدم اٹھاتی وہ فوراً کیبن کو لوٹ گئی
 اور دروازہ بند کر بیوئے کو تھکنے لگی۔ رات کی ان تاریک مناظر کے بچوں بچ وہ کس
 مزے سے سو رہا تھا! اس وقت بنوئے کا وجود لوٹا کو کہکشاں کی طرح معلوم ہوا جو رات
 بھر دنیا والوں کا پہرہ دیتی رہتی ہے۔!

وہ دیکھتی رہی۔ اور اس کا دل ایک ناقابل بیان شیرینی محسوس کرتا رہا، آنکھیں جھپک
 آئیں۔۔۔ ایسا معلوم ہوتا کہ اس کے بالو جی نے اُسے جس خدا کی پرستش کرنا سکھایا تھا
 سچ وہ خود آسمان سے اتر آیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے لوٹا کے سر پر برکتوں کی بارش
 کر دی تھی اور اس مبارک اور پاکیزہ لمحے میں، دریا کے بند بھرے کنارے، گھنے جنگلوں
 کے سبز زمی سے لپٹ کر سو گئے تھے، ابھرتی ہوئی روشنی اور رخصت ہوتی ہوئی تاریکی
 پہلی بار گلے ملیں اور کائنات کی تاروں بھری خواب گاہ میں کسی پوتر دنیا، کسی مقدس
 ساز کی جاندار موسیقی گونجنے لگی۔!

بنوئے نے نیند میں ہاتھ ہلایا۔ لوٹا جھٹ اپنے کیبن میں گھس گئی اور دروازہ
 بند کر کے بیٹ رہی۔ اس کے ہاتھ پاؤں ٹھنڈے ہوئے جارہے تھے، دل کی دھڑکن

کسی طرح قابو میں نہیں آ رہی تھی۔!

رفتہ رفتہ اندھیرا چھٹتا گیا، ایسٹمر بھی چلنے لگا۔!

لولتا مسند ہاتھ دھو تیار ہو کر باہر آئی اور عرشے کے جنگلے سے لگ کر کھڑی ہو گئی
ایسٹمر کی روانگی کی سیٹی سن کر نبوتے بھی جاگ پڑا اور پورب کو مسند اٹھائے صبح کی
گلابی کرنوں کا منتظر تھا۔

لولتا کو عرشے پر آتے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کہن میں جانے ہی والا تھا کہ
لولتا نے اسے سلام کیا اور بولی ”مجھے ڈر ہے کہ رات آپ سو نہیں سکے۔“
”نہیں رات کچھ اتنی بڑی تو نہیں گزری“ نبوتے نے جواب دیا۔ اس کے بعد
دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ نہیں کہا۔

صبح اٹھتی ہوئی سورج کی کرنیں دیبا کے کنارے لگے ہوئے بانس کی جھاڑیوں
پر پڑی ہوئی شبنم کو چمکا رہی تھیں؛ ان دونوں نے اسی صبح کبھی کا ہے کو دیکھی تھی۔ کس
سے پہلے روشنی نے نور سے ان کے دلوں کو اس طرح کا ہے کو چھو اٹھا، زندگی میں پہلی
بار، سچ، دونوں کو محسوس ہو رہا تھا کہ آسمان کوئی غلام نہیں بلکہ وہ جھانک جھانک کر
فطرت کی ہر نئی تخلیق کو بڑے شوق اور حیرانی سے تکتا رہتا ہے۔ دونوں کے دلوں
میں جذبات اس قدر بھر گئے تھے کہ وہ فطرت، درکائیات کے جذبات کی گونج محسوس کرنے
لگے۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ دونوں میں سے کس نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

ایسٹمر کلکتہ پہنچ گیا نبوتے نے ایک گاڑی کرائی پر لی، لولتا کو اندر بٹھا کر خود
کو جوان کے پاس بیٹھا۔ پھر یہ کون کہہ سکتا ہے کہ کلکتے کی گلیوں سے گزرتے وقت کیا
ہوا جو بولتا بالکل بدل گئی؟ اور اسے نبوتے پر غصہ آنے لگا۔ اس مصیبت کے وقت
پر نبوتے آخر ایسٹمر پر کیوں اس کے ساتھ تھا، اور اس کے اس معاملے کے ساتھ نبوتے
کو کیوں اتنا گہرا تعلق ہو گیا کہ اس وقت وہ اسے گھر لے کر جاتا رہا تھا۔ گویا وہ کوئی

ہیں کا گار جین ہے ! لولتا کے دماغ پر ان باتوں کا بڑا بوجھ تھا۔ اُسے یہ بات ناقابلِ برداشت معلوم ہو رہی تھی کہ حالات نے پلٹا کھایا کہ بنوے کو اس کا بزرگ بننے کا موقع مل گیا ایسا کیوں ہوا؟ اب روزانہ کی معمولی زندگی میں آکر پتہ چلا کہ کل جو موسیقی سُنائی دے رہی تھی وہ یکایک، ایک جھینٹا ہوا سُر نکال کر رک گئی !۔

اسی لئے جب بنوے نے اس کے گھر کے دروازے پر کہا کہ اب میں چلوں؟
تو لولتا کی جھنجھلاہٹ اور بھی بڑھ گئی !

آخر وہ کیا سمجھتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ بابو جی کے سامنے جاتے جھینپتی ہے؟
وہ صاف جتا دین چاہتی تھی کہ اُسے ذرا بھی شرم نہ لگے کہ وہ اپنے باپ سے وہ سب کچھ خیر دہی کہہ دے گی۔ اس لئے وہ نہیں چاہتی تھی کہ بنوے دروازے ہی سے کھسک لے جو وہ بالکل ہی مجرم سمجھی جائے !۔

وہ اپنا اور بندے کا رشتہ اتنا ہی صاف رکھنا چاہتی تھی جتنا کہ اس واقعے پہلے تھا۔ کل رات کی بچکی بہت اور خوش فہمی کو وہ دن دھاڑے قائم رکھ کر اپنے کو بنوے کی نظروں سے گرا نہیں سکتی تھی۔

اکتیسواں باب

ستیش نے جیسے ہی بنوئے اور لولتا کو دیکھا وہ دوڑا ہوا آیا اور دونوں کا ایک ایک ہاتھ پکڑ کر کہنے لگا ”سچا ریتا دیدی کہاں ہیں؟ کیا وہ نہیں آئی ہیں؟“

بنوئے نے جیب میں ہاتھ ڈالا، ادھر ادھر چاروں طرف دیکھا، ”سچا ریتا — ارے ہاں ٹھیک تو ہے — ارے تو یہ کھو گئیں۔“

ستیش نے بنوئے کو ایک دھکا دیا۔ ”جانتے کی۔ بیوقوف بناتے ہیں مجھے، بتاتے نا لولتا دیدی — کہاں ہیں دیدی؟“

”سچا ریتا۔ کل آئیں گی بھیا“ لولتا نے جواب دیا اور یہ کہہ کر پالش ہاؤس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ستیش نے دونوں کو کھینچنے کی کوشش کی اور بولا ”آئیے آئیے دیکھتے تو سہی کون آیا ہے۔“

پر لولتا نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا ”بھئی مت ہم لوگوں کو عاجز کر دیجئے بابو جی سے ملنا ہے۔“

”بابو جی تو کہیں باہر گئے ہیں اور دیر کو واپس آئیں گے۔“
یہ سن کر بنوئے اور لولتا دونوں کو ایسا محسوس ہوا کہ سانس لینے کی مہلت مل گئی۔

”کون آیا ہے؟ — کیا کہ تم نے؟“ لولتا نے پوچھا
”ہیں کیوں بتاؤں — بنوئے بابو آپ کو سشس کھینچے، شہید آب بوجھ جائیں پر آپ بوجھ نہیں پائیں گے مجھے یقین ہے کبھی نہیں بوجھ پائیں گے۔“

میں جانے لگیں۔ لیکن ستیش نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا۔ خالہ آپ کہاں جا رہی ہیں۔ یہہ تو میری بہن ہیں لولتا اور نبوتے بالو۔۔۔ سچ رہتا دیوی کل آئیں گی، اتنا تعارف بس کافی تھا، اور اس میں کوئی شک ہی نہیں تھا کہ ستیش صاحب اپنے دوست کا ایک مخصوص اور مفصل تذکرہ تو پہلے ہی کر چکے ہوں گے کیونکہ جب بھی کوئی ایسا موصوفہ چھڑتا جس میں اُن کو دلچسپی ہوتی تو وہ کچھ اکٹھا نہیں رکھتے تھے۔

لولتا خاموش حیران کھڑی تھی! اُن کی سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ ستیش کی یہ کونسی "خالہ" ہیں۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ نبوتے نے تعارف ہوتے ہی جھجک کر اُن کے پیروں کی دھول لی تو وہ بھی جھجک گئی۔

خالہ اندر سے ایک پٹری چٹائی لے آئیں اور بچھاتے ہوئے بولیں "آؤ بیٹھو بیٹا،۔۔۔ بیٹھو ماں" لولتا اور نبوتے کو بٹھا کر وہ خور بیٹھیں، ستیش اُن سے ہٹ کر بیٹھ گیا۔ اور اسے بازو میں گھیر کر وہ دین دونوں سے بولیں "تم لوگ تو مجھے نہیں جانتے ہو گے۔ میں ستیش کی خالہ ہوں، ستیش کی اماں میری بہن نہیں۔" اس تعارف میں تو کوئی ایسی بات نہ تھی مگر خالہ کے چہرے اور آواز کے لہجے سے پتہ چلتا تھا کہ ان کی زندگی آنسوؤں سے بھرپور ایک کہانی ہے۔

جب انہوں نے ستیش کو اپنے پہلو میں دبا کے کہا "میں ستیش کی خالہ ہوں" تو نبوتے کا دل بھر آیا۔ وہ بولا "مگر آپ صرف ستیش کی خالہ نہیں رہیں گی۔ اگر یہ اس طرح آپ پر قبضہ کئے رہے گا تو میرا اس کا جھگڑا ہو جائے گا، بس اتنا ہی کافی ہے کہ یہ مجھے دادا نہیں کہتا، نبوتے بالو کہتا ہے،۔۔۔ اور نبوتے سے میری خالہ بھی چھین لیں، یہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔"

نبوتے کو لوگوں کے دل میں گھر کرنے والا بھی دیر نہیں لگتی تھی۔ اور خالہ کے دل پر فوراً اس کا ذہن اور شیریں سخن نوجوان کا قبضہ ہو گیا۔

”ایز میری بہن کہاں ہیں بیٹے۔ یعنی تمہاری ماں؟“

”میری ماں تو بہت ساں ہوئے مجھے چھوڑ کر چلی گئیں پر میں یہاں کہہ سکتا کہ میرے ماں ہے ہی نہیں“ بنوئے نے جواب دیا اور آسنی مولیٰ اس کے لئے جو حیثیت رکھتی تھیں اس کا خیال کر کے بنوئے کی آنکھیں نمناک ہو گئیں۔!

پھر خال بھاگے اتنی زوروں میں بات چیت کرنے لگے کہ اگر کوئی دیکھتا تو کبھی نہ سمجھ پاتا کہ ابھی کی ملاقات ہے۔ ستیش کبھی کبھی اوٹ پٹانگ باتیں بیچ بیچ میں بول پڑتا لیکن لولتا بالکل خاموش تھی۔

طبیعتاً بھی لولتا ذرا الگ تنگ ہی رہتی تھی ورنستے ملاقاتیوں سے کھلتے کھلتے تو اسے کافی وقت لگتا تھا۔ پھر اس وقت اس کا ذہن بھی پریشان تھا۔ بنوئے کا اتنی جلد ان اجنبی خاتون سے گھل مل جانا اسے پسند نہیں آیا، دل ہی دل میں وہ اس پر بیکے پن کا الزام لگا رہی تھی اور سوچ رہی تھی کہ وہ جس شدید مرحلے میں کھنس گئی تھی وہ بنوئے کے لئے کوئی بات ہی نہیں تھی! ویسے گر بنوئے خاموش اور ادا اس ہو کر بیٹھتا تب بھی وہ کوئی خاص خوش تو ہوتی نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتا تو اس بات پر غصہ آتا کہ اصل بوجھ تو اس کا اور بابو جی کا ہے پھر بنوئے ایسا کیوں بن رہا ہے کہ گویا ساری ذمہ داری اسی پر آ پڑی۔!

واقعہ تو یہ ہے کہ جو چیز پھلی رات موسیقی کی طرح حسین اور دلکش لگ رہی تھی اب اس کے اعصاب کو جھنجھنا رہی تھی۔ اس لئے بنوئے چاہے جو کچھ بھی کرتا اسے پسند نہ آتا اور وہ معاملے کو سہارا نہیں سکتا تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا تھا کہ پریشانی کی جڑ کاٹنے کی بہترین صورت کیا ہو سکتی تھی۔ عورتوں کی توجہ دہنگی ہی جذبات ہے۔ پھر دل کے ہاتھوں وہ جس رستے چلیں عجیب عجیب رستے، تو یہ کیوں کہا جائے کہ وہ نہ یاد دہانی کر رہی ہیں۔ اگر محبت کو بنیادی طور پر یک ہی اور صحیح چیز مان لیں تو پھر دل کے احکامات کتنے بھولے

بٹھالے اور پیارے لگتے ہیں کہ عقل شرمندہ ہو کر سر جھکا لیتی ہے۔ لیکن اگر ان ہی بنیادوں میں کوئی جھپٹلش پڑ جائے کوئی کمی ہو جائے تو عقل ہاتھ ملتی رہ جاتی ہے اور اس کے بنائے کچھ نہیں بنتی۔ کس قدر بیکار ہے! ایسے موقع پر وجہ اور سبب دریافت کرنے کی کوشش کرنا۔ کیوں دل کھینچ گیا؟ کیوں ہرٹ گیا؟ کیوں مہنسی آئی، کیوں آنسو نکلے۔؟

دیہ ہوتی چلی جا رہی تھی اور پاریش بابو بھی تک نہیں لوٹے تھے۔ نبوتے کا سجدہ جی چادر ہاتھ کاٹھ کے گھر بھاگ جاتے لیکن اس خواہش کو دبانے کے لئے وہ برابر اپنی خامہ سے بات کہتے جا رہا تھا، ایک پل کو نہیں رُک رہا تھا۔

آخر کار لو لٹا اپنی جھنجھلاہٹ نہ روک سکی، اور ایک دم سے نبوتے کی بات کاٹ کر بولی ”بھئی آپ کس کا انتظار کر رہے ہیں اب۔ نہ جانے بابو جی کب آئیں گے بہتر ہو کہ آپ گورموہن بابو کی۔ں کے پاس جائیں۔“

نبوتے نے آنکھیں جھپکائیں! لو لٹا کے اس جھنجھلاہٹ سے ہوتے بچے کو وہ خوب پہچانتا تھا۔ اس نے بس ایک نظر لوٹ کر دیکھ اور اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے کسی رمان کا تانت لٹوٹ جائے۔ کھٹک تو ہے۔ آخر وہ کس کا منتظر تھا؟ اس کو یہ خوش نہیں تھی کہ اس موقع پر اس کی موجودگی ناگزیر تھی۔ بس بابو کو دروازے ہی سے چلا جانا چاہا تھا۔ لو لٹا نے کہا ابھی تو رکا۔ اور اب یہ سوال اس سے پوچھا اور وہ بھی اس انداز میں! نبوتے اتنی تیزی سے اٹھ کہ خود لو لٹا بھی چرنک پڑی! وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کے چہرے پر چھائی ہوئی مسکراہٹ یوں اڑ گئی جیسے جلتا ہوا چراغ بکلیک پھونک دے کے بجھا دیا جائے۔ اس نے نبوتے کو اتنا زخمی اور اتنا اس کو بھی نہیں دیکھا تھا! اس پر نظر ڈالی تو پشیمانی اور صدمے سے اسے خود ایسا محسوس ہوا جیسے دل پر کسی نے چابک داری! تیش اپنی جگہ اچھل کر نبوتے کے بازو میں بٹک گیا، اور اس کی ہنست کرنے لگا۔

”نبوتے بابو! — بیٹھے نا۔ ابھی مت جاتیے — خالہ آپ نبوتے بابو سے کہتے نا

کہ کھانے پر رُک جائیں۔ لولتا، بھتی تم نے نبوتے بابو سے کیوں کہا کہ جاتے۔
 ”نہیں ستیش بیٹے۔ اب آج نہیں رکیں گے۔“ نبوتے نے جواب دیا۔ ”اگر خالہ
 مہربانی کر کے مجھے یاد کریں تو پھر کسی دن آ کے تمہارے ساتھ کھانا کھاؤں گا۔ اب آج تو
 بہت دیر ہو گئی ہے۔“

اس کی آواز میں جو درد تھا وہ ستیش کی خالہ سے بھی چھپ نہ سکا اُن کا دل نبوتے
 کے لئے کھلنے لگا۔ مسکین انداز میں نبوتے اور لولتا کو باری باری سے تکیے لگیں، اُن کی
 سمجھ میں کچھ کچھ آرہا تھا کہ اس منظر کے پس منظر میں کوئی ڈرامہ کھیلنا چاہا ہے۔
 لولتا کوئی یہ نہ کر کے ہٹ گئی اور اپنے کمرے میں جا کے پھوٹ پھوٹ کے رونے
 لگی۔ جس طرح وہ پہلے بھی کہتی بار بار چکی تھی۔ !

بتیسواں باب

بنوئے یہاں سے نکل کر فوراً آئندہ موئی کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا، اُسے سخت
ذلت اور پشیمانی کا احساس اندر اندر رکھاتے جا رہا تھا۔ وہ یہاں کے پاس کیوں نہیں آیا؟
کیسا بیوقوف تھا وہ جو سمجھ بیٹھا کہ لوٹا کو اس کی ضرورت تھی! اُسے تو کھتے پہنچتے ہی
سب کام چھوڑ کر آئندہ موئی کے پاس بھاگنا چاہتے تھا۔ اچھا ہوا جو خدائے اس کے
کئے کی سزا دی! بھلا یہ کیا بات ہوئی کہ گورا کی ماں کا خیال اور بنوئے کے بچاتے
لوٹا کو آتے، لوٹا تو ان کو صرف گورا بابو کی ماں کی حیثیت سے جانتی تھی لیکن بنوئے
کے لئے تو وہ دنیا کی تمام مادرانہ محبت کا ایک نمونہ، ایک مثال تھیں۔

آئندہ موئی ابھی نہا کر اٹھی تھیں اور اکیلی اپنے کمرے میں بیٹھی کچھ سوچ رہی تھیں،
بنوئے ایک دم اندہ آکر ان کے پیروں سے لپٹ گیا "ماں۔"

"بنوئے" انہوں نے اس کے جھکے ہوئے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔
کیا وہ آواز تھی! دنیا میں کس کی آواز، کس کا لہجہ ماں کا سا ہو سکتا ہے! جس
طرح آئندہ موئی نے اس کا صرف نام لیا تھا، اس ہی انداز نے بنوئے کے دل پر مرہم
رکھ دیا، پورے وجود کو ایک سکون ایک تسکین بخش دی۔ اس نے کوشش کر کے
اپنے جذبات کو دبایا اور آہستہ سے بولا "ماں۔" مجھے آنے میں بہت دیر ہوئی۔

"میں سب کچھ سن چکی ہوں بنوئے۔" وہ مدھم لہجے میں بولیں۔ بنوئے
چونک پڑا "تو آپ تک سب کچھ خبر پہنچ گئی؟"

پھر یہ کھلا کہ گورا نے پولیس اسٹیشن سے ایک خط بھیجا تھا۔ دکیل کے ہاتھ

جس میں اس نے یہ امکان ظاہر کیا تھا کہ غالباً اُسے جیل جانا پڑے گا۔ خطا کے آخر میں لکھا تھا۔

”قید خانہ ہتھارے گورا کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا ماں؛ لیکن اگر تم ذرا بھی دیکھی ہو تیں تو پھر وہ اُسے برداشت نہیں کر سکے گا۔ ہتھارا غم میری سب سے بڑی اذیت ہو سکتا ہے۔ یہ مجھ پر ٹھہرے گا اور کیا سزا دے گا! لیکن ماں تم صرف اپنے بچے کے بارے میں مت سوچنا! یہاں جیل میں بہت سے مائی کے لال بغیر خطا بے قصور پڑے ہیں؛ میں اُن کے پہلوں میں کھڑا ہوں، اُن کی مصیبت کا شریک ہوں ہوں؛ کون جانتا ہے قسمت کو یہی منظور ہو کہ میری یہ صدار کی آرڈو — کہ میں اپنے سب سے غریب ہموطنوں کے ساتھ ہوں — اسی طرح اور اسی موقع پر پوری ہوتی ہو — تم بالکل پریشان نہ ہونا“

”مختص تو شاید یاد نہ ہو، پر قحط کے زمانے میں ایک بار ایسا ہوا تھا کہ میں اس کمرے میں جو گلی میں کھلتا ہے، میز پر اپنا بیٹو بٹوں گیا تھا چن۔ منٹ بعد واپس آیا تو بیٹو پتور کی ہوج چکا تھا۔ اس میں میرے وظیفے کے پچاس روپے جو میں نے ایک ایک کے جمع کئے تھے، تھامے پاؤں دھونے کے لئے ایک چاندی کی سلفی خریدنے کے واسطے۔ میں جو رہ کھول رہا تھا کہ خدا نے مجھے عقل سمجھائی اور میں نے اپنے آپ سے کہا لیکن یہ روپیہ تو میں نے ایک نخط زندہ انسان کو بخشا ہے؛ یہ سوچتے ہی وہ بیکار کا غصہ اور پچھتاوا ختم ہو گیا۔ میرے ذہن کو سکین مل گیا! اسی طرح آج بھی یہ سوچتا ہوں کہ میں اپنی مثنیٰ سے جیل جا رہا ہوں، مجھے کچھ پچھتاوا نہیں، کوئی غصہ نہیں، جیل کا سا یہ ہیں اپنے آپ قبول کیا ہے۔“ کھانا اور دوسرے انتظامات کی کھوڑی تکلیف ضرور ہے لیکن جب میں سنے ہیں سفر کیا تو ہر طرح کے لوگوں نے میری مہانداری کی ہر جگہ اور ہمیشہ مجھے وہ آرام نہیں نصیب ہوا جس کا میں عادی ہوں۔ لوگوں کے گھروں میں

آسائش تو کیسی ضرورتوں کے پورا ہونے کا بھی انتظام نہیں ہے۔ جب ہم اپنی مرضی سے کسی بات کو اپناتے ہیں تو پھر اس کی سختی اور تکلیف ہمارے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی؛ اس لئے آپ یقین مانئے کہ کسی نے دیر دتی مجھے قید میں نہیں دھکیلا ہے۔ میں خود وہاں جاتا ہوں اور اس لئے مطمئن ہوں۔

جب ہم اپنے گھروں میں آرام و زندگی بسر کرتے ہیں تو ہم اس حقیقت کی وار نہیں دے سکتے کہ کھلی ہوا اور روشنی پانے کی آزادی کتنی بڑی نعمت ہے۔ ہم ان بے شمار انسانوں کے متعلق سوچتے بھی نہیں، جو قصور یا بے قصوری کی حالت میں قید اور ذلت کھگتے ہیں اور خدا کی اس دمی ہوئی دولت سے محروم کر دئے جاتے ہیں۔ ہمیں ان سے کیا تعلق، ہم ان کی کیوں فکر کریں! میں بھی اب اپنے کلچے پر وہی واضح لگانا چاہتا ہوں، مانتے پر وہی کلنک کا ٹیکہ اپنا مقدر بنانا چاہتا ہوں، اب میں سفید پوشوں اور عزت داروں کی صف میں نہیں کھڑا ہو سکتا۔

”دنیا کے اس بحرِ بے کے بن میں نے زندگی کو بہت کچھ سمجھا ہے۔ ماں۔ جو لوگ حج بنے بیٹھے ہیں ان میں سے زیادہ تر کی حالت قابلِ رحم ہے۔ جو لوگ جیل خانوں میں پڑے ہیں وہ ان لوگوں کے گناہوں کی سزا بھگت رہے ہیں جو دوسروں کے متعلق فیصلہ کرتے ہیں اور اپنا جائزہ کبھی نہیں لیتے، جرم کی تشکیل میں شریک بہترے ہی ہوتے ہیں لیکن خیارہ کھگتے ہیں کچھ وہی بد بخت! جن کی دیواروں کے باہر یہ آرام اور عزت کی زندگی بسر کرنے والے کب اور کیسے اور کہاں اپنے گناہوں کی سزا پائیں گے۔ یہ کوئی نہیں کہہ سکتا۔

لیکن جہاں تک میرا سوال ہے میں ان کی جھوٹی عزت پر لعنت بھیجتا ہوں۔ انسان کی افتادگی ہی اب میرے سینے کی زینت ہے۔ میرے لئے دعا کرتا ماں اور دیکھو رونا نہیں، ساری زندگی شرمی کرنا سینے پر بھوگو کی سٹوکر کا نشان لئے

بھرے، اسی طرح غرور کے حملے بھگوان کے سینے پر گہرے — اور گہرے نشان بناتے رہے، اگر بھگوان نے اس نشان کو تحفہ سمجھ کر کلیجے سے لگایا تو پھر تمہیں میرا کیا غم۔ میرے لئے تم کیوں کڑھو اور کیوں پریشان ہو؟“

یہ خط پا کر آئنہ موئی نے موہم کو گورا سے ملنے کے لئے بھیجا جاتا تھا لیکن موہم رازدلو لے ”بھئی دلت بھی تو ہے — اور پھر صاحب مجھے تو کبھی چھٹی نہیں دینگے پھر انھوں نے گورا کی جلد بازی اور بیوقوفی پر برسنا شروع کر دیا۔“ دیکھ لیجئے گا اس کی بدولت ایک نہ ایک دن میری نوکری چھٹ کے رہے گی۔“

آئنہ موئی نے کرشن دیال جی کو تو خبر تک کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، کیونکہ جہاں تک شوہر کا تعلق تھا وہ گورا کے معاملے میں بھی حساس واقع ہوتی تھیں۔ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ انھوں نے گورا کو بیٹا کبھی نہیں سمجھا بلکہ وہ ایک طرح سے اس کے حریف تھے۔ گورا ان دونوں کے درمیان وندھیا چل پہاڑ کی طرح کھڑا تھا جس سے ان کی شادی شدہ زندگی ٹوٹ کر بٹ گئی تھی، دوسری طرف آئنہ موئی تھیں اور ان کا اچھوت بیٹا گورا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ دو ہستیاں جو گورا کی زندگی کے راز سے واقف تھیں، ایک دوسرے سے بالکل بچھڑ گئی تھیں!

اس طرح آئنہ موئی کو گورا سے جو محبت تھی وہ ان کا اپنا ہی خزانہ تھی، وہ ہر ممکن کوشش کرتی تھیں کہ اس خاندان میں جہاں گورا کا وجود بس برداشت کیا جاتا تھا وہاں اس کی زندگی کچھ آسان تر بن سکے۔ ان کی مستقل پریشانی یہ تھی کہ گھر میں کوئی انکی اٹھائے نہ کہہ سکے کہ آپ کے گورا کی وجہ سے یہ ہوا، آپ کے گورا کی بدولت ہمیں اتنی ذلت اٹھانی پڑی، آپ کے گورا کے کارن ہمیں نماں نقصان بھگتنا پڑا۔ وہ محسوس کرتی تھیں کہ گورا کے وجود کا سارا بوجھ اکیلے ان ہی کے کندھوں پر تھا۔ اور یہ بھی قسمت کا ایک چکر تھا کہ ان کے اس بیٹے گورا کی حرکتیں کوئی معمولی نہیں تھیں۔

بلکہ نہایت غیر معمولی! اسے بات بے بات ہر معاملے میں کھینچ جاتے، ہر بات پر اڑ جاتے۔
سے روکنا کوئی ہنسی کھیل نہیں تھا۔

ابھی تک وہ اس باب میں کافی کامیاب رہی تھیں کہ چاروں طرف مخالف فضا کے
باوجود انھوں نے اپنے دیوانے گورا کو پال پوس کر اتنا بڑا کر دیا تھا۔ رات دن وہ اس
کی چوکیداری دیتی تھیں، آنکھوں پر اس کی خیر منائی تھیں، اس خاندان میں سب کی
مخالفت انھوں نے مول لی تھی، سب کچھ دکھ برداشت کیا تھا اور کسی سے بھی ہمدردی
کی امید یا خواہش نہیں کی تھی۔

جب میہم نے اس طرح ان کو صاف جواب دے دیا تو وہ چپ چاپ اکیلی
کھڑکی کے سامنے بیٹھی تھیں، جو انھیں کرشن دیال آتے دکھائی دتے۔ وہ گنگا میں سیر
کا اشران کر کے لوٹ رہے تھے، گنگا کی مٹی ان کے ماتھے، بازوؤں اور سینے پر
مٹی ہوئی تھی اور وہ مقدس منتر بڑبڑاتے چلے رہے تھے۔ جب وہ اتنے پاک صاف
ہو کر لوٹتے تھے تو کوئی ان کے نزدیک نہیں بھٹک سکتا تھا۔ آندھ مونی بھی نہیں!
پرہیز، پرہیز! سوائے پرہیز کے اب کچھ نہیں!

ایک ٹھنڈی سانس بھر کے وہ کھڑکی کے پاس سے ہٹ گئیں اور میہم کے
کمرے میں گئیں۔ وہ زمین پر بیٹھے نہانے سے پہلے نوکر سے ٹیل ملوا رہے تھے اور
اخبار بھی پڑھتے جا رہے تھے۔ آندھ مونی ان سے بولیں ”میہم، تم کسی ایسے شخص
کا بندہ و بستہ کر دیتے جو میرے ساتھ چلتا، گورا سے ملنے جانا چاہتی ہوں۔ ایسا
معلوم ہوتا ہے اس نے جیل جانے کا راہ کر لیا ہے لیکن غالباً تم اسکی تواجہ ازت
دو گے کہ سزا ہونے سے پہلے میں ایک اس سے مل لوں۔“

میہم دادا اور پردہ پر چاہے جتنا بگڑتے لیکن واقعہ یہ ہے کہ محبت ان کو بھی
گورا سے کافی تھی۔ ”کمبخت پر خدا کی مار“ وہ چیخنے لگے ”جانے دو بیہودہ کو جیل میں۔“

حیرت ہے وہ اور پہلے کیوں نہیں جیل پہنچ گیا۔ لیکن بہت جلد ہی انھوں نے اپنے معتبر آدمی گھوشال بابو کو بلا دیا اور انھیں کچھ روپے دے کر قانونی چارہ جوئی کا انتظام کرنے بھیجا۔ خود بھی انھوں نے سوچا کہ اگر صاحب نے چھٹی دے دی اور گھر والی نے بھی کچھ نہ کہا تو وہ بھی پہنچ جائیں گی۔ آئندہ موتی جانتی تھیں کہ موہم اگر گورا سے ملے گا تو پھرے بغیر نہیں رہے گا۔ اور جب انھوں نے دیکھا کہ جو کچھ کیا جا سکتا تھا وہ وہ کر رہا ہے تو پھر آگے کچھ نہیں کہا۔ اس وقت تو سی خانہ بان کے کسی آدمی سے یہ اُتہ کرنا تو فضول ہی تھی کہ وہ ان کو جو گھر کی مالک تھیں، ساتھ لے کے جاتے۔ اور وہ بھی حوالات میں جہاں گورا بند تھا اور چاروں طرف گھیرنے اور فقرے کسنے والے مردوں کی بھیڑیں جمع ہوں گی اس لئے انھوں نے اپنی خواہش پر مزید اصرار نہیں کیا، ہونٹ کھینچے اور اپنے کمرے میں واپس آ گئیں، ان کی آنکھوں میں البتہ دل میں دبے ہوئے درد کی کالی کالی پرچھائیاں کانپ رہی تھیں۔ پھمیا زور زور سے رونے لگی تو انھوں نے بس کو ڈانٹ کر کمرے سے باہر نکال دیا۔ ان کی ہمیشہ کی عادت اپنی تمام پریشانیوں کو خاموشی کے ساتھ اپنے دل میں دفن کر دیتی تھیں، خوشی یا غم ان پر یکساں سکون طامی رہتا تھا۔ دل کی بے قراری کا حال صرف خدا جانتا تھا۔

بنوئے کے بس کی بات نہ تھی کہ آئندہ موتی کو کس طرح تسکین دے۔ دو چار لفظ کے بعد وہ بھی خاموش ہو گیا۔ واقعہ بھی یہی تھا کہ آئندہ موتی کی طبیعت کسی کے منہ سے نکلے ہوئے تسکین کے الفاظ کی محتاج نہ تھی۔ بلکہ جن پریشانیوں کا کوئی حل نظر نہ آتا ان کے تذکرے ہی سے وہ پرہیز کرتی تھیں۔ اسی لئے انھوں نے اس بات کا ذکر ہی نہیں کیا۔ بنوئے سے بولیں ”تم ابھی تک نہاتے بھی نہیں ہو، جاؤ جدی سے تیار ہو کر آؤ، کھانے میں دیر ہوتی ہے۔“

بنوئے نہادھو کر کھانا کھا لئے بیٹھا، تو اس کے پاس جگہ خالی دیکھ کر آئندہ موتی

کا دل گورا کے لئے تڑپ اٹھا اور جب انھیں خیال آیا کہ اس وقت اُن کے گورا کے سامنے جیل کا کھانا کھا گیا ہو گا جس میں ماں کے ہاتھوں کی مٹھاس کا نام بھی نہ ہو گا بلکہ جیل کے قاعدوں کی تلخی ہوگی تو وہ ضبط نہ کر سکیں، اور کوئی عذر کر کے کمرے سے باہر چلی گئیں۔

تینتیسواں باب

پاریش بابو گھر لوٹے اور لوٹا کو یوں غیر متوقع طور پر وہاں موجود پایا تو سمجھ گئے کہ ان کی یہ ضدی بیٹی اب کی بار ضرور کسی غیر معمولی مصیبت میں اپنے آپ کو پھنسا بیٹھی ہے ان کی سوالیہ نظروں کے جواب میں وہ بولی۔

”بابو جی — میں تو وہاں سے لوٹ آئی اب وہاں رہنا میرے لئے ممکن نہیں تھا۔ پاریش بابو نے سبب پوچھا کہ کیا ہوا تھا۔ تو اس نے بس اتنا اذکر کہا ”بس مجسٹریٹ نے گورموہن بابو کو جیل میں ڈال دیا“

گورا ان معاملات میں کیسے پھنسا یہ معتمد پاریش بابو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا مگر جب لوٹا نے تفصیل سے سب کچھ کہہ سنا یا تو وہ کھوڑی دیر کے لئے خیالات میں کھو کر بالکل خاموش ہو گئے۔ سب سے پہلی پریشانی انھیں گورا کی ماں کے متعلق ہوئی، اور وہ سوچنے لگے کہ مجسٹریٹ کے لئے یہ کیسی آسان بات تھی کہ گورا کو معمولی چوروں کی طرح سزا دے کہ جیل میں بھر دے۔ کیونکہ انصاف سے لاپرواہی برتنا اس کی عادت تھی!

دنیا میں جتنے مظالم ہیں ان میں سے وہی سب سے زیادہ شدید ہیں جو انسان انسان پر کرتا ہے۔ سوسائٹی اور حکومت کی ملی بھگت اس زیادتی کے پردے میں ہوتی ہے! گورا کے قید ہونے کی پوری کہانی رد سنتے رہے اور ساری تصویر ان کے ذہن پر واضح ہوتی گئی۔

پاریش بابو کو خاموش دیکھ کر لوٹا نے بڑے اشتیاق سے پوچھا ”کیوں بابو جی۔ یہ انصاف بڑی زیادتی ہے نہ، بڑا ظلم ہے نہ؟“

انہوں نے حسب دستور پرسکون انداز میں جواب دیا "بیٹی! ہم لوگ یہ تو نہیں جانتے کہ گورائے خود کتنا آگے قدم بڑھایا تھا، لیکن یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اگر وہ اپنے اصولوں کے جوش میں قانونی اختیارات سے آگے بھی نکل گیا تھا پھر بھی اس سے وہ حرکت سرزد نہیں ہوتی ہوگی جسے انگریزی زبان میں مجرم کہتے ہیں! لیکن کیا کیا جاتے بیٹی ابھی ہمارے زمانے کا انصاف عقل کی مکمل سطح پر پہنچا ہی نہیں ہے معمولی لغزش کی بھی وہی سزا ہے جو بڑے مجرم کی، دونوں کو ایک ہی جیل میں چکی پیسنی پڑتی ہے۔ اس کا الزام کسی ایک آدمی پر نہیں لگایا جاسکتا۔ سبھی کے گناہ اس ظلم کے ذمہ دار ہیں۔"

پھر یکایک وہ موضوع بدل کر بولے "تم کس کے ساتھ آئی ہو؟" نولتا ذرا تن گئی اور معمول سے زیادہ اطمینان سے بولی "بنو نے بابو کے ساتھ۔" ویسے یہ اطمینان اور قوت ارادی ظاہر کرنے کے باوجود اس کے جواب میں کمزوری کا پرتو تھا۔ وہ سادگی کے ساتھ فطری طور پر یہ بات نہیں کہہ سکی اور کہتے کہتے بھی اس کا چہرہ لال ہو گیا جس سے گھبراہٹ اور بڑھ گئی!

پاریش بابو اپنی اس دیوانی اور نافرمان مڑکی کو اپنی باقی بچوں سے زیادہ چاہتے تھے۔ بچائی کے لئے وہ کسی سے ڈرتی نہیں تھی۔ دراکٹر خاندان میں بڑی بیٹی تھی لیکن پاریش بابو کے دل میں اس کے اس رجحان کی قدر تھی۔ اس سے غلطیاں بھی ہوتی تھیں اور پاریش بابو اچھی طرح سمجھتے تھے کہ ان ہی غلطیوں کی وجہ سے اس کی طبیعت کی خرابی لوگوں کو دکھائی نہیں دیتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اکثر اس صفت کو اپنے دامن میں پناہ دیتے تھے کہ ظاہری بغاوت اور ضد کے کچلنے میں کہیں فطری شرافت نہ کچل جائے!

ان کی دوسری بیٹیوں کے تین نقش بھی اچھے تھے رنگ بھی صاف تھا اسی لئے سب جلد ہی ان کو قبول صورت تسلیم کر لیتے تھے۔ مگر نولتا کا رنگ بھی ڈھکتا ہوا تھا اور صورت بھی کچھ ایسی تھی جس پر اختلاف رائے تھا؟ اسی بنا پر بروداد دیوی اکثر اپنے شوہر

سے گفتگو کرتی تھیں کہ اس کے لئے موزوں دولہا کیوں کر تلاش کیا جائے گا، لیکن پارلش بابو کو لولتا کے چہرے میں جو حسن نظر آتا تھا وہ رنگ یا نقشے کا نہیں تھا، بلکہ وہ روحانی کیفیت تھی۔ جو صرف بے عیب صورت کی شگفتگی میں نہیں بلکہ تربت ارادی کی مضبوطی اور آزاد طبیعت کی روشنی ظاہر کرتی ہے۔ یہ وہ صفت تھیں کثرت سے لوگ نہیں سمجھ سکتے ہیں لیکن جو مخصوص چند لوگوں کے لئے بڑی کشش رکھتی ہے۔

پارلش بابو جانتے تھے کہ لولتا عام طور پر محبوب کبھی نہیں ہو سکے گی۔ لیکن خاص طور پر مخلص ہمیشہ رہے گی۔ اس لئے انھوں نے بڑے درد کے ساتھ اسے اکیلے اپنے سینے سے لگا رکھا تھا۔ اس کی غلطیوں کو معاف کر دیا کرتے تھے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اور لوگ نہیں معاف کریں گے۔ جیسے ہی لولتا نے ان کو بتایا کہ وہ نبوت کے ساتھ آتی ہے بس ایک پل میں انھوں نے تصور کر لیا کہ اب کئی دن تک لولتا کو کیا پریشانی اٹھانی پڑے گی۔ کہ سوسائٹی اس کی اس معمولی سی غلطی پر ایسی سزا دے گی جو اس سے بہت زیادہ سنگین جرم پر ملنی چاہئے۔

وہ بھی سوچ رہے تھے کہ لولتا نے اپنی بات پھر کہنی شروع کی "بابو جی۔ میں جانتی ہوں کہ میں نے غلطی کی، لیکن اب ایک بات تو بالکل سہی سمجھ میں آگئی کہ مجسٹریٹ صاحب اور ہمارے ملک کے عوام میں ایسا رشتہ ہے۔ کہ ہمیں مجسٹریٹ صاحب کی میزبانی اور مہربانی سے کوئی عزت حاصل نہیں ہو سکتی۔ اور اس بات کو سمجھ لینے کے بعد آپ ہی بتائیے۔ مجھے اُن کی مہربانی کھگتے کے لئے وہاں ٹھہرنا چاہئے تھا؟"

سوال ایسا تھا کہ پارلش بابو کے لئے بھی اس کا جواب دینا مشکل تھا۔ اس لئے انھوں نے جواب دینے کی کوشش ہی نہیں کی۔ اور اپنی بچی رٹ کی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرنے لگے۔

اسی دن شام کو پارلش بابو گھر کے باہر ادھر ادھر ٹھہر رہے تھے اور اس مدام پر

غور کر رہے تھے کہ نبوتے آیا اور جھٹک کر آداب کیا۔ پارٹش بابو اس سے گور کے قید ہونے اور ان کے نتائج وغیرہ پر گفتگو کرنے لگے لیکن لولتا جو نبوتے کے ساتھ اسٹیٹ پر آگئی تھی اس کا انھوں نے ذکر نہیں کیا۔ اندھیرا ہونے لگا تو وہ بولے ”آؤ۔۔۔ نبوتے اندر چلیں۔“

لیکن نبوتے اندر نہیں آیا اور جواب دیا ”اب مجھے گھر چلنا ہی چاہیے۔“ پارٹش بابو نے پھر اس سے اندر آنے کو نہیں کہا اور نبوتے اوپر والے برآمدے پر ایک اچھٹی سی نظر ڈال کر، آہستہ آہستہ روانہ ہو گیا۔

لولتا نے برآمدے سے نبوتے کو آتے دیکھ لیا تھا، اور جب پارٹش بابو اکیلے اندر آئے تو وہ بھی اندر سے یہ سوچ کر اتری کہ نبوتے بھی آئے گا۔ لیکن جب وہ نہیں آیا تو لولتا کا غمزدں، کتابوں میں کچھ ادھر ادھر کیا اور کمرے سے جا ہی رہی تھی کہ پارٹش بابو نے اسے بلایا ”لولتا۔۔۔ ادھر آ بیٹی، مجھے کوئی بھجن گا کر سنا۔“ اور پھر انھوں نے لیمپ کو اس طرح موڑ دیا کہ روشنی اس کے چہرے پر نہ پڑے۔ !

چونتیسواں باب

دوسرے دن برودا دیوی نے اپنی پوری پارٹی کے ساتھ وارد ہوئی! ہرن بابو
ولتا کے اس رویہ پر اس قدر بھڑکے ہوئے تھے کہ سیدھے گھر جانے کے بجائے وہ
پارٹیش بابو سے ملنے آگئے۔

برودا دیوی ولتا کے پاس سے گزر کر ایک لفظ کہے بغیر اندر چلی گئیں، وہ اتنی
خفا تھیں کہ انہوں نے آنکھ اٹھا کر بھی ولتا کو نہیں دیکھا، سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئیں!
لبونیا اور لیدا کو بھی ولتا سے سخت شکایت تھی، چلی بیٹھی تھیں۔ کیونکہ ہوئے اور
ولتا کے کل جانے کے بعد پروگرام کو اتنا کاٹنا پڑا تھا کہ انہیں سخت شرمندگی اٹھانی پڑی۔
جہاں تک سچا ریتا کا تعلق تھا وہ نہ ہرن بابو کے غصے میں شریک تھیں نہ برودا دیوی
کے رونے اور لیسور نے نہیں، نہ ہی اسے وہ ذلت کا احساس تھا جو لبونیا اور لیدا کو تھا
اس پر تو بس سرخ خاموشی طاری تھی اور مشین کی طرح اپنے فرائض کو پورا کرتے جا رہی
تھیں۔ آج بھی وہ سب کے کمرے میں داخل ہوئی جیسے کوئی خود سے چلتی رہنے والی مشین۔
سُہ صیر نے اپنا پارٹس بڑی طرح گورڈا تھا کہ وہ اُن سب کے ساتھ اندر
آتے ہوئے ہی ہچکچا رہا تھا، لبونیا نے اس سے بہت کچھ کہا اور پھر اُس کے نہ
رہنے پر غصے میں آکر قسم کھائی کہ اب اُس سے کوئی مطلب نہیں رکھے گی۔

ہرن بابو اندر آتے ہی زور سے بولے ”کتنی بڑی بات ہے“ اور فوراً پارٹیش
بابو کے کمرے میں گھس گئے۔ ولتا نے دوسرے کمرے میں سے اُن کی یہ بات سُن
لی تھی، وہ بھی لپک کے باپ کے کمرے میں پہنچی، دونوں ہاتھ اُس کرسی کے پشت پر

رکھے جس پر پاریش بابو بیٹھے تھے اور ہرن بابو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اُن کو گھورنے لگی۔

”جو کچھ ہوا وہ میں خود لو لٹا کی رہا بی سُن چکا ہوں، اور میں نہیں سمجھتا کہ اب اس پر مزید گفتگو یا بحث کرنے کی ضرورت ہے۔“

ہرن بابو کو پاریش بابو کا حسبِ دستور سکون صرف اُن کے کردار کی ایک کمزوری محسوس ہوتی۔ اس لئے وہ ذرا طنز کے ساتھ کہنے لگے ”جی ہاں ——— وہ جو کچھ ہوا وہ تو ضرور ختم ہو گیا مگر کیر کٹر کی خرابی جو یہ سب کچھ ہونے کی ذمہ دار ہے وہ ابھی موجود ہے اس لئے گفتگو اور بحث ضروری ہے۔ اگر آپ لو لٹا کا اس طرح بیجا لاڈ پیار نہ کرتے تو اس کی مجال تھی کہ یہ حرکت کرتی جو اُس نے کی۔!“

آپ جب اس شرمناک داستان کی تفصیل سنیں گے تب آپ کو پتہ چلے گا کہ آپ نے اپنے رویہ سے کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔“

پاریش بابو کو اس طوفان کے سارے آثار کا احساس ہو رہا تھا جو اُن کی کرسی کے پیچھے سے اُبلتا ہی چاہتا تھا، اس لئے انہوں نے بیٹی کی کمر میں ہاتھ ڈالا، اس کا ایک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مسکرائے، اور نرمی کے ساتھ بولے ”ہرن بابو۔ جب آپ کی باری اولاد پالنے کی آئے گی تب آپ کو معلوم ہو گا کہ بچوں کو پرورش کرنے کے لئے محنت بھی ضروری ہے۔“

ولٹا نے ایک بائہ باب کے گلے میں ڈال دی اور جھک کر اُن کے کان میں بولی ”بابو جی ——— نہانے کا پانی ٹھنڈا ہو رہا ہے، آپ نہا تو لیجئے۔“

”میں ابھی جاتا ہوں ایک منٹ میں“ پاریش بابو نے معنی خیز لہجے میں کہا اُن کی مراد ہرن بابو کی موجودگی سے تھی ”ابھی کوئی ایسی دیر تو نہیں ہوتی ہے۔“

”آپ فکر نہ کیجئے بابو جی۔ آپ نہانے جائیے۔ جب تک آپ نہاتیں گے ہم

لوگ ہنر بایو کی خاطر داری کریں گے۔“

جب پارٹش بایو کمرے سے باہر چلے گئے تو لولتا ان کی کرسی پر ڈٹ کر بیٹھ گئی۔ اچھی طرح جمنے کے بعد اس نے ہرن بایو سے آنکھیں چارہ کیں اور بولیں آپ سمجھتے ہیں کہ اس گھر میں آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ آپ جس کو جو چاہیے کہہ سکتے ہیں اور کوئی آپ کو کچھ نہیں کہے گا۔“ سچا ریتا لولتا کو خوب جانتی۔ اگر کوئی اور وقت ہوتا تو لولتا کے چہرے پر آتے جاتے رنگ دیکھ کر وہ گھبرا جاتی۔ لیکن اس وقت وہ چپ چاپ کھڑکی کے پاس بیٹھ گئی اور بڑے اطمینان سے گودیوں میں رکھی کھلی ہوئی کتاب پر نظریں جمادیں۔ وہ فطرتاً ہی ہمیشہ اپنے اوپر قابو رکھتی تھی اور گزشتہ دنوں میں جو اسے نشتر پر نشتر لگے تھے انہوں نے اور بھی خاموش کر دیا تھا۔ اب یہ خاموشی اتنی بڑھ گئی تھی کہ پھٹ پھٹنے والی تھی، اسی لئے لولتا نے جو اس طرح ہرن بایو کو چیلنج دیا تو وہ بے حد خوش ہوئی اسے اپنے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہوتا محسوس ہوا۔

لولتا کہے جا رہی تھی ”میں سمجھتی ہوں آپ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہم لوگوں کے سلسلے میں جو فرائض یا بوجھ پر عائد ہوتے ہیں ان کو آپ ان سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ یہ آخر آپ سارے برہمن سماج کے ہیڈ ماسٹر کیوں بن بیٹھے ہیں۔“

لولتا کی یہ ہمت کہ ان سے اس طرح بات کرے! ہرن بایو پر جیسے بجلی گڑبڑی کوئی زور دار جواب سوچ رہے تھے کہ لولتا نے ایک اور زنا ٹا دیا۔ بس ہم لوگ آپ کی یہ ڈینگیں بہت بھگت چکے ہیں آپ کو یہ بتا دینا چاہتی ہوں کہ اگر آپ نے بایو جی پر دھونس جانے کی کوشش کی تو اس گھر کا ایک فرزند بھی اس کو برداشت نہیں کرے گا۔ نوکر تک نہیں۔“

”لولتا“ ہرن بایو زور زور سے سانس لیتے ہوئے بولے ”واقعی یہ تو ہے۔“

لیکن لولتا نے ان کو اور آگے نہیں بڑھنے دیا ”مہربانی فرما کر میری بات سن لیجئے، ہم لوگوں کو تو آپ سے بہت کچھ مستنا پڑتا ہے، ایک بار آپ بھی ذرا میری سن لیجئے اور میری نہیں مستنا چاہتے تو سوچی دیدی سے پوچھتے۔ جتنا بڑا آپ اپنے کو سمجھتے ہیں، اس سے ہمارے بابو جی کہیں زیادہ عظیم ہیں۔ یہ ہم آپ کو بتا دیتا چاہتے ہیں اور اس سے آگے اگر آپ کو صلاح دینا ہے تو آئیے۔ فرمائیے۔“

ہرن بابو کا چہرہ تاؤ کے مارے کا لا پڑ گیا۔ کرسی سے اٹھنے ہوئے چنے ”سچا ریتا“۔۔۔۔۔ سچا ریتا نے کتاب پر سے نظریں اٹھائیں۔ چپ رہی!

”تم اپنے سامنے لولتا سے میری اتنی ہتک کروا رہی ہو۔؟“

”اس نے آپ کی ہتک کرنے کی کوشش نہیں کی ہے“ سچا ریتا نے دھیرے سے جواب دیا ”لولتا تو صرف یہ چاہتی ہے کہ آپ بابو جی کا مناسب احترام کریں اور بس۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ہم لوگ بابو جی سے زیادہ محترم کسی کو نہیں سمجھتے۔“

ایک منٹ تو ایسا لگا جیسے ہرن بابو فوراً کمرے سے نکل جائیں مگر وہ نہیں نکلے۔ نہایت سنجیدہ ہو کر پھر سے کرسی پر بیٹھ گئے جتنا ہی ان کو یہ احساس بڑھتا جا رہا تھا کہ وہ آہستہ آہستہ اس گھر کے ہر فرد کی نظر سے گرتے جا رہے ہیں اتنا ہی زیادہ بوکھلا بوکھلا کر وہ پیر جانے کی کوشش کر رہے تھے اور یہ بھول گئے تھے کہ کمزور سہارے پر اگر زیادہ شدت سے لٹکا جائے تو وہ جلد ٹوٹ جاتا ہے! ہرن بابو کو خاموش اور کھسیا ہوا دیکھ کر لولتا اٹھی سچا ریتا کے پاس جا بیٹھی اور اس طرح باتیں کرنے لگی جیسے کچھ خاص بات ہوئی ہی نہیں۔

اتنے میں ستیش دیڑا ہوا کمرے میں آیا اور سچا ریتا کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچنے لگا

”آؤ دیدی۔ آؤ تو چلو۔“

”اورد تو کہاں چلوں؟“ سچا ریتا نے پوچھا۔

”ارے آؤ تو یہی۔ میں نکھیں کچھ دکھاؤں گا۔ لو تا تم نے دیدی کو بتایا تو نہیں؟“

”نہیں“ لو تا نے وعدہ کر لیا تھا کہ نئی حالہ کاراد سچا ریتا کو نہیں بتائے گی اور

اس نے اپنا وعدہ پورا بھی کیا تھا۔

لیکن مہمان کو چھوڑے جانے کے خیال سے سچا ریتا بولی ”اچھا اچھا۔ جناب

کتر کتر صاحب، ذرا اٹھ کر آتی ہوں۔ بابو جی تو نہا کے اچائیں“ ستیش ٹھٹکنے لگا۔ ہرن

بابو سے کسی کو الگ کرنا ہو تو وہ کچھ اکٹھا نہیں رکھتا تھا۔ لیکن اُن سے ڈرنا بھی بہت تھا۔

اس لئے اُن کے سامنے ضرر بھی نہیں کر سکتا تھا۔ ہرن بابو نے ستیش میں کبھی کوئی

دلچسپی ظاہر نہیں کی تھی، سو۔ تے جب کبھی اس کو نصیحت کرنا ہوتا تھا۔ چنانچہ ستیش

وہیں بڑھا رہا اور انتظار کرتا رہا۔ جب پارٹیش بابو نہا کے آگئے وہ دونوں بہنوں کو

گھسیٹ لے گیا۔

اب ہرن بابو پھر لو لے ”وہ سچا ریتا سے میری منگنی کی رسم ادا ہونے کی جو بات

چیت تھی تو میں چاہتا ہوں کہ اب اس میں زیادہ دیر نہ ہو“ اگلے اتوار کو کر دیکھئے تو

اچھا ہے۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے، فیصلہ سچا ریتا کو کرنا ہے“ پارٹیش بابو نے کہا۔

”آپ تو اُن کی مرضی معلوم ہی کر چکے ہیں“ ہرن نے اصرار کیا ”اچھی بات ہے۔ پھر

جیسا تم لوگ چاہو۔“

پینتیسواں باب

بنوئے کا جی نہیں ہوتا تھا کہ بار بار پارٹیش بابو کے گھر جاتے اور اس کے اپنے کمرے میں اس قدر تنہائی تھی کہ دم گھٹا جاتا تھا۔ چنانچہ وہ دوسرے دن صبح تڑکے ہی آندھ موٹی کے پاس پہنچا اور بولا ”ماں۔ میں کچھ دن تمہارے پاس رہنا چاہتا ہوں۔“

اس کے دل میں یہ خیال بھی تھا کہ گورا کی غیر حاضری کی وجہ سے آندھ موٹی کو جو کچھ ڈکھ تھا اس کو بھی وہ کچھ بٹا سکے گا۔ آندھ موٹی سمجھ گئی، انھوں نے محبت سے اس کا کندھا تھپتھپایا مگر بولیں کچھ نہیں۔

سامان کھٹیک کٹاک کرنے کے فوراً بعد سے بنوئے نے بچوں کی طرح صندیں شروع کر دیں اور آندھ موٹی کو کھیل کھیل میں ستانے لگا کہ آپ تو میری کچھ خاطر ہی نہیں کر رہی ہیں۔ یہ سب وہ اس لئے کر رہا تھا کہ آندھ موٹی کی اور اپنی توجہ اس غم کی طرف سے ہٹا سکے جس میں دونوں ہی برابر کے شریک تھے۔!

دن تو کسی نہ کسی طرح کٹ ہی جاتا تھا لیکن شام ہوتے ہی اُدا سی بڑھنے لگتی اور بنوئے کسی طرح اپنی طبیعت پر قابو نہ رکھ سکتا تو پھر آندھ موٹی کا ہچکچاہٹا، وہ گھر سستی کے کام کا بج چھوڑ کر اس کے پاس، کمرے کے سامنے والے برآمدے میں جاتی، چٹائی بچھا کر اُس پر دونوں بیٹھتے اور پھر بنوئے اُن سے اُن کے بچپن کی کہانیاں سناتا۔ اُن کے مکے کے قصے، شادی سے پہلے کی باتیں جبکہ منیجر کی نوادی ہونے کی حیثیت سے وہ اپنے نانا کے اسکول میں سب طالب علموں کی ڈلاری تھیں۔ جب لوگ اُن بے باپ کی بچی پر محبت اور شفقت کی بھرمار کرتے رہتے تھے اور اُن کی

ماں اُن کے متعلق ہر وقت فکر مند رہا کرتی تھیں۔ !

”ماں“ بنوتے آخر میں کہتا ”میں تو سوچ ہی نہیں سکتا کہ آپ کبھی ہم لوگوں کی ماں کے علاوہ بھی کچھ تھیں، میں سمجھتا ہوں آپ کے نانا کے اسکول میں جو طالب علم تھے وہ بھی آپ کو ایک ننھی سی ماں ہی سمجھتے رہے ہوں گے۔ اور نانا کی پرورش بھی آپ ہی کرتی ہوں گی۔“

انگلے دن بنوتے، آئندہ موتی کی گود میں سر رکھے چٹائی پر لیٹا تھا اور کہتا جا رہا تھا ”ماں، کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ میں نے جو یہ سب کچھ علم کتابوں سے حاصل کیا ہے یہ بھگوان کو واپس دے دوں اور پھر تنہا سا بچہ بن کر آپ کی گود میں چھپ جاؤں۔ دُنیا میں بس صرف آپ میری ہوں، صرف آپ، دوسر کوئی نہیں۔“

بنوتے کے لہجے میں اتنی تھکن تھی اور اس کا دل اتنا بھرا ہوا محسوس معلوم ہوتا تھا کہ آئندہ موتی کو اس پر تجو ب بھی ہوا اور دکھ بھی۔ وہ بنوتے سے اور قریب بہ گئیں اور آہستہ آہستہ اس کا سر کھٹکے لگیں۔ کافی دیر چپ رہنے کے بعد وہ بیکانیک پولیس ”بیٹڑ“ پارلیش بابو کے یہاں تو سب خیریت ہے نہ؟“

اس اچانک سوال پر بنوتے گھبرا کر چونک پڑا اور سوچنے لگا کہ وہاں سے کچھ نہیں پھپھایا جاسکتا، یہ تو جیسے انسان کے دل میں جھانک کر دیکھ لیتی ہیں، پھر رک رک کے بولا ”جی ہاں، سب اچھی طرح ہیں“

”بھئی پارلیش بابو کی لڑکیوں سے ملنے کو میرا جی چاہتا ہے، شریعہ میں تو گورا کی رائے اُن کے متعلق اچھی نہیں تھی لیکن جس طرح سے اُن لوگوں نے گورا کو رام کیا ہے اُس سے تو یہی پتہ چلتا ہے کہ معمولی لوگ نہیں ہیں۔“

میری بھی اکثر یہ خواہش رہی ہے کہ میں اُن لوگوں سے آپ کو ملاتا مگر یہی ٹھہرا نہیں گورا کو اعتراض نہ ہو اس لئے کبھی یہ تجویز ہی پیش نہیں کی۔“

سب سے بڑی لڑکی کا نام کیا ہے؟ آئندہ موتی نے موضوع کو آگے بڑھایا۔
 اور اس طرح برابر سوال کئے جاتے رہے اور جواب ملتے رہے۔ مگر جب
 لوٹنا کا نام آیا تو نبوتے نے گول گول جواب دینے کی کوشش کی، آئندہ موتی اس
 کی اس کوشش پر دل ہی دل میں ہنسی مگر اس کا بیچھا نہیں چھوڑا، میں نے سنا ہے
 کہ ولتا بڑی ہوشیار لڑکی ہے، انھوں نے کہا۔
 ”آپ سے کس نے کہا؟“ نبوتے نے پوچھا
 ”کیوں؟ تم ہی نے تو کہا“

ایک زمانہ ایسا تھا جب نبوتے کو ولتا کے متعلق بات کرتے ہوئے کوئی
 ہچکچاہٹ نہیں ہوتی تھی، وہ بالکل بھول چکا تھا کہ اس دور میں جبکہ اس کے دل
 پر کوئی بوجھ نہیں تھا اس نے آئندہ موتی کو ولتا کی ذہانت کے قصے سنائے تھے۔
 آئندہ موتی ایک ہوشیار جہاز راں کی طرح تمام رستے کی مشکلات سے پہلو
 بچتی ہوئی موضوع کو اس خوبی سے آگے بڑھائے لے جا رہی تھی کہ نبوتے اور
 ولتا کی دوستی کی ایک بھی تفصیل ان سے چھپی نہ رہی۔ نبوتے نے یہاں تک بتا دیا
 کہ گورا کے یکایک گرفتار اور بند ہو جانے پر ولتا کس قدر پریشان ہو گئی تھی اور
 کس طرح وہ اس کے ساتھ اکیلی اسٹیمر پر چلی آئی، اندہ حب و داس طرح جوش سے
 باتیں کرنے لگا تو اس کی اداسی بالکل ختم ہو گئی۔ یہ کیسی خوش نصیبی تھی کہ وہ کسی سے
 تہی آزادی کے ساتھ ایک ایسی بہترین شخصیت کے بارے میں بات کر سکتا تھا۔
 آخر کار جب کھانا کھانے کی اطلاع آئی اور گفتگو روکنی پڑی تو نبوتے کو
 ایسا محسوس ہوا کہ وہ خواب سے جھرنک پڑا، جیسے اس کے دل میں جو کچھ کھادہ سب
 کچھ آئندہ موتی سے کہہ چکا تھا۔ وہ سب کچھ اس سادگی اور سہار دی سے سن رہی تھی
 کہ کچھ شرمائے یا گھبرائے کی ضرورت نہ تھی۔

ابھی تک بنوئے نے کبھی اپنی اس ماں سے کچھ نہیں چھپایا تھا، معمولی معمولی باتیں بھی وہ اُن سے آکر کہتا تھا لیکن پارلش بابو کے گھر والوں سے جب سے ملاقات ہوئی تھی، ایک سچکچا ہرٹ سی ذہن پر طاری ہو گئی تھی جو یقیناً اسکے لئے صحت مند نہیں تھی۔ اس وقت جو اس نے پھر بدستور سابق اپنی ساری پریشانیاں ماں کے ہمدرد کانوں میں ڈال دیں تو اُسے اپنا وجود بہت ہلکا محسوس ہونے لگا۔ یقیناً اگر وہ اس واقعہ کا بیان آئندہ موتی کے قدوں میں بیٹھ کر نہ کر سکتا تو اس تجربے میں کوئی خرابی ہوتی کوئی ایسی شرمناک بات ہوتی جو اس کے عشق پر دھبہ ہوتی۔

رات کو آئندہ موتی بار بار اس معاملے کے متعلق سوچتی رہیں۔ وہ غور کرتی رہیں کہ گورا کی زندگی کا سہ دن بدن زیادہ الجھتا جا رہا ہے مگر ممکن ہے کہ اس کا حل بھی پارلش بابو کے گھر سے حاصل ہو سکے۔ آخر میں وہ اس نتیجے پر پہنچیں کہ جو کچھ قسمت میں ہو گا وہ ہو کر رہے گا ہی، لیکن پارلش بابو کی لڑکیوں سے جان پہچان پیدا کر کے رہیں گی۔

چھتیسواں باب

موہم ایران کے گھر والے اپنی جگہ مطمئن بیٹھے تھے کہ بنوئے کے ساتھ شاشی کا بیاہ طے ہو گیا ہے، شاشی اب اپنی اس نئی شرم کی وجہ سے بنوئے کے سامنے نہیں آتی تھی۔ اور شاشی کی ماں لکشمی کو تو بنوئے نے شاذ ہی دیکھا تھا۔

یہ بات نہیں تھی کہ لکشمی دیری اُس سے شرماتی بلکہ اُن کی فطرت ہی ایسی تھی کہ اُن کی ہر بات چھپی چھپی ہوتی تھی اور شوہر کے علاوہ ان کی باقی تمام چیزوں میں ہمیشہ کنجی تالار رہتا تھا۔ شوہر بھی بیوی کی حکومت سے اتنے آزاد نہ کھتے جتنا وہ چاہتے تھے، ان کی جان پہچان کا دائرہ اور نقل و حرکت کی حدیں بیوی کی مرضی کے مطابق محدود رہتی تھیں، لکشمی دیوی اپنی مختصر دنیا کو سختی کے ساتھ اپنے دباؤ میں رکھتی تھیں، نہ اندر والے باہر نکل سکتے تھے نہ باہر والے اندر جھانک سکتے تھے۔ یہاں تک کہ گورا کا آنا بھی لکشمی کے یہاں کوئی خاص پسند نہیں کیا جاتا تھا۔

لکشمی دیوی کی اس سلطنت میں کوئی قانون یا قانون ساز مجلس یا کابینہ وغیرہ نہیں تھی، خود ہی وہ قانون بناتی تھیں اور خود ہی اس پر عمل درآمد کرتی تھیں، وہی عدالت خفیہ تھیں اور وہی عدالت عالیہ، باہر لوگ موہم بابو کو کافی زور دار آدمی سمجھتے تھے، لیکن لکشمی دیوی کے زیرِ نگیں اس زور کو ذرا بھی دخل نہیں تھا، معمولی معمولی باتوں میں بھی نہیں!

لکشمی دیوی نے پرزے کے پتھے سے بنوئے کو دیکھا، اپنا اندازہ اور حساب کتاب بٹھایا اور اس پر پتہ پید کی ہر لگا دی۔ موہم بابو نے بنوئے کو بچپن سے گورا

کے دوست کی حیثیت سے دیکھا ہی تھا اور لکشمی دیوی نے ہی دراصل نبوتے کے متعلق اس امکان کا اظہار کیا تھا کہ اس سے رشتہ قائم کیا جائے۔ اور انہوں نے نبوتے کی جو خوبیاں گنوائی تھیں ان میں سے ایک خاص خوبی یہ بھی تھی کہ نبوتے جہیز نہیں طلب کرے گا۔

اس وقت یہ صورت تھی کہ نبوتے گھر میں رہ رہا تھا مگر پھر بھی موہم دادا اس سے شادی کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ گورا نے جو اس طرح گرفتار ہو کے گر بڑھچا دی تھی۔

آخر جب اتوار آگیا تو لکشمی دیوی عاجز آ کر خود میدان میں اتر آئیں دوپہر کو انہوں نے موہم کو سوتے سے جگا بٹھا دیا اور پان کی ڈبیہ سمیت اس کمرے میں کھڑے دیا جہاں نبوتے بیٹھا ہوا آئندہ موتی کو ”بنگادرش“ کے پچھلے شمارے سے کچھ پڑھ کر سنا رہا تھا یہ رسالہ حال ہی میں بینکم چنرہ جی نے نکالنا شروع کیا تھا۔

موہن بابو نے نبوتے کو ایک پان پیش کیا، اور پھر فوراً ہی گورا کی غیر ذمہ دارانہ حماقت پر اظہار خیال کرنے لگے۔ پھر وہ گورا کی قید کے باقی دن گننے لگے تو ظاہر ہے ان کو یہ بتایا گیا کہ اکھن کا آدھا مہینہ ختم ہو چکا تھا، بس وہ فوراً مطلب کی بات پر آگئے۔

”دیکھو نبوتے! — یہ جو تم کہتے ہو کہ اکھن میں شادی نہیں ہو سکتی یہ سب بیکار بات ہے، میں تو یہی کہوں گا کہ اگر تم نے قدم قدم پر فائدہ دانی تار بخوں اور روایوں کا خیال کیا تو پھر تو کبھی بھی شادی نہ ہو سکے گی۔“

نبوتے کی گھبراہٹ دیکھ کر آئندہ موتی نے اس کی مدد کی بولیں ”بھئی اصل بات یہ ہے کہ نبوتے نے شاشی کو بچپن سے ایک ننھی بچی اور نہ بچی کی حیثیت سے دیکھا ہے، وہ اس سے شادی کرنے کا خیال نہیں کر سکتا۔ اکھن کی بات تو صرف ایک عذبتھی۔“

”تو پھر ان کو چاہئے تھا کہ شروع سے ہی صاف کہہ دیتے“ موہم بابو نے

جواب دیا۔

”ارے بھئی۔۔۔۔۔ اپنے ذہن کی حالت کو بھی سمجھنے میں کچھ وقت لگتا ہے آدمی کو“ آئندہ موٹی بولیں ”مگر تمہیں اتنی پریشانی کیا ہے موہم، بروں کی کوئی کمی تو یقیناً نہیں ہے، گورا کو آجانے دو، وہ بہت سے شادی کے لائق لڑکوں کو جانتا ہے۔ کہیں نہ کہیں ملے کراہی دے گا۔ گھبراہٹ کیا ہے۔“

”ہوں۔۔۔۔۔“ موہم بالو نے لمبا منہ بنایا۔۔۔۔۔ پھر ذرا دیر بعد بولے ”اگر آپ اس میں نخل اندازی نہ کرتیں ماں تو نبوتے تو کبھی کوئی اعتراض نہ کرتا“ نبوتے نے گھبرا کر احتجاج کرنا چاہا۔ لیکن آئندہ موٹی نے اس کو روک دیا۔ اور کہنے لگیں ”تم نے کوئی بہت غلط بات تو نہیں کی موہم۔ اس معاملے میں واقعی میں نے نبوتے کو کوئی بڑھوا نہیں دیا۔ یہ ابھی کم عمر ہے ہو سکتا ہے وقت کے وقت کسی خاص جذبے کے تحت اس رشتے کے لئے تیار ہو جاتا لیکن اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہ نکلتا“

اس طرح آئندہ موٹی نے موہم بالو کا تمام غصہ اپنے اُپر اڑھ کر نبوتے کو صحت بچا لیا۔ حالانکہ نبوتے کو اپنی کمزوری کے احساس سے کافی کوفت ہوتی رہی لیکن موہم بالو نے نبوتے کو اپنی مخالفت بیان کرنے کا موقع ہی نہیں دیا جو وہ کچھ بھی ادا کر سکتا، وہ ایک دم خاموش اُٹھے اور کمرے سے باہر چلے گئے جیسے کہتے ہوں ”ہاں اور کیا۔ سوئلی ماں کو کب اپنی ماں کا سادہ ہو سکتا ہے“ آئندہ موٹی اچھی طرح جانتی تھیں کہ موہم بالو ضرور ان پر یہ الزام لگائیں گے اور خاندان کے مشکلات کی اصل وجہ سماج کے نزدیک، سوئلی ماں کا وجود قرار دیا جاتے گا، لیکن وہ اپنے رویے کو کبھی اس خیال کے بدلنے کی عادی نہ تھیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ جس دن سے انھوں نے گورا کو اپنی آغوش میں لیا تھا، اس دن سے انھوں نے اپنے

آپ کو تمام رسموں روایتوں سے علیحدہ کر لیا تھا بلکہ ایک ایسا راستہ اختیار کیا تھا کہ سماج کے الزامات مسلسل اُن پر لگتے رہتے تھے۔

وہ دوسروں کے کہے کا کیا بُرا مانیتیں جبکہ ان کا خود اپنا ضمیر ہی اُن کو اس بات پر مسلسل ملامت کرتا رہتا تھا کہ انھوں نے سچی بات کو ابھی تک چھپا رکھا تھا۔ جب لوگ ان پر کرستان ہونے کا الزام لگاتے تو وہ گورا کو اپنے کلیجے سے لگا کر کہتیں ”ہاں سچ ہے۔۔۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ مجھے کرستان کہنا غلط نہیں“۔ اس طرح سے وہ آہستہ آہستہ اس بات کی عادی ہو گئیں کہ اپنے سماجی دائرے کا حکم پس پشت ڈال وہ صرف اپنے دل کی بات مانیں۔۔۔ اس لئے موہم بابو جی بھی الزام لگاتے چاہے زبان سے کہتے یا نہ کہتے، وہ ان کو اس راستے سے نہیں ہٹا سکتا تھا جس کو وہ صحیح سمجھتی تھیں۔

یہاں تک وہ بنوتے سے مخاطب ہوئیں ”بنو۔۔۔ تم ادھر بہت دنوں سے پارٹیش بابو کے یہاں نہیں گئے ہو نہ“۔

”جی۔۔۔ کئی دن۔۔۔ بہت دن تو اس کو نہیں کہا جاسکتا“

”بہر حال اس دن سے تو نہیں گئے ہو جب سے ایسٹر پر آتے ہو“ وہ بولیں

بیشک بہت دن تو نہیں ہوتے تھے لیکن بنوتے جانتا تھا کہ پارٹیش بابو کے

یہاں اس کا آنا جانا اس طرف اتنا بڑھ گیا تھا کہ آندریوئی کو وہ بہت کم نظر آتا

تھا۔۔۔ اس لحاظ سے یقیناً اس کے پاسے میں یہ کہا جاسکتا تھا کہ وہ بہت

دن سے پارٹیش بابو کے یہاں نہیں گیا تھا۔۔۔ وہ اپنی دھوٹی میں سے ایک

دھاگا نکال کر اسے ملنے لگا۔۔۔ چپ رہا۔

اسی وقت نوکرنے آکر اطلاع دی کہ کچھ بیبیاں ملنے آئی ہیں، بنوتے جلدی

سے اٹھ کھڑا ہوا کہ اس کی وجہ سے کوئی رکاوٹ نہ ہو لیکن ماں بیٹے ابھی یہ بات

ہی کر رہے تھے کہ کون ہو سکتی ہیں کہ سچا ریتا اور لو لٹا کرے میں داخل ہوتیں اور پھر ظاہر ہے کہ بنوئے کے لئے بھاگ نکلنا ناممکن تھا۔ اس لئے وہ وہیں رکا رہا لیکن بچہ بوکھلایا ہوا تھا اس لئے بالکل چپ چاپ رہا۔ لڑکیوں نے آئندہ موتی کے پاؤں کی دھول سر سے لگائی۔ لو لٹا نے بنوئے کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا لیکن سچا ریتا نے اس کی حرکت جھک کے پوچھا ”آپ کیسے ہیں بنوئے“ — پھر دونوں آئندہ موتی کی طرٹ مخاطب ہو گئیں اور اپنا تعارف کروایا ”ہم لوگ پاریش بابو کے یہاں سے آتے ہیں“

آئندہ موتی نے بڑی محبت سے ان دونوں کا استقبال کیا، اور تعارف پر احتجاج کرتے ہوئے بولیں ”بھلا تم لوگوں کو اپنا تعارف کرانے کی کیا ضرورت ہے بچہ — یہ تو ٹھیک ہے کہ میں کبھی تم لوگوں سے ملی نہیں ہوں مگر مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم لوگ میری ہی بیٹیاں ہو —“ بہت جلد لڑکیاں ان سے گھل مل کر باتیں کرنے لگیں۔ بنوئے چپ چاپ ذرا الگ تھلگ بیٹھا تھا، سچا ریتا نے اس کو باتوں میں شامل کرنے کے لئے کہا ”آپ کافی عرصے سے ہمارے یہاں نہیں آتے؟“

بنوئے نے لو لٹا کی طرٹ دیکھتے ہوئے سچا ریتا کو جواب دیا ”میں کسی خوش فہمی میں مبتلا ہو کر یہ نہیں چاہتا کہ اب میرے آنے سے جو خوشی ہوتی ہے وہ بالکل ہی ختم کر دی جاتے“

”یہ سمجھتی ہوں آپ یہ نہیں جانتے کہ محبت اور انس میں بہت سی خوش فہمیوں کی امید کی جاتی ہے“

”ارے یہ اور نہ جانے!“ آئندہ موتی ہنس کر بولیں۔ ”کیوں؟ میں تم کو اگر بتانے لگوں کہ کس طرح یہ دن بھر مجھے ایک ٹانگ پر بچاتا ہے تو بس! اس کے نخروں سے تو

مجھے ایک منٹ چین نہیں ملتا۔ اور اکھنوں نے پیار سے بنوئے کو دیکھا۔
 ”آپ کو جو خدا نے بے انتہا نخل بخشا اسے وہ میرے ذریعے آزماتا رہتا
 ہے۔“ بنوئے نے جواب دیا۔

سچا رہتا ہے شرارت سے لولتا کو کہنی ماری ”کچھ سن رہی ہو لولتا۔ اس کے
 یہ معنی ہیں کہ آزمائش ہماری بھی ہوتی مگر خدا جانے ہم لوگ پورے اترے کہ رہ گئے؟
 لولتا کو اس بات کا کوئی نوٹس نہ لیتے دیکھ کر آند موئی سنسنے لگیں ”فی الحال
 تو بیٹو اپنے صبر کی آزمائش کر رہا ہے۔ آپ لوگ نہیں جانتے کہ آپ اس کے لئے کتنے
 اہم ہیں! کیوں، شام کو تو یہ کسی پر بات ہی نہیں کرتا، پارلش بابو، کا تو نام لئے اسکی
 باچھیں کھل پڑتی ہیں۔ یہ کہتے وقت آند موئی کی نگاہیں لولتا پر تھیں، لولتا بے حد
 کیشش کر رہی تھی کہ جیسے ہے ویسی نظر آئے۔ لیکن بار بار وہ شرم سے گلابی
 ہو ہو جاتی تھی۔

”پارلش بابو کی طرف داری کرنے کے لئے اس نے کس کس سے لڑائیاں ہوں
 لیں۔ یہ آپ لوگوں کو کیا معلوم، اس کے سارے پرانے خیالات والے لوگ اس کو برہم
 کہہ کر پریشان کرتے ہیں۔ بعض نے تو برادری باہر کر دینے کی بھی دھمکی دی۔ تم
 اس بات کے فکر سے اتنا گھبراتے کیوں ہو بیٹا، یہ کوئی شرم کی بات نہیں ہے۔ کیوں
 تم کیا کہتی ہو۔؟“

اس بار لولتا نظریں اٹھائے ان کی بات سن رہی تھی لیکن جب آند موئی نے اس
 سے مخاطب ہو کر آخری فقرہ کہا تو اس نے سر جھکا لیا۔ سچا رہتا اس کی طرف سے بولی
 ”بنوئے بابو نے ہمیں اپنی دوستی کا شرف بخشا۔ یہ کوئی صرف ہماری خوبی تھی یہی
 ہے۔ یہ تو ان کے دل کی بڑائی ہے۔“

”نہیں۔۔۔ میں یہ نہیں مان سکتی۔ میں بنوئے کو بچپن سے جانتی ہوں اور

آج تک اس نے گورا کے علاوہ کسی سے دوستی نہیں کی۔ اپنے ہم عمروں میں بھی کسی سے اسکی بے تکلفی نہیں ہے، لیکن جب سے آپ لوگوں سے میل جول بڑھا تب سے یہ تو بالکل ہم لوگوں کی پکڑ میں نہیں آتا، میں تو اس بات پر آپ لوگوں سے لڑنے کو آمادہ تھی لیکن اب تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ خود میرا بھی وہی حال ہونے والا ہے، بھلا آپ لوگوں سے محبت کئے بغیر کون رہ سکتا ہے بی بی؟ یہ کہہ کر آئندہ موتی نے دونوں لڑکیوں کی کٹھوڑی میں ہاتھ دیا اور پھر اپنی انگلیاں چوم لیں، بنو سے اتنا گھبرا ہوا تھا کہ سچا ریتا کو اس پر ترس آگیا اور بولی ”بنو سے بابو، ہمارے ساتھ بابو جی بھی آئے ہیں، نیچے کرشن دیاں جی سے بات کر رہے ہیں“

اس بات پر بنو سے کو سو قہقہے مل گئے کہ عورتوں کو ایک دوسرے کے حوالے کر کے بھاگ نکلے۔ اس کے جانے کے بعد آئندہ موتی ذکر کرنے لگیں کہ بنو سے اور گور ہیں کتنی غیر معمولی دوستی تھی۔ ایران کو جلد ہی یہ اندازہ بھی ہو گیا کہ ان لڑکیوں کو اس موضوع سے دلچسپی ہے۔ آئندہ موتی کے لئے تو دنیا میں ان دونوں لڑکوں سے زیادہ پیارا کوئی نہ تھا جن کو بچپن سے انھوں نے مادرانہ محبت شفقت اور پیار مکمل طور پر بخشا تھا۔ سچ پوچھتے تو انھوں نے گورا اور بنو سے کو اپنے ہاتھوں سے ڈھالا تھا۔ جیسے شیو کی وہ مورتی جسے لڑکیاں اپنے ہاتھوں سے بناتی ہیں اور ان دونوں نے بھی آئندہ موتی کی محبت کو پوری طور پر اپنایا تھا۔

آئندہ موتی کے یہ دو صنم تھے۔ ایران کی اپنی زبان سے ان دونوں کی کہانی کچھ سی سی پیامی، کچھ ایسی شیریں لگتی تھی کہ سچا ریتا اور لولت سنے گئیں۔ اور ان کا دل نہیں بھرا۔ گورا اور بنو سے کے لئے ان کے دل میں عزت و احترام تو پہلے ہی سے موجود تھا لیکن ماں کی محبت کا یہ ساحرانہ انداز اس وقت ان دونوں شخصیتوں پر لڑکی کی ایک انوکھی پادشہ کر رہا تھا، دونوں ہستیاں ایک نئی روشنی میں ابھرتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

آنند موئی سے ملنے کے بعد لولتا کو مجسٹریٹ سے اور بھی نفرت ہو گئی اس پر اور بھی زیادہ طیش آیا۔ لیکن اس کو بڑا بھلا کہتے سن کر آنند موئی مسکرانے لگیں۔ "بی بی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ گورا کا قید خانہ میرے لئے کیا معنی رکھتا ہے۔ لیکن میں صاحب پر غصہ نہیں کر سکتی : میں گورا کو پانتی ہوں نہ۔ وہ جس بات کو صحیح سمجھتا ہے اس میں انسان کے بناتے ہوئے کسی قانون کے رکاوٹ ڈالنے کو برداشت نہیں کر سکتا گورا نے اپنا فرض ادا کیا۔ حاکم لوگ جو صحیح سمجھتے ہیں وہ بڑا ہے۔ اور اس کشمکش میں جس پر سختی گزر جائے ان کو صبر ہی کرنا پڑے گا۔ تم بس گورا کا خط پڑھ کر دیکھو۔ تو انہیں پتہ چلے گا کہ وہ تکلیف سے گوارا نہیں دے رہی وہ بچوں کی طرح کسی پر غصہ ہے۔ جو کچھ اس نے کیا ہے اس کے نتائج سے وہ پوری طرح باخبر ہے اسے اچھی طرح تول چکا ہے۔"

دراختوں نے گورا کا خط لکھ لیا۔ ایک مجلس میں رکھا ہوا تھا۔ سچا رہتا کو دیتے ہوئے بولیں "بی بی۔ تم سے زور سے پڑھو۔ میں بھی پھر ایک بار سننا چاہتی ہوں۔"

جب گورا کا خط پڑھا جا چکا تو تینوں کچھ دیر چپ چاپ بیٹھی رہیں، آنند موئی نے زور چار آنسو پونچھے۔ بڑھوت ماں کے دکھ سے پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ماں کے غم اور درد سے کبھی ! ان کا یہ گورا بھی کیا ہی گورا تھا ! کوئی بُجھا، کوئی گھٹیا، کوئی نیچا انسان نہیں کہ مجسٹریٹ سے معافی مانگ لیتا۔ رحم کی درخواست کرنے لگتا۔ اس نے کتنی بڑی ذمہ داری لے لی تھی : لاکھ جیل کی تکلیفوں کا اسے اچھی طرح علم تھا۔ اور اس بات کے لئے اسے کسی سے کوئی شکایت بھی نہ تھی : اور اگر وہ پلاک جھپکاتے بغیر اس دکھ کو برداشت کر سکتا تھا تو یقیناً اس کی ماں بھی برداشت کر سکتی تھی۔

ولتا آنند موئی کو دیکھتی رہی اور دل ہی دل میں اُن کی معرت ہوتی جاتی تھی !

برہو سماج خندان کی لڑکی ہونے کے نائنے اس کے دل میں کچھ مخصوص تقصبات سمجھتی
سے بیٹھے ہوتے تھے؛ پڑانے خیالات کی، توہمات اور کچھ رسومات میں جکڑی ہوئی عورتوں
کے لئے اس کے دل میں کوئی خاص عزت نہیں تھی۔ برداد دیوی کو جب کبھی اس پر
کوئی اعتراض کرنا ہوتا تھا تو ہمیشہ ہی کہتی تھیں کہ تم نے تو ایسی حرکت کی جسے جاہل
ہندو گھرانے کی لڑکیاں ہی کر سکتی ہیں؛ یہ بات وہ بچپن سے سنتی آتی تھی۔ اور
سن کر شرمندہ ہوا کرتی تھی۔

ہر آج، آندھری کے الفاظ اس کو حیرت میں ڈال رہے تھے۔ کتنی سنجیدہ اور پرسکون
قوت! کتنی گہری عقل اور سمجھ؛ کتنا صحیح امتیاز؛ جب لوگ تو یہ خیال آیا کہ اس عورت
کے مقابلے میں وہ خود اپنے جذبات پر بالکل قابو نہیں رکھ سکی تھی۔ تو اسے اپنی ہستی
اس کے مقابلے میں حقیر معلوم ہونے لگی۔ آندھری کا سکون اور ان کی سنجیدگی سے
خود اس کے اُلجھتے ہوئے پریشان ذہن کو کس قدر اطمینان ہوا؛ اپنے ماحول اور
اپنی دنیا سے وہ سمجھوتے پر مائل ہونے لگی۔ جلدی سے بولی ”آپ سے ملنے کے بعد
اب میری سمجھ میں آتا ہے کہ گورا بابو کو اتنی اخلاقی ہمت در قوت کہاں سے حاصل ہوئی؟“
”آندھری بولیں“ نہیں بیٹی، میں سمجھتی ہوں؛ اس معاملے کو تم پوری طرح نہیں
سمجھیں؛ اگر گورا سی را بیٹا ہوتا جسے دنیا میں اور سب بیٹے ہوتے ہیں تو مجھے
خود یہ ہمت کہاں سے سستی؟ اور پھر میں اس مصیبت کو کیسے اس طرح برداشت کر سکتی؟“

سینٹیپوں باب

آندرونی سے ملنے کے لئے جاتے وقت لوٹا کی مخصوص پریشانی کی وجہ معلوم کرنے کے لئے ہمیں ایک نظر بیتے دنوں پر ڈالنی ہوگی۔

ادھر کچھ دنوں سے ورتا صبح اٹھتے ہی بہ سوچنے لگتی کہ نبوتے باوجود نہیں آئیں گے کبھی کبھی خیال ہوتا کہ جیسے آہی گئے ہیں لیکن اوپر نہیں آئے، نیچے بیٹھک میں پارش ہوئے ساتھ بیٹھے ہیں۔ یہ خیال دل میں سماج تو وہ ہر کمرے میں باری باری سے چکر کھاتی۔ پھر شام ہو جاتی، رات آجاتی اور سوتے وقت دن کی کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ اس کے ذہن پر هجوم کرتے ہوئے ان کھٹکتے خیالات کو وہ کیا کرے کبھی تو نکلتے ہوئے آندروں کے نہ رکتے کبھی غصہ سے لگتا یہ کبھی سمجھ میں نہ آتا کہ کس پر غصہ کر رہا ہے، غالباً اپنے اوپر ہی، اپنے دل سے پوچھتی ”یہ کیا مصیبت ہے، کسی طرف کو راستہ نہیں دکھائی دیتا“ ایسے کب تک ہوتا رہے گا؟ کب تک؟

لوٹا جتنی بھی کہ نبوتے پرانے خیالات کے ماحول سے یا تھا، اور اس سے شادی و سوال ہی نہیں اٹھتا تھا لیکن پھر بھی اس طرح اپنے دل پر کوئی قابو نہ ہونا بڑا عجیب تھا، کیسی شرم کی بات، اور کس قدر منحصر میں جان کھنسی تھی، یہ اسے معلوم تھا کہ نبوتے بھی اس کو چاہتا ہے، یہ بھی وجہ تھی کہ دل اور بھی ہاتھوں سے نکلا جاتا تھا، یہی وجہ تھی کہ ایک طرف تو نبوتے کے انتظار میں وہ ٹڑپتی تھی دوسری طرف اسے یہ بھی خدشہ لگا رہتا تھا کہ اگر وہ واقعی آگیا تو کچھ بناتے نہ بنے گی۔

اتنے دن اس طرح پریشان رہنے کے بعد اسے ایک دن صبح یہ محسوس ہوا کہ

اب وہ زیادہ برداشت نہیں کر سکے گی۔ اور اس نے سوچا کہ اگر بنوئے کی غیر حاضری ہی اس تڑپ کا باعث ہے تو شاید اُسے دیکھ کر کچھ تسکین ہو۔ چنانچہ اُس نے ستیش کو الگ لے جا کر کہا ”مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ تمھاری اور بنوئے بابو کی لڑائی ہوگئی ہے؟“ ستیش نے سید بڑیاں کر اس الزام سے قطعاً انکار کیا۔ ویسے یہ بات ضرور کتنی کہ جب سے اس کی حال آگئی تھیں وہ بنوئے بابو کی دوستی سے ذرا غفل ہو گیا تھا۔

”تو پھر وہ خراب دوست ہیں تمھارے ہیں کہتی ہوں۔۔۔۔۔ کبھی تم سے ملنے کبھی نہیں آتے۔“

”واہ۔۔۔ کیسے نہیں؟ آپ کو کیا معلوم آتے ہیں کہ نہیں آتے۔ آتے تو ہیں؟“ ستیش خاندان میں سب سے چھوٹا تھا لیکن اس مخصوص عزت و شان پر اسے بھی راز تھا کہ بنوئے بابو یہاں صرف اس سے ملنے آتے ہیں! اور اس سلسلے میں یہ ثابت کرنے کے لئے کہ فوراً بٹا کر لا سکتا ہے اسے کسی خاص اور زبردست ثبوت کی ضرورت ہوتی لہذا وہ فوراً بنوئے کے گھر کی طرف چل پڑا اور فوراً ہی یہ خبر لے کے لوٹا کہ بنوئے بابو گھر پر ہیں ہی نہیں۔ اس لئے نہیں آتے۔

”لیکن تمھارے بتاتے جانے کی ضرورت کہ کتنی، وہ خود ہی کیوں نہیں آتے اور پہلے کیوں نہیں آتے؟“

”ارے وہ بہت دنوں سے گھر پر نہیں ہیں اس لئے نہیں کرہے ہیں آجکل“ ستیش نے جواب دیا۔

تب لوٹا نے سچا ریتا کو گھیرا ”دیدیں، آپ کا کیا خیال ہے؟ ہم لوگوں کو جا کے گورموہن بابو کی ماں سے ملنا چاہئے نہ؟“

”لیکن ہم لوگ ان کو کیا جانیں۔ کبھی ان سے ملے نہیں۔“

”ارے واہ — گورا کے دل تو اپنے بابو جی کے پُرانے دوست ہیں۔“
 سچا ریتا کو بھی یاد آیا کہ یہ بات بالکل ٹھیک تھی۔ وہ راضی ہو گئی اور کافی شوق سے تیاری کرتے
 ہوئے ہوئی ”کھیتی“ بابو جی سے ذرا صلاح کر لے۔ لیکن اس پر لولتاراضی نہیں
 ہوئی سچا ریتا کو ہی پوچھنا پڑا۔

پیش بابو فوراً راضی ہو گئے بلکہ بولے ”غور چلو“۔ ہم وگوں کو ادھر پہلے
 جانا چاہیے تھا۔“

طے یہ ہوا کہ ناشتے کے بعد چلا جائے گا لیکن یہ طے ہونے کی دیر تھی کہ لولتسا
 نے اپنی راستے بدل دی۔ کچھ بچہ پچا ہٹ ہوئی کچھ ٹن کوٹھیس لگی اور وہ جھجھکنے لگی۔ سچا ریتا
 سے کہا ”ارے می! آپ جیسے بابو جی کے ساتھ ہیں نہیں جاؤں گی۔“

”ارے واہ یہ کیسے ہو گا میں اکیلی کیونکر جاؤں گی۔ ارے چلو نہ، میری اچھی بہن،
 کتنی پیاری ہے! اب خواہ مخواہ کی ضد کر کے بنا بن یا پروگرام نہ بگاڑو۔“

بڑی خوشامد کے بعد آخر کار لولتاراضی ہوئی۔ لیکن کیا یہ ہوتے تھے کے
 آگے ہار ماننا نہیں تھا۔ اس نے تو اس مزے میں آنا بند کر دیا، اور وہ اس کے پیچھے بھاگتی
 پھرے بہ اس شکست کے احساس نے اسے بنوئے پر سی غصہ دلایا۔ وہ جھوٹ اپنے
 آپ کو تسلی دینے لگی جھوٹ تھا کہ وہ سوتہ ہوئی کے یہاں صرف بنوئے کو ایک نظر دیکھنے
 کی غرض سے جانا چاہتی تھی! اسی روئے کو برقرار رکھنے کے لئے اس نے نہ بنوئے کی
 طرف دیکھا نہ اس سے مخاطب ہوئی۔

بنوئے نے اپنی جگہ یہ سمجھا کہ لولتا کا روئے اس لئے تھا کہ اُسے بنوئے کے
 جذبات کا علم ہو گیا تھا۔ اور وہ ان کو بڑھاو نہیں دینا چاہتا تھا۔ اس لئے اپنے متعلق
 اتنی خوش فہمی نہیں تھی کہ ان ہی جذبات کا عکس لولتا کی طبیعت میں بھی دیکھنے کی ہمت
 یا اُمید کرتا۔

وہ شرابیا ہوا آیا اور وہ اس طرح کھڑا ہوا کہ دروازے کی آڑ تھی اور لوٹنا اس کو
 دیکھ نہیں سکتی تھی۔ آہستہ سے بولا ”پاریش بابو کھر چلنے کو کہہ رہے ہیں۔“
 ”کیا؟“ آنند موئی نے زور سے کہا ”پاریش بابو کیا سمجھتے ہیں کہ میں بچیوں کو
 بغیر کچھ کھلاتے پلاتے روانہ کر دوں گی۔ بنوئے یہاں آکر ان لوگوں کے پاس بیٹھو،
 میں ذرا اندر جا کر ناشتے کا بندوبست کروں۔۔۔۔۔ یہ دروازے کی آڑ میں کیوں
 کھڑے ہو۔۔۔۔۔ ادھر آؤ۔“

بنوئے ہچکچاتا ہوا اندر گیا اور لوٹتا سے جتنا زیادہ درمکن ہو سکتا تھا
 بیٹھ گیا۔۔۔۔۔

لوٹتا اس عرصے میں اپنی گھبراہٹ پر قابو پا چکی تھی، معمولی اور فطری طریقے سے
 بون بنوئے بابو، ستیش آج آپ کے گھر گیا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ آپ نے
 کہیں اس سے بالکل ہی قطع تعلق تو نہیں کر لیا ہے؟“

بنوئے اس طرح چونک پڑا جیسے یہ آواز اس دنیا سے نہیں بلکہ جنت سے
 آرہی ہو۔ پھر ذرا جھینپ گیا کیونکہ وہ اس طرح چونک پڑا تھا کہ اس کی پوکھا ہٹ چھٹپ
 نہیں سکتی تھی۔ اس کی حاضر دماغی اور خوش رفتاری سب اڑ بچھو ہو گئی تھی۔ رُک رُک کر
 بولا ”ستیش میرے کمرے پر گیا تھا؟ میں تو کئی دن سے وہاں نہیں تھا۔“

بہر حال لوٹتا کے ان چند الفاظ نے بنوئے کو ایک لمحے ہی میں بیدار کر دیا
 دی اور اُسے ایسا محسوس ہوا کہ بھیا نک خواب کی طرح جو مشکوک اس کی دنیا پر چھڑاتے
 ہوئے اس کی خوشیوں کا گلا گھونٹ رہے تھے وہ بیکار کچھٹ گئے۔ اب دُعا میں
 اور کیا چاہئے تھا! اس کے دل نے آواز دی ”میں بچ گیا، میں بچ گیا، وہ مجھ
 پر شک نہیں کرتی، وہ مجھ سے ناراض بھی نہیں۔“

پھر تو تھا ہچکچاہٹ دور ہو گئی، حجابات ہٹ گئے، سچا ریتا ہنس ہنس کر لہری

”کھٹی“ بنوتے بابو نے سمجھا کہ ہم لوگ بڑے بڑے پنچوں یا دانتوں یا سینگوں والے
 جانور ہیں یا تلوار بند و قلعے کران پر حملہ کرنے یہاں آ پہنچے ہیں۔ جی تو اڑیں ہو گئے
 تھے۔“

”بھئی جو چپ رہتا ہے وہ تو ہمیشہ ہی گنہگار سمجھا جاتا ہے، اس دنیا میں وہی
 مقدمہ جیتتا ہے جو پہلے دعویٰ دائر کرے، لیکن دیدی آپ سے تو مجھے یہ اُمید نہ تھی
 آپ خود ہی ڈر ہٹ جاتی ہیں اور پھر دوسروں پر الزام لگاتی ہیں کہ ڈر ہٹ گئے۔“
 آج پہلی بار بنوتے نے سچا ریتا کو دیدی کہہ کر مخاطب کیا اور اس طرح گویا اس
 کے بڑی بہن کے رشتے پر زور بھی دیا اور اسے قبول بھی، — سچا ریتا کو یہ
 الفاظ اس کے منہ سے بہت پیارا لگا۔ اُسے محسوس ہوا کہ پہلی ہی ملاقات کے بعد
 اُسے جو اُنس بنوتے سے ہو گیا تھا، اب اس محبت نے ایک باقاعدہ اور خوشگوار
 وحدت اختیار کر لی تھی۔

پھر آئن موئی اندرائیں اور لڑکیوں کی خاطر میں مصروف ہو گئیں، بنوتے کو
 انھوں نے باہر بھیج دیا کہ پارٹیش بابو کو ناشتہ کر داتے۔
 آخر کار جب پارٹیش بابو اپنی لڑکیوں کے ساتھ روانہ ہوئے تو دن دھنل چکا
 تھا۔ جوئے آئن موئی سے بڑا ”ماں — آپ بہت تھک گئیں، اب میں آپ
 کو کام نہیں کرنے دوں گا۔ — آئیے کوٹھے پر چلیں۔“

بات یہ تھی کہ بنوتے سے بالکل رہا نہیں جا رہا تھا۔ وہ جلدی سے آئن موئی کو
 چھت پر لے گیا۔ لپک کر اپنے ہاتھ سے چٹائی بچھائی اور ان کو بٹھا دیا۔

آئن موئی میٹھے ہوئے بولیں ”ہاں تو بیو، پھر کیا کہنا چاہتے ہو مجھ سے۔“
 ”کچھ تو نہیں آپ کہتے نہ“ بنوتے کو بے چینی تھی کہ آئن موئی نے پارٹیش بابو کی لڑکیوں
 کے بارے میں کیا خیال قائم کیا۔

”ارے واہ — یہ خوب رہی“ آندھوئی بولیں ”بس اتنے کے لئے مجھے کام کرنے سے گھسیٹ کے یہاں لے آئے۔ میں تو بھی تم مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہو۔“

”لیکن ماں دیکھو تو ڈوبتا ہوا سورج کتنا اچھا لگ رہا ہے، اگر میں آپ کو گھسیٹ کر اُدھر نہ لاتا تو آپ یہ حسین منظر کیسے دیکھتیں۔“

نومبر کا سورج کلکتہ شہر کے مکانات پر اپنی ڈوبتی ہوئی پرچھائیاں پھیلا رہا تھا لیکن ساری فضا پر کچھ ادا کی طاری تھی۔ اس کے رنگوں میں کوئی خاص حسن نہ تھا۔ اندکروں کا سونا افق پر پھیلتے ہوئے دھوئیں کی سیاہی میں کھویا جا رہا تھا۔ ہاں مگر نبوتے کے لئے ڈوبتے ہوئے سورج کی اس ادا سی میں ہزاروں رنگ دمک رہے تھے۔ اُسے محسوس ہو رہا تھا کہ دنیا نے اُسے بڑی محبت سے اپنے بازوؤں میں لپیٹ لیا ہے، آسمان جیسے نیچے اتر آیا ہے اور بڑی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔

”یہ لڑکیاں تو بڑی پیرمی ہیں“ آندھوئی نے کہا۔ لیکن نبوتے کے لئے اتنا کافی نہیں تھا، اور وہ برابر موضوع کو جاری رکھنے کی کوشش کرنے لگا۔ چھوٹی چھوٹی بہت سی باتیں بیان کر کے اس نے اپنے اور پارٹیش بابو کے خاندان کی بدستی کی بہت سی تفصیلیں آندھوئی کے سامنے بیان کیں۔ تفصیلیں کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھیں لیکن اس وقت کی فضا ان باتوں کے لئے بہت سانس کار تھی، نبوتے کی دلچسپی اور شوق، آندھوئی کی ہمدردی، کھلی ہوئی چھت کا مکمل تنلیہ اور سناٹا اور نومبر کی شام کے گہرے ہوتے ہوئے سائے، ان تمام چیزوں نے ان گھریلو چھوٹی موٹی باتوں کو ایک گہری معنی خیز دولت بخش دی تھی۔

یہ ایک آندھوئی نے ایک ٹھنڈی سانس بھر کے کہا ”آہ۔ سیرا کتنا جی چاہتا ہے کہ میرے گورا کی شادی سچا ریتا سے ہوتی۔“

بنوئے چونک کے سیدھا ہو بیٹھا "ارے میں نے تو خود ہی کئی بار یہی سوچا ہے ماں۔
 سچا ریتا دیوی گورا کے لئے بہت ہی مناسب رہیں گی۔"
 "لیکن یہ کبھی ہو بھی سکتا ہے۔" آئندہ موتی جیسے اپنے آپ سے بولیں "کیوں نہیں؟"
 بنوئے نے جلدی سے کہا "میں تو یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ گورا کو سچا ریتا اچھی نہیں
 لگتی ہیں۔"

یہ بات تو آئندہ موتی سے کبھی پوشیدہ نہیں تھی کہ گورا کا دل کہیں نہ کہیں لگ گیا ہے
 اور کبھی کبھار بنوئے کی دھڑا دھڑکی باتوں سے اُن کو یہ بھی اندازہ تھا کہ یہ کشمکش سچا ریتا کے
 علاوہ کسی کے لئے نہیں ہے۔ چند منٹ چپ رہ کر بولیں "مجھے جو شک ہے وہ یہ کہ سچا ریتا
 کسی پرانے خیالات والے گھر میں شادی کرے گی بھی کہ نہیں؟"
 "نہیں۔۔۔ بلکہ یہ سوال ہے کہ گورا بڑھاپہ خاندان سے رشتہ کرنے پر راضی ہوگا۔"

اور آپ کو کوئی اعتراض نہ ہوگا؟" بنوئے نے کہا۔

"مجھے ہرگز کوئی اعتراض نہیں قطعی نہیں۔"

"سچ سچ نہیں؟"

"کہہ تو رہی مجھے بالکل اعتراض نہیں ہے۔ کیوں اعتراض ہو؟ شادی تو دو دلوں
 کا سودا ہے نہ۔ پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے کہ کون سے منتر پڑھے جائیں؟ بس
 بھگوان کا نام لے کر رسم ادا کر دی جائے اتنا کافی ہے۔"

بنوئے کو اپنے دل پر سے ایک بوجھ کھسکتا ہوا محسوس ہوا۔ بڑے جوش سے کہنے
 لگا "ہاں میں تو آپ کو اس طرح کی باتیں کرتا دیکھ کر حیران رہ جاتا ہوں۔ آپ اتنی آزاد خیال
 اور اتنی ترقی پسند کیسے ہو گئیں۔۔۔ یہ روشن خیالی آپ نے کہاں سے لی؟"

"کیوں؟ گورا سے؟" آئندہ موتی ہنسنے لگی۔

"لیکن گورا تو اس کے بالکل متضاد باتیں کرتا ہے ماں۔"

”اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے، میں جو کچھ سیکھتی ہوں وہ تو اسی سے سیکھتی ہوں۔
 کہ انسان بجائے خود صداقت ہے اور جو چیزیں انسان سے انسان کو الگ کرتی ہیں وہ
 کتنی جھوٹی اور غلط ہیں؛ تم ہی بتاؤ بیٹے کہ آخر برہمہ اور ہندو میں فرق ہی کیا ہے؟
 انسان کا دل تو ذات پات میں ہٹا ہوا نہیں ہوتا اور کھگوان دونوں کو ہی ملاتا اور پھر دونوں
 میں ہی اپنی جگہ بناتا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے کہ کھگوان کو الگ کرے، انسانوں کا اتحاد
 ذات پات کے ذریعے کیا جاتے؟“

شورے نے اُن کے پاؤں پکڑ لئے ”ماں تمہاری باتیں تو شہد ہیں۔۔۔ آج
 تمہارے ساتھ جو دن بھر گزرا اس کا ایک ایک لمحہ وصول ہو گیا۔“

اڑتیسواں باب

سچا ریتا کی حالہ جو آئیں تو پاریش بابو کے گھر کی فضا میں کافی گرڈ بڑ پھیل گئی ہوگی۔ اس
گرڈ بڑ کو بیان کر سنے سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ پہلے ہر می موہنی کے متعلق کچھ بتا دیا
جائے۔ اور ان ہی کے الفاظ میں بس۔ اسی طرح جس طرح انھوں نے
سچا ریتا سے سب بات بیان کی۔

”میں تمھاری ماں سے دو سال بڑی تھی اور ہمارے باپ کے گھر ہماری جتنی
بیکھ دیکھ اور جتنا لاڈ پیار ہوتا تھا اس کی کوئی انتہاء تھی۔ بات یہ تھی کہ گھر میں بس ہم
دو ہی بچے تھے اور ہمارے چچا نوگ ہم لوگوں کو اتنا چاہتے تھے کہ ہم زمین پر پیر
نہیں رکھتے تھے۔“

”جب میں آٹھ سال کی ہوئی تو راتے چو دھریوں کے مشہور پلشا خاندان میں میری
شادی ہوئی۔ لیکن میری قسمت میں خوشی نہیں تھی۔ میرے ماں باپ اور میرے سر کے
درمیان جہیز کے معاملے میں کچھ غلط فہمی ہو گئی اور میرے سسرال والے بہت دنوں
تک میرے باپ کے رویہ پر ناراض رہے کیونکہ وہ اسے کمینہ پن کہتے تھے اکثر وہ
مجھ کو دھمکیاں دیا کرتے۔ ”اگر ہمارا لڑکا دوسری شادی کرے تو۔۔۔۔۔ تب ہم
بچھیں گے ان کی لڑکی کی کہاوت بنتی ہے۔“

”جب میرے باپ نے میری یہ حالت دیکھی تو انھوں نے قسم کھائی کہ اپنی
دوسری لڑکی کی شادی امیر گھرانے میں نہیں کریں گے۔ یہی وجہ ہوئی جو تمھاری ماں
کے لئے امیر بڑ نہیں ڈھونڈھا گیا۔“

”میری سسرال میں بہت لوگ تھے، لمبا چوڑا خاندان تھا، نو سال کی عمر سے مجھے ساٹھ ستر آدمیوں کا کھانا پکانے میں مدد دینی ہوتی تھی، جب تک گھر کا ایک ایک فرد کھانا نہ کھا لیتا، میں کھا نہیں سکتی تھی۔ اور اس وقت بھی بچا کھچا مجھے ملتا تھا۔ کبھی کبھی صرف چاول، اور کبھی کبھی اس کے ساتھ ذرا سی دال، دن کا کھانا دو بجے اور کبھی بھار شا بھی ہو جاتی تھی۔ کھانا کھاتے ہی مجھے دوسرے وقت کا کھانا پکانے میں جتنا پڑتا تھا۔ اور سب کاموں سے نہٹ کر رات کے گیارہ بارہ بجے کھانا نصیب ہوتا تھا۔ میرے سونے کی کوئی خاص جگہ نہ تھی، کوئی اپنے پاس سلا لیتا تو سو جاتی۔۔۔ زمین پر بغیر بستر کے، اکثر مجھے سونا پڑتا۔“

میرے ساتھ اس نا پسند اہی کے برتاؤ کا اثر میرے شوہر پر بھی ہوا۔۔۔ وہ بہت دنوں تک مجھ سے کھنچے کھنچے در در دور رہے۔ سترہ سال کی عمر میں میری لڑکی منورما پیدا ہوئی۔۔۔ اب میری پوزیشن گھر میں اور بدتر ہو گئی کیونکہ میں نے لڑکی پیدا کی تھی، پھر بھی اس ذلت اور خواری کی زندگی میں میری بچی میرے لئے بڑی مسرت اور تسکین کا سامان تھی، اس غریب کو بھی نہ باپ کا پیار حاصل تھا نہ خاندان کی محبت، لیکن مجھے وہ اپنی زندگی سے زیادہ عزیز تھی۔“

”تین سال بعد میرے بیٹا پیدا ہوا، پھر میری حالت ذرا بہتر ہو گئی اور گھر کی بہتر اور مالکن کا درجہ کھوڑ بہت حاصل ہو گیا۔ ساکس تو میرے کھتی ہی نہیں، منورما کی پیدائش کے دو سال بعد سسر کا بھی انتقال ہو گیا۔ ان کے مرنے کے بعد میرے شوہر اور بھائیوں میں جائیداد پر کچھری عدالت ہونے لگا آخر مقدمہ میں بہت کچھ بربادی ہوئی، بٹوارہ ہو گیا۔“

”جب منورما شادی کے لائق ہوئی تو میں اُسے اپنی آنکھ سے اوجھیل کرنے کے خیال سے اتنا ڈرتی تھی کہ میں نے اُسے پالش سے دس میل دور ایک گاؤں میں بیٹھا

اس کا دل بڑا بڑا بھرت تھا، بہت حسین ناک نقشہ اور رنگ بھی خوب صاف کھرا۔ خاندان بھی کھاتا پیتا تھا۔

”میری مکمل بربادی سے پہلے بھگوان نے مجھے سکھ کے کچھ دن دکھائے تھے۔ بہت تھوڑے دن، لیکن ایسا لگتا تھا کہ ذلت اور پریشانی کی زندگی کے پورے عرصے کی تلافی ان دنوں سے ہو گئی۔ آخر میں میرے شوہر بھی مجھ سے بہت محبت کرنے لگے اور میری اتنی قدر کرنے لگے کہ مجھ سے صلاح کتے بغیر کچھ نہیں کرتے تھے۔ لیکن یہ سب، تنہا اچھا تھا کہ وہ باقی رہ ہی نہیں سکتا تھا۔ ہمارے جوار میں مہیضے کی دبا پھیلی، اور میرے شوہر اور بیٹا چار دن کے اندر اندر ختم ہو گئے۔ ایسا غم تو سوچا بھی نہیں جاسکتا کہ انسان برداشت کر سکتا ہے لیکن بھگوان نے مجھے یہ سب کچھ دکھانے کے لئے زندہ رکھا۔“

”رفتہ رفتہ مجھے اپنے داماد سے واقفیت ہوئی، بھگوان سوچ سکتا تھا کہ تنہا خوبصورت آدمی کے روپ میں وہ ایک زہریلا سانپ تھا، میری بیٹی نے مجھے کبھی نہیں بتایا تھا اس کے شوہر کو بڑی صحبت میں بیٹھ کر شراب پینے کی لت پڑ گئی ہے۔ میرے پاس آکر وہ طرح طرح کے بہانوں سے روپیہ مانگتا اور مجھے خوشی ہوتی کیونکہ میرا دنیا میں اور کون تھا جس کے لئے جوڑتی؟“

”بہر حال میری بیٹی نے بہت جلد مجھے منع کرنا شروع کر دیا کہ اس کو روپیہ نہ دوں اور مجھ سے برابر کہتی رہتی کہ آپ اس طرح روپیہ دے دے کہ اس کو بگاڑ رہی ہیں۔ یہ روپیہ لے کر نہ جانے کہاں برباد کرتے ہیں؟“ میرا خیال تھا کہ منورما سمجھتی ہے وہ سسرال والوں سے روپیہ لے گا تو اپنے خاندان کے آگے ذلیل ہوگا، اس لئے منع کرتی ہے، اس لئے میری حماقت دیکھو کہ میں نے ان کو چھپا چھپا کر پیسے دینے شروع کئے۔ جب میری بیٹی کو اس بات کا پتہ چلا تو اس نے رو رو کر مجھ سے سب کچھ چٹھا

کہہ سنایا، پھر تم سوچ سکتی ہو کہ میں کس طرح چھاتی پیٹ پیٹ کر روتی ہوں گی۔ اور غصہ یہ ہوا کہ میرے شوہر کے ایک بھائی کی دیکھا دیکھی اور بڑھاوا دینے سے ہی میرا داماد تباہی کے راستے پر چلا اور یہ سب کچھ ہوا۔“

جب میں نے اس کو روپیہ دینا بتا کر دیا تو اس کو شک ہو گیا کہ میری بیٹی اس کی بنیاد ہے، پھر تو اس نے رازداری بھی ختم کر دی، اور منورما سے اتنا ظالمانہ برتاؤ کرنے لگا کہ کیا کہوں، غیروں کے آگے بھی اُسے ذلیل کرنے سے نہ چڑکتا تھا، اور یہ باتیں اتنی بڑھیں کہ میں پھر چڑی چھتے اس کو روپیہ دینے لگی۔ حالانکہ میں اچھی طرح جانتی تھی کہ اس طرح وہ جہنم کے راستے پر بڑھتا جا رہا ہے۔ پر میں کر لی بھی کیا؟ منورما کی تکلیفیں مجھ سے دیکھی نہ جاتی تھیں۔“

پھر ایک دن ایسا آیا — اہ، مجھے وہ دن کتنی اچھی طرح یاد ہے۔ فروری کا آخری ہفتہ تھا، گرمی کا موسم اس سال ذرا جلد ہی شروع ہو گیا تھا۔ ہم لوگ آپس میں باتیں کیا کرتے تھے کہ پائیں باغ کے آموں میں کتنی جلدی پور آگیا ہے۔ دوپہر کے وقت ایک پالکی آکر دروازے پر رکی، اس میں سے منورما اُتری، مسکراتی ہوئی مجھ تک آئی، اور میرے پیروں کی دھول بے کر سر سے لگائی، ارے۔ کیا بات ہے؟ کیا خیر ہے؟“ اس نے مسکراتے ہوئے ہی جواب دیا، ”کیوں؟ کیا بغیر کسی خبر کے میں صرف اپنی ماں سے ملنے کے لئے نہیں آ سکتی۔“

”میری بیٹی کی ساس بری نہیں تھی اور اس نے یہ پیڑا، بھجھا تھا کہ منورما، مسید سے ہے اور میرے خیال میں اس کے لئے سب سے بہتر بات یہ ہوگی کہ ولادت تک اپنی ماں کے پاس رہے۔ ظاہر ہے میں سمجھی کہ منورما کے اس طرح آنے کی اصل وجہ یہی تھی میں کیسے جان سکتی تھی کہ میرا داماد اس حالت میں بھی اس کو مارتا پٹینا تھا، اور اس کی ساس نے صرف اس خوف سے منورما کو بچھ دیا تھا کہ نہ جانے کیا انجام ہو جائے۔“ اس طرح

”دوسرے دن شام ہونے سے پہلے جب بالکی آتی تو میں نے منورما سے کہا ”بیٹی“
اب تمہارا یہاں رُکنا ٹھیک نہیں ہے، لیکن میں اگلے ہی ہفتہ کسی کو تمہارے لینے کے
لئے بھیج دوں گی۔“

”لیکن منورما بولی ’ماں‘ مجھے کچھ دن اور وہ لینے دو، آج میرا جانے کو جی نہیں
چاہتا، ان سے کہو کچھ دن بعد آجائیں۔“

”میں نے کہا ”بیٹی اگر اس وقت بالکی واپس کر دی گئی تو تمہارے حندی شوہر کو
کون سنبھالے گا۔“ نہیں منورما بیٹی، آج مجھے جاننا چاہیے!“

”نہیں ماں آج نہیں، پھاگن میں میرے سسر لو نہیں گئے، تب ہی میں جاؤں گی۔“
میں پھر بھی اصرار کرتی رہی کہ اس کے لئے رُکنا ٹھیک نہیں ہے۔ آخر کار منورما
چلنے پر تیار ہوئی، میں نے کہا روں اور نوکر دوں وغیرہ کے لئے کھانے کا انتظام کیا
اور اتنی مصروف ہو گئی کہ مجھے منورما کو بنانے، سنوارنے، یا اس کے لئے کوئی خاص
اچھی چیز پکانے یا جانے سے پہلے اس سے بات کرنے کی بھی ہمت نہیں ملی۔

بالکی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے جھک کر میرے پاؤں چھوتے ”ماں۔۔۔ الوداع۔“
”مجھے کیا گمان تھا کہ یہ اُن کی آخری رخصتی ہے۔ ہمیشہ کے لئے الوداع ہے۔“

آج تک یہ سوچ کر میرا دل پھٹتا ہے کہ وہ جانے پر راضی نہیں تھی اور میں نے رستہ
اس کو بھیجا۔ آہ! زندگی میں کبھی یہ زخم نہیں بھرے گا۔ اسی رات منورما کا اسقاط سے
انتقال ہو گیا اور مجھے خبر پہنچنے سے پہلے ہی اس کو چھپا کے جلدی سے پھونک دیا گیا۔
”جس غم کے بارے میں انسان نہ کچھ کہہ سکے نہ کر سکے اس کی رُوداد یا حالت

کیا تم سمجھو گی بیٹی؟ یہ دیکھ تو زندگی بھر رونے سے بھی نہیں بڑھل سکتا۔۔۔ سب کچھ
کھو کر بھی میرے دُکھوں کا ماتم نہیں ہوا۔ شوہر اور بیٹے کی موت کے بعد دید لوگ
میری جائداد پر لالچ کی نظر ڈالنے لگے، یہ تو اُن کو معلوم تھا کہ میرے مرنے کے بعد

سب کچھ ان ہی کو ملے گا۔ مگر اتنا صبر وہ کہاں کر سکتے تھے۔ میں اُن پر کوئی الزام بھی نہیں لگاتی، کیونکہ میری ایسی عورت کا زندہ رہنا ہی اس کا کافی جرم تھا۔ جن لوگوں کو طرح طرح کی ضرورتیں ہیں وہ کیوں ایک ایسی سستی کو برداشت کریں جسے اب دُنیا میں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اور پھر بھی وہ ان کی تفریح اُن کے عیش کے راستے میں رکاوٹ بن رہی ہو۔“

”جب تک منورما زندہ رہی، اپنے حق کے لئے استقلال کے ساتھ اپنی جگہ پر جمی رہی اور کسی کے کہنے سننے میں نہیں آئی، کیونکہ میں نے سوچ لیا تھا کہ اپنا سب کچھ اسی کو دے کے مردوں کی؛ لیکن میرے دیوروں کو یہ بات پسند نہ تھی کہ میں اپنی بچی کے لئے روپے جمع کروں، ان کے خیال میں یہ روپیہ اُن کی جیب سے نکلتا تھا، میرے شوہر کے ایک معتبر منشی دوست اور مشیر تھے جن کا نام نیل کانت تھا، وہ میرے طرفدار تھے۔ اگر کبھی میں اپنے دیوروں سے سمجھوتے کی بات کرنے کی سوچتی بھی تو وہ بہت بگڑتے اور میری ایک نہ سنتے۔ کہتے ”دیکھیں گے، کون ہم سے ہمارا جائز حق چھین سکتا ہے۔“

”یہی جھگڑا جاری تھا جب منورما کا انتقال ہوا۔ اس کے مرنے کے دوسرے ہی دن میرے ایک دیور نے مجھ سے کہا کہ اب میں تمام دنیاوی دولت کا خیال چھوڑ کر سنیاس کی زندگی بسر کروں۔ مجھ سے انھوں نے کہا ”بھابی۔۔۔ خدا کی مرضی ایسی معلوم ہوتی ہے کہ آپ دنیا داری میں نہ الجھیں۔۔۔ اب جو کچھ آپ کی زندگی باقی رہ گئی ہے وہ آپ کسی تیرتھ میں بسر کریں، دھارمک کاموں میں دلچسپی لیں۔۔۔ ہم لوگ آپ کے خرچ کا بندوبست کر دیں گے۔“

”میں نے اپنے پردہت کو بلایا اور اُن سے پوچھا ”ہمارا جی“ مجھے اس دکھ سے بچنے، اسے برداشت کرنے کا کوئی راستہ دکھائیے، جس طرف بھی دیکھتی ہوں تسکین نہیں ملتی، کلیجے میں ایسی آگ لگی ہے جو میرے سارے وجود کو پھونکے ڈالتی ہے۔ پردہت مجھے مندر میں لے گیا اور کرشن کنہیا کی مورتی کی طرف اشارہ کر کے بولا ”دیکھ تیرا

بیٹا اور تیری بیٹی سب کچھ ہی ہے اس کی پوجا کرادے تیرا سارا دکھ کٹ جائے گا، تیرے دل میں لگی ہوئی آگ بجھ جائے گی۔“

”چنانچہ میں نے سارا وقت مندر میں گزارنا شروع کیا اور بھگوان کی طرٹ اپنا پورا دھیان لگانے لگی، لیکن میں بھگوان کی کیسے ہو سکتی تھی جبکہ وہ مجھے اپنانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ آہ۔۔۔ اس نے اب تک مجھے نہیں اپنانا۔ اب تک نہیں! میں نے نیل کانت کو بلایا اور ان سے کہا ”نیل دادا۔ نیل دادا! میں چاہتی ہوں کہ جانتا دادا سے دست بردار ہو جاؤں وہ اپنے دیور کو دے دوں“ میرے لئے تھوڑا سا ماہوار می خرچ کافی ہو گا۔ مگر نیل دادا نے جواب دیا ”نہیں ایسا کبھی نہیں ہو گا“ آپ عورت ہیں، آپ ان کا رباہی بکھیروں میں پڑ کر پریشان نہ ہوں۔“ لیکن مجھے جانتا دادا کی اب ضرورت کیا ہے؟ میں نے کہا۔۔۔ نیل دادا چٹخنے لگے۔ ”ارے دادا۔۔۔ کیا بات کہتی ہیں آپ۔ ہم اپنا قانونی حق کیوں چھوڑ دیں؟ آپ ایسی پاگل پنپے کی بات خواب میں بھی نہ سوچتے گا۔“

”نیل کانت کے لئے قانونی حق سے بڑھ کر دنیا میں دوسری کوئی چیز کبھی ہی نہیں۔ لیکن مجھ پر سخت ذہنی کولت طاری تھی۔ مجھے ہر دنیاوی چیز زہر لگنے لگی تھی، پھر بھی میں نیل دادا کے خفا کیسے جانتی، وہ دنیا میں میرے واحد دوست تھے جن پر میں پورا بھروسہ کر سکتی تھی۔“

”آخر کار ایک دن نیل دادا سے پوچھے بغیر ہی میں نے ایک کاغذ پر دستخط کر دیئے۔ مجھے پوری طرح معلوم نہ تھا کہ اس کے معنی کیا ہیں لیکن میں پہلے ہی سوچ چکی تھی کہ اپنے لئے مجھے کچھ نہیں رکھنا ہے۔ اس واسطے دھوکے کا کوئی سوال ہی نہیں تھا، میں نے یہی سوچا کہ آخر جو کچھ ہے وہ میرے سسر کا ہی تو ہے تو ان کی اولاد کھائے۔“

”جب اس کاغذ کی رجسٹری ہو گئی تو میں نے نیل دادا کو بلوایا اور ان سے مدافعی

مانگی "نیل دادا۔۔۔ مجھ سے خفا نہ ہو جیسے گا، ہمیں نے اپنی جائیداد لکھ دی آخر اب مجھے اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔۔۔ نیل دادا تیراں ہو کر چلانے لگے" ارے یہ کیا کیا تم نے۔۔۔ جب انھوں نے کاغذ پڑھا اور ان کو پتہ چلا کہ واقعی میں اپنے تمام حقوق سے دست بردار ہو گئی ہوں تب تو ان کے غصے کی کوئی حد نہیں رہی۔ کیونکہ جب سے میرے شوہر کا انتقال ہوا تھا اُن کا ایک مقصد زندگی یہ بن گیا تھا کہ اپنے مالک کی جائیداد کی حفاظت کریں۔ وکیلوں کے یہاں ایک ٹانگ سے کھڑے رہنا، قانونی نکتے نکالنا، گواہیاں ڈھونڈھ ڈھانڈھ کر لانا، یہ سب انھوں نے کیا تھا یہاں تک کہ ان کو اپنے معاملات تک کے لئے وقت نہیں ملتا تھا لیکن یہ سب ضرور کرتے تھے جب انھوں نے یہ دیکھا کہ ایک بیوقوف عورت نے ایک بار قلم چلا دیا اور ان کے سامنے کئے کرائے پر پانی پھر گیا تو یہ بات ان سے برداشت نہ ہو سکی۔ بولے "خیر۔۔۔ مجھ سے جو کچھ ہو سکا وہ میں نے آپ کے لئے کیا۔۔۔ اب خدا حافظ"

"نیل دادا ایسے دوست کایوں غم اور غصہ کے عالم میں مجھے تنہا چھوڑ کر چلا جانا میری قسمتی کی انتہا تھی۔ میں نے ان کی بہت خوشامدی کہ دادا اس طرح میرا ساتھ نہ چھوڑ دیئے، میرے پاس کچھ روپے میرے اپنے جمع کئے ہوئے ہیں، کم از کم یہ پانچ سو روپے تو لے لیجئے، آپ کے بیٹے کی شادی ہوگی تو اس کی دلہن کو کوئی زیور خرید کر میری دعاؤں کے ساتھ دے دیجئے گا" لیکن وہ جھجھکتے ہی رہے کہ اب وہ روپے کا کرے گے کیا؟ جب اپنے مالک کی ساری دولت لٹ گئی تو پانچ سو روپوں سے کیا آنسو کھیں گے؟ رہنے دیجئے" اور یہ کہہ کر میرے شوہر کا آخری اصال دوست رخصت ہو گیا۔

"میں نے مندر میں پناہ لی۔ میرے دلیر برابر مجھے پریشان کرتے رہتے تھے کہ تیرے ہر چلی جاؤں میں اُن سے کہتی تھی کہ میرے شوہر کا گھر ہی میرے لئے سب سے بڑا غیرتہ ہے۔ خاندان کا جو بھگوان ہے اسی کے قدموں میں میری پناہ ہے۔" لیکن ان لوگوں

”جب نیرتھ کی بہت سی جگہوں پر گھومنے اور یا تر کرنے کے بعد بھی مجھے یہ پتہ چلا کہ میرا دل ابھی تک محبت کا بھوکا اور کسی سے پیار کرنے کے لئے پیاسا ہے تو پھر میں نے تمھاری تلاش کی، میں نے سنا کہ تمھارے پتا جی نے پرانے مذہب اور ریت رسم کو چھوڑ کر کسی نئے دھرم کو اپنا لیا تھا، پر میرے لئے اس سے کیا فرق پڑتا۔ تمھاری ماں تو آخر میری مانجائی تھیں۔“

”آخر کار مجھے پتہ چلا کہ تم یہاں رہ رہی ہو، اور بنارس کے ایک دوست کو ساتھ لے کر میں یہاں آئی۔ میں نے سنا ہے کہ پارلش بابو ہمارے دیوتاؤں کو نہیں مانتے لیکن ان کو ایک نظر دیکھنے سے ہی یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ دیوتا ضرور ان کو مانتے ہوں گے۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ صرف پوج کے علاوہ کبھی بہت کچھ کرنا ہوتا ہے تب کہیں بھگوان ملتے ہیں۔ اور اب تو مجھے یہ جاننا ہے کہ پارلش بابو نے کس طرح یوں مکمل طریقے سے بھگوان کو اپنا بنا لیا ہے۔“

”جو کچھ بھی ہو، بیٹی، میرے لئے ابھی دنیا چھوڑنے کا زمانہ نہیں آیا،“ ابھی میں کہہ رہی تھی کہ ”جب بھگوان چاہیں گے تو ویسا بھی ہو گا لیکن اس وقت تو میں یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ یہ بچے جو مجھے پھر سے ملے ہیں ان کو چھوڑ کر کہیں اور چلی جاؤں۔“

”خالد“ سچا ریتا نے کہا ”آپ کچھ بھی کہیں، آپ مجھے اپنے سے الگ نہیں کر سکیں گی، میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑوں گی، کبھی نہیں، میں ہمیشہ آپ کے پاس رہوں گی۔“ اور وہ اپنی خالد کی گود میں گھس کر لپٹ گئی۔!

چند ہی دنوں میں سچا ریتا اور اس کی خالد کی محبت اتنی بڑھ گئی کہ مدت سے اس کو دیا نہیں جاسکتا تھا۔ اس بات سے برودا دیوی کو بھی کوفت ہوتی تھی!

بگڑ کر کہتیں ”ذرا اس لڑکی کو دیکھو، جیسے ہم لوگوں نے تو اُسے کوئی پیار و محبت کبھی دیا ہی نہیں، میں پرچھتی ہوں آخر یہ اس کی خالد جان اتنے دن سے کہاں تھیں، ہم نے تو مصیبت بھگت کر بچپن سے پالا پوسا، اور اب خالد خالد کے سوا دوسری بات نہیں! میں ہمیشہ کہتی تھی کہ سچا ریتا جس کی تعریف میں لوگ زمین آسمان ایک کئے رہتے ہیں اور جسے لوگ سمجھتے ہیں کہ سندھ سے بولنا نہیں جانتی یہ کسی کی نہیں ہے۔ ہم نے جو کچھ اس کے لئے کیا وہ سب پانی میں گیا!“

برودا دیوی ابھی طرح جانتی تھیں کہ اُن کی شکایتوں سے پاریش بالو کو کوئی ہمدردی نہیں ہوگی، بلکہ اگر وہ ہری موہنی سے بگڑیں گی تو خود اپنا وقار کھوئیں گی۔ اس احساس سے ان کو رد بھی غصہ آتا تھا۔ اور یہ ثابت کرنے کا ہر ممکن طریقہ اختیار کرتی تھیں کہ سب سمجھدار لوگ اُن کے ہم رائے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے برہم سماج کے ہر مہولی اور ہر اہم ممبر سے ہری موہنی کا قصہ دہرا نا شروع کر دیا تاکہ لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا سکیں۔ ان کی شکایتوں کی کوئی حد ہی نہیں تھی۔ طرح طرح کے گلے ہونے لگے، مثلاً بچوں کے لئے کشتی بڑی بات تھی کہ ایک تو ہم پرست، بے وقوف، بد بخت، موڑیوں کی پوجا کرنے والی عورت کا سایہ ہر وقت گھر پر منڈلاتا ہے۔ اُن کا یہ ربا ہوا غصہ صرف باہر ہی نہیں نکلتا تھا بلکہ گھر میں بھی اس کے نتائج ظاہر ہوتے رہتے تھے جس سے ہری موہنی کی زندگی مذا ب تھی۔ برہمن جس سے ہری موہنی کا پانی بھرنے کے

لئے کہا گیا تھا اس کو عین کام کے وقت کسی دوسرے کام میں لگا دیا جاتا تھا۔ اگر کہا جاتا،
 تو برو دا دیوی پھٹ سے کہتیں ”ارے کیا ہوا۔۔۔ کیا مصیبت ہے؟ آخر
 رام دین تو موجود ہے۔“ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتی تھیں کہ رام دین کے ہاتھ کا پانی
 ہری موہنی استعمال نہیں کریں گی کیونکہ وہ بچہ ذات تھا۔ اگر کوئی یہ بات کہتا تو جواب
 ملتا ”ہاں ہاں۔۔۔ اگر ایسی ہی اُوچے ذات تھیں تو یہاں برسہو گھر میں رہنے
 کو کیوں آئیں۔؟ ہم یہاں یہ سب چھوت چھات نہیں کر سکتے اور میں تو کبھی بھی ایسا
 نہیں ہونے دوں گی۔“

ایسے موقعوں پر ان کا مذہبی فرض نہایت شدت کے ساتھ جاگ پڑتا تھا۔ کہیں
 ”سماجی معاملات پر برسہو سماج میں کافی ڈھیل آگئی ہے، یہی تو وجہ ہے کہ پہلے کے جوش
 کے ساتھ وہ سماج سدھار نہیں کر رہا ہے۔“ اور پھر نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس
 موضوع پر اظہار خیال کرتیں کہ کم از کم وہ خود تو اس منہم کی ڈھیل کو برداشت نہیں کر سکیں گی
 جس تک ان میں ذرا بھی دم باقی ہے وہ ایسا ہونے نہیں دیں گے۔ اگر لوگ اُن کو
 غلط سمجھیں تو مجبوری ہے، اگر اُن کے اپنے رشتہ دار اُن کے مخالف ہو جائیں تو
 وہ یہ بھی کھلنے کو تیار ہیں۔ آخر میں وہ اپنے سنے والوں کو یہ بھی یاد دلایا کرتی تھیں
 کہ دنیا میں جتنے اولیاء گزرے ہیں جنہوں نے کوئی درجہ حاصل کیا ہے انہوں نے
 مخالفت اور حقارت کا سامنا کیا تھا۔

لیکن ان تمام حکیموں کا ہری موہنی پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا بلکہ ایسا لگتا تھا
 کہ وہ ان باتوں کو اپنے گناہوں کی سزا سمجھ کر اُن پر خوش ہو رہی ہیں۔ ان کے اپنے
 وجود میں جو ایک مستقل پشیمانی اور اس سے پیدا ہونے والی مستقل مصوبت کا احساس تھا وہ
 اس بیرونی پریشانی کے ساتھ نہایت عمدگی سے میل کھاتا تھا۔ اب ایسا لگتا تھا کہ دیکھ کو
 خوش آمدید کہنا ان کا دیر بن گیا، کچھ اس طرح انہوں نے غم کو اپنایا ہے کہ ساری

مشکلیں آسان ہو گئیں۔!

جب ہری موہنی کو یہ پتہ چلا کہ ان کا کھانا پکانے کے لئے جو پانی آتا ہے اسکی درجہ سے گھریں جھگڑا ہو رہا ہے تو انھوں نے کھانا پکانا ہی چھوڑ دیا۔ اور پھل اور دودھ پر سبر کرنے لگیں جیسے پہلے وہ بھگوان کو چڑھاوا دیتیں، تب کھائیں۔ سچا ریتا کو اس بات سے بہت صدمہ ہوا، پر اس کی خالہ نے اسے سمجھایا کہ ”بیٹی میرے لئے تو پھل اور دودھ پر گزر کر نا بہت اچھا ہے۔ اس سے تو مجھے بہت خوشی ہوتی ہے، کوئی دکھ نہیں ہوتا۔ یہ تو ایک ضروری چیز ہے میری تنہا کے لئے۔“

”خالہ اگر میں بھی ان نیچے ذات لوگوں کے ہاتھ کا چھو ہوا کھانا چھوڑ دوں تو آپ مجھے اپنی خدمت کرنے دیں گی؟“ سچا ریتا نے پوچھا۔

”نہیں بیٹی، تجھے تو ریب ہی کرنا چاہئے جیسے تجھے سکھایا گیا ہے جس طرح تیری تعلیم تہسیت کی گئی ہے۔ میری وجہ سے تو کیوں اپنا راستہ بدلے؟ تو میرے پاس ہے، میری گود میں ہے، بس اتنی ہی خوشی میرے لئے کافی ہے۔ پارش بالوتیرے باپ ہیں، تیرے گرو اور استاد ہیں، تجھے ان کے پڑھائے ہوئے سبق کا احترام کرنا چاہئے خدا اسی سے خوش ہوگا۔“

برودا دیوی کے ڈھائے ہوئے ہر ظلم اور ان کی کی ہوئی ہر بے انصافی کو ہری موہنی اس سادگی کے ساتھ برداشت کرتی تھیں کہ جیسے ان کو خبر ہی نہیں ہوئی کہ کیا ہوا اور کیوں ہوا؟۔۔۔۔۔ پارش بابو، دن میں ایک بار صبح کے وقت ان کی خیریت پوچھنے اوپر آتے تھے۔ کہتے۔۔۔۔۔ آج آپ کیسی ہیں، کوئی تکلیف تو نہیں ہے آپ کو۔۔۔۔۔ ”دیکھتیں“ جی نہیں، ہانکل نہیں، میں تو بہت آرام سے ہوں، بہت خوش ہوں، بھگوان آپ کو اور آپ کے بچوں کو سکھی رکھے۔“

لیکن سچا ریتا کو برابر اپنی خالہ کی تکلیفوں کو دیکھ دیکھ کر رنج پہنچتا رہتا تھا۔ وہ

شکایت کرنے والی لڑکی نہیں تھی، خاص کر وہ اس بات کی احتیاط کرتی تھی کہ برودادیوں کی حرکتوں کا کوئی تذکرہ پارلش باہر تک پہنچنے نہ پائے۔ مگر ظاہر خاموشی سے برداشت کرنے کا ایک لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ذہنی طور پر وہ اپنی خالہ سے نزدیک ہوتی چلی گئی اور آخر کار برودادیوں کے احتجاج کے باوجود سچا ریتا نے اپنی خالہ کی ساری خدمت اپنے ذمہ لے لی۔

ہری موہنی نے دیکھا کہ وہ سچا ریتا کے لئے کسٹمرکل کا سبب بن گئی ہیں تو سچا ریتا پھر اپنا کھانا خود پکانے لگیں؛ اس پر سچا ریتا نے کہا ”خالہ میں رہی کروں گی جو آپ کہیں گی لیکن آپ مجھے کم از کم پانی تو بھرنے دیا کریں، میں ’نہیں‘ کبھی نہیں سنوں گی۔“

”دیکھو بڑھی بھتیں ناراض نہ ہونا چاہئے؛ بات یہ ہے کہ یہ پانی میرے بھگوان پر چڑھایا جاتا ہے۔“ ہری موہنی بولیں۔

”لیکن خالہ آپ کا بھگوان کیا اتنے پرانے خیالات کا ہے کہ وہ ذات پات کے فرق کو مانے۔۔۔ کیا چھوٹے سے بھی وہ گندہ ہو سکتا ہے۔“

آخر کار ہری موہنی کو سچا ریتا کی محبت کے آگے ہتھیار ڈالنے پڑے اور اپنی بھانجی کی خدمات انھوں نے بغیر کسی چون چرا کے قبول کر لیں؛ سٹیش بھی اپنی بہن کی دیکھا دیکھی خالہ کے کھانے میں شریک ہونے لگا اور اس کا شوق کرنے لگا۔ آخر کار نہایت یہاں تک پہنچی کہ پارلش باہر کے گھر کے ایک کونے میں ان تینوں کی ایک الگ فمیلی بن گئی۔ ولتا ان سے دو حصوں کے درمیان ایک پل کے مانند تھی کیونکہ برودادیوں اپنی باقی دونوں لڑکیوں میں سے کسی کو ہری موہنی والے کونے میں جانے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ ان کا بس چلتا تو ولتا کو بھی روک لیتیں، لیکن ولتا کو روکنے کی ہمت کون کر سکتا تھا۔!

چالیسواں باب

برودادیوی اکثر اپنی برہمن خواتین دوستوں کو اپنے یہاں دعوت دیا کرتی تھیں۔ کبھی کبھی یہ لوگ چھت پڑہری موہنی کے کمرے کے سامنے اکٹھی ہوا کرتیں، ایسے موقعوں پر ہری موہنی، اپنی سادہ طبیعت کی بناء پر ان لوگوں کی خاطر تواضع کرنے کی کوشش کرتیں لیکن وہ لوگ اپنی حقارت کو ظاہر کئے بغیر نہ رہتیں۔ برودادیوی پرانے رسوم و خیالات پر کڑوی کڑوی باتیں کہتیں، اور بیویاں بھی اس میں شریک ہوتیں اور ہری موہنی کی طرف گھورتی جاتیں۔

سچا رہتا جواب تقریباً سارے وقت اپنی خالہ کے پاس رہتی تھی ان تلخ حملوں کو خاموشی کے ساتھ برداشت کرتی۔ وہ بس اتنا ہی کر سکتی تھی کہ اپنی حرکات و سکنات سے ظاہر کر دے کہ یہ باتیں اس کو بھی بُری لگ رہی ہیں کیونکہ اب وہ بھی اپنی خالہ کے طور طریقوں کو اختیار کرتی جا رہی تھی۔ جب کھانے پینے کی چیزیں پیش کی جاتیں تو سچا رہتا کچھ لینے سے انکار کرتے ہوئے کہتی ”شکریہ۔ میں تو یہ سب نہیں کھاؤں گی۔“

اس پر برودادیوی پھٹ پڑی۔ کیا؟ کیا تمہارا مطلب ہے کہ اب تم ہمارے ساتھ کھا بھی نہیں سکتی ہو؟

جب سچا رہتا جواب دیتی کہ ہاں وہ یہی بہتر سمجھتی ہے کہ نہ کھائے تو برودادیوی طنز کی بوجھار کرتے ہوئے کہتیں ”آپ لوگوں کو معلوم ہے ہماری یہ نوجوان خاتون صاحبہ اب ادب کی عزت کی ہوئی جا رہی ہیں۔ ہمارے ہاتھ کاچھوئے کھانے سے داگندہ ہو جائیں گی۔“

ہر پاسچا رہتا اور مذہبی رسوم و عجاائب دنیا سے کبھی ختم نہ ہوں گے! — جہان

بیویاں کہتیں۔

ہری موہنی پریشان ہونے لگتیں: بیٹی راہارانی، اس طرح تو ٹھیک نہیں لگتے، تم جا کر ان لوگوں کے ساتھ کچھ کھاؤ پو:۔ اُن کو یہ بہت کھلتا تھا کہ اُن کی وجہ سے سچا ریتا کو یہ طعنے تشنّے برداشت کرنے پڑیں۔ لیکن سچا ریتا اپنی جگہ اٹل رہی۔ ایک دن ایک برہمہو خاتون، غالباً کچھ یوں ہی تفتیش کے موڈ میں، جوڑتے پہنے، ہری موہنی کے کمرے میں آئے لگیں، سچا ریتا ان کا راستہ روک کے کھڑی ہو گئی۔
”دیکھئے۔۔۔ اس کمرے میں نہ آئیے گا ہر باقی کر کے“

”کیوں۔۔۔ کیا بات ہے؟“

”یہاں میری خالہ کے بھگوان کی سورتی رکھی ہے۔“

”اوہ سورتی۔۔۔ تو وہ سورتی پوجا کرتی ہیں؟“

”ہاں ماں۔۔۔ کرتی تو ضرور ہوں“ اب ہری موہنی خرد بولیں۔

”آپ سورتیوں پر کیسے ایمان لے آتی ہیں؟“

”ایمان۔۔۔ مجھ جیسے بد بخت انسان کو کہاں ایمان نصیب ہو سکتا ہے؟

ایمان ہوتا تو میرے کام آتا، میرا بچاؤ کرتا“

اس وقت اتفاق سے لولتا بھی موجود تھی، اس کا چہرہ لال ہو گیا، سوال کرنے

والی کی طرف مخاطب ہو کر بولی ”سچ جس خدا کو، سنتی ہیں، اس پر ایمان ہے آپ کو؟“

”یہ کیا بیہودہ سوال ہے۔ ایمان سہنے نہیں تو پھر کیا؟“ لولتا نے حقارت سے

سر ہلایا ”آپ کو نہ صرف یہ کہ ایمان حاصل نہیں ہے بلکہ آپ کو یہ علم بھی نہیں ہے کہ

آپ ایمان سے قطعی عاری ہیں۔“

اس طرح سچا ریتا اپنے خاندان والوں سے بالکل کٹتی چلی گئی حالانکہ ہری موہنی برابر اس

بات کی کوشش کرتی تھیں کہ برہمہ دھرم کی کو جبر بات ناپسند ہو وہ سچا ریتا نہ کرے۔

بروداد دیوی اور ہرن کی کبھی کوئی خاص دوستی نہیں تھی لیکن اب باقی خاندان کے خلاف ان دونوں نے محاذ بنالیا۔ بروداد دیوی اکثر یہ خیال ظاہر کیا کرتی تھی کہ چاہے کوئی کچھ بھی کہے اگر کوئی ایک آدمی ایسا تھا جو برہموسماج کے مقاصد کو پاک و پاکیزہ رکھنے کی مخلص کوشش کر رہا تھا تو وہ پتو بابو تھے۔ دوسری طرف ہرن بابو ہر کہیں اور ہر کسی سے یہ کہتے تھے کہ بروداد دیوی برہموخاتون کی ایک تاب ناک مثال تھیں جو نہایت ایمانداری اور سچائی کے ساتھ برہموسرائی کی نیک نامی کو برقرار رکھنے اور اسے ہر طرح کے ظلم سے بچانے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔

ایک دن ہرن بابو نے پارش بابو کی موجودگی میں سچا ریتا سے کہا ”میں نے سنا ہے کہ آپ آجکل صرف وہ کھانا کھاتی ہیں جو میریوں پر چڑھا کر پاک کیا گیا ہو۔ کیا یہ سچ ہے؟“

سچا ریتا کا منہ لال ہو گیا، اس نے ایسا ظاہر کرنا چاہا کہ جیسے سنا ہی نہیں، مینر پر قلم دوات وغیرہ ٹھیک کرنے لگی۔ پارش بابو نے ہمدردی سے اس کی طرف دیکھا اور بولے ”پتو بابو — جو کچھ بھی ہم کھاتے ہیں وہ ہمارے خدا کا ہی دیا ہوا ہوتا ہے۔“ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سچا ریتا تو ہمارے خدا کو چھوڑنے پر تیار ہیں۔“ ہرن بابو بولے۔

”اگر یہ بات ممکن بھی ہے تو اس بیچاری کو پریشان کرنا تو کوئی علاج نہیں ہے۔“ پارش بابو نے پوچھا ”جب ہم کسی کو بھنور میں کھنس کر ڈوبتے دیکھیں تو کیا اسکو کنا سے پرکھینچ کر لانا ہمارا فرض نہیں ہے؟“ ہرن بابو نے جواب دیا۔

”کنا سے پرکھینچ کر لانا اور بات ہے اور وہ سے اس پر پتھر اڑ کر نا دوسری بات ہے۔ لیکن آپ فکر نہ کیجئے پتو بابو، میں سچا ریتا کو اس وقت سے جانتا ہوں جب وہ ننھی بچی تھی، اگر وہ پانی میں ڈوبنے کو ہوتی تو مجھے آپ سب سے پہلے معلوم ہوتا اور پھر میں اسکی

طرف لاپرواہی کبھی نہ برتنے۔“

”سچا ریتا یہاں جواب دینے کو خیر ہی موجود ہیں“ ہرن بابو بولے ”میں نے سنا ہے کہ اب یہ اوروں کے ساتھ کھانا کھانے سے انکار کرتی ہیں۔ پوچھتے تو ہی کہ کیا یہ ٹھیک ہے۔“

سچا ریتا نے درات قلم کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر جواب دیا ”بابو جی کو یہ بات معلوم ہے کہ میں نے ہر کسی کے ہاتھ کا چھوڑا ہوا کھانا کھانا چھوڑ دیا ہے۔ اگر آپ میں سے کسی کو یہ بات ناپسند ہے تو آپ مجھے جو چاہیں کہیں مگر بابو جی کو یہ سب کہہ کہہ کر کیوں پریشان کرتے ہیں۔؟ کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ ہم میں سے ہر ایک کے ساتھ کتنی رواداری برتتے ہیں؟۔ ان کی برداشت اور رواداری کا یہی صلہ آپ لوگ دے سکتے ہیں؟“

ہرن بابو اس صاف جواب پر حیران رہ گئے ! اور سوچنے لگے کہ اب تو سچا ریتا کو بھی جواب دینا آگیا ہے !

پارلش بابو ایک امن پسند اور مرنجان درخت قسم کے آدمی تھے، وہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنے متعلق یا دوسروں کے متعلق ہر وقت بحث کیا کریں، انھوں نے اپنی زندگی الگ تھلگ سکون سے گزاری تھی اور ہمہ سوجھ میں کبھی کسی اور نجی پوزیشن کیسے گوشیش نہیں کی تھی۔ ہرن بابو ان کے اس رویہ کو برہم ساجھ کے لئے جوش کی کمی سے تاویل کرتے تھے، پارلش بابو سے انھوں نے یہ موضوع چھیڑا بھی تھا لیکن انھوں نے بس اتنا ہی کیا ”بھئی خدا نے دو قسم کے جاندار پیدا کئے ہیں، ممکن اور متحرک، میں اول الذکر میں ہوں، ہم جس نائق بھی ہوں وہ فرائض خدا ہم سے پورے کر داتے گا، جو ہم سے نہیں سکتا اس کے لئے ہوس کر کے خواہ مخواہ اضطراب اور انتشار سے فائدہ؟ پھر میں اب بوڑھا ہوا، میں کیا کر سکتا ہوں کیا نہیں یہ طے کئے مدت گزری۔ آپ مجھے دوڑانے کی بیکار

کوشش کر رہے ہیں۔

ہرن بابو اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ٹھنڈی سے ٹھنڈی طبیعت میں بھی گرمجوشی پیدا کر دینے کا طرہ امتیاز ان کو حاصل ہے۔ انہیں یقین تھا کہ وہ نچلے لوگوں کو بھی دوڑا دینے کی ایسی صلاحیت رکھتے ہیں کہ کوئی اس سے متاثر ہوتے بغیر نہیں رہ سکتا؛ ہر گناہگار کو پشیمانی کا احساس کر سکتے ہیں۔ وہ ایک راستہ نکالتے ہیں تو وہ اس قدر زوردار ہوتا ہے کہ کوئی بھی ہیر، زیادہ دیر اس میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔۔۔۔۔ اور یوں وہ اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ ہر ہوسماج کے ہر ممبر کی طبیعت میں جو بھی خوش آئند تبدیلیاں اور اصلاحات ہوتی تھیں ان سب کا سہرا ان کے سر ہے۔!

انہیں اس بات میں ذرا بھی شبہ نہیں تھا کہ ہر بات کے پس منظر اور بنیاد میں ان کا ہاتھ تھا۔ اور خاص کر جب کوئی سچاریتا کی تعریف ان کے سامنے کرتا تو وہ پھولے نہ سماتے، اور اپنے آپ پر نہایت فخر کرتے، کیونکہ وہ محسوس کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے مشورے اپنی مثال اور اپنی رفاقت سے اس کے کردار کو ایک خاص قسم کے سناٹے میں ڈھالا تھا اور یہ امید کر رہے تھے کہ سچاریتا کی زندگی ان کی فتوحات میں سب سے بڑی اور شاندار مثال ہوگی۔ آج بھی سچاریتا کے اس طرح پھیل جانے سے ان کے غرور کو کوئی دھکا نہیں لگا تھا۔ کیونکہ وہ اس رجحان کا پورا ذمہ اور الزام پارٹیش بابو کے سر تھوپتے تھے۔

ہر شخص کی زبان پر پارٹیش بابو کی جو تعریف ہوتی تھی اس میں ہرن بابو بھی دل سے شریک نہیں ہوتے، اور اب تو وہ اپنے کو بہت ہی مبارک باد کے لائق سمجھنے لگے تھے کہ ان کی خاموش ذہانت نے پارٹیش بابو کو کتنا صحیح سمجھا تھا۔!

ہرن بابو ہر بات معاف کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں کو وہ صحیح راستے پر لاتے تھے ان کا کوئی آزاد رویہ اختیار کرنا یا اپنی عقل و سمجھ سے کوئی فیصلہ کرنا، یہ ان کے لئے ناقابل برداشت تھا! وہ اپنے شکار کو آسانی سے بغیر جدوجہد کے اپنے ہاتھ سے شکار

جائے دیں، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا تھا اور جتنا ہی صاف ان کو یہ نظر آتا کہ ان کی صلاح کچھ کام نہیں کر رہی ہے اتنا ہی زیادہ وہ اپنے مشورے پر اصرار کرتے !

ن کی حالت ایک ایسی مشین کی تھی جس میں جب تک بھری ہوتی کتنی ذرا سی بھی باقی رہتی ہے وہ برابر یکساں چلتی جاتی ہے۔ اپنے آپ کو وہ کبھی روک نہیں سکتے اور ایک ہی لکیر کو پیٹے جاتے — سُسنے والے سُن رہے ہیں یا نہیں ان سے اُن کو کوئی مطلب نہ تھا۔ پھر نہ بت یہاں تک پہنچتی کہ اُن کو اپنی شکست تک کی خبر نہ ہوتی.....

اُن کی اس عجیب طبیعت سے سچا ریتا کو سخت کوفت ہوتی تھی؛ اپنے لئے تو اتنی نہیں جتنی پارلش بابو کے لئے۔ ہرن بابو کی حرکتوں سے پورے برہمن سماج میں پارلش بابو بحث و مباحثہ کا ایک موضوع بن گئے تھے۔ اس تکلیف دہ صورت کو کیونکر ختم کیا جائے؟ کیسے اس کو رد کیا جائے؟ کس طرح اس کا مقابلہ کیا جائے؟

پھر ہرمی موہنی بھی تھیں۔ وہ دن بدن یہ سمجھتی جا رہی تھیں کہ وہ جتنا ہی پیچھے رہتی جاتی ہیں کسی بات میں دخل نہیں دیتیں اتنا ہی زیادہ ان کی وجہ سے خاندان میں جھگڑا بڑھتا جاتا ہے؛ اُن کو جو ذلت ہوتی ہے اس سے سچا ریتا کا غم بڑھتا جاتا ہے۔ اور اس سب کا کوئی حل نظر نہیں آتا۔

مزید برآں برہمن دیوی تھیں جو سچا ریتا کی شادی کے لئے برابر پارلش بابو پر زور دے رہی تھیں۔ ”بھئی اب ہم لوگ سچا ریتا کی ذمہ داری زیادہ دن نہیں لے سکتے؛ اگر اس کی شادی میں دیر ہوئی تو میں تو اپنی بچیوں کو لے کر کہیں اور چلی جاؤں گی کیونکہ اس کی صحبت میری لڑکیوں کے لئے مُضر ہے۔ میں کہے دیتی ہوں کہ آپ نے جو اسے اتنا بے لگام کر رکھا ہے تو پھپتا پیٹے گا ایک نہ ایک دن۔ لولتا کو ہی دیکھئے؛ ایسی تو پہلے کبھی نہ تھی۔ آپ کے خیال میں اس کے باغیا نہ روپہ کی تہہ میں کس کا ہاتھ ہے کسی کی نہیں سنتی، ہر کوئی اس کی وجہ سے پریشان ہے۔ اب اسی دن کی بات لیجئے۔“

میں تو شرمندگی سے مر گئی — آپ کا خیال ہے سچا ریتا کا اس میں کوئی دخل نہیں تھا۔ آپ سچا ریتا کو اپنی بیٹیوں سے زیادہ چاہتے ہیں۔ اسی لئے میں اتنے دن کچھ نہیں بولی پر اب میں صاف کہے دیتی ہوں، یہ سب نہیں چلے گا۔“

پارلیش بابو نہایت متفکر کتھے سچا ریتا کے متعلق ان کو کوئی پریشانی نہ تھی لیکن گھر میں یہ گڑبڑ ان کو بچہ عاجز کتھے تھی۔ اس میں انہیں کوئی شک نہ تھا کہ برو دادیوی ایک بار کسی بات پر اڑ جاتیں تو اسے کر کے ہی چھوڑیں گی اور گران کا مادہ پورا ہوتا نظر نہ آتے تو انکی کوشش دینی تگنی ہو جاتی تھی وہ خود بھی سوچتے کتھے کہ اگر سچا ریتا کی شادی ہو جاتی تو خود اس کو بھی یہی سکون ملتا اور ان پریشانیوں سے نجات مل جاتی — چنانچہ انھوں نے کہا — اگر پتو بابو سچا ریتا سے بات کر کے اسکی مرضی معلوم کر لیتے تو کوئی دن مقرر ہو جاتا تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟

”میں پوچھتی ہوں کتنی بار اس کی مرضی معلوم کی جائے گی۔ آپ تو بڑی عجیب باتیں کرتے ہیں۔! آخر یہ سچا ریتا کی مرضی کا تناظر اسوال کیا ہے۔ آخر ایسا اچھا شوہر اس کو ملے گا کہاں یہ آپ مجھے ذرا بتائیے۔ اب آپ چاہے خدش ہوں چاہے ناراض ہوں سچی بات تو یہ ہے کہ پتو بابو کے لائق تو وہ ہے کبھی نہیں۔“

”جیسا بات یہ ہے کہ اب تک میں یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ سچا ریتا کے خیالات اور جذبات پتو بابو کے متعلق کیا ہیں؟ اس لئے اگر وہ دونوں آپس میں کچھ طے نہیں کرتے تو میں کس طرح دخل اندازی کر سکتا ہوں۔؟“

برو دادیوی چہنچہ لگیں ”ہاں ہاں آپ تو کچھ سمجھتے ہی نہیں ہیں بیچاڑے آخر کو آپ نے بھی مان ہی لیا کہ اس لڑکی کو سمجھنا اتنا آسان نہیں ہے میں آپ سے کیا کہتی ہوں! میری بات یاد رکھئے گا، جیسی وہ دیکھنے میں لگتی ہے ویسی اندر سے ہے نہیں — ہاں!“

اکتالیسواں باب

اخبار میں ایک مضمون نکلا۔۔۔۔۔ اس میں اس موضوع پر روشنی ڈالی گئی تھی کہ برہمن سماج کے لوگوں میں جوش و خروش کم ہوتا جا رہا ہے اور ممبر لوگ اپنے مقاصد کی طرف سے ڈھیلا رویہ اختیار کر رہے ہیں، پورے مضمون میں ایسے حوالے تھے کہ نام بتائے بغیر بھی پارٹیش بابو کے خاندان پر صاف روشنی پڑتی معلوم ہوتی تھی۔ لکھنے کی طرز سے بھی صاف پتہ چلتا تھا کہ کس نے لکھا ہے۔

سچا رہتا ہے کسی نہ کسی طرح مضمون کو شروع سے لے کر آخر تک پڑھا اور اب اس وقت وہ بیٹھی اس کے پُرزے پُرزے کر رہی تھی، جس طرح وہ اس کے ٹکڑے کر رہی تھی اس سے ظاہر ہوا۔ ہاتھ کہ ذرہ ذرہ کٹے بغیر اس کے کلیجے میں ٹھنڈک نہیں پڑے گی۔ اسی وقت ہرن بابو کمرے میں داخل ہوئے اور کرسی کھینچ کر اس کے پاس بیٹھ گئے۔ لیکن سچا رہتا ہے اپنے کام میں اس قدر مصروف تھی کہ اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا بھی نہیں۔ ”سچا رہتا ہرن بابو نے بات شروع کی ”میں اب تم سے ایک بہت اہم معاملے کے متعلق بات کرنے آیا ہوں۔ تمہیں میری طرف توجہ دینی چاہیے۔“

سچا رہتا اسی طرح کاغذ کے پُرزے پُرزے کرتی رہی، جب انگلیوں سے پُرزے کرنا ناممکن ہو گیا تو اس نے قینچی اٹھالی اور کاغذ کی بھرچی بنانے لگی۔ ابھی وہ کر رہی تھی کہ ولتا آگئی۔

”ولتا“ ہرن بابو بولے ”مجھے سچا رہتا سے کچھ بات کرنی ہے۔“
ولتا جاننے کے لئے مڑی تو سچا رہتا نے اس کا لباس پکڑ کے روک لیا، ولتا نے کہا

بھی ”ارے آپ سے تو پتہ پابو کو کوئی خاص بات کرنی ہے۔“
 لیکن سچا ریتانے اس کی بات کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اور اسے کھینچ کر اپنے پاس
 بٹھالیا۔ پتہ پابو نے اشارہ تو کبھی سمجھتے نہیں تھے، انہوں نے اپنی بات کہنی شروع کر دی
 ”میں سمجھتا ہوں کہ اب ہم لوگوں کی شادی میں دیر نہ ہونی چاہیے، میں نے پارٹس پابو
 سے بات کر لی ہے، وہ کہتے ہیں کہ جیسے ہی تم اجازت دے دو ویسے ہی کوئی دن مقرر
 کر لیا جائے۔ اس لئے میں نے یہ طے کیا ہے کہ اگلے ہفتے اتوار.....“

وہ جملہ ختم بھی نہ کر پائے تھے کہ سچا ریتانے بس اتنا ہی کہا ”نہیں“
 ہرن پابو اس صاف اور بے جھجک ”نہیں“ پر چونک پڑے۔
 انہوں نے سچا ریتا کو محسوس فرما ہنر داری کی صورت میں دیکھا تھا۔ اور کبھی سوچا بھی
 نہ تھا کہ وہ ان کی تجویز کو اس طرح پیچ میں کاٹ کر رد بھی کر سکتی ہے۔
 ”نہیں“؟ انہوں نے تعجب سے پوچھا۔ ”نہیں“ سے تمہارا کیا مطلب ہے
 کوئی اور تاریخ مقرر کی جائے؟“

”نہیں“ سچا ریتانے سادگی سے اپنا کہا ہوا لفظ دہرا دیا۔
 ”تم تیار نہیں ہو۔“ سچا ریتا کا مطلب کیا ہے؟ ہرن پابو نے ششدر ہو کر
 اپنی بات دہرائی۔

”ایسا معلوم ہوتا ہے ہرن پابو آپ اپنی مادری زبان بھول گئے ہیں“ لولتانے
 طنز آمیز لہجے میں کہا۔

ہرن پابو نے کھا جانے والی نظروں سے لولتا کو گھورا۔ ہاں میرے لئے یہ
 مان لینا آسان ہے کہ میں اپنی مادری زبان بھول گیا ہوں لیکن یہ تسلیم کرنا مشکل
 ہے کہ اتنے دنوں تک میں ایک ایسی ہستی کی باتوں کو غلط سمجھتا رہا جس کے لئے میرے
 دل میں احترام کے سوا اور کوئی جذبہ نہیں۔

لوگوں کے سمجھنے میں دقت لگتا ہے۔ ہرن بابو پھر یہ اصول آپ پر بھی تو لاگو ہو سکتا ہے۔

”میرے تو قول اور فعل میں شروع سے آخر تک کوئی فرق رہا نہیں۔ ہرن بابو نے جواب دیا میں دعویٰ کر سکتا ہوں کہ میں نے اپنے متعلق غلط فہمی کی کوئی گنجائش پیدا نہیں کی۔ سچا ریتا خود ہی بتا دیتے ہیں صحیح کہتا ہوں یا غلط۔

لوتا کوئی اور حملہ پھینکنے والی تھی کہ سچا ریتا نے اس کو روک دیا اور بولی ”آپ جو کچھ کہتے ہیں ٹھیک ہے۔ میں آپ کو کوئی الزام کب لگا رہی ہوں۔“
اگر تم مجھ پر کوئی الزام نہیں لگا رہی ہو تو پھر مجھے اس طرح ذلیل کیوں کر رہی ہو
”ہرن بابو چغھے۔“

”آپ اسے ذلت کہیں لیکن اب میں بھی تو ذلت برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوں
کیونکہ میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ۔۔۔۔۔

باہر سے ایک دروازائی دیدی۔۔۔۔۔ میں حاضر ہو سکتا ہوں؟

سچا ریتا کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کی جان بچ گئی۔ جلدی سے بولی ”کون۔۔۔۔۔ تم
نہوئے بابو؟ ہیں؟ آؤ۔ آؤ۔۔۔۔۔ اندر آ جاؤ۔

آپ غلطی کر رہی ہیں دیدی، نہوئے بابو نہیں۔ صرف نہوئے۔ یہ سب تکلفات
آپ مجھ پر تو نہ لادنا چاہئے۔ نہوئے اندر آتا ہوا بولا۔ پھر جیسے ہی اس نے ہرن بابو کو
دیکھا اور ان کی چڑھی ہوئی تیوریوں پر نظر پڑی تو اسے مذاق مسو جھاہنس کر بولا۔ اچھا
آپ مجھ سے ناراض ہیں کہ اتنے دنوں سے حاضری کیوں نہ دی۔

ہرن بابو نے بھی مذاق میں شامل ہونے کی کوشش کی ”خفا ہونے کی وجہ بھی
ہے۔ آپ اس دقت ذرا بے موقعہ پڑے۔ میں سچا ریتا سے یک خاص معاملے کے متعلق
بات کر رہا تھا۔

”ہاتے رہے میری قسمت“ بنوئے مہلادی سے اٹھتے ہوئے بولا کھنٹی کسی کو کیا پتہ کہ آنے کا کونسا موقعہ ٹھیک ہے۔ اسی لئے تو انسان کی ہمت نہیں پڑتی کہ یہاں آئے وہ کمرے سے نکلنے ہی والا تھا کہ سچا ریتا نے اُسے روک دیا۔ اسے واہ بنوئے بابو۔ آپ کہیں نہیں جاتیں گے۔ ہم لوگ جو بات کر رہے تھے، ختم ہو چکی۔ آپ بیٹھئے بنوئے کو یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ اس کے آنے سے ایک گڑبڑ قسم کی صورت حال ختم ہو گئی ہے۔ اور سچا ریتا کو بڑا امن محسوس ہو رہا تھا اس سے وہ خوشی خوشی پھر بیٹھ گیا۔ اور بولا۔ آپ لوگوں کی تو کسی مہربانی سے فائدہ اٹھانے سے آج تک انکار نہیں کیا۔ اگر مجھے کوئی بیٹھنے کو کہتا ہے تو فوراً اُسے قبول کر لیتا فاکسار کی فہرست میں داخل ہے۔ اس لئے آپ ذرا ہوشیار رہتے گا، یہی۔ نکلتے ہیں مجھ سے کوئی ایسی بات نہ کہہ جاتیے گا جو دراصل آپ نہیں چاہتیں ورنہ پھر تباہی کی ذمہ داری آپ ہی پر ہوگی۔ ہرن بابو بالکل چپ ہو گئے تھے۔ لیکن ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دل میں کچھ کر گزرنے کا طوفان اٹھ رہا ہے۔ لہذا سب کو معلوم ہو جائے کہ وہ آخری لفظ تک اپنی بات کہے بغیر کمرے سے باہر جانے والے اسامی نہیں ہیں۔

لولٹا نے جیسے ہی باہر سے بنوئے کی آواز سنی اس کا خون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ وہ ٹھیک سے بیٹھ نہ سکی۔ پھر بنوئے جب اندر داخل ہوا تو وہ اُس سے ایک معمولی دوست کی طرح مخاطب بھی نہ ہو سکی۔ اس سے وقت یہی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو کیا کرے اور کہاں رکھے۔ اپنی فکاہوں کو کیا کرے۔ کہہ کر دیکھے۔ وہ تو کمرے سے باہر چلی جاتی مگر سچا ریتا ابھی تک اس کا پلہ پکڑے کھتی۔

بنوئے بھی آتے ہی سچا ریتا سے مخاطب ہو گیا۔ کتنی بھی ہمت کرتا تو لولٹا کی طرف مخاطب ہوتے نہ بنتی کھتی۔ گھبراہٹ چھپانے کے لئے ہنس ہنس کر مسلسل باتیں کرتے جا رہا تھا۔

پھر بھی لولتا اور نبوتے کا ایک دوسرے سے شرماتا چہرہ ہرن بابو کی نظروں سے چھپا نہ رہ سکا۔ وہ یہ دیکھ کر کباب ہو گئے۔ کہ لولتا جو ادھر ایک غصہ سے ان کی طرف شمشیر برہنہ کا رویہ رکھتی رہی تھی۔ وہ نبوتے کے سامنے اس طرح کھسکی بلی بن جاتے۔ اُن کو پارلش بابو پر غصہ بڑھنا شروع ہوا۔ ان ہی کے ڈھیل دینے کی وجہ سے برہنہ سماج کے باہر کے اُن لوگوں کا گھر والوں پر تصرف ہوا اور یہ خرابیاں پیدا ہوئیں بے اختیار دل میں پارلش بابو کو کوسنے لگے کہ ان کی حماقت کا خمیازہ جلد ہی اُن کی ہیکلنا پڑیگا۔ جب یہ بالکل ظاہر ہو گیا کہ ہرن بابو کمرے سے باہر جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ تو سچا ریتا نبوتے سے مخاطب ہوئی۔ نبوتے تم بہت دنوں سے خالہ سے نہیں ملے ہو۔ وہ اکثر تم کو پوچھتی رہتی ہیں۔ اوپر چل کر اُن سے نہیں ملو گے جب سچا ریتا نبوتے کو لے کر چلی گئی تو لولتا بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہرن بابو۔ میں سمجھتی ہوں آپ کو مجھ سے تو کوئی خاص بات کرنا نہیں ہے۔

”نہیں“ — ہرن بابو نے جواب دیا۔ اور یہ بھی مجھے نظر آ رہا ہے کہ آپ کی ضرورت کہیں اور ہے۔ اس لئے میری طرف سے اجازت ہے آپ تشریف لے جائیں۔

لولتا ان کے لہجے کی چوٹ سمجھ گئی اور ذرا متن کر کھڑی ہو گئی جس سے ظاہر ہے کہ وہ سمجھ گئی ہے مگر ٹھٹھکے پر مارتی ہے۔ اور بولی ”جی ہاں نبوتے بابو اتنے دن بعد آئے ہیں اس لئے یقیناً مجھے ان کے پاس بیٹھ کر گپ شپ تو کرنا ہی چاہئے! اس درمیان میں اگر آپ اپنی لکھی ہوئی چیز خود پڑھنا چاہیں تو — مگر میں بھول گئی، وہ مضمون تو سچا ریتا دیدی لئے پرزے پرزے کر دیا — خیر — اگر آپ کسی دوسرے کی لکھی ہوئی کوئی چیز پڑھنا برداشت کر سکیں تو یہ حاضر ہیں — یہ کہہ کر اس نے کمرے میں رکھی ہوئی میز پر سے کچھ اخبارات اٹھا کر جن میں گورا کے مضامین تھے — ان کو نہایت ادب سے ہرن بابو کے سامنے رکھ کر اوپر کوٹھے کی طرف کھسک لی۔!

ہری موہنی بنوتے کے آنے سے بیحد خوش ہوئیں۔ ایسا نہیں تھا کہ انھیں اس نوجوان سے کوئی خاص محبت ہوگئی ہو۔ بلکہ جو لوگ آیا کرتے تھے ان سے وہ بال مختلف تھا۔ وہ لوگ تو ہری موہنی کو ایک بال الگ ہی چیز سمجھتے تھے۔ زیادہ تر کلکتے کے رہنے والے ان کا بنگالی اور انگریزی بلا جلا کچھ ہری موہنی سے بہت بات کرتے تھے۔ ان کے طریقے دیکھ کر وہ جیسے اپنے آپ ہی جھینپ جاتی تھیں۔

بنوتے میں ان کو ایک یگانگت سی محسوس ہوتی تھی۔ ویسے وہ بھی کلکتے کا ہی تھا اور اس کے پڑھے لکھے ہونے کی خبریں بھی وہ سن چکی تھیں۔ لیکن اس نے کبھی ان کی طرف حقارت کا رویہ اختیار نہیں کیا۔ بلکہ محبت اور احترام ہی کیا۔ یہی وجہ تھی کہ اتنے کم عرصے میں بنوتے ایک عزیز کی طرح ان کے دل میں گھر کر چکا تھا۔

لوہ کے لئے بنوتے کے مانند اس طرح ہرن موہنی کے کمرے میں گھس جانا آسان نہ تھا۔ لیکن ہرن بابو نے جو طعنہ دیا تھا اس نے اسے چڑھا دیا تھا۔ نہ صرف یہ کہ وہ کمرے میں آگئی بلکہ بنوتے سے باتیں بھی کرنے لگی۔ جب ان لوگوں کے ملنے کی گونج نیچے تک پہنچی جہاں ہرن بابو تنہا بیٹھے داغ و مفارقت برداشت کر رہے تھے تو وہ اٹھے اور اپنے زخموں پر مرہم لگوانے کے خیال سے برو دا دیوی کے پاس پہنچے۔ جب وہیں اور ان کو یہ پتہ چلا کہ سچا ریتا نے ہرن بابو سے شادی کرنے سے انکار کر دیا ہے تو ان کے غصے کی انتہا نہ رہی۔ اس لئے ہرن بابو پرس پڑیں ”پنڈ بابو۔ آپ اس سلسلے میں اتنی بددھائی دکھاتیں گے تو بس ہو چکا۔ کتنی بار وہ ہاں کہہ چکی ہے۔ تمام برہمن سماج کو اس بات کا علم ہو چکا ہے۔ اب آج اس نے اپنا سر ہلایا تو کیا آپ تمام معاملے کو الٹ پلٹ ہو جانے دیں گے؟۔ آپ کو ایسی آسانی سے اپنا حق نہ چھوڑنا چاہیے۔ آپ اپنی جگہ جیسے رہتے۔ ہم لوگ دیکھیں گے کیا کرے گی وہ۔“

ہرن بابو سے جسے رہنے کے لئے کہنا بیکار ہی تھا۔ وہ تو اپنے آپ سے کہہ ہی رہے

ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح نبوتے شروع میں بروداد یوسی کو کافی پسند آیا تھا۔ اُن کو یقین ہو چلا تھا کہ ان کے زیر اثر نبوتے کو برہم سماج میں داخل ہونے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ اور ان کو ایک ذاتی فخر محسوس ہونا تھا کہ اتنے اچھے نوجوان کو وہ صحیح راستہ دکھانے کا ذریعہ بنیں گی۔ بلکہ وہ تو اپنے کتنی ایک برہم دوستوں سے اس فتح کا ذکر بھی کر چکی تھیں۔ اب اُن کو اور بھی زیادہ تلخی اسی بات کی تھی کہ وہی نبوتے دشمن کے محذو میں چلا گیا تھا۔ اور ان کی اپنی لڑکی لولتا اس بغاوت میں اس کا ساتھ دے رہی تھی۔

”لولتا تم کو یہاں کوئی خاص کام ہے؟“ انھوں نے کٹھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”جی ہاں نبوتے بابو اُپر آرہے تھے تو میں.....“

”نبوتے بابو جن لوگوں سے ملنے آئے ہیں وہ ان کی خاطر کریں گے۔ تمہیں کیا کرنا

ہے۔ نیچے چلو۔ وہاں بھاری ضرورت ہے۔“

لولتا فوراً سمجھ گئی کہ نیچے ہرن بابو نے اس کے اور نبوتے کے بارے میں کچھ ضرور ایسی باتیں کی ہیں جسکے کہنے کا انھیں اختیار نہیں تھا۔ وہ اور بھی اکڑ گئی۔ پہلے تو رک رک کر بات کرنی شروع کی تھی۔ اب صاف صاف بولی ”نبوتے بابو اتنے دن بعد آئے ہیں۔ میں اُن سے جی بھر کر بات کر لوں گی تب نیچے آؤں گی۔“

بروداد یوسی اس کے لہجے سے پہچان گئیں کہ لولتا اس وقت دبے گی نہیں۔

ہری موہنی کے سامنے منہ کی کھانا انھیں منظور نہ تھا۔ اس لئے نبوتے کا نوٹس لئے بغیر چپ چاپ نیچے چلی گئیں۔

لولتا نے ماں سے تو کہا کہ نبوتے سے باتیں کرے گی لیکن اُن کے ہانے کے

بعد اس کا سارا جوش پھیکا پڑ گیا۔ ذرا دیر تینوں ایک عجیب سی پریشانی میں بیٹھے رہے پھر لولتا اٹھی اور اپنے کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

ہوتے پر صاف ظاہر ہو گیا کہ اس گھر میں ہری موہنی کی کیا پوزیشن تھی۔ اور اسی موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے اسے ہری موہنی کی گزشتہ زندگی کے سب حالات معلوم ہو گئے۔

سب کچھ بتانے کے بعد ہری موہنی بولیں: بیٹا مجھ جیسے بے نصیبوں کے لئے یہ دنیا نہیں بنی ہے۔ اگر میں کسی تیرتھ پر چلی جاتی۔ اور وہاں بھگوان سے لو لگاتی تو میرے لئے اچھا ہوتا۔ میرے پاس کچھ تھوڑے پیسے تھے ان سے میں کچھ دن گزار کر سکتی تھی اگر اور زندہ رہتی تو کسی کے گھر میں کھانا پکا کر بھی بسر کر سکتی تھی۔ اس طرح کے بہت لوگ بنارس میں رہتے ہیں۔ پر میرا من اتنا پالی ہے کہ ایسا مجھ سے ہو ہی نہ سکا۔ اکیلی رہتی ہوں تو تمام زندگی کا دکھ میرے دماغ پر چھایا رہتا ہے اور بھگوان کی طرف بھی لو نہیں لگانے دیتا۔ کبھی کبھی تو لگتا ہے پاگل ہو جاؤں گی۔ سستیش اور راہ دھارانی میرے لئے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا ہیں۔ ان لوگوں کو چھوڑنے کے خیال ہی سے دم گھٹنے لگتا ہے۔ رات دن مجھے یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں اُن سے بھی نہ جدا ہونا پڑے۔ ورنہ اپنا سب کچھ لٹانے کے بعد اتنی جلدی مجھے ان دونوں سے کیوں اتنی محبت ہو جاتی۔ بیٹا میں اپنے دل کا حال تمہیں سنانے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتی۔ اس لئے تمہیں ستاتی ہوں کہ جب سے یہ دونوں مجھے ملے ہیں تب سے بھگوان کی پوجا میں بھی میرا دل لگنے لگا اگر یہ دونوں چھوٹ جائیں تو بھگوان بھی صرف پتھر کا دل رہ جائے گا۔ ان الفاظ کو کہتے کہتے وہ آنسو پوچھنے لگیں۔

بیالیسواں باب

سچا ریتا نیچے اُتر کر ہرن بابو کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ کہتے۔ آپ مجھ سے کیا کیا کہنے کوڑ کے ہوئے ہیں؟

”بیٹھو تو۔“ ہرن بابو بولے

لیکن سچا ریتا جہاں کی نہاں کھڑی رہی !

”سچا ریتا تم نے مجھ پر ایک زیادتی کی ہے“ ہرن بابو نے اپنی بات شروع کی۔
”آپ نے بھی تو مجھ پر زیادتی کی ہے۔“

”میں نے توجہ لفظ کہے تھے ان پر اب تک ہرن بابو کہنے ہی لگے
تھے کہ سچا ریتا نے اُن کی بات کاٹی“ کیا انسان صرف الفاظ ہی سے کسی کے ساتھ
زیادتی کر سکتا ہے کہ آپ یہ چاہیں گے کہ کسی کہے ہوئے لفظ کی وجہ سے اپنی
مرضی کے خلاف کوئی بات کروں۔ بہت سے جھوٹے الفاظ سے ایک سچائی کیا زیادہ
بڑی نہیں ہوتی۔ اگر میں غلطی بار بار کروں تو کیا وہ غلطی نہیں رہے گی۔؟ اب میری سمجھ میں
آیا ہے کہ میں نے غلطی کی تھی۔ اس لئے میں اپنے گزشتہ فیصلے پر قائم نہیں رہ سکتی۔ ایسا
کرنا سچائی کو دھوکا دینا ہو گا۔“

ہرن بابو کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سچا ریتا میں یہ تبدیلی ہوتی تو کیسے؟ اتنی توجہ
سوچ ہی نہیں سکتے تھے اور نہ ان میں اتنی خاکساری تھی جو سمجھتے کہ ان کا خرد مخراہ کا ہر وقت
کا اصرار تھا جس نے سچا ریتا کو مجبور کیا تھا کہ وہ اپنی فطری خاموشی اور سنجیدگی کو توڑ کر اس
طرح صاف صاف بات کرے۔ چنانچہ ان کے دماغ نے فوراً اس کے ساتھ تھیوں کو

مُردِ الزام قرار دیا۔ پوچھنے لگے۔ ”اچھا تو وہ کیا غلطی تھی جو اب تمہاری سمجھ میں آئی؟“
 ”یہ آپ مجھ سے کیوں پوچھتے ہیں؟ کیا میرا تناکہ دینا کافی نہیں ہے کہ میں شادی
 پر رضامند نہیں ہوں۔“

”لیکن یقیناً ہم لوگوں کو برہم و ساج کو تو کچھ جواب دینا ہو گا۔ اپنے ممبروں سے
 تم کیا کہو گی۔ اور میں کیا کہوں؟“

”جہں تک میرا سوال ہے میں تو کچھ نہیں کہوں گی اور اگر آپ کو کچھ کہنا ہی ہے تو
 آپ کہہ سکتے ہیں کہ سچا ریتا ابھی کم عمر ہے۔ یا کم عقل۔ ہے یا دھوکے باز ہے۔ آپ کا
 جو جی چاہے وہ آپ کہہ دیجئے۔ لیکن میرے اور آپ کے درمیان اب کچھ کہنے
 سننے کو نہیں رہا۔ یہ اچھی طرح سمجھ لیجئے۔“

”یہ بات اس طرح نہیں ختم ہو سکتی۔ یقیناً اگر پارلیمنٹ باجوہ.....“ اسی وقت پارلیمنٹ باجوہ
 خود اندر آگئے۔ ”کہتے ہیں باجوہ۔ اب مجھ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں؟“
 سچا ریتا کمرے سے باہر جانے لگی۔ مگر ہرن باجوہ نے اس کو آواز دے کر روکا۔
 ”نہیں سچا ریتا۔ اس وقت تم کو نہیں جانا ہے۔ پارلیمنٹ باجوہ کی موجودگی میں اس بات
 کا فیصلہ ہو جائے۔“

سچا ریتا مڑ کر کھڑی ہو گئی۔ ہرن باجوہ نے کہنا شروع کیا۔ ”پارلیمنٹ باجوہ۔ اب
 اتنا عرصہ گزرنے کے بعد سچا ریتا کہتی ہیں کہ یہ ہماری شادی پر رضامند نہیں ہیں۔ کیا
 ان کے لئے مناسب تھا کہ اتنے اہم معاملے کو یوں تماشہ بنا دیں، کھلواڑ کر دیں؟ کیا
 اس بیہودہ پن کی کچھ ذمہ داری آپ پر غائد نہیں ہوتی؟“

پارلیمنٹ باجوہ نے سچا ریتا کے سر پر ہاتھ پھیرا اور دیکھی آواز میں بولے۔ ”بھئی! تمہارے
 یہاں کٹھرنے کی ضرورت نہیں ہے تم جاؤ۔“

ہمدردی اور سمجھداری کے ان شفیق الفاظ کو سن کر سچا ریتا کی آنکھوں میں آنسو

بھڑاتے۔ وہ جلدی سے کمرے کے باہر نکل گئی۔

پھر پاریش بابو نے کہنا شروع کیا ”آپ نے جو باقاعدہ منگنی کر دینے کا خیال
 ظاہر کیا تھا اس کو مانتے ہوئے میں اس سنے بچا چار ہا تھا۔ پتو بابو کہ میں ڈرتا تھا
 سچا ریتا نے اپنی ذہنی حالت کو پوری طرح سمجھے بغیر ہی ہاں کر دی ہے۔ مجھے پہلے
 ہی اس بات کا خدشہ تھا“

”آپ کو کبھی یہ خیال نہیں آتا کہ سو سستا ہے جس وقت وہ راضی تھی اس وقت
 اس کا ذہن صحیح حالت میں رہا ہو۔ اور دراصل اس وقت وہ اپنے آپ کو پوری طرح
 سمجھ نہ رہی ہوں۔“

”ہاں۔ دونوں امکانات ہو سکتے ہیں۔ پاریش بابو نے تسلیم کیا۔ لیکن اس
 تذبذب کی کیفیت میں شادی بیاہ کی کوئی بات چیت کیسے ہو سکتی ہے؟“
 ”کیا آپ سچا ریتا کو کوئی ایسی عرصہ نہیں دے سکتے جو اس کے واسطے مفید ہو؟“
 ”نہ تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں سچا ریتا کو جو بھی رائے دوں گا وہ اس کے
 فائدے کی ہی ہوگی۔“

”ہر گز ہوا ایک دم پھوٹ جائے۔“ گروافنی ایسا ہوتا تو سچا ریتا کی یہ ذہنی کیفیت
 نہ پہنچتی۔ یہی آپ کے مسئلہ پر کہتا ہوں کہ اس وقت آپ کے گھر میں جو یہ سب کچھ ہو رہا
 ہے یہ صرف اس لئے ہے کہ آپ معاہدہ تہ بڑے صحیح رائے قائم نہیں کرتے اور ٹھیک
 فیصلہ نہیں لے پاتے۔“

پاریش بابو سننے لگے ”وہ تو بالکل ظاہر ہے۔ جو کچھ میرے اپنے خاندان میں ہو رہا
 ہے اس کی ذمہ داری اگر میرے کندھوں پر نہیں ہے اور تو کس کے ہو سکتی ہے؟“
 ”خیر۔۔۔ میں اتنا آپ کو یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایک دن آپ کو
 پچھتا نا پڑے گا۔“

”پچھتاوا اور غم تو دینے والے کی مہربانی ہے۔ مجھے گناہ کرتے پُرس لگتا ہے۔
پنڈ بابو۔ لیکن پچھتاوے سے میں نہیں گھبراتا۔“

”اسی دم سچاریتا واپس آئی اور پاریش بابو کا ہاتھ پکڑ کر بولی۔ بابو جی۔ آپ کی
عبادت کا وقت ہو گیا ہے۔“

”پنڈ بابو۔۔۔ آپ کچھ دیر کٹھن میں گئے؟“ پاریش بابو نے کہا۔
ہرن بابو ایک دم سے بولے ”نہیں۔ اور آخر کار رخصت ہو گئے۔“

تینتا لیسواں باب

سچا ریتا خود اپنی جدوجہد سے خون کھانے لگی جو وہ خود سے اور اپنے ماحول کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھی۔ ابھی تک وہ اس کشمکش سے بھی بے خبر رہی تھی جو اسکے دل میں گورا کے لئے پرورش پا رہی تھی۔ اس کی گرفتاری کے بعد اس پر عیاں ہو گیا کہ اب اُسے اپنے آپ پر کوئی اختیار نہیں رہا ہے۔ اور نہیں جانتی کہ اب کیا کرے! کسی پر یہ راز ظاہر نہیں کر سکتی تھی لیکن اکیلی اُس کا مقابلہ کرتے ہوئے جھجکتی بھی تھی۔

اُسے ایسی تنہائی بھی نصیب نہ ہوتی تھی جہاں وہ اپنی اندرونی کشمکش کے ساتھ کوئی سمجھوتہ کر کے اُسے ختم کرنے میں کامیاب ہو سکتی۔ ہرن نے اپنی چالاکی سے لوگوں کو اس قدر مشتعل کر دیا تھا کہ وہ اس کے چاروں طرف ہجوم کتے رہتے تھے پھر اس بات کا بھی امکان تھا کہ ہرن اخبار والوں کو بھی خبر پہنچا دے گا۔

اس کی خالہ کا بھی ایک مسئلہ تھا جو اس قدر نازک ہو چکا تھا کہ اس کا کوئی فوری حل نہ سوچا جاتا تو کسی مصیبت کا نازل ہو جانا بالکل یقینی تھا۔ سچا ریتا سمجھ چکی تھی اس کی زندگی ایک بحران میں پھنس گئی ہے۔ اب ایک جانے پہچانے راستے پر چلے جانا اور پُرانے روایتی انداز میں کچھ سوچنا بھی ناممکن ہے۔

ایسی مصیبت میں اس کا ایک ہی سہارا تھا! پارٹیش بابو وہ ان کی نصیحت یا مشورے کی طلبگار نہیں تھی۔ اس کے خیالات اتنے آدا قسم کے تھے کہ اُنھیں پارٹیش بابو کے سامنے پیش کرتے ہوئے اُسے شرم آتی تھی ان کی زندگی کے دور

طریقوں اور رفاقت کی وجہ سے ہی وہ اُن میں ایک باپ جیسی شفقت اور ماں جیسی مامنا محسوس کرتی تھی۔

سوم خزاں میں پاریش باور شام کے وقت اپنے باغ میں پوجا کے لئے جانے کے بجائے اپنے گھر کے مغربی کونے میں بیٹے ہوتے ایک چھوٹے سے کمرے میں بیٹھ کر برار تھنا کر لیا کرتے تھے۔ کھلے ہوئے دروازے میں سے سورج کی کرنیں اندر آکر اُن کے سفید بالوں اور گہمیر چہرے پر پڑنے لگتی تھیں۔ اُس وقت سُچا ریتا چپکے سے اندر آکر ان کے پاس بیٹھ جاتی۔ محسوس کرتی پاریش بابو کی اس عبادت کو دیکھ کر ہی اس کے اپنے انتہائی طور دکھی اور بے چین دل کو کافی کچھ صبر اور قرار نصیب ہو سکتا ہے۔

چنانچہ جب پاریش بابو کی سماجی ٹوٹتی تو وہ غموں اس لڑکی کو ایک خاموش اور رسالت مُرید کی طرح بیٹھا ہوا پاتے۔ اس کے چہرے پر ایک قابل بیان مٹھاس چھائی ہوئی نظر آتی۔ جو اُن کے دل کی گہرائیوں میں اُتر کر چپکے چپکے مٹس کے لئے آشیر باد بھیج رہی تھی۔

شکستہ حال کرنے کی مسلسل کوشش کی وجہ سے پاریش بابو کا دل ہمیشہ سنجائی اور شکی سے متاثر ہوتا تھا۔ دنیاوی جھگڑے اُن کو دل پر عادی نہیں ہو سکتے تھے انھیں اس طرح سے سوچنے اور سمجھنے کی پوری آزادی تھی لیکن اس آزادی کو دوسروں کے حقائق — راستے پر لے آنے کے لئے تشاہد استعمال کرنا ان کے لئے ناممکن تھا۔ شکی پر اُن کا ایک قدرتی اعتقاد تھا۔ ان کے ایسے تھمل ہی کے سبب سے انھیں جو شیلے اور ناہی جنونیوں سے گالیاں سننی پڑ جاتی تھیں۔ گالیاں بھلے ہی ان کے دلوں کو زخمی کر دیتی لیکن اُن کے اعتقاد کو کمزور نہیں کر سکتی تھیں۔ وہ اکثر خود سے کہا کرتے: مجھے کسی سے کیا لینا۔ کچھ لینا ہے تو صرف اپنے خزانے سے!

پارلش بابو سے اسی پختہ اعتقاد کو حاصل کرنے کے لئے ہی سچا رہتا کسی نہ کسی بہانے سے اُن کے پاس جانے لگی تھی۔ جب اس بھولی بھالی لڑکی کا اندرونی اور بیرونی خلفشار کسی قدر کم ہو جاتا تو وہ محسوس کرتی اگر وہ اپنے باپ کے قدموں پر سر رکھ کر روز آٹھ بجے دیر تک پڑی رہا کرے تو اس کا دل صبر و سکون کی اُمید کر سکتا ہے۔

یہ تو وہ سمجھتی تھی اگر وہ اپنا وقت سکون کے ساتھ گزارنے میں کامیاب ہو گئی تو اس کی مخالف قوتیں کھٹک کر پسپا ہو جائیں گی لیکن اس کے مقدر میں ایسا نہیں لکھا تھا۔ اُسے مجبوراً اپنی رہوں پر چلنے کا خطرہ مول لینا پڑ گیا۔ جب برودادیوں نے دیکھا کہ سچا رہتا لعنت ملاست کرنے پر بھی نہیں مانی اور پارلش بابو کو بھی اپنا طرفدار بنانے کی اُمید ختم ہو چکی ہے تو اُن کا سراغ غصہ اپنی پوری شدت کے ساتھ ہرن موہنی پر بھٹ پڑا۔ اس خیال سے ہی وہ چل جاتی تھیں کہ ہری موہنی گھر میں موجود تھیں۔

اپنے والد کی یاد میں منائی جانے والی ایک تقریب میں برودادیوں نے نبوتے کو بھی مدعو کیا تھا۔ خاندان کے اور دوسرے دوست شام کے وقت عبادت کیلئے جمع ہوئے تھے۔ وہ سچا رہتا اور اپنی لڑکیوں کے ساتھ اسی تقریب کے لئے کمرے کو سجانے میں لگی ہوئی تھیں۔ اس مصروفیت میں بھی انھوں نے نبوتے کو اُپر چلانے والی میٹھیلیں پر ہری موہنی کے پاس جاتے ہوئے دیکھ لیا۔ جب دل میں غبار ہوتا ہے تو کوئی معمولی سی بات بھی بڑی اہمیت اختیار کر لیتی ہے۔ اپنے کام میں برودا دیوی کا جی نہ لگ سکا اور وہ کمرے تک جا کر نبوتے کا پیچھا کرنے کے لئے بالکل مجبوری ہو گئیں۔ نبوتے ہری موہنی کے کمرے میں اس کے سامنے ایک کرسی پر بیٹھا بڑی بے تکلفی سے باتیں کر رہا تھا۔

بچھو! برودا دیوی ہری موہنی سے چلا کر بولیں تم یہاں جب تک جی چاہے بیٹھو۔ میں اس بات کی زیادہ پروا نہیں کرتی۔ ہم بڑی خوشی سے تمہارا خیال بھی رکھیں گے لیکن تم یہ بھی سن رکھو کہ ہم کبھی برداشت نہیں کریں گے کہ تم اپنے بھگوان کی مورتی اس گھر میں رکھو۔

ہری موہنی نے آج تک اپنی ساری زندگی گاؤں میں گزار دی تھی۔ اور سمجھتی تھیں کہ برہمن سماج عیسائیوں کا ہی ایک پتہ ہے۔ یہ سوال آج بھی ان کے دل میں موجود تھا کہ ان لوگوں کے ساتھ کس طرح تعلق قائم رکھے۔ اور ہو سکتا ہے وہ لوگ اس کے ساتھ کوئی تعلق رکھنا ہی نہ چاہیں۔ دھیرے دھیرے یہ خیال پختہ ہوتا جا رہا تھا اور وہ یہ سوچنے لگتی تھیں کہ ایسے حالات میں کیا کرنا چاہئے۔ برودا دیوی کی باتوں نے یہ بات اُن پر بخوبی واضح کر دی تھی کہ اُسے زیادہ دیر تک گویا کوئی کیفیت میں نہیں رہنا چاہئے۔ اور کوئی فیصلہ جلد ہی کرنا ہو گا۔ پہلے تو انھیں یہ خیال آیا کہ کلکتے میں کسی اور جگہ چلی جائیں۔ تاکہ وہ اپنی سچا رہتا اور سٹیش کو کبھی کبھی دیکھنے کا موقع ملتا رہے لیکن پھر سوچا کیا۔ وہ اپنے معمولی سے وسائل سے کلکتے جیسے مہنگے شہر میں رہ سکیں گی۔

برودا طوفان کی طرح اچانک آکر چلی بھی جا چکی تھی لیکن نبوتے ابھی تک سر جھکائے ساکت و جامد بیٹھا ہوا تھا۔ ہری موہنی نے یہ کہہ کر اس کی خاموشی توڑ دی "میں سوچ رہی ہوں یا ترا کرتے کے لئے چلی جاؤں۔ میرے بچے۔ کیا تم میں سے کوئی میرا ساتھ دے سکے گا؟"

صرف میں ہی آپ کے ساتھ جا کر خوش ہو سکتا ہوں "نبوتے نے جواب دیا۔ لیکن اس کی تیاری کے لئے کچھ روز لگ جائیں گے۔ تب تک کیا آپ میری مائتا جی کے پاس آکر نہیں رہ سکتیں؟"

تمہیں کچھ معلوم بھی ہے بیٹا۔ ہری موہنی نے کہا میں کتنا بڑا بار ہوں بھگوان نے میرے کاندھوں پر گناہوں کی اتنی بھاری گھڑی رکھی ہے کہ کوئی مجھے برداشت ہی نہیں کر سکتا۔ جب میری موجودگی میرے اپنے ہتی کے گھر میں ہی ایک بوجھ تھی تو مجھے اس کا احساس کر لینا چاہئے تھا۔ لیکن اب احساس مجھے بہت دیر سے ہوا ہے۔ میں اتنی مدت تک گنوم گنوم کر دل پر چھائی ہوئی تنہائی کو بھولنے اس قدر کوشش میں لگی رہی۔ جہاں بھی گئی مصیبتیں میرے ساتھ ساتھ رہیں۔ بس میرے بچے۔ اب اس سے زیادہ نہیں دیکھا جاتا۔ کسی دوسرے گھر پر میں نیا حملہ کیوں کروں! اب مجھے بھگوان کے جرنیلوں میں پناہ لینا چاہیے جو ساری کائنات کا بوجھ اٹھاتا ہے۔ میں اب اور زیادہ دکھ نہیں سہہ سکتی۔ بولنے وقت ہری موہنی بار بار اپنی آنکھیں پونچھتی جاتی تھی۔

”نہیں خالہ نہیں بوسے بوسے۔ میں آپ کو یہ سب نہیں کہنے دوں گا۔ آپ میری ماں کا مقابلہ کسی سے بھی کر کے دیکھ لیجئے۔ جس نے اپنا سب کچھ بھگوان کو سونپ رکھا ہے وہ کسی دوسرے کی تکلیف کا بوجھ محسوس ہی نہیں کرے گا۔ میری ماں بالکل ایسی ہے جیسے یہاں پارٹیش بابو کو دیکھتی ہیں۔ میں آپ کی ایک نہیں سنوں گا۔ پہلے میں آپ کو اپنے گھر کی یا تڑا پر لے چلتا ہوں۔ اس کے بعد میں آپ کی یا تڑا پر آپ کے ساتھ چلوں گا۔“

”لیکن“ ہری موہنی نے کہا ”پہلے ہمیں تمہاری ماں کو اطلاع تو کر دینی چاہئے کہ ہمارے وہاں پہنچ جانے سے ہی ان کو اطلاع ہو جائے گی“ اہی کا ذہن ہو گا۔ اور یہی سب سے بہتر اطلاع ہو گی۔

تو پھر کل صبح چلیں گے۔ ہری موہنی کہنے لگی۔ لیکن بوسے نے پھر مداخلت کی۔ کل ہی کیوں؟ کیا آج رات ہی کو چلا جانا بہتر نہیں ہو گا؟

اسی وقت سچا ریتا بنوئے کو بلائے کے لئے آگئی۔ ماں کہہ رہی ہیں عبادت کا وقت ہو گیا ہے بنوئے نے جواب دیا: ”لیکن مجھے افسوس ہے میں اس وقت شامل نہیں ہو سکتا۔ مجھے خالہ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔“ درحقیقت اس واقعہ کے بعد بنوئے برداد دیوی کی دعوت قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ یہ سب کچھ اسے ایک ڈھونگ لگتا تھا۔ لیکن ہری موہتی کو غصہ آگیا۔

”ہم پھر کسی وقت باتیں کر سکتے ہیں۔ وہاں سے ہو۔ آؤ۔ پھر میرے پاس آؤ۔“ سچا ریتا نے بھی کہا: ”میرے خیال میں تمہارے لئے چلنا ہی بہتر ہوگا۔“

بنوئے سمجھ گیا کہ اس کے عبادت میں شامل نہ ہونے سے خاندان کے اس جھگڑے کو اور شہ ملے گی۔ ویسے ہی جھگڑا کافی بڑھ چکا تھا۔ اس لئے وہ عبادت کے کمرے میں چلا گیا لیکن اس کی اس خوش سلیقگی سے کوئی مقصد پورا نہ ہو سکا۔ عبادت کے بعد جب پرشاد بانٹا گیا۔ جب بنوئے کو دیا جانے لگا تو اس نے ”بھوک نہیں ہے“ کہہ کر معافی مانگ لی۔

برد و اچلا کر دیوی۔ تمہیں بھوک لگ ہی کیسے سکتی ہے۔ جبکہ تم اوپر کمرے میں بہت ہی مزیدار باتیں سن کر اپنا پیٹ بھر چکے ہو۔

بنوئے نے ہنس کر اس الزام کو قبول کیا اور کہا: ”جی نہیں۔ اور لالچی لوگوں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ ماں کے لالچے میں وہ مستقبل سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ جانے ہی والا تھا کہ برداد دیوی نے کہا: ”غالباً تم پھر اوپر جا رہے ہو۔“ بنوئے نے مختصر سا جواب دیا: ”جی ہاں۔“ اور برداد سے باہر نکلتے نکلتے سچا ریتا کو آہستہ سے کہہ دیا۔ ”ریدی تم ذرا چاچی سے آکر مل لو۔ ان کو اس وقت بھکاری سخت ضرورت ہے۔“

لوتا مہاؤں کی خاطر مدارات میں مصروف تھی۔ جب وہ ہرن کے قریب سے گزری

تو ہرن نے یوں ہی کہہ دیا۔ بنو تے بابو تو یہاں نہیں ہیں اور پتے ہوتے ہیں۔
 لولتارک گئی۔ اور ان کے چہرے کو گھورتی ہوئی اور اس کی بات کاٹ کر بولی میں
 جانتی ہوں۔ لیکن وہ مجھ سے ملے بغیر یہاں سے نہیں جائیں گے۔ اس کے علاوہ جب
 یہاں کا کام ختم کر چکوں گی۔ اور پر بھی جاؤں گی۔

ہرن نے بھی یہ جان لیا تھا کہ نمبر مئے نے سچا ریتا سے کوئی بات کہی تھی اور وہ فوراً
 اس کے پیچھے پیچھے اُدپر کے کمرے میں چلی گئی تھی۔ اس نے تھوڑی دیر پہلے سچا ریتا سے
 گفتگو چیز نے کی بھی ایک سے زیادہ بار کوشش کی تھی لیکن سچا ریتا ہر بار بات کرنے
 سے کترا گئی تھی۔ کمرے میں جتنے دگ تھے اُن کے سامنے ہرن بابو کی بڑی توہین
 ہوئی اور جب وہ لولتا کو بھی بھڑکانے میں ناکام رہا تو اس کے من میں پہلے
 سے بھی کہیں زیادہ آگ لگ گئی۔

سچا ریتا اور پر گئی تو سہری موہنی اپنا سامان ہاندھ کر یوں تیار بیٹھی تھی جیسے فوراً ہی
 کہیں باہر جانے والی ہو۔ سچا ریتا نے اس کی وجہ دریافت کی۔
 سہری موہنی کوئی جواب نہ دے سکی اور رونے لگی۔ بڑی مشکل سے اس نے کہا
 تنیش کہاں ہے۔ اسے کہو۔ ذرا مجھ سے مل جائے۔ کیا تم اسے بلا دو گی۔

سچا ریتا نے حیران ہو کر نمبر مئے کی طرف دیکھا۔ جو کہنے لگا
 ”اگر خالہ یہاں رہے گی تو حالت بہت ہی گر بڑ ہو جائے گی۔ اس لئے میں انہیں
 اپنی ماں کے پاس لے جا رہا ہوں۔

”میں وہاں سے ہو کر کہیں یا تا کو چلی جاؤں گی“ سہری موہنی نے اس کی بات
 میں اضافہ کر دیا۔ میرے جیسے لوگوں کا کسی کے گھر میں ٹھہرنا قطعاً مناسب نہیں ہے۔
 آخر دوسرے لوگ کیوں ہمیشہ میرے ساتھ بندھے بندھے رہیں؟

سچا ریتا نے بھی یہی سوچ رکھا تھا۔ وہ بھی اس بات کا احساس کرتی تھی کہ خالہ

کے یہاں رہنے سے اُن کی صرت توہین ہی ہوگی۔ اس لئے اس نے کوئی جواب نہ دیا۔
ہری موہنی کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔ اس وقت اندھیرا ہو چکا تھا۔ لیکن لمپ نہیں جلائے
گئے تھے۔ دھندلے خزاں آلود آسمان پر مدھم مدھم ستارے چمکنے لگے تھے۔ اندھیرے
کی وجہ سے یہ معلوم نہیں ہو رہا تھا کہ ان میں سے کون کون دور رہا تھا۔

اچانک ستیش کی کانپنی ہوتی آواز سیڑھیوں پر سے سُنائی دی۔ خالہ خالہ۔
ہری موہنی جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوتی ”خالہ“ سچا ریتا نے کہا، ”تم آج کہیں نہیں جا سکتیں
کل صبح دیکھا جائے گا۔ پتا جی کی اجازت لئے بغیر تم کیسے چل دو گی۔ کیا اُن کو رنج
نہ ہوگا۔“

بردوا دیوی نے ہری موہنی کی جوہن کی تھی اس مسئلے پر سوچتے نہیں
چاہتا تھا کہ وہ اس چھت کے نیچے ایک رات بھی اور رہے۔ اور وہ بردوا دیوی کو دکھا دینا
چاہتا تھا کہ وہ یہ نہ سمجھتی رہیں کہ ہری موہنی اس کی توہین کو بے بس ہو کر برداشت
کرتی رہے گی یا وہ اور کہیں نہیں جا سکتی تھی۔ اس لئے وہ اس بات پر بھڑکھڑا کہ وہ
یہاں سے جس قدر جلد ہو سکے چلی جائیں۔

سچا ریتا کی بات سن کر اس نے محسوس کیا اس گھر میں تعلق صرت بردوا دیوی سے
ہی نہیں تھا۔ اس لئے صرت ان کی گالیوں کو ہی اہمیت دینا ٹھیک نہیں ہوگا۔ گھر کے
مالک کی فراخ دلی اور شفقتوں کو بھی مائل نظر رکھنا ہوگا۔ اس لئے اس نے کہا۔ یہ صحیح ہے
آب پارلش بابو سے اجازت لئے بغیر واقعی نہیں جا سکتیں۔

اسی وقت ستیش چلا تا ہوا اندر آ گیا۔ خالہ تم جانتی ہو رسی ہندوستان پر حملہ کرنے
والے ہیں ”کتنا عجیب ہوگا یہ۔“

”اور تم کس کا ساتھ دو گے بھوتے نے پوچھا
”روسوں کا“ ستیش نے کہا۔

”تب انہیں کس بات کی فکر ہوگی۔ نبوئے مسکرا کر بولا
 سچا رہتا ہے دیکھا کہ تناؤ کچھ کم ہو گیا ہے اور نبوئے کا مود کچھ بہتر ہے تو وہ دھیرے
 سے کھسک کر نیچے اتر گئی۔

————— ﴿﴾ —————

چوالیسواں باب

پارٹش بابو سونے سے پہلے اپنے چھوٹے سے کمرے میں ایک لمپ کے سامنے بیٹھے ایمرن کی ایک کتاب پڑھ رہے تھے جب سچا ریتانے اندر آکر ان کے پاس بیٹھنے کے لئے دھیرے سے کسی کھسکائی تو انھوں نے کتاب رکھ دی اور اس کی طرف دیکھنے لگے۔

سچا ریتا اپنے آنے کا مقصد بیان نہ کر سکی۔ وہ کوئی بات زبان پر نہیں لاسکتی تھی صرف اتنا کہا ”پتا جی“ کچھ مجھے بھی پڑھ کر سنا دیتے؟

یہاں تک کہ پارٹش بابو پڑھ کر اسے سناتے اور معنی سمجھاتے رہے۔ کہ بٹا بٹا گئے اس کے بعد وہ اس تکلیف دہ موضوع کے بارے میں کچھ نہ کہہ سکی جس کی وجہ سے اس کے باپ کا سکون درہم برہم ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب وہ سونے کے لئے اپنے کمرے میں جانے لگی تو پارٹش بابو نے اُسے واپس بلا لیا۔ اور پوچھا۔ تم اپنی خالہ کے بارے میں کچھ کہنے آتی تھیں۔ ہاں! کہہ۔

سچا ریتا حیران رہ گئی کہ انھوں نے اس کے دل کی بات کیسے مان لی۔ بولی ”جی ہاں پتا جی“ لیکن اس موضوع کو آج رات نہ چھیڑا جائے۔ کل بات کریں گے۔ لیکن پارٹش بابو نے اُسے بٹھالیا اور کہا۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تمھاری خالہ یہاں خوش نہیں رہتیں۔ میں اس بات کو نہ سمجھ سکا تھا کہ ان کے اعتقادات اور رسوم ماں کے خیالات اور عادات کی کتنی سخت ٹکڑ ہو گئی۔ میں دیکھتا ہوں تمھاری ماں کو بھی اذیت پہنچتی ہے اور تمھاری خالہ تو یقیناً اسی وجہ سے پریشان ہوتی ہیں سچا ریتانے

کہا۔ غالہ یہاں سے جانے کی پہلے ہی سے تیاری کر چکی ہیں۔
 پائش بونے کہا ”میں جانتا تھا وہ ایسا ہی کریں گی“ لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ
 تم ان کی تنہا رشتے دار ہونے کے ناتے سے انھیں بے گھر نہیں ہونے دو گی۔ میں
 بہت دن سے یہ بات سوچ رہا ہوں۔

سچا ریتا کو بھی اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ پائش بابو نے گھر میں اس کی غالہ کی
 درجہ سے چھائی ہوئی کیفیت کو جان لیا ہو گا۔ وہ ہمیشہ چوکنی رہتی تھی کہ کہیں اس بات
 کے انکشاف سے انھیں تکلیف نہ پہونچے۔ لیکن جب اس نے ان کی زبان سے
 ایسی باتیں سُنیں تو احسان مندی کے جذ بے سے اس کی آنکھوں میں آنسو جھپک آئے۔
 ”مجھے اُن کے لئے ایک مناسب مکان کا خیال ابھی ابھی سوچا ہے“ پائش بابو
 بولے۔

”لیکن میں ڈرنی ہوں وہ — وہ“ سچا ریتا رک رک کر بولی۔
 ”تم کہنا چاہتی ہو وہ کرایہ ادا کر سکنے کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن وہ کرایہ کیوں
 ادا کریں گی۔ تم ان سے کرایہ چھوڑی لو گی۔ کیوں؟“
 سچا ریتا حیرانی سے بت بنی کھڑی رہ گئی۔ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی۔ اور وہ مسکراتے
 ہوتے کہتے رہے انھیں اپنے مکان میں رکھو۔ جہاں کا انھیں کوئی کرایہ نہیں دینا ہو گا۔
 سچا ریتا کی حیرت کافی بڑھ گئی۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ پائش بابو کو
 وضاحت کرنی پڑی۔

”کیا تمہیں معلوم نہیں کلکتہ میں ہمارے دو مکان ہیں۔ ایک تمہارا ہے اور دوسرا
 ستیش کا۔ جب تمہارے پتاجی سورگ پاش ہوتے تھے تو انھوں نے میرے پاس کچھ
 رقم چھوڑی تھی جسے میں نے سود پر لگا دیا تھا۔ اور جب رقم کافی بڑھ گئی تو میں نے شہر
 میں دو مکان خرید لئے۔ اتنے عرصے میں اُن کا جو کرایہ وصول کرتا رہا ہوں وہ بھی میرے

پاس جمع ہے۔ تمہارے مکان کا کرایہ دار کچھ عرصہ ہوا چھوڑ کر چلا گیا ہے۔ اب وہ مکان خالی ہے۔ وہاں تمہاری خالہ کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔

”لیکن کیا وہاں وہ اکیلی رہ سکیں گی۔“ سچا ریتا نے پوچھا

جب ان کے پاس تم ہو۔ ان کی اپنی رشتہ دار تو وہ اکیلی کیسے رہیں گی۔ پارلش بابو

نے پوچھا۔

”یہ اسی بات کے بارے میں آج رات آپ سے کچھ کہنے کے لئے آئی تھی سچا ریتا نے کہا۔ وہ اس گھر سے جانے کا فیصلہ کر چکی ہیں۔ میں حیران تھی انہیں اکیلا کیسے جانے دوں۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتی ہوں اور اب ویسا ہی کروں گی جیسا آپ حکم دیں گے۔“

”تمہیں معلوم ہے ہمارے مکان کے ساتھ ساتھ جو گلی چلی گئی ہے؟ پارلش بابو اُسے بتانے لگے۔ تمہارا مکان اس گلی سے صرف تین دروازے کے فاصلے پر ہے تم اُسے براؤنڈ سے بھی دیکھ سکتی ہو۔ اگر تم وہاں رہنے لگو گی تم تنہائی محسوس نہیں کرو گی کیونکہ ہم تمہیں ہر وقت دیکھ سکیں گے۔ جیسے تم اسی مکان میں رہتی ہو۔“

سچا ریتا کے دل پر سے جیسے بہت بڑا بوجھ سنا اتر گیا۔ کیونکہ پارلش بابو کو چھوڑنے کا خیال ہی اس کے لئے سوہان روح بن جاتا تھا۔ اگرچہ وہ یہ بھی محسوس کرنے لگی تھی کہ اس کا فرض اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دے۔

وہ پارلش بابو کے پاس بیٹھ کر بہت سی باتیں سوچتی رہی۔ پارلش بابو بھی اپنے خیالوں میں کھوئے ہوئے تھے سچا ریتا ان کی شاگرد بیٹی اور دوست بھی تھی۔ وہ ان کی زندگی کا ایک ضروری حصہ بن گئی تھی۔ اس کے بغیر وہ اپنے بھگوان کی تپسیا کو بھی اذہورا سمجھتے تھے۔ جب سے سچا ریتا یہاں آئی تھی اور ان کی تپسیا میں شامل ہونے لگی تھی انہیں یوں لگنے لگا تھا۔ ان کی عبادت بہت فائدہ مند تھی۔ ان کی شفقتوں سے جتنا کہ انعامات نیکی کی طرف مائل کئے جاسکتے تھے۔ اس طرح ان کی اپنی زندگی

کا ادب کس اور بچا ہو جاتا تھا۔

اتنی عقیدت اور لگن کے ساتھ اور کوئی بھی ان کے پاس نہیں آیا تھا ایسی انکساری صرف سچا ریتا کے پاس تھی جیسے کوئی پھول آکاش کی طرف تکتا ہوا اس نے اپنی تمام تر فطرت کا رخ اُن کی طرف کر لیا تھا۔ اور پوری طرح کھل اٹھا تھا۔ اتنی گھورت پسینا سے خوش ہو کر اس پر پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کی بھانت رحمتوں کی بارش ہی کی جاسکتی تھی۔ اس سے زیادہ سنہری مریچ اور کونسا ہو سکتا ہے کہ روزانہ اپنے ایک ایسے حقیقی اور بہترین شاگرد کو فیض یاب کیا جائے۔ جس کی رُوح اسی مقصد کے لئے ہمیشہ تیار رہتی تھی۔ سچا ریتا نے پارلش بابو کو ایسا کرنے کے لئے موقع دیا کیا تھا۔ اِسی وجہ سے اُن کا اس کے ساتھ رشتہ بہت گہرا ہو گیا تھا۔

اب وقت آگیا تھا کہ وہ اپنا بیرونی تعلق توڑ لیتے۔ درخت نے اپنی زندگی کی کوئل سے ایک پھول کو پھینک دیا تھا۔ اب وہ اپنے درخت سے جدا کیا جاسکتا تھا۔ پارلش بابو اپنی اندرونی اذیت کو چپکے چپکے اسی کے سامنے پیش کر رہے تھے۔ وہ کچھ عرصے سے دیکھ رہے تھے کہ اپنی زندگی کو خود آکے لئے جانے کے لئے سچا ریتا کے اندر ایک تحریک پیدا ہو چکی تھی۔ انہیں یقین تھا اپنی جیون یا ترا کے لئے اس کے پاس کافی کچھ موجود تھا اور اس کی مدد سے وہ شاہراہ حیات پر چل کر دُنیا کی سڑکوں اور اندھیروں کے مئے مئے تجربات حاصل کرے گی۔ آزمائشوں میں سے گذر کر وہ دکھ اٹھائے گی اور جدوجہد سے مقصدِ حیات حاصل کرے گی۔

وہ اپنے دل ہی دل میں کہہ رہے تھے آگے بڑھو میری بچی! تم میری رہنمائی کی پرچھائیں سے ایک لمحہ بھی الگ نہیں رہو گی۔ بھگوان تمہیں مجھ سے آزادی دے گا۔ اور تمہیں اپنے مقصود کے مطابق ہر قسم کا تجربہ واقف کرے گا۔ بھگوان کرے تمہاری زندگی کا مقصد پورا ہو۔ اور اس طرح انہوں نے خدا کے حضور میں سچا ریتا کے روپ میں

ایک بیٹ فیت قربانی پیش کی جس کی وہ اس کے بچپن سے ہی اپنی تمام تر محبت کے ساتھ حفاظت اور پرورش کرتے آتے تھے۔

پارلش بابو بر دوا دیومی سے اُلجھنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ اور نہ ہی اس قسم کے اختلافات کو خاندان میں قائم رکھنا چاہتے تھے۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جب پارلش کا پانی پڑانے راستے سے داخل ہوتا ہے تو سخت طغیانی آجاتی ہے اور اسکی وقت روکنے کی ضرورت رہ جاتی ہے کہ پانی کو وسیع میاروں میں پھیلنے کی آزادی دے دی جائے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ حالات نے ان کے خاندان میں بڑی بڑی دراریں ڈال دی تھیں۔ غیر متوقع اور وہ حالات سچا ریتا کو بھی گھیرے ہوئے تھے۔ اسے تمام رُکاوٹوں سے دور رکھ کر باہر کی دنیا کے ساتھ اپنا رشتہ قائم کرنے کی آزادی دے کر ہی خاندان کے اندر سکون واپس لایا جاسکتا تھا۔ اسے اپنی زندگی مکمل سکون سے گزارنے کے لئے وہ اُسے آزادی دینے کی تیاریاں چپکے چپکے کرتے رہے تھے۔

وہ دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ اچانک گھڑی نے گیارہ بجاتے تو پارلش بابو اُٹھے اور سچا ریتا کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے برآمدے کی طرف لے گئے۔ آسمان پر بادل کا نام و نشان نہیں تھا۔ تارے چمکنے لگے تھے۔ سچا ریتا کے ساتھ کھڑے ہو کر پارلش بابو نے رات کے مکمل سکوت میں دعا مانگی۔ اے خدا تو ہمیں سب برائیوں سے دور رکھ! ہماری زندگیوں پر ہمیشہ سچائی کی کرنیں برساتا رہ۔

پینٹا لیسواں باب

دوسرے دن صبح ہری موہنی پارٹش بابو سے اجازت لینے کے لئے اُن کے سامنے جھکیں کیونکہ وہ اس سے عمر میں بڑے تھے (نواکھوں نے جھٹ اپنے پاؤں کھینچ لئے تاکہ وہ انھیں چھو نہ سکے اور گھبرا کر جلدی سے بولے "یہ آپ کیا کر رہی ہیں۔"

ہری موہنی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ میں نہ اس زندگی میں ہی نہ ہی کسی دوسری میں آپ کے احسانوں کے بوجھ سے کبھی آزاد ہو سکوں گی۔ آپ نے میرے ایسے بد قسمت انسان کو زندہ رہنے کے قابل بنایا۔ کوئی دوسرا ایسا ہرگز نہ کرتا چاہتا تو بھی نہ کر سکتا۔ لیکن چونکہ بھگوان آپ پر بہت ہرمان ہے اسی لئے آپ مجھے بچانے میں کامیاب ہو گئے۔

یہ سن کر پارٹش بابو بھی متاثر ہوئے۔ میں نے کوئی غصہ کام نہیں کیا انھوں نے دھیرے سے کہا۔ یہ سب کچھ سچا رہتا ہے کیا ہے۔

لیکن ہری موہنی نے انھیں پوری بات نہ کہنے دی۔ میں جانتی ہوں۔ میں جانتی ہوں۔ اس لئے کہا۔ لیکن رادھارانی آپ کی ہے۔ وہ جو کچھ کرتی بخیر آپ ہی کی وجہ سے۔ جب اس کی ماں مری اور اس کے بچہ اس کے باپ کا بھی انتقال ہو گیا۔ تو میں سمجھی یہ اب اپنی بد قسمتی کے اندھیروں میں ڈوب جائے گی۔ یہ میں کیسے جان سکتی تھی کہ بھگوان اسی بد قسمت کو بھی سہارا دے دے گا۔ میں گھوم پھر کر جب نوٹ کر یہاں آئی اور آپ کے بارے میں کبھی معلوم ہوا تو مجھے احساس

ہوا کہ بھگوان کے دل میں میرے لئے بھی کچھ رحم موجود تھا۔
 اسی لمحے نبوتے نے اندر آ کر بتایا۔ خالہ ماتاجی آپ کو لینے کے لئے آتی ہیں۔
 کہاں ہیں وہ۔ سچا ریتا حیران ہو کر کھڑی ہو گئی۔ نبوتے نے جواب دیا۔ نیچے
 تمھاری ماتاجی کے ساتھ۔ یہ سن کر سچا ریتا جلدی جلدی نیچے اتر گئی۔
 پارلش بابو نے ہری موہنی سے کہا۔ مجھے اجازت دو کہ میں آپ کے مکان
 میں آپ سے پہلے پونچ کر سب کچھ ٹھیک ٹھاک کر دوں۔
 جب وہ چلے گئے تو نبوتے نے حیران ہو کر کہا۔ خالہ۔ میں نے آپ کے
 مکان کے بارے میں پہلے کبھی کچھ نہیں سنا تھا۔
 میرے بچے مجھے آج سے پہلے کچھ پتہ نہیں تھا۔ یہ صرت پارلش بابو کو معلوم
 تھا۔ معلوم ہوتا ہے۔ یہ راز ہارانی کا ہے۔

جب نبوتے سب کچھ سن چکا تو بولا۔ میں سمجھتا تھا دنیا میں نبوتے بھی آخر کسی
 کے کام آنے کے قابل ہو گیا۔ لیکن اب دیکھتا ہوں کہ میں اس خوشی سے محروم
 ہو گیا ہوں۔ اب تک میں کسی کے لئے کچھ بھی نہیں کر سکا تھا۔ اپنی ماں تک کے لئے
 بھی جو میرے لئے ہمیشہ سب کچھ کرتی رہیں۔ ایسا گستا ہے اپنی خالہ کے لئے بھی میں
 کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن میں ان کی محبت اور آشیر باد سے محروم رہنا نہیں چاہتا۔ میری
 قسمت میں ہمیشہ کچھ میسر نہ لکھا ہے، دینا کچھ بھی نہیں۔

تھوڑی دیر کے بعد لونٹا اور سچا ریتا کے ساتھ آنند موٹی وہاں آ گئی۔ ہری
 موہنی ان کا سواگت کرنے کے لئے آگے بڑھ گئی اور کہا۔ بھگوان جب ہریان
 ہوتا ہے تو اس وقت کسی بات کی کمی نہیں رہتی۔ آج آپ بھی مل گئیں۔ ان الفاظ
 کے ساتھ اس نے آنند موٹی کا ہاتھ تھام کر انھیں اپنے پاس جا بٹھایا۔ پھر کہنے
 لگیں دیدی۔ نبوتے تو آپ کے سوا اور کسی کی بات ہی نہیں کرتا۔

آنند موئی مسکرا کر بولی۔ یہ تو اس کے بچپن کی عادت ہے وہ کسی بات میں دلچسپی لینا شروع کر دیتا ہے تو پھر اُسے آسانی سے نہیں چھوڑ سکتا۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں اب خالہ کا نا لیسننا بھی جلدی ہی شروع ہوئے والا ہے۔

نبوتے بولا ہا نکل سچ۔ میں پہلے ہی کہے دیتا ہوں۔

آنند موئی لولتا کی طرف دیکھ کر مسکرا کر بولیں۔ نبوتے کے پاس کوئی چیز نہ ہو تو وہ اُسے حاصل کر لیتا بھی خوب جانتا ہے۔ اور اس کی حفاظت کرنا بھی کوئی اس سے سیکھے۔ تم لوگوں کو وہ کس نظر سے دیکھتا ہے یہ بھی میں جانتی ہوں۔ آپ لوگوں کا گہرا میل ملاپ دیکھ کر جو خوشی مجھے نصیب ہوئی ہے اُسے بتا نہیں سکتی۔ آپ کے گھر میں جی لگ لگ جانے سے اُسے جو مسرت ملی ہے اُسے وہ بخوبی سمجھتا ہے اور دل میں اس کا احساس بھی کرتا ہے۔

لولتا نے چاہا کہ جواب دے مگر وہ نہ سکی گھبرا گئی۔ اسے کشمکش میں پھنسا دیکھ کر سچا ریتا کہنے لگی۔ نبوتے سب کی عزت کرتا ہے۔ اس لئے اپنے بہترین دوستوں کی خوشنودی حاصل کرنا بھی اس کا حق ہو جاتا ہے۔ یہ اس کی ایک خاص خوبی ہے۔ نبوتے نے کہا ماں! تم لوگ نبوتے کو جتنا بڑا سمجھتی ہو دنیا میں اس کی اتنی عزت نہیں ہے۔ ہاں میرے دل میں یہ نخر ضرور ہے کہ اس بات کا احساس کر کے بھی آپ کو کچھ نہیں بتا سکتا۔ لیکن ماں اب کوئی اور بات کرو۔

اسی وقت اوپر سے نفل میں ایک نیا کٹنا اٹھاتے ہوئے سنیش آگیا۔ اُس کے بازوؤں میں لگائی ہوئی چیز دیکھ کر ہری موہنی ڈر کر پیچھے ہٹ گئی اور خوشامد کے لہجے میں بولی۔

سنیش میرے بچے! مہربانی کر کے اس کتے کو ہٹاؤ یہاں سے۔ کتنا اچھا بیٹا

ہے شاہاش۔

یہ آپ لوگوں کو کچھ نہیں کہے گا خالہ۔ ستیش نے اُسے سمجھایا۔ یہ آپ کے کمرے میں بھی نہیں جاتے گا۔ اگر آپ اسے پیار کریں گی تو بالکل چپ چاپ رہے گا۔ لیکن ہری موہنی اس ناپاک جانور سے دُور رہی مٹھتی گئی۔ اور ستیش سے منبت بھی کرتی رہیں۔ نامیرے بچے۔ بھگوان کے لئے اسے لے جا۔

تب آنند موہنی نے ستیش کو اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور ہٹی کو اپنی گود میں لیتی ہوئی بولیں۔ تو تم ہی ستیش ہو۔ ہمارے نبوتے کے درست۔ اس نے ستیش کو نبوتے کا دوست کہلاتے جانے پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس نے پورے یقین کے ساتھ کہا جی ہاں اور آنند موہنی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے اُسے بتایا کہ وہ نبوتے کی ماں ہے۔

سچا بتانے اپنے بھائی کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ مسٹر باتونی ماں کو پرنا کرو۔ یہ سن کر ستیش نے شرما کر ان کے سامنے سر جھکا دیا۔

اس وقت ہروداد پوری نے اوپر آکر ہری موہنی کی طرف بالکل نہ دیکھتے ہوئے آنند موہنی سے پوچھا۔ کیا آپ ہمارے گھر کی بنی ہوئی کوئی چیز کھانا پسند نہ کریں گی۔ کبوں نہیں۔ آنند موہنی نے کہا۔ مجھے آپ کے یہاں کوئی چیز کھانے پر اعتراض نہیں ہوگا لیکن میں اس وقت کچھ نہیں کھاؤ گی۔ شکریہ۔ گورا آجائے تو پھر ہم آپ کی دعوت بخوشی قبول کریں گے۔

آنند موہنی گورا کی غیر حاضری میں اب کوئی کام نہیں کرنا چاہتی تھیں جو گورا کی خواہشات کے مطابق نہ ہو۔

پھر ہروداد پوری نے نبوتے کی ملوث دیکھ کر کہا اور نبوتے ہاں تم بھی یہاں موجود ہو۔ میں تو سمجھتی تھی کہ تم آئے ہی نہیں۔ نبوتے نے جواب دیا۔ میں آپ سے ملنے کے لئے آئے ہی والا تھا۔

کل تو آپ بلائے جانے پر بھی کھانا کھاتے بغیر واپس چلے گئے آج بغیر دعوت کے ہی کیا آپ ہمارے ناشتے میں شریک ہو جائیں گے۔ یہ تو دعوت سے بھی بڑھ کر ہوا۔ اُہ بنوئے نے کہا۔ تنخواہ کی نسبت اوپر سے ملا ہوا انعام زیادہ دلچسپ ہوتا ہے۔ ہری موہنی اس گفتگو کو سن کر حیران ہوئی۔ بنوئے تو اس گھر میں کھاتا پیتا رہتا ہی تھا۔ اور آئندہ موئی کو بھی ذات پات کا کوئی خیال نہیں تھا۔

جب برودا کمرے سے باہر چلی گئی تو ہری موہنی نے آئندہ موئی سے بڑے شک بھرے لہجے میں دریافت کیا۔ دیدی، آپ کے پتی تو ———“
میرے پتی کٹر ہندو ہیں۔ آئندہ موئی نے جواب دیا۔

ہری موہنی بڑی حیران ہوئی۔ اس کی حیرانی دیکھ کر آئندہ موئی کو بتانا پڑا۔ بہن! جب میں سماج میں سب سے اونچی ذات کی سمجھی جاتی تھی تب اس کا احترام بھی کرتی تھی لیکن جب بھگوان کی مرضی سے مجھے سماج چھوڑ دینا پڑ گیا تب سے میں کسی سے نہیں ٹوڑتی۔

ہری موہنی نے اس کا مطلب ٹھیک ٹھیک نہ سمجھتے ہوئے پھر پوچھا۔ اور آپ کے پتی ———؟

”وہ میری اس بات کو پسند نہیں کرتے“

”اور آپ کے بچے“

”وہ بھی خوش نہیں ہیں۔ لیکن کیا میری زندگی محض پتی اور بچوں کو خوش رکھنے کے لئے ہے؟ بہن یہ معاملہ ایسا نہیں ہے جسے سب کو بتانی پھروں۔ بھگوان تو سب کچھ جانتا ہے۔ یہ کہتے کہتے آئندہ موئی نے بھگوان کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔“

چھپالیسواں باب

لبونیا، لولتا اور لیلہ، سچاریتا کو ایک لمحے کے لئے بھی الگ نہیں چھوڑتی تھیں۔ اگرچہ انہوں نے اسے اس کا نیا گھر سجانے میں مدد کی اور بہت جوش و خروش بھی دکھایا لیکن وہ جوش و خروش محض اُن کے آنسوؤں پر پردہ ڈالنے کے لئے تھا۔

آج تک کئی برسوں سے کئی موقعوں پر سچاریتا پریش ہالہ کے چھوٹے بڑے کام کرتی رہتی تھی۔ کبھی جاکرا اُن کے کمرے میں پھول سجاتی۔ کبھی اُن کی کتابیں اور کاغذات کشیک کرتی۔ اپنے ہاتھوں سے اُن کے کپڑوں کو دھوپ اور ہوا میں پھیلاتی۔ در غسل کے لئے پانی بھر جاتا تو وہ انہیں جاکرا اس کے لئے یاد دلاتی۔ دونوں میں سے کسی نے بھی ان باتوں کو کبھی کوئی خاص اہمیت نہیں دی تھی۔ لیکن اب وہ وقت بہت تیزی سے بڑھتا ہوا کہ ہاتھاکر سب کام بند ہونے والے تھے۔ اسے تو یہ چھوٹے چھوٹے کام کوئی اور بھی آسانی سے کر سکتا تھا۔ اگر کوئی نہ بھی کرتا ہر چیز بوہی پڑن رہ جاتی تو بھی کیا فرق پڑ جاتا۔ لیکن وہی فرق دونوں کے دلوں کو یک دھ میں مبتلا کئے ہوئے تھا۔ اب جب کبھی سچاریتا پریش ہالہ کے کمرے میں کوئی معمولی کام کرنے کے لئے جاتی تو دونوں کی نظروں میں وہ کام بہت اہم ہو جاتا، دل پر پڑا ہوا بوجھ اُن کے اندر سے گہری سانس بن کر فکلتا اور اُس کے اندر کا کوئی ٹکڑا نکلیں کو ہٹناک کر جاتا۔

دوپہر کے کھانے کے بعد سچاریتا نئے گھر میں جانے والی تھی اس روز پریش ہالہ اپنے کمرے میں صبح کی عبادت کے لئے پونچھے تو وہاں سچاریتا کو پہلے سے ہی اُن کے

بیٹھنے کی جگہ کے سامنے پھول بس کر رکھے ہوئے، اور ایک طرف بیٹھ کر اُن کا انتظار کرتے ہوئے پایا۔ لبونیا اور لیلا کا ارادہ تھا کہ اس دن صبح کو وہ سب ایک ساتھ ہمارے گھر آئیں گی۔ لیکن لولٹا نے انہیں وہاں نہیں جانے دیا۔ کیونکہ وہ چاہتی تھی کہ آج کی عبادت سچا رہے اس کے پانچ باب سے اکیلے ہی آشیرداد حاصل کرے۔

لولٹا ان دونوں کی رفاقت میں آج کسی کی مداخلت نہیں ہونے دینا چاہتی تھی۔ عبادت کے بعد جب سچا رہنے والی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تو پارشل بابون نے کہا۔ پیچھے گھوم کر مست دیکھو بیٹی، اور دل میں کوئی بھی جھجک نہ پیدا ہونے دو قسمت جس کا بھی سامنا کرنا ہے اس کا مقابلہ بہادری سے کرو، آگے بڑھو۔ راستے میں جیسے بھی اچھا اور بُرا خدا دکھائے اُن میں سے بہتر کو چننے کی قوت پیدا کرو۔ خود کو مکمل طور پر خدا کے بھروسے پر چھوڑ دو، سمجھ لو کہ وہی سب سے بڑا مددگار ہے۔ اس کے بعد تم اپنی غلطیوں اور نقصانات کے باوجود ٹھیک راستے پر چلنے کے قابل ہو جاؤ گی۔ لیکن اگر تم نے اپنے ذہن کو دوسری طرف بانٹ دیا تو خدا کی طرف بھی اور کسی دوسری طرف۔ تب ہر بات بہت مشکل ہو جائے گی۔ خدا کرے تمہیں سیری بھی ضرورت بھی نہ پڑے۔

جب وہ عبادت کے کمرے سے باہر نکلے تو آنکھوں نے ہرن کو انتظار کرتے ہوئے پایا۔ آج سچا رہنے والی میں کسی کے خلاف کوئی جذبہ پیدا نہ ہونے دینے کا فیصلہ کر رکھا تھا۔ اس لئے اُس نے ہرن کو بہت احترام سے سلام کیا۔

ہرن بابو فوراً کرسی کے اندر سیدھے جسم کر کے بیٹھ گئے۔ اور مضبوطی سے لولے سچا رہنے آج تک تم نے صداقت کا دامن تھامے رکھا۔ اب اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ رہی ہوں۔ یہ بات ہم سب کے لئے کس قدر افسوسناک ہے۔

سچا رہنے والی کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے دل میں سکون اور محبت کی راگنی جاگ

رہی تھی۔ اس میں یہ بے سُرے الفاظ شامل ہو گئے۔ ایک کوفت ہوئی۔
 پارلش بابو نے کہا۔ یہ بات صرف انسان کا خمیر ہی بنا سکتا ہے کہ کون آگے
 بڑھ رہا ہے اور کون پیچھے ہٹتا جا رہا ہے۔ ہم لوگ باہر کی باتیں سن سن کر دکھی ہوتے
 رہتے ہیں۔

کیا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کے دل میں مستقبل کے بارے میں نہ کوئی خدشہ
 ہی ہے اور نہ ہی ماضی کی کسی بات پر پکھتاوا ! ہرن بابو نے پوچھا۔
 ہرن بابو ”انھوں نے جواب دیا ” میں کسی تصور یا خدشے کو دل میں جگہ
 نہیں دیتا اور اگر کوئی ایسا واقعہ ہو گیا ہے جس کے لئے پکھتنا ضروری ہو۔ تو وہ
 یہ نہیں جانتا ہوں کہ انسان کو کب پکھتنا چاہئے۔

تو کیا یہ محض تصور کی بات ہے کہ آپ کی لڑکی لوٹا ہوئے بابو کے ساتھ ایسٹمرپ
 ہائل اکیلی آتی ہے۔

غصے سے سچا ریتا کا چہرہ لال ہو گیا۔

پارلش بابو نے جواب دیا ”ہرن بابو“ آپ کسی خاص وجہ سے سخت جوش میں آئے
 ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کے دل و دماغ کی جب ایسی حالت ہو تو میں اس
 معاملے پر بات کیسے کروں۔

ہرن بابو نے اپنا سر اونچا اٹھایا۔ میں جوش میں آ کر کوئی بات نہیں کہتا۔ جو کچھ کہتا
 ہوں وہ سب سچا ہوتا ہے۔ میں ذاتی طور پر نہیں برہموسماج کی طرف
 توجہ دیتا ہوں۔ اس معاملے میں میرا خاموش رہنا غلط ہوگا۔ آپ کی لوٹا ہوئے بابو
 کے ساتھ ایسٹمرپ اکیلی چلی آئی۔ اس ایک بات نے آپ کے خاندان کو برہموسماجی
 سائل سے ہٹا کر الگ بہا لے جانے کا آغاز کر دیا ہے۔ اس بات سے صرف آپ
 یہی پکھتاوا نہیں دیتے بلکہ پورے برہموسماج کے لئے یہ شرم کی بات ہے۔

اگر آپ کا مقصد صرف خدمت ہی کرنا ہے تب تو ظاہری حالات ہی کافی ہیں ورنہ انصاف کرنے کے لئے تو واقعات کی گہرائی تک پہنچنا ضروری ہے کسی ایک واقعہ کی بنیاد پر ہی ایک شخص کو مجرم قرار دینا مناسب نہیں ہے۔

لیکن جو کچھ ہوتا ہے وہ اپنے آپ نہیں ہو جاتا۔ بہر حال بونے جواب دیا۔
 ”کون ایسی خرابی آپ لوگوں کے اندر پیدا ہو چکی ہے جس کی وجہ سے ان سب برائیوں کا پھیلنا ممکن ہوتا جا رہا ہے۔ آپ لوگ اپنے خاندان میں ایسے لوگوں کو داخل کر لیتے ہیں جو آپ کے خاندان کو اس کی روایات سے بہت دور گھسیٹ لے جاتے ہیں۔ کیا آپ خود نہیں دیکھ سکتے کہ وہ لوگ آپ کو کتنی دور کھینچ لے گئے ہیں۔“

پارٹیش بابو نے کسی قدر غصے میں آکر کہا۔ مجھے افسوس ہے ہم دونوں کا دل صاف نہیں ہے

”تمہارا دل صاف نہیں ہو گا۔ لیکن میں سچا ریتا سے ہی گواہی دینے کے لئے کہتا ہوں۔ وہی کہہ دے کہ لوہتا کے ساتھ بنوئے کے تعلقات کیا محض بیرونی ہی ہیں۔ یہ تعلقات کیا ان دنوں کی زندگیوں میں بہت گہرائی تک نہیں اتر چکے ہیں؟ سچا ریتا جاؤ مت جواب دو۔ یہ معاملہ بہت ہی سنگین ہے۔“
 چاہے کتنا ہی سنگین کیوں نہ ہو لیکن آپ سے مطلب؟ سچا ریتا بھڑک اٹھی۔
 ”اگر مجھ سے مطلب نہ ہوتا تو میں اس کی رتی بھر پرواہ نہ کرتا۔ بالکل ذکر ہی نہ کرتا۔ تم لوگ بھلے ہی سماج کی پرواہ نہ کرو لیکن جب تک اس کے ممبر ہو سماج کو تمہارے بارے میں کوئی نہ کوئی فیصلہ ضرور کرنا پڑے گا۔“

اسی وقت بگڑے کی طرح کہیں سے لوہتا نمودار ہو گئی اور کہنے لگی۔ ”اگر برہمن سماج نے نہیں اپنا جج مقرر کر دیا ہے تو ہمارے لئے اس سماج سے بالکل باہر رہنا ہی

بہتر ہوگا۔

ہرن بابو نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا میں تمہیں یہاں دیکھ کر خوش ہوا ہوں یہ بالکل صداقت پر مبنی ہوگا کہ تمہاری موجودگی میں تمہارے جرم پر بحث کی بات ہو۔
اب سچا ریتا سچ مچ سخت غصے میں آگئی۔ اس کی آنکھیں آگ کی طرح شریخ ہو گئیں
چلا کر بولی — ہرن بابو۔ اگر آپ عدالت لگانا چاہتے ہیں تو اپنے گھر میں لگائیے
کسی کے گھر آکر اس طرح بڑھ بڑھ کر باتیں کریں۔ یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ آؤ
بولتا چلیں۔

لیکن بولتا اپنی جگہ سے نہ علی۔ اس نے کہا: نہیں دیدی۔ میں بھاگنا نہیں چاہتی جو
کچھ یہ کہیں گے اسے ضرور سنو گی۔ بولتے جناب آپ کیا کہہ رہے ہیں۔
ہرن گھبرا گیا کہ کیا کہے۔

پرنس بابو لرزے۔ بولتا میری بچی آج سچا ریتا، میں چھوڑ کر جا رہی ہے۔ ہمیں
آج صبح صبح کوئی سمجھکڑا نہیں کرنا چاہیے۔ ہرن بابو، ہمارا کیسا بھی کوئی قصور کیوں نہ
رہا ہو۔ اس وقت تو ہمیں معاف ہی رکھتے۔

ہرن گہری خاموشی میں ڈوب گیا۔ لیکن سچا ریتا خود کو اس سے جس قدر دور رکھنا
چاہتی تھی وہ اُسے اتنا ہی اپنے لئے محفوظ کرنا چاہتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ سچا ریتا
اپنی خالہ کے ساتھ جو کہ مذہبی عقائد کی سخت پابند تھی اس گھر سے جا رہی تھی۔ اور
وہاں دوسرے گھر میں اس کا بس نہیں چل سکتا تھا۔ یہ بات اُسے بالکل مایوس
کئے رہے رہی تھی کیونکہ وہاں تک وہ ان کا پیچھا نہیں کر سکے گا۔ اس لئے آج
وہ اپنے خطرناک ترین ہتھیاروں سے خوب یس ہو کر انھیں اپنے سامنے
بالکل مجبور کر دینے کے لئے تیار ہو کر صبح ہی صبح آگئے تھے۔ اُسے یقین تھا وہ اپنی
من مانی کر کے ہی رہیں گے لیکن اس بات کی اُمید نہ تھی کہ سچا ریتا اور بولتا بھی اپنے

تیز تیز تیروں کے ساتھ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان بھل پڑیں گی لیکن پھر بھی انہوں نے ہمت نہیں ہاری بچاتی میں جس کا جیسا بھی معیار اُن کے نزدیک تھا۔ اسکی فتح بالآخر ضرور ہوگی۔ لیکن وہ اس بات کے قائل نہیں تھے انہیں اس کے لئے مرنے ہی پڑے گا۔ اور اسی دن سے انہوں نے خود کو اس کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا۔ اسی دوران میں سچا ریتا اپنی خالہ کے پاس گئی اور اس سے کہہ رہی تھی۔ خالہ اگر میں آج ان سب کے ساتھ کھانا کھاؤں تو آپ برا نہ مانتے گا۔

ہری موہنی چُپ رہی۔ اُسے یقین ہو چکا تھا کہ سچا ریتا میرے کہنے پر عمل کر سکے گی اور میرے مذہبی عقائد کا بھی پورا پورا احترام کیا کرے گی۔ لیکن سچا ریتا کی آج کسی تجویز اُسے پسند نہیں سچا ریتا بھی سمجھ گئی کہ خالہ کے دل پر کیا گزر رہی ہے۔ اس لئے کہا۔ مجھ پر یقین رکھو۔ خالہ۔ بھگوان اس بات سے خوش ہی ہوگا۔ کیونکہ انہوں نے مجھے سب کے ساتھ آج کھانا کھانے کا حکم دیا ہے۔ اگر میں ان کا حکم نہیں بجالاتی تو وہ بہت ناراض ہوں گے اور اُن کا غصہ آپ کے غصہ سے کہیں زیادہ ہوگا۔

ہری موہنی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ جب سے بردوا دیوی کے ہاتھوں اس کی توہین ہوئی تھی سچا ریتا اس کے عقائد خیالات اور زخمی احساسات کی شریک رہی تھی لیکن اس سے الگ ہوتے وقت سچا ریتا انہیں خیالات و احساسات کو کھل رہی تھی۔ ایسا کیوں تھا۔ سچا ریتا اُس کے لئے ایک مشکل مسئلہ بن گئی تھی۔ وہ اس کے دل کی گہرائیوں تک نہ پہنچ سکی۔ اگرچہ اس نے سچا ریتا کو بالکل منع تو نہیں کیا لیکن ذہنی کوفت ضرور محسوس کی۔ اُسے کھانے چکھنے کا سواد کہاں سے ملا ہے وہ دل ہی دل میں رٹ جسنے لگی۔ آخر وہ ایک برہمن گھرانے میں پیدا ہوئی تھی۔

کچھ دیر خاموشی کے بعد کہنے لگی، میری بچی ایک بات سن لے۔ اگر تم اُن کے

ساتھ کھانا کھانا چاہتی ہو تو تمھاری مرضی۔ لیکن کم از کم ان کے لوکر کے ہاتھ کا بھرا
ہوا پانی مست پینا۔

”کیوں خالہ“ سچا ریتا بہت حیران ہوئی۔ وہی رام دین روزانہ گائے کا
دودھ دیتا رہتا ہے اور وہی آپ کے لئے بھی دودھ لے آتا ہے۔
ہری موہنی کی آنکھیں حیرت سے کھٹی رہ گئیں۔ بولی۔ تم تو میری جان نکالنا
چاہتی ہو بیٹی۔ دودھ اور پانی ایک کیسے ہو جائیں گے۔
اچھا خالہ میں آج سے رام دین کے ہاتھ سے پانی نہیں لوں گی۔ لیکن تم نے
ستیش سے اگر یہ بات کہی تو وہ اس کا اٹھا ہی کرے گا۔
”اس کی بات الگ ہے“ کہہ کر ہری موہنی چپ ہو رہی۔ وہ سمجھتی تھی کہ مردوں
کے لئے قانون قاعدے کی پابندیوں میں کچھ ڈھیل دینی ہی پڑتی ہے۔

سینٹا لیسواں باب

ہرن بابو نے لڑائی جھگڑے کی ٹھان ہی لی تھی۔ !

نبوتے کے ساتھ سیٹھ پر آتے ہوئے لوٹنا کو پندرہ دن ہو چکے تھے۔ اس بات کو دس پانچ آدمی جان بھی چکے تھے۔ اس کے علاوہ اور لوگوں کو بھی یہ بات آہستہ آہستہ معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن اب دو دن کے اندر انہی اسی بات کا ہر طرف جھگ کی آگ کی طرح غل مچ گیا۔ برہمچاری کے گھرانوں میں اسی بد اخلاقی کو پھیلنے سے روکنے کے لئے ہرن بابو نے بہت سے لوگوں سے درخواست کی تھی۔ یہ کام ہمیشہ کل نہیں تھا۔ سچائی اور فرض کے نام پر جب کسی کو قانون شکنی کی وجہ سے لازم ٹھہرانا ہے تو اس وقت لوگ خوشی خوشی اکٹھے ہو جاتے ہیں۔ سماج کے بیشتر لوگ سید شریف اور نیک ہونے پر بھی ہرن بابو کے ساتھ مل کر اس تکلیف دہ کام کو سرانجام دینے کے لئے خود کو باز نہ رکھ سکے۔

برادری کے ان ٹھیکیداروں نے گھر گھر جا کر برہمچاری کو پیش آنے والے خطرے سے آگاہ کیا اور اس مقصد کے لئے انہیں آنے جانے کا بہت سا کرایہ بھی خرچ کرنا پڑا۔ لیکن اس بات کی بھی انہوں نے پرواہ نہیں کی۔

اس کے علاوہ یہ خبر گھر گھر پہنچنے لگی کہ اب سچا ریتا اپنی بند و نہال کے ساتھ اس کے گھر میں رہ کر بڑی باقاعدگی سے مورتی پوجا کرنے لگی ہے۔

سچا ریتا کے اپنے گھر میں چلے جانے کے بعد ریتا کے دل میں ایک بہت بڑی کشمکش پیدا ہو چکی تھی۔ ہر روز رات سونے سے پہلے وہ قسم کھاتی تھی میں کسی سے

شکست قبول نہیں کروں گی۔ صبح اٹھ کر وہ اس قسم کو دُہرائی تھی۔ اُس کی اس ذہنی پریشانی کا تعلق بنوئے سے تھا۔ وہ نیچے کے کمرے سے جب بنوئے کی آوارشن لیتی تو اس کے دل کی دھڑکن بڑھ جاتی تھی۔ اگر وہ اس سے دو تین دن بھی نہ ملتا تو اس کے دل کی بڑی اذیت پہنچتی تھی۔ کبھی کبھی وہ سستیش کو کسی نہ کسی بہانے سے بنوئے کے گھر بھیج کر اس کی خیر خبر معلوم کر لیتی تھی۔ ایک ایک بات پوچھ لیتی تھی کہ بنوئے کیا کہہ رہا تھا اور کیا کر رہا تھا۔

جوں جوں بنوئے کی محبت لوٹا کے دل پر غلبہ حاصل کرتی گئی اپنی شکست کے قریب تر آنے کا شدید احساس بھی ہوتا گیا۔ کبھی کبھی تو وہ اس بات پر بھی ناراض ہوا کھشتی کہ انھوں نے بنوئے اور گورا کے ساتھ اپنے تعلقات توڑ کیوں نہیں لئے تھے۔ پھر بھی وہ اب آخری دم تک سخت مقابلہ کرنے کے لئے بالکل تیار ہو چکی تھی۔ چاہے وہ مری کیوں نہ جاتے۔ لیکن وہ شکست کبھی نہیں قبول کریگی۔ آنے والے حالات کا دل ہی دل میں اندازہ کرتی۔ کبھی کبھی وہ یورپ کی ان عورتوں کی سنہری زندگی کے بارے میں بھی بہت رشک سے سوچنے لگتی۔ جنھوں نے اپنی زندگی صرف انسان کی محبت کے لئے وقف کر دی تھی۔

ایک دن وہ پارٹیش بابو کے پاس گئی اور کہا ”پتا جی کیا میں کسی ہاٹھ شالا میں اُستانی نہیں بن سکتی۔“

پارٹیش بابو نے اپنی لڑکی کے چہرے کو گھورا۔ وہ اس بات کو اسکی آنکھوں میں بخوبی دیکھ سکتے تھے کہ وہ دل کے ہاتھوں کس قدر عاجز آ چکی تھی۔ انھوں نے بڑی شفقت سے جواب دیا کیوں نہیں بیٹی! لیکن کوئی کام کا سکول ہے کہاں۔

اس زمانے میں واقعی کام کے اسکول نہیں تھے۔ اگرچہ لڑکیوں کے دو ایک ابتدائی تعلیم کے اسکول چل رہے تھے۔ لیکن اونچے طبقے کی عورتوں نے پڑھانے

لکھانے کا پیشہ ابھی تک اختیار نہیں کیا تھا۔

لوتا نے بڑی مایوسی سے کہا۔ تو کیا اب کوئی اسکول نہیں ہے۔

کم از کم میرے علم میں تو نہیں ہے۔ پارلش بابو نے اعتراض کیا۔

لوتا بولی تو کیا پتا جی ہم خود کوئی اسکول نہیں جاری کر سکتے؟

لیکن اس کام کے لئے تو بہت سے روپے کی ضرورت ہوگی اور بہت سارے

لوگوں کی مدد کی بھی۔

لوتا ہمیشہ سے جانتی تھی کہ نیک کاموں کی تکمیل میں رکاوٹیں حائل ہوتی ہیں۔

جس کے ساتھ ٹکرائے سے حوصلہ بڑھتا ہے لیکن اس سے قبل اسے ایسی مشکلات کا کوئی احساس نہیں تھا۔ کچھ دیر تک خاموش رہنے کے بعد وہ اٹھی اور کمرے سے باہر چلی گئی۔

پارلش بابو اپنی بیٹی کے اندرونی کرب کا سبب معلوم کرنے کے لئے خیالوں

میں ڈوبے ہوئے بیٹھے رہے۔ اس دن سہرے بابو ہوتے کے بارے میں جو کچھ

کہہ گئے تھے وہ بھی انہیں یاد آگیا۔ ایک بی سانس لے کر انہوں نے گویا اپنے

آپ سے پوچھا۔ کیا میں نے سچ کچھ بھروسہ کی۔ لوتا کے علاوہ کوئی ورکر کی ہوتی

تو انہیں خاص فکر بھی نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک لوتا کا کردار بہت ہی اونچا اور

قابلِ قدر تھا۔ وہ جانتے تھے اس میں جھوٹ یا تصنع نام کو بھی نہیں تھا۔

اسی دن دوپہر کو لوتا سچا ریتا کے گھر گئی۔ گھر میں کسی طرح کی سجادت نہیں

تھی۔ اندر بڑے کمرے میں ایک دری چھپی ہوئی تھی۔ ایک طرف سچا ریتا اور دوسری

طرف ہری موہنی کا بستہ تھا۔ ہری موہنی چار پائی پر نہیں سوتی تھیں۔ اس لئے سچا ریتا

نے کبھی زمین پر ہی اپنا بستر لگا لیا تھا۔ کمرے کی ایک دیوار پر پارلش بابو کی تصویر

ٹنگی ہوئی تھی۔ برابر والی کوٹھری میں سستیش کی چار پائی لگی ہوئی تھی۔ کونے میں

ایک چھوٹی سی میز بڑی تھی جس پر دو ات قلم کا پی سلیٹ اور کتابیں یہاں وہاں بکھری ہوئی تھیں۔ سٹیش سکول گیا ہوا تھا۔ مکان پر ایک گہری خاموشی چھائی تھی۔ کھانا کھانے کے بعد آرام کرنے کی نیت سے ہری موہنی چٹائی پر لیٹی ہوئی تھیں۔ سچا ریتا ابھی اپنے بستر پر گود میں ایک تکیہ رکھے بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے ایک کتاب تھی جس کے مطالعہ میں وہ ڈوبی ہوئی تھی۔ اس کے کھلے ہوئے کالے بال اس کے کندھوں پر لہرا رہے تھے اس کے سامنے اور بھی کئی کتابیں پڑی تھیں۔ جب اس نے لوٹا کو کمرے میں آئے ہوئے دیکھا تو اس نے پہلے تو گھبرا کر کتاب بند کر دی لیکن فوراً ہی اس نے اپنے آپ پر قابو پایا۔ دراصل اسے شرم آگئی تھی کیونکہ اس کے سامنے — اور کتاب کو پھر اس جگہ سے کھول دیا جہاں سے وہ پڑھ رہی تھی۔ سب گورا کی لکھی ہوئی کتابیں تھیں۔

ہری موہنی بھی اٹھ کر بیٹھ گئی۔ بولی۔ آؤ بیٹی! یہاں بیٹھو۔ تمہارا گھر چھوڑنے کے بعد سچا ریتا پر جو بریت رہی ہے میں اسے جانتی ہوں۔ یہاں اس کا جی ہل نہیں لگتا۔ بیٹھی بیٹھی کتابیں پڑھتی رہتی ہے۔ میں سوچ رہی رہی تھی کہ تم میں سے کوئی آجائیں تو ٹھیک رہتا۔ سو تم آگئیں۔ تمہاری عمر بہت بڑی ہے۔

لوتنا نے بیٹھتے ہی اپنے دل کی بات ان کے سامنے گل ڈالی۔ سچی دیر۔ اس محلے میں ہم لڑکیوں کے لئے ایک پاٹھ شالا کھول لیں تو کیسا رہے گا۔

ہری موہنی حیران ہو کر اٹھی۔ لو اور سنو! بھلا تم اسکول کھول کر کیا کرو گی؟ ہم اسکول کیسے کھول سکتی ہیں۔ سچا ریتا نے پوچھا۔ ہماری کون مدد کرے گا۔

کیا تم نے اس کے متعلق اپنے پتاجی سے بات کی ہے؟

ہم دونوں مل کر پڑھائیں گی۔ لوتنا اسے بتانے لگی۔ شاید بڑی دیر دیر ہو۔

— اس نے ساتھ شامل ہونے کے لئے تیار ہو جائیں۔

سچا ریتا بولی صرت پڑھانے کا ہی معاملہ تو نہیں ہے۔ اسکوں کے لئے سب انتظامات کرنے ہوں گے۔ ایک مناسب مکان طالب علم اخراجات کے لئے روپے کی فراہمی۔ یہ سب کام کیا ہم جیسی لڑکیوں سے ہو پائیں گے۔

”یہ کہنے سے کام نہیں چلے گا۔ بہن کو شیش کرنے پر کونسا کام ہے جو نہیں ہو جاتا۔ عورت ہو جانے کا یہ مطلب کھوڑی ہے کہ ہم منہ چھپا کر گھر میں پڑی رہیں۔ کیا ہم دنیا کے کسی کام کے قابل نہیں بن سکتے۔

لوتا کے اندر دنی کرب کا تار سچا ریتا کے دل میں بج اٹھا۔ کوئی جواب دینے کے بجائے وہ دل ہی دل میں سوچنے لگی۔

”اپنے محلے میں کتنی ہی لڑکیاں ہیں، لوتا بولی“ اگر ہم انہیں مفت تعلیم دیں تو ان کے ماں باپ کتنے خوش ہوں گے۔ کچھ پڑھنے والیوں کے لئے تو اسی بھارے مکان میں جگہ نکل سکتی ہے۔ کرایہ دینے کا تو کوئی سوال ہی نہیں اٹھتا۔

اپنے گھر میں محلے کی لڑکیوں کو پڑھانے کی بات سن کر ہری موہنی فکر مست ہوئے لگی۔ کیونکہ اس تنہائی میں وہ اپنے تمام مذہبی عقائد اور رسومات کی ادائیگی بڑے اطمینان سے کرتی رہتی تھی۔ اب ان میں خلل پڑے دیکھ کر وہ چپ نہیں رہ سکتی تھیں لیکن سچا ریتا نے کہا۔ تم کوئی فکر مت کرو خالہ۔ اگر ہمیں پڑھانے کے لئے واقعی کچھ لڑکیاں مل گئیں۔ تو پھر ہم نیچے کی منزل ہی میں انہیں پڑھا دیا کریں گے۔ لیکن انہیں اوپر نہیں آنے دیا جائے گا۔ لوتا اگر ہمیں پڑھانے کے لئے کچھ لڑکیاں مل سکیں تو میں تمہارے ساتھ اس کام کے لئے بالکل تیار ہوں۔

”کوشش کرنے میں کیا بُرائی ہے“ لوتا بولی۔

ہری موہنی ابھی تک کٹھ رہی تھی۔ تم لوگ عیسائیوں کی نقل کیوں کرتی ہو؟ کیا پہلے بھی ہندو گھرانے کی لڑکیوں نے اسکول چلانے کا پیشہ کبھی اختیار کیا ہے۔ میرے

تو ایسا کبھی نہیں سنا۔

پارٹیش بابو کے گھر کے پاس جو مکان تھے ان میں رہنے والی لڑکیاں اپنی اپنی چھت پر آکر دوسری باتوں کے علاوہ کبھی کبھی پارٹیش بابو کی لڑکیوں کے بڑی عمر میں بھی غیر شادی شدہ رہنے کے بارے میں حیران کن باتیں کیا کرتی تھیں۔

لوتا ان باتوں سے دور رہا کرتی تھی۔ لیکن لبونیا کو ان لڑکیوں کے پاس بیٹھ کر ان کی باتیں سُنانے کا جیسے کوئی مرض سا چمٹ گیا تھا۔ دوپہر کے بعد بہت ساری لڑکیاں کھلے آسمان کے نیچے چھتوں پر بیٹھ کر بال سکھاتیں اور سنوارتیں اور اونچی اونچی بول کر ایک دوسرے تک اپنی باتیں پہنچاتی تھیں۔

لڑکیوں کے سکول کے لئے لڑکیاں جمع کرنے کا کام لوتا نے لبونیا کو سونپ دیا تھا۔ لبونیا نے اس بات کا ذکر چھت پر ملنے والی لڑکیوں سے کیا۔ تو بہت ساری لڑکیاں پڑھنے کو تیار ہو گئیں۔ اس درمیان میں لوتا نے سچاریتہ کے مکان کے پچلے حصے کے کمروں کی صفائی کر ڈالی۔ اور انہیں بہت خوبصورتی سے سجا دیا۔

لیکن اسکول کے کمرے خالی ہی پڑے رہ گئے۔ پڑوسیوں نے جب یہ سنا کہ ان کے گھر کی لڑکیوں کو پڑھانے کے بہانے سے برہمہ سماجی بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، تو وہ غصے سے لال پیلے ہونے ہوئے لگے۔ انہوں نے اپنے اپنے گھر کی لڑکیوں کو نہ صرف پارٹیش بابو کی لڑکیوں سے ملنے سے منع کر دیا بلکہ ان پر چھت پر جانے کی بھی پابندی لگا دی۔ ان بیچاریوں کو برہمہ وگوں کے بارے میں بھی کئی ناشائستہ باتیں سُنا پڑیں۔ دوسرے دن جب لبونیا ہاتھ میں کنگھا لے کر اپنی چھت پر پہونچی تو وہاں اس نے اپنی عمر سے بڑی بہت سی عورتوں کو اکٹھا دیکھا۔ اس کی ہم عمر لڑکی ایک بھی نظر نہ آئی۔ ان عورتوں نے اسے دیکھ کر کسی خوشی کا اظہار بھی نہیں کیا۔ جیسے اس سے پہلے روزمرہ ہوا کرتا تھا۔

لیکن لوٹا نے ہمت نہیں باری۔ اس نے کہا غریب برہمہ لوگوں کی بہت سی لڑکیاں ہیں جو فیس نہ دے سکنے کے باعث پڑھنے لکھنے سے محروم رہتی ہیں۔ اگر ہم انھیں پڑھانے کی ذمہ داری اٹھا سکیں تو یہ بہت بڑی خدمت ہوگی۔
وہ نہ صرف خود ہی اسی لڑکیوں کی تلاش کرنے میں لگ گئی بلکہ سہیر کو بھی مدد کرنے کے لئے کہا۔

پارٹش بابو کی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت وسیع منہری کی شہرت دور دور تک پھیل چکی تھی۔ غریب لڑکیوں کے ماں باپ اس منصوبے کی خبر سن کر بہت خوش ہوئے۔ آدھ درجن لڑکیوں کے ساتھ لوٹا نے اسکول کھول لیا۔ سکول کے قاعدے قانون بھی اس نے پارٹش بابو کے ساتھ صلاح مشورہ کر کے بنا لئے۔ امتحان ہو جانے کے بعد پاس ہو جانے والی لڑکیوں کو انعام دینے کے معاملے پر لوٹا اور بیوہ بیانی بہت کافی بحث و مباحثہ ہوا۔ اور یہ سواں بھی سامنے آیا کہ لڑکیوں کا امتحان کون لے۔

اگرچہ بیوہ بیانی ہرن کو پسند نہیں کرتی تھی لیکن اس کے باوجود اس کے دل پر ہرن کی علمی قابلیت کا گہرا اثر موجود تھا۔ اس لئے اس کی تجویز تھی کہ ہرن کو متعلم یا ممتحن کسی بھی حیثیت سے سکول کے ساتھ وابستہ ہو جائے تاکہ سکول کی شان اور کامیابی کو بچا چاند لگ سکتے ہیں۔ لیکن لوٹا اسی کوئی بات سننے کے لئے بھی تیار نہ تھی۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتی تھی کہ ہرن بابو کا سکول کے ساتھ ذرا سا بھی کوئی تعلق ہو۔ سکول کے جاری ہونے کے کچھ ہی دنوں کے بعد پڑھنے والی لڑکیوں کی تعداد کم ہونے لگی۔ اور کم ہونے ہونے ایک دن سکول بالکل خالی رہا۔ کوئی بھی لڑکی نہ آئی۔ لوٹا تنہا اور خاموش کمرے میں کسی رانی کی چاپ سننے کی منتظر بیٹھی رہی۔ درجہ گئے اور کوئی بھی لڑکی نہیں آئی۔ وہ سمجھ گئی ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی۔ وہ قریب کے ایک مکان

میں رہنے والی لڑکی کے پاس گئی تو اسے روتے ہوئے پایا۔ وہ کہتی ہوئی بولی۔
 ”ہاں نے مجھے نہیں آنے دیا“

اس کی ماں نے خود بتایا اُسے وہاں کھینچنے میں کتنی مجبوریاں ہیں لیکن اس
 نے ان مجبوریوں کی وضاحت نہیں کی۔ لولتا بہت ہی حساس لڑکی تھی۔ وہ کسی کو بتانے
 کے لئے مجبور بھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مہرے خوشامد کرنا اُسے پسند نہ تھا۔ صرف اتنا
 کہا ”اگر واقعی آپ کو کچھ مجبوری ہے تو پھر کوئی بات نہیں“

ایک دوسرے گھر پہنچی تو اُسے وہاں ایک اور بات سُننے کو ملی۔ سچا ریتا پھر
 ہندو دیوتا ہے۔ وہ لوگ بکنے لگے۔ ذات پات پر دھیان دیتی ہے۔ اپنے گھر
 کے اندر سورتیوں کی پوجا کرتی ہے۔

لولتا نے کہا اگرچہ صرف یہی ایک اعتراض ہے تو یہ سکول، اپنے گھر میں بھی
 چلا سکتی ہوں۔

لیکن اس پر بھی وہ لوگ راضی نہ ہوئے تو لولتا کو یقین ہو گیا اس کے بچھے
 ضرور کوئی اور بات ہے۔ اس لئے اب کسی اور کے ہاں جانے کے بجائے اپنے گھر
 چلی گئی۔

”سدمیر کو بلا کر پوچھا“ ٹھیک ٹھیک بتاؤ اصل واقعہ کیا ہے۔

”ہرن بابو آپ کے سکول کی مخالفت کر رہے ہیں۔“

”کیوں؟ صرف اس لئے کہ دیدی کے مکان میں مورتی پوجا ہوتی ہے۔“

”صرف اسی ایک بات کے لئے نہیں۔ وہ کہتے کہتے رُک گیا۔“

”پھر اور کونسی بات ہے؟“ کیا مجھے نہیں بتاؤ گے؟

”اوہ یہ بھی ایک لمبی کہانی ہے۔“ سدمیر نے بات ٹالنے کی کوشش کی۔

”شاید مجھے ہی کسی معاملے میں قصور وار ٹھہرایا گیا ہے۔“

”سُدھیر بھی خاموش رہا تو لولتا کا چہرہ غصّے سے سُرخ ہو گیا۔ بولی میں سمجھ گئی ایٹھمرواے معاملے کے لئے سزا دی جا رہی ہے۔ تب تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے سماج میں کسی حادثت کی تلافی کرنے کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ یہی بات ہے نا؛ تب تو میں اپنی قوم کے اندر رہ کر کوئی بھلا کام کر ہی نہیں سکتی۔ تم لوگوں نے میرے اخلاق کے سدا رہا اور سماج کی ترقی کے لئے راستہ خوب چننا ہے۔“

لوگوں کو یہ ڈر ہے کہ نبوتے اور اس کے دوست اس طرح اسکول کے معاملات پر چھاجائیں گے۔ سُدھیر نے یہ کہہ کر اس پر لگی ہوئی تہمت کا غصّہ ہلکا کرنا چاہا۔ لیکن یہ سن کر بھی لولتا کا غصّہ فرو نہیں ہوا۔ وہ چلا کر بولی ”ڈر کس بات کا۔ یہ تو سماج کی بہت بڑی بدستمتی ہوگی۔ کتنے لوگوں میں نبوتے بابو جیسی قابلیت ہے۔ یہ سچ ہے۔ سُدھیر نے اس کا غصّہ دیکھ کر ڈرتے ڈرتے کہا۔ لیکن نبوتے بابو تو۔“

ہاں ہاں میں جانتی ہوں وہ برسوں سماجی نہیں ہے۔ لیکن کیا صرف اسی لئے مجرم سمجھ لئے جاتیں۔ میں ایسے سماج پر کبھی فخر نہیں کرتی۔

لوہکیوں کے ذمے پر سچا رہتا بھی اس کے پس منظر رکی۔ سازش کی تہہ تک پہنچ گئی۔ لیکن وہ ایک لفظ کہے بغیر ستیش کے امتحان کی تیاری کرانے کے لئے اوپر چلی گئی۔ لولتا سُدھیر کے ساتھ باتیں ختم کر کے وہاں پر گئی اور کہا۔ کیا تم نے بھی کچھ سنا۔

میں نے کچھ نہیں سنا۔ لیکن سب سمجھتی ہوں۔

”کیا ہم چپ چاپ برداشت کر لیں“

سچا رہتا ہے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا ”جو کچھ بھی ہم پر گذرے اُسے

چپ چاپ برداشت کر لیں نا ہی مناسب ہے۔ مصیبتیں برداشت کر لینے میں بے عزتی نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ پتا جی ہر بات کو کس طرح چپ چاپ برداشت کر لیا کرتے ہیں۔

س کا تو بالکل قلع قمع کر دینا چاہئے " لولٹا نے اُسے سمجھاتے ہوئے کہا " لیکن "سوچی دیکھ" کسی غلط بات کے خلاف احتجاج کرنے کے بجائے اُسے چپ چاپ برداشت کر لینا تو برائی کو مضبوط کرنا ہوا۔
"وہ تو ٹھیک ہے" پر قلع قمع کر دو گی کیسے؟

یہ سب میں نے ابھی نہیں سوچا۔ لولٹا نے جواب دیا۔ میں نہیں کہہ سکتی اس بات کے لئے میرے پاس کوئی طاقت بھی ہے باقی نہیں۔ لیکن کچھ نہ کچھ ہونا ضرور چاہئے۔ تیرا ہم کمزور بڑکیوں پر اسیے اور تھے ہتھیاروں سے حملہ کر رہے ہیں۔ وہ اپنی نظریں خود کو کتنی ہی بڑکیوں نہ سمجھتے ہوں میرے نزدیک بالکل بزدل ہیں۔ لیکن ان سے شکست نہیں کھڑے گی۔ کبھی نہیں۔ سن رکھو۔ چاہے وہ ہم پر کتنی ہی آفتیں کیوں نہ ڈھائیں۔ یہ کہتے کہتے اس نے اپنے پاؤں کو بڑے زور سے زمین پر مارا۔

اسے کوئی جواب دینے کے بجائے سچا ریتانے اس کے ہاتھ کو نرمی سے تھپتھپایا اور پھر بڑی پیاری لولٹا پہلے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ پتا جی کیا کہتے ہیں۔
"لولٹا اُٹھتے ہوئے بولی۔ میں ان سے ابھی جا کر پوچھتی ہوں۔

جب وہ اپنے گھر کے دروازے کے قریب پہنچی تو اس کی نظر نمونے پر پڑ گئی۔ وہ یہاں آ رہا تھا اور اس کا منہ اُترا ہوا تھا۔ لولٹا کو دیکھ کر ذرا کھم گیا۔ جیسے اس بات پر غور کرتا کرہا ہو کہ لولٹا کے ساتھ بات کرے یا نہ کرے۔ پھر کچھ کہے بغیر ہنس کر اُسے کی طرح سر جھکائے چلا گیا۔

لولٹا کے سینے میں جیسے کسی نے برچی گھونپ دی۔ وہ جلدی سے جا کر

ماں کے کمرے میں گھس گئی۔ وہاں اس نے بر دوا دیوی کو ایک میز کے سامنے حساب کار جسٹر کھولے ہوئے دیکھا۔ لوتا کو دیکھتے ہی چمک گئیں لیکن پھر فوراً حساب کتاب میں اس طرح غرق ہو گئی جیسے انہیں کے حساب کتاب رکھنے کی وجہ سے خاندان کی معاشی گاڑی متوازی طریقے سے چل رہی ہے۔

لوتا اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ لیکن اس کی ماں نے تب بھی اپنا چہرہ اوپر نہیں اٹھایا۔ تب لوتا نے اُن سے کہا۔ ”ماں“
ایک لمحہ روک بیٹی۔! بر دوا دیوی نے اُسے روک دیا۔ بکھیتی نہیں ہو کہ میں۔۔۔ وہ پھر جسٹر پر جھک گئی۔

”لوتا نے کہا۔ میں آپ کو بہت دیر تک مضر دینے نہیں رکھوں گی۔ میں صرف ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔ کیا نبوتے بابو یہاں آئے تھے۔

جسٹر سے نگاہ اٹھاتے بغیر بر دوا دیوی نے جواب دیا۔ ”ہاں“
”آپ نے اُن سے کیا کہا“
اور۔ یہ تو لمبی کہانی ہے۔

لوتا نے بے حد ہو کر پوچھا۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ نے میرے بارے میں کچھ گفتگو کی ہے

اس سے چٹکارا پانے کی کوئی صورت نہ دیکھ کر بر دوا دیوی نے قلم ہاتھ سے رکھ دیا اور سراٹھا کر بولی۔ ہاں بیٹی۔ ہم نے گفتگو کی ہے۔ کیا میں نہیں دیکھنی کہ سارا کتنا لگے بڑھ چکا ہے۔ اور ساج میں ہر شخص ہمارے ہی باسے میں باتیں کر رہا ہے۔ اس لئے نبوتے کو منہ کر دینا بہت ضروری ہو گیا۔

لوتا کا چہرہ شرم سے بالکل لال ہو گیا۔ بلکہ اس کا خون دماغ پر بھی چڑھ گیا۔ بولی کیا بتا جی نے نبوتے بابو کو یہاں آنے سے روک دیا ہے۔

برودا بولی "تم سمجھتی ہو۔ وہ ایسی باتوں کی کبھی فکر بھی کرتے ہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے تو یہ نوبت ہی کیوں آتی۔؟"

لوتا اس کے پیچھے پڑ گئی۔ کیا ہرن بابو پہلے کی طرح اب بھی یہاں آتے رہیں گے۔ میری بات تو سنو "وہ یہاں کیوں نہ آیا کرے گا۔"

"تب بنوئے بابو بھی کیوں نہ آیا کریں؟"

برودا نے رجسٹر پھر اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور کہا۔ لوتا میں تمہارے ساتھ مغز نہیں مار سکتی۔ مجھے پریشان نہ کرو۔ مجھے بہت سا کام کرنا ہے۔

جب لوتا سکول میں تھی تو اس کی گھر میں غیر حاضری کا فائدہ اٹھاتے ہو۔ برودا دیوی نے بنوئے بابو کو دوپہر کے وقت بلوایا۔ انھوں نے سوچا تھا لوتا کو اسکی کبھی خبر نہیں ہوگی لیکن ان کی قلعی کھل گئی۔ وہ سمجھ گئیں کہ جو سیدھا اور آسان حل انھوں نے سوچا تھا اب نظروں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ بلکہ اب تو ایک نئی مصیبت کھڑی ہو گئی تھی۔ لیکن ان کا تمام تر غصہ اب اپنے غیر ذمہ دار قسم کے شوہر کی طرف پھٹ پڑا۔ ایسے بوقت شوہر کے ساتھ رہ کر عورت کی جو بھی گت بن جائے وہ کھوڑی ہے۔ لوتا اپنے دل میں ایک سخت تباہ کن طوفان لے کر وہاں سے باہر نکلنے چلی ہوئے اس نے پارٹیش بابو کو اپنے کمرے میں خط لکھتے پایا۔ اس نے بغیر کسی ہتھید کے پوچھ ڈالا۔ بتاچی "کیا بنوئے بابو ہم لوگوں کی درستی کے قابل نہیں ہیں؟"

پارٹیش بابو فوراً معاملے کی نوعیت سمجھ گئے۔ وہ اس پر دس گینڈے سے بے خبر نہیں تھے جو ان کے خاندان کے خلاف سماج میں لیا جا رہا تھا۔ اور اس معاملے پر بہت بخیر گ سے سوچ رہے تھے۔ اگر انھیں بنوئے بابو کے بارے میں لوتا کے جذبات کا علم نہ ہوتا تو وہ لوگوں کی باتوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے۔ لیکن اگر لوتا کے دل میں بنوئے کی محبت کی چمکی تھی تو پھر ایسی حالت میں ان کا فرض کیا تھا؟ یہ سوال وہ اپنے سے

بار بار کرتے رہتے تھے۔

برہموسماج میں داخل ہونے کے بعد یہ بالکل پہلا موقع تھا کہ ان کے خاندان میں ایسا بھڑان پیدا ہو گیا تھا۔ ایک طرف اپنی سماج کا خوف سخت متفکر رہتا تھا تو دوسری طرف سچائی کی آزمائش کے وقت ان کا دل ہر قسم کی بناوٹ اور خوف سے بہت اونچا رہنے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ لوہا کے سوال کے جواب میں انہوں نے کہا: ”بنوئے میرے نزدیک بہت ہی اچھا لڑکا ہے۔ جیسی اس نے اعلیٰ تربیت اور ذہانت پائی ہے ویسے ہی اس نے بلند اخلاق بھی پایا ہے۔“

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد لوہا نے کہا ”پچھلے دنوں گورا بابو کی ماں ہمارے گھر دو بار آچکی ہیں۔ آج میں سچا رہتا ہوں کے ساتھ ان کے گھر جانا چاہتی ہوں۔“

پارٹل بابو فوراً کوئی جواب نہیں دے سکے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ گورا کے گھر آنے جانے سے برہموسماج میں ان کی جو توہین ہو رہی ہے وہ اور بھی بڑھ جائیگی لیکن جب تک وہ اس میں کوئی بُرائی نہیں دیکھ پاتے تھے وہ اسے کیسے روک بھی سکتے تھے۔ اس لئے انہوں نے کہا: ”اچھا تم دونوں چلی جاؤ۔ اگر مجھے ضروری کام نہ ہوتا تو میں بھی ساتھ چلتا۔“

ارٹھالیسواں باب

یہ بات بنوتے کے خواب و خیال ہیں بھی نہیں آسکتی تھی کہ جس گھر میں وہ مہمان اور دوست کی حیثیت سے اتنی بے تکلفی سے چلا جاتا تھا۔ وہاں کوئی ایسا جوالا بھی بھڑک رہا تھا جو کسی وقت سب سے بڑے دھماکے کے ساتھ چھٹ، بھی سکتا تھا۔ جب وہ شروع شروع میں پارٹیش بابو کے گھر جانے لگا تو وہ بڑی جھجک محسوس کرتا تھا۔ کیونکہ یہ اُسے معلوم نہیں تھا کہ وہاں جانا کس حد تک صحیح ہو سکتا تھا۔ اسی لئے وہ بچہ محتاط رہتا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کی جھجک دور ہوتی گئی۔ اور وہ یہ بھی بھول گیا کہ وہاں سے کوئی خطرہ بھی پیش آسکتا تھا۔ اب یہ جان کر کہ ٹھنڈی سی کی وجہ سے برہم سماج کے اندر لو لٹا پر ہمت لگائی جا رہی تھی۔ اس کا ماتھا ٹھنک گیا اس کے رنجیدہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس کے لوٹنا کے تعلقات معمولی قسم کی دوستی سے آگے بڑھ چکے تھے۔

جس گھرانے میں وہ اتنے احترام اور اعتقاد سے دیکھا جاتا تھا وہاں وہ خود کو کس نظر سے دیکھتا تھا۔ کبھی کبھی یہ خیال بھی اُسے سستا نے لگتا کہ وہ دھوکے باز ہے۔ اگر وہ اپنے اندرونی جذبات ان پر ظاہر کر دے تو وہ ان کی نظروں میں کس قدر گر جائے گا۔

اس کے ذہن میں اسی طرح کی کشمکش رہا کرتی تھی۔ ایک دن دوپہر کو سردوار دیوی نے اُسے بلا بھیجا۔ جب وہ وہاں پہنچی تو اس نے چھوٹے ہی کہا۔
”بنوتے بابو تم ایک ہندو ہو۔ ہو نہ؟“

جب اس نے اس حقیقت کا اعتراف کر لیا تو اس سے پھر بوجھا گیا
 تم ہندو مذہب چھوڑنے کے لئے تیار تو نہیں ہو گے۔ نہیں نا؟
 اس نے جواب میں انکار کیا۔ اس پر برودادی بولیں۔
 ”پھر تم کیوں؟“

اس ادھیرے سوال کا وہ کوئی قطعی جواب دینے سے بالکل قاصر تھا۔ ایک
 مجرم کی طرح اس نے سر جھکا لیا۔ جیسے اس کی چوری پکڑ لی گئی ہو۔ ایک بات جو
 وہ ہر ایک سے پوشیدہ رکھنا چاہتا تھا۔ سیرج سے، چاند سے، ہوا سے
 بھی، وہ یہاں ہر ایک کو معلوم ہو چکی تھی۔ وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ پارٹیش بابو
 نے جانے کیا خیال کرتے ہوں گے۔ لو لٹا نے نہ جانے کیا سوچا ہو گا۔ اور سچا ریتا
 نے کیا سمجھا ہو گا۔ کسی دیوتا کی بھول کی وجہ سے ہی وہ بس گھرنے کی جنت میں کچھ
 دن کے لئے داخل ہو سکا تھا۔ اور اب یہاں اُسے فوراً ہی بہت بے آبرو ہو کر
 ہمیشہ کے لئے شکل جھنا پڑے گا۔

اس کے بعد جب وہ پارٹیش بابو کے گھر سے باہر آ رہا تھا تو اس کی نظر تولت پر
 پڑ گئی۔ ایک بار اس کے جی میں آئی کہ وہ لو لٹا سے آخری بار ملتے وقت اس
 کے سامنے اپنے جرم کا اقبال کر کے اپنی محبت کی ساری کہانی ختم کر دے۔ لیکن
 اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ایسا کیونکر کرے۔ آخر وہ اُسے محض منسکار کہہ کر اور اس
 کے ساتھ جگاٹیں ملائے بغیر ہی وہاں سے چلا گیا۔

تھوڑے ہی عرصے پہلے وہ پارٹیش بابو کے گھر میں ایک جینی کی طرح آیا تھا۔
 اب پھر وہ اجنبی تھا۔ لیکن دونوں کیفیتوں میں کتنا فرق تھا۔ اب وہ اپنے وجود میں
 ایک خلا محسوس کر رہا تھا۔ اس سے پہلے زندگی میں کسی چیز کی کمی نہ تھی۔ اسکی زندگی
 میں گورا اور آئندہ موتی تھے۔ لیکن اب وہ ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہا تھا۔ جس

طرف بھی رہ جاتا تھا اسے کوئی سہارا نہیں ملتا تھا۔ شہر کے بھرپور بھاڑ والے راستوں پر ہر طرف ڈرائونی اور زرد زرد پر چھائیاں اُسے ڈرائتی ہوئی نظر آتی تھیں۔ وہ خود اس وسیع خلا اور سونے پن پر حیران تھا۔ اور بار بار بے رحم اور خاموش آسمان سے اس کا سبب پوچھتا تھا۔ ”ایسا کیوں ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟ ایسا کیوں ہوا؟“

جانک اس نے کسی کے پکارنے کی آواز سنی ”بنوئے بابوئے بابوئے بابو!“

اس نے سرگھمایا تو ستیش کو اپنے پیچھے دوڑ کر آتے ہوئے دیکھا۔ اُسے گلے سے لگا کر اس سے جلدی جلدی پوچھا۔ کیا ہوا؟ میرے بھائی! کیا بات ہے

درست۔

یہ کہتے کہتے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور آواز کا نپٹہ لگی۔ پاش بابو کے گھرانے کے اس چھوٹے سے بچے کے ساتھ اس کے کتنے گہرے تعلقات تھے اس کا احساس اسے آج پہلی بار ہو رہا تھا۔

”آپ ہمارے گھر کیوں نہیں آتے؟“ ستیش نے پوچھا۔ کل بیوٹیا اور لولتا دیدی ہمارے گھر ہمارے ساتھ کھانا کھانے کے لئے آئیں گی۔ خالہ نے مجھے آپ کو بھی بلانے کے لئے بھیجا ہے۔“

اس کی بات سے بنوئے کو اندازہ ہوا کہ ابھی تک خالہ کو پورے حالات کا پتہ نہیں چلا ہے۔ اس نے کہا ”ستیش بابو۔ خالہ سے میرا پر نام کہنا اور انھیں بتانا کہ اب میں وہاں نہیں آسکوں گا۔“

ستیش نے اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا اور خوشامد کے لہجے میں بولا۔ آپ کیوں نہیں آسکیں گے؟ آپ کو آنا پڑے گا۔ ہم آپ کو کسی صورت میں بھی معاف نہیں کریں گے۔

بنوئے کو گھر جانے کے لئے ستیش اس قدر جواہر کر رہا تھا اس کی بھی ایک

وجہ تھی۔ سکول میں اُسے جانوروں کے ساتھ رحم دلی پر ایک مضمون لکھنے کے لئے کہا گیا تھا۔ جس کے لئے اُسے پچاس میں سے بیالیس نمبر ملے تھے۔ وہ اپنا پرچہ نمونے بابو کو دکھانے کے لئے بچپن تھا۔ اس لئے اس کے دماغ میں یہ بات مکمل طور پر میٹھی چلی تھی کہ اس کے مقالے کی صحیح قدر نمونے بابو جیسا با ذوق آدمی ہی کر سکے گا۔ اگر ایک بار اس نے نمونے سے اپنے مقالے کے لئے تحسین و شاباشی حاصل کرتی تھی تو پھر وہ لو لٹا کہ اس کا مضمون پسند نہ کرنے اور اس کی قابلیت کو نہ سراہنے کا خوب مزا چکھا سکتا تھا۔ دراصل اسی نے خالہ کو نمونے کے مدعو کئے جانے کے لئے تیار کیا تھا۔ کیونکہ وہ چاہتا تھا کہ اس کی بہنوں کی موجودگی میں ہی نمونے بابو اس کی تعریف کریں۔

یہ جان کر کہ نمونے بابو وہاں نہیں جاسکیں گے۔ ستیش کا چہرہ اتر گیا۔ اس پر نمونے نے ستیش کی گردن میں اپنا ہاتھ ڈال کر کہا۔ چلو ستیش میرے ساتھ گھر چلو۔ چرنک مقالہ ستیش کی جیب میں ہی تھا اس لئے وہ اس کے ساتھ چلنے سے انکار نہ کر سکا۔ ایک ادیب کی طرح شہرت کی خواہش دل میں لئے وہ نمونے کے ساتھ ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔ جبکہ یہ قیمتی وقت اسے اپنے نزدیک آنے والے امتحان کی تیاری میں لگانا چاہتے تھا۔

نمونے نے ستیش کو گھر واپس نہ جانے دیا۔ اس کا مقالہ کبھی سنا۔ تنقیدی اصولوں کو بلائے طاق رکھ کر اس کی بے حد تعریف کی۔ اس کے علاوہ بازار سے مٹھائی منگا کر ستیش کو خوب کھلائی۔ اس کے بعد ستیش کے ساتھ وہ اسے پارٹی بابو کے گھر تک چھوڑنے گیا۔ اور بڑی جبرابٹ کی کیفیت میں اس سے کہا۔

”اچھا کبھی ستیش اب مجھے جانے دو“

لیکن ستیش نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور اُسے اندر کی طرف کھینچتے ہوئے بولا۔ نہیں

نہیں۔ آپ کو اندر آنا ہی پڑے گا۔

البتہ آج اس کی کوشش بار آور ثابت نہ ہوئی۔

آنند موئی کے گھر تک وہ جیسے خواب کی حالت میں چلا گیا۔ وہ کہیں دکھائی نہ دیں تو وہ چھت پر جا کر اُن کے کمرے میں چلا گیا۔ جہاں گورا سویا کرتا تھا۔ بچپن میں اس نے اس کمرے میں کتنے سال سنسی خوشی سے گزار دئے تھے۔ کیسے کیسے سنسی مذاق مٹا دیں راز کی باتیں آپس کے جھگڑے جو بعد میں دوستانہ سمجھوتے پر ختم ہو جاتے تھے۔ نبوتے یہاں پہونچ کر اپنی کھوئی ہوئی جنت میں چلا جانا چاہتا تھا تاکہ حال کی ساری تھنیاں بھول جائے۔ لیکن اس کے تازہ ترین تعلقات اور حالات اس کے راستے کی رکاوٹ بن کر کھڑے ہو گئے۔ وہ آج اسے اپنی جنت میں بالکل داخل نہیں ہونے دینا چاہتے۔ ابھی تک نبوتے کو اس بات کا صحیح احساس بھی نہیں ہو سکا تھا۔ کہ اس کی زندگی کا محور کب بدل گیا تھا۔ اب جبکہ اس پر ہر ایک بات ظاہر ہو گئی تھی اس کا دل خوف سے بھر گیا تھا۔

آنند موئی نے چھت پر سو کھنے کے لئے کیلے کپڑے پھیلا رکھے تھے جب وہ وہ پیر کو انہیں اٹھانے کے لئے آئیں تو وہ گورا کے کمرے میں نبوتے کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ بعدی سے اس کے پاس گئیں۔ اس کے کاغذ سے پر ہاتھ رکھا۔ اور پوچھا۔
 کیا ہو، نبوتے ”تھکائے چہرے کا رنگ کیوں اُڑا ہے۔“

نبوتے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اور بولا ناں۔ جب میں پہلے پہل پارٹس باؤ کے گھر بنائے لگا تھا تو گورا مجھ پر ناراض ہوتا تھا۔ اس وقت میں اس کے غصے کو بے معنی اور غلط سمجھتا تھا۔ لیکن اس کا غصہ کبھی غلط نہیں تھا۔ میری اپنی حماقت ہی غلط تھی۔

یہ سن کر آنند موئی سنس دی، بولی ”یہ تو میں نہیں کہتی کہ تم بہت زیادہ ہوشیار

مڑ کے ہو، لیکن اس وقت جو تم نے اپنی حماقت کا ذکر کیا ہے اس کا کیا قصہ ہے؟
 بنوے نے جواب دیا: ”ماں میں نے کبھی ایک لمحے کے لئے بھی یہ نہیں
 سوچا تھا کہ ہم انسانوں کے درمیان ذات پات اور مذہب کی گہری تفریق موجود ہے۔
 ان لوگوں سے مل کر مجھے بڑی مسرت ملتی تھی۔ لیکن میں نے ایک بار بھی یہ نہ سوچا کہ ایسی
 گہری بدستی کبھی میری بہت زیادہ پریشانی کا سبب بن جائے گی۔“

”لیکن تیری باتیں سن کر مجھے وہ اب بھی کوئی فکر محسوس نہیں ہوتی؟“

”تم نہیں جانتیں۔ میں ان لوگوں کے لئے سماج کے اندر ایک بہت

بڑی پریشانی پیدا کرنے کا ذمہ دار ثابت ہو گیا ہوں۔ لوگ انھیں اس قدر بہ نام
 کرنے لگے ہیں کہ اب میں وہاں جا ہی نہیں سکتا۔“

آندر مونی بولیں۔ گویا مجھ سے اکثر ایک بات کہا کرتا تھا۔ وہ یہ کہ جہاں
 اندر ہی اندر کوئی بے الفانی چھپی ہوئی ہوتی ہے وہاں ہر سکون رہنے پر کبھی اندر
 کی آگ سلگتی رہتی ہے۔ اگر ان کے سماج میں کوئی ایسی پریشانی اٹھ کھڑی ہوئی
 ہے تو اس کے لئے تمہیں پریشان ہو۔ بے کی کیا ضرورت! اگر تمہارا کردار بالکل صاف
 ہے تو اس کا انجام اچھا ہی ہو گا۔

بنوے کے دل میں یہی کھٹکاتا تھا۔ اس کو کردار پاک و صاف ہے یا نہیں اس
 بات کو وہ سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔ تو تا ایک دوسرے سماج کی فرد ہے اور اس کے ساتھ
 اس کی شادی کسی طرح بھی ممکن نہیں ہے۔ یہ سوچ کر اسے اپنی خاموش محبت
 ایک گناہ لگنے لگی۔

”ماں! وہ اچانک بول اٹھا۔ شیشی مکی کے ساتھ میری شادی کا جو معاملہ تھا وہ
 پورا ہو جاتا تو تمہیں کبھی ہوتا۔ مجھے اپنے حقدار کے اندر ہی رہنا پڑا۔ اب میں اس
 طرح بندھ جانا چاہتا ہوں کہ پھر کسی طرح ان بن بھنوں سے چھوٹ بھی نہ سکوں۔“

آئندہ موتی ہنس کر بولی — اب سمجھی ہم شیشی مکھی کو اپنی بیوی بنانے کے بجائے گھر کی ایک زنجیر بنانا چاہتے ہو۔ کیا یہی اس کی قسمت میں لکھا ہے۔ اسی وقت گھر کے ٹوکر نے آکر ہارپیش بابو کی لڑکیوں کی آمد کی اطلاع دی۔ یسٹن کر بنوتے کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ سمجھا کہ یقیناً وہ لوگ آئندہ موتی سے اس کی شکایت کرنے کے لئے آئی ہیں۔ اس لئے وہ جلد ہی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کہا: ”اچھا تو ماں میں جاتا ہوں۔“

لیکن آئندہ موتی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: ”ابھی مت جاؤ بنوتے۔ نیچے جا کر ذرا دیر انتظار کرو۔“

سیریلیوں سے نیچے اترتے ہوئے وہ سوچتا گیا — ب تو ان کے آنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ جو ہونا تھا وہ تو ہو ہی چکا۔ اب تو میں مرکز بھی ان کے گھر میں قدم نہیں رکھوں گی۔

جب کسی کے گناہ کی سزا ایک آگ کا ٹوپ دھار لیتی ہے اور گناہگار کو جلا کے بالکل خاک کر ڈالتی ہے تو پھر وہ آگ بجھنے کا نام کیوں نہیں لیتی۔

پجلی منزل میں جب وہ گورا کے کمرے میں بیٹھنے کے لئے داخل ہوا تو اس وقت موسم بھی اپنی اچکن کے بٹن کھولتا ہوا اپنے دفتر سے لوٹ کر آ رہا تھا۔ ”خوب خوب۔ بنوتے میں تو کھٹیں کئی روز سے ڈھونڈ رہا تھا۔“ اس نے بنوتے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُسے کمرے کے اندر لے جاتے ہوئے کہا۔ اور اپنے پانڈان میں سے اُسے ایک پان بجی پیش کیا۔ اس نے کچھ متب کو لے آنے کے لئے پکارا۔ اور پھر بنوتے کے سپرے سپرے سے معاملے پر بات کرنے لگا۔

”وہ معاملہ تو قریب قریب طے ہو ہی گیا تھا نا؟“ مختار اکیا خیال ہے۔ اسے بنوتے کے چہرے پر پہلے جیسی مخالفت کی جھلک نظر نہیں آئی۔ یہ بات بھی نہیں تھی کہ اُسکے چہرے

سے کسی قسم کا شوق نظر آنے لگا ہو۔ لیکن اس کی طرف سے اس سوال کو ٹالنے کی بھی کوئی کوشش نہیں دکھائی دی۔ اور جب موہم نے ایک قطعی تائید کے لئے فیصلہ کر ڈالنے پر زور دیا تو بنوئے بولا۔۔۔۔۔ گورا کو آجانے دیجئے۔ بھرتائی بھی مقرر کر لی جائے گی۔

”وہ چند ہی روز میں آجائے گا۔“ موہم کو کچھ اطمینان حاصل کیا۔ بولا۔ کچھ مٹھائی مٹھائی کھاؤ گے بنوئے۔ آج تم بہت کمزور دکھائی دے رہے ہو کہیں بیمار تو نہیں ہو۔ جب بنوئے نے مٹھائی کے حکلف سے خود کو آزاد کر لیا تو موہم کچھ کھانے پینے گھر کے اندر چلا گیا۔ بنوئے نے گورا کی میز پر سے ایک کتاب اٹھالی اور پھر کتاب کو رکھ کر کمرے میں ادھر ادھر ٹھلنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد کمرے کے اندر نوکر داخل ہوا اور بولا۔ آپ کو ادھر بلا یا ہے۔

”کے“

”آپ کو“

”کیا وہ لگ سب ادھر ہی ہیں؟“

”جی ہاں“

بنوئے نوکر کے پیچھے پیچھے اس طرح جانے لگا جیسے طالب علم امتحان دینے کے لئے چلا جا رہا ہو۔ دروازے پر پہنچ کر وہ قدرے جھجکا۔ لیکن سچا رہتا ہے اسے حسب معمول بڑی بے حکلفی سے پکار لیا۔ آئیے۔ بنوئے بالو۔

بنوئے کو یہ محبت بھری آواز سن کر اتنی مسرت نصیب ہوئی جیسے اُسے اچانک کوئی دولت مل گئی ہو۔ جب وہ کمرے کے اندر پہنچا تو لو لٹا اور سچا رہتا اس کے اتر سے چہرے کو دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ سوچنے لگیں۔ اسی کیا بات ہو گئی جس کی وجہ سے بنوئے کا چہرہ پھیکا پڑ گیا ہے۔ جیسے کسی ہرے بھرے کھیت کو ٹڈی دل

تے چٹ کر لیا ہو۔ لو لٹا کے دل پر کچھ چوٹ سی لگی، دکھ ہوا۔ کچھ خوشی بھی محسوس ہوئی۔ اگر کوئی اور موقع ہوتا تو شاید وہ نبوتے کے ساتھ اتنی آسانی سے گفتگو شروع نہ کر سکتی لیکن آج اس کے آتے ہی وہ بول اُٹھی۔

”نبوتے بابو ایک معاملے میں آپ سے مشورہ کرنا چاہتی ہیں۔ ان الفاظ سے جیسے نبوتے پر اچانک خوشی کی بوچھاڑ کر دی۔ وہ بالکل حیران رہ گیا اور زرد اور اداس چہرہ چمک اٹھا۔

لو لٹا بولی۔ ہم تین بہنیں ایک چھوٹا سا اسکول کھولنا چاہتی ہیں۔ نبوتے بڑے جوش سے بول اٹھا۔ ارے یہ تو میرے دل کی بات کہہ دی آپ نے۔

”آپ کو اس لئے ہماری مدد کرنی ہوگی“

”میرے لائق جو خدمت ہوگی اس سے آپ مجھے باہر نہ پائے گا۔ لیکن یہ بتا دیجئے مجھے کرنا کیا ہوگا۔

”ہمیں برہمن سماج سمجھ کر ہندو لوگ ہم پر اعتبار نہیں کرتے اس مسئلہ کو حل کرنے میں ہماری مدد کریں۔“

نبوتے پھر جوش کے ساتھ کہنے لگا۔ اس بات کی تو آپ بالکل فکر نہ کیجئے یہ سب میں بخوبی کر لوں گا۔

اس پر آئندہ مولیٰ بول اُٹھیں۔ ”ایسے سب کام یہ کرے گا۔ میں جانتی ہوں۔ دوسروں کو چکر میں ڈال کر اپنے بس میں کر لینا نبوتے کو خوب آتا ہے۔“

لو لٹا نے کہا۔ ”آپ کو ہمیں سکول کے قاعدے قانون۔ پڑھائی کے گھنٹے مضامین اور جماعتیں اور سب کچھ سکھانا ہوگا۔

اگرچہ یہ کام نبوتے کے لئے بالکل معمولی تھے لیکن پھر بھی وہ کچھ ٹھٹھک سا گیا۔ کیا لو لٹا کو معلوم نہیں تھا کہ برہمن سماج نے اس کے ساتھ ملنے جلنے سے بالکل منع کر دیا تھا اور اس مقصد

کے لئے اُن کے سماج میں باتا عدد ایک تھریک بھی چل رہی تھی۔ اس انجمن میں کھینس کر وہ
پھر چکر کھا گیا۔ کہ کیا اس کے لئے لولتا کی یہ تجویز مان لینا ٹھیک ہے۔ خود لولتا کو
اس سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ مگر یہ بھی سوال تھا کہ اس کے اندر لولتا کی ایک ایسی
درخواست کو ٹھکرا دینے کی ہمت نہ تھی جس کا مقصد لوگوں کی مفت خدمت کرنا تھا۔

اسی طرح سچا ریتا بھی اپنی جگہ پر حیران ہو رہی تھی۔ اس کے خواب و خیال میں بھی یہ بات
نہیں تھی کہ لولتا اس طرح بالکل اچانک بنوئے کے سامنے ایسی درخواست لے بیٹھے گی۔ بنوئے
کے ساتھ اس کے تعلقات پہلے ہی ایک بہت نازک صورتِ حالات پیدا کئے ہوئے تھے۔ اور
اب یہ دوسرا غیر متوقع معاملہ چھڑ گیا ہے۔ اپنے حالات جانتے ہوئے بھی لولتا نے اپنی مرضی
سے یہ تجویز کیوں پیش کر دی۔ اس بات نے سچا ریتا کو خوف زدہ کر دیا۔ یہ تو وہ جانتی تھی کہ لولتا کے
سینے میں بغاوت کی آگ بھڑک رہی تھی۔ لیکن بنوئے کو بھی اس معاملے میں لپیٹ لینا کیا اُسکے
لئے مناسب تھا۔ سچا ریتا نے کسی قدر فکر مند ہو کر کہا۔

ہم یہ بات پہلے پتاجی سے پوچھیں گے۔ اس سے بنوئے ہا ہو۔ لڑکیوں کے سکول کا انسپکٹر
بن جانے کی خوشی ابھی سے نہ منا لیجئے گا۔

یہ بات سن کر بنوئے سمجھ گیا کہ سچا ریتا پوری ہوشیاری سے تجویز کی مخالفت کر رہی ہے اس سے اسکے
شکارک میں اور اضافہ ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ جو گڑبڑ پیدا ہو گئی ہے اس سے سچا ریتا پوری طرح واقف ہے۔ یہ بات
لولتا سے بھی چھپی نہیں ہوگی۔ پھر لولتا ایسی باتیں کیوں کرتی ہے۔ سے وہ نہیں سمجھ سکا۔

لولتا بھی مان گئی۔ پتاجی سے تو پوچھنا ہی ہے۔ لیکن پہلے بنوئے ہا بوتیار ہو جائیں تو ان سے
پوچھیں۔ پتاجی بھی اعتراض نہیں کریں گے اس کا مجھے یقین ہے وہ سکول چلانے میں ہماری پوری
پوری مدد کریں گے۔ اور آپ کو بھی مدد کرنا ہوگی۔ اس نے آنت موٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

آنت موٹی ہنسستی ہوتی بولیں "ہاں میں تمھارے سکول میں جھاڑو لگا آیا کروں گی۔ اس کے
علاوہ میں کر ہی کیا سکتی ہوں!"

بنوتے بولا۔۔۔۔۔ یہ تو بہت بڑا کام ہوگا ماں! کیونکہ اس طرح ہمارا سکول بالکل صاف
ستھرا رہا کرے گا۔

جب سچا ریت اور لوہا چلی گئیں تو بنوتے ایڈن گارڈنز کی طرف پیدل چل دیا۔ ادھر موہم
نے آئندہ موٹی کے لباس جا کر کہا۔ بنوتے نے میری بات مان لی ہے۔ اس لئے یہ کام جلد ہی
کروین پائیتے، کیا معجزہ! پھر نیت بدل جاتے۔

آئندہ موٹی حیران ہو رہی تھی۔ کیا کہہ رہے ہو؟ بنوتے کب تیار ہوا مجھ سے تو اس
نے کچھ بھی نہیں کہا۔

میری بات پر ریت ریت ہوئی۔ کہنا سہجہ گورا کے آنے پر مہورت ٹکوا لیا جاتے۔
آئندہ موٹی سے ملائی ہوئی بولیں۔ موہم، تم ٹھیک نہیں سمجھے ہو گے۔

میری عقل چاہے موٹی ہی کیوں۔ ہو مگر سچ ماننے میری عمر سہجی اور صاف بات
سمجھنے کے قابل یقیناً ہو چکی ہے۔

”میں جتنی سول رقم مجھ پر راض ہو گئے لیکن تمہاری اس بات میں رٹا ضرور اٹکے گا۔“
تم جو کچھ بھی کہو، برداشت کر لوں گی موہم۔ لیکن جس بات میں روٹا پڑا ہی ہوا ہو، اُسے
میں نہیں مان سکتی۔ یہ میں تم سب کی بھلائی کے لئے کہہ رہی ہوں۔“

موہم بہت تیز ہو کر بول اٹھا۔ ہمارے لئے کس کام میں بھلائی ہے اور کس کام میں نہیں۔ یہ
آپ ہم پر چھوڑ دیجئے۔ آپ کے پاس ہم شکایت کرنے بھی نہیں آتیں گے۔ ہماری بھلائی کی فکر آپ
سش سکھی کے بہاد کہہ رہی ہیں اب کیجئے گا۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟

اس بات کا آئندہ موٹی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایک لمبی سانس لی۔ موہم پاندان ہاتھ
میں اچھالتا، منہ میں پان کا بیڑا دباتا ہوا باہر چلا گیا۔

انچاسواں باب

لوتا نے پارٹش بابو کے پاس جا کر کہا: بابو جی، ہم لوگ رہو سماجی ہیں۔ اس لئے ہندو رنگیاں ہمارے پاس پڑھنے کے لئے نہیں آتیں۔ میں سوچتی ہوں اگریندوسماج کے کسی آدمی کو اس کام میں شامل کر لیا جاتے تو آسانی رہے گی۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

پارٹش بابو نے پوچھا: لیکن ہندوسماج آدمی سے کیا کہاں سے؟

اس مشکل کام میں نبوتے کا ہاتھ شامل کرنے کے لئے وہ چٹا جی سے ٹکی رضامندی حاصل کرنے کے لئے گئی تھی۔ لیکن جب نبوتے کا ناا لینے کا وقت آیا تو وہ شہ باگتی۔ پھر بھی کسی قدر حرات کر کے بولی۔

”مے گا کیوں نہیں؟“ کا کہ آدمی بہت سے موجود ہیں۔ نبوتے بابو جی کو لے لیا جاتے یا۔

لفظ ”یا“ کا استعمال یہاں کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ اس کا جملہ ادھورا ہی رہا۔

پارٹش بابو حیران ہو کر بولے۔ نبوتے؟ لیکن نبوتے بابو کیا تیار ہو جائیں گے؟

اس بات پر لوتا کے احساس کو ایک دھکا سال کا بھسا وہ راضی کیسے نہ ہو گا۔ کیا وہ نہیں جانتا تھا کہ لوتا اُسے مجبور بھی کر سکتی تھی۔ لیکن بس اتنا ہی۔

”ان کے شامل نہ ہونے کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی“

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد پارٹش بابو بولے۔ جب وہ اس بات پر پہلے غور کر چکے گا تو وہ رضامند نہیں ہو سکے گا۔

لوتا کے چہرے پر گہری سُرخی نمایاں ہو گئی اور ساڈسی کے پلو سے بندھے ہوئے چابیوں کے گچھے کو ہلانے جلانے لگی۔ پارٹش بابو اپنی بیٹی کے کرب آمیز چہرہ کو دیکھ کر خود بھی

رتجیدہ ہوئے لیکن اس کی دلجوئی کے لئے ان کے پاس کوئی لفظ بھی نہیں تھا۔ کچھ دیر کے بعد لو لٹا
 نے آہستہ سے سر اٹھایا اور کہا۔ ”بابو جی تو کیا ہمارا سکول کسی طرح بھی نہیں چل سکے گا۔“
 پارٹش بابو نے جواب دیا۔ ”فی الحال تو مجھے اس کام میں بہت سی دشواریاں دکھائی
 دے رہی ہیں۔ تم جتنی بھی کوشش کرو گی اتنا ہی زیادہ لوگوں کی تنقید کا نشانہ بنو گی۔

روتا کے لئے اس سے زیادہ تکلیف دہ بات اور کونسی ہو سکتی تھی کہ وہ اس نا انصافی
 کو خاموشی سے برداشت کرنے پر مجبور کر دی جائے اور ہرن بابو اپنی حرکتوں میں کامیاب
 رہیں۔ یہ بات اس کے کسی اور بچے کی ہوتی تو وہ بھی برداشت نہ کرتی۔ وہ کسی سے ڈرنے
 والی نہیں تھی لیکن وہ اس نا انصافی کو برداشت بھی کرے تو کیسے۔ وہ چپے سے اٹھ کر باہر
 چلی گئی۔

اپنے کمرے میں پہنچی تو وہاں اسے ایک خط ملا۔ تحریر سے ہی وہ پہچان گئی کہ وہ اس کی ایک
 پرانی ہم جماعت شیل بالا کا سہے جسکی شادی چوہکی تھی، ”سراب“ وہ بانگی پور میں رہتی تھی۔
 خد میں لکھا تھا۔ ”تم لوگوں کے باسے میں کتنی طرح کی باتیں سن کر دل کو بہت
 تکلیف پہنچی تھی۔ سوچا تھا تمہیں خط لکھ کر سب بات معلوم کروں گی مگر اس کے لئے وقت نہیں
 مل سکا۔ پرسوں ایک شخص نے (نام نہیں بتاؤں گی) جو خبر سنائی تو میرے اوپر جیسے بجلی سی
 گر پڑی میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی ایسا ہوگا۔ لیکن جو کچھ اس شخص نے مجھے لکھا ہے اس
 پر یقین بھی نہیں آتا۔ اس نے لکھا ہے تمہاری شادی کسی ہندو کے ساتھ ہونے والی ہے۔
 اگر یہ سچ ہے تو۔۔۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

لو لٹا غصے سے قہر کھڑکا نہنے لگی اور اسی وقت خط کا جواب لکھنے کے لئے بیٹھ گئی۔ اس
 نے کہا۔

”تمہارے اس سوال نے کہ یہ بات سچ ہے یا نہیں مجھے بہت حیران کر دیا ہے۔ برہمن
 سماج کے جس شخص نے تمہیں اطلاع دی ہے کیا اس کی سچائی کو بھی پرکھنے کی ضرورت ہے کسی

ہندو کے ساتھ میری شادی ہونے والی ہے یہ سن کر ہمتا سے اوپر بجلی سی گر پڑی۔ لیکن میں ہمتا سے
 دشوار اس کے ساتھ بتانا چاہتی ہوں کہ برہمن سماج کے اندر کچھ ایسے شریف اور شہور و معروف ہستیاں
 موجود ہیں جن کے ساتھ میری شادی کی محض افواہ سے ہی میری زندگی پر بہت بڑی بحالی
 کر پڑے گی۔ میں ایک دو ایسے ہندوؤں کو بھی جانتی ہوں جن کے ساتھ شادی ہو جانا برہمن
 سماج کی ہر ایک لڑکی کے لئے بڑے فخر کی بات ہو سکتی ہے۔ اس وقت اس سے زیادہ میں
 ہمتا سے کچھ نہیں لکھ سکتی۔

اس دن پریش بابو بھی بالکل کوئی کام نہ کر سکے۔ بڑی دیر تک چپ چاپ بیٹھے سوچتے
 رہے پھر سچا ریتا کے گھر چلے گئے۔ اُن کا وہاں چہرہ دیکھتے ہی سچا ریتا کا دل بھی بیٹھ گیا۔ وہ اُن کی
 اُڑسی کا سبب تو جانتی تھی کیونکہ وہ خود بھی اس کے سسے میں کئی دنوں سے لگی ہوئی تھی۔
 ایک الگ تھلک کرے میں سچا ریتا کے ساتھ جا کر وہ بیٹھ گئے اور کہنے لگے۔
 ”بیٹی“ لوٹنا کے بارے میں کچھ سنجیدگی سے فیصلہ کرنے کا وقت آ پہنچا ہے۔

”سماج نے جو ہمت لگا رکھی ہے مجھے اس پر اس کی فکر نہیں ہے بلکہ میں تو حیران

ہوتا ہوں کہ لوٹنا۔۔۔۔۔“

انہیں بات کہتے کہتے رُک جاتا ہوا دیکھ کر سچا ریتا نے اپنے دل کی بات کہنے کی کوشش
 کی۔ ریتا اپنے دل کی بات مجھے ہمیشہ کھل کر بتا دیتی تھی۔ لیکن کچھ دنوں سے وہ اپنے
 دل کا حال نہیں بتانا چاہتی تھی۔ اس کی وجہ میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ۔۔۔۔۔

اس کے دل پر کوئی ایسا بوجھ آ پڑا ہے جس کی موجودگی کو وہ ماننا بھی نہیں چاہتی۔ میری
 سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ آخر کیا کیا جاتے! اچھا تم ہی بتاؤ۔ ہوئے کو اپنے گھر میں آنے کی آراہی
 دے کر ہیں نے کیا لوٹا کو کوئی دیکھ پہونچا یا ہے؟“

ہتا جی اب بھی جانتے ہیں ہوئے بابو میں کوئی نقص نہیں ہے۔ سچا ریتا کہنے لگی اُن کا
 اخلاق بالکل بے راسخ ہے۔ ہم جتنے بڑے لکھے لوگوں کو جانتے ہیں ہوئے بابو جیسی ہستیاں

کسی میں بھی نہیں پائی جاتیں۔

”تم ٹھیک کہتی ہو رادھا! بال ٹھیک کہتی ہو!“ وہ اس طرح مطمئن اور خوش ہو کر یوں اٹھنے جیسے انھوں نے ایک اور سچائی دریافت کر لی ہو، ہیں اس کی ذاتی خوبیوں پر ہی نظر رکھنی چاہتے تھے ابھی یہی دیکھتا ہے۔ اگر نہ ہوتے اچھا آدمی ہے ایر، میں اس میں کوئی بُرائی دیکھتی نہیں دیتی تو، میں خدا کا شکر ادا کرنا چاہتے۔

پارٹش بابو کی جان میں جان سی آگئی۔ ایک اُلجھن جو دیر ہو گئی تھی! وہ اپنے خدا کے سامنے قصور وار نہیں تھے۔ اسی احساس سے اُن کے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا۔ انھیں حیرت ہوئی وہ اتنی معمولی سی بات کو یوں نہیں سمجھ سکے تھے خواہ مخواہ کو اتنی اذیت میں مبتلا کر رکھا تھا۔ وہ سچا ریتا کے سر پر ہاتھ رکھ کر رولے۔ ”بیٹی آج تم نے مجھے کچھ سکھایا ہے۔“

سچا ریتا نے فوراً اُن کے پاؤں چھوئے۔ ”کہا: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں پتا جی“ مذہب ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے دل سے معمولی سی سچائی بھی بھلا دیتی ہے کہ انسان سچا انسان ہی ہے جو اپنے لئے خود بھی بھول بھلیاں تیار کرنا ہے۔ کسی کو بند دینا ہے کسی کو رہا کرنا جی۔ اور کسی بات کو بہت اہم سمجھنے لگتا ہے، خدا کو بھول جاتا ہے جس نے سب انسان برابر بنائے ہیں۔ میں بھی آج تک ان بھول بھلیوں میں بھٹک رہا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہ کر پارٹش بابو نے پھر کہا: ”دعا سکول کھولنے کا ارادہ ترک نہیں کر سکتی۔ وہ چاہتی تھی میں اُسے اجازت لے دوں کہ ہوسے بابو بھی ساتھ کام کریں۔“

سچا ریتا بولی ”نہیں، نہیں پتا جی ابھی اجازت نہ دیجئے گا۔“

پارٹش بابو کے سامنے دوتا کا وہی اداس چہرہ گھومنے لگتا ہے وہ لے کر اُن کے پاس بیٹھے بابو کا معاملہ لے کر پہنچی تھی۔ اس بات کو یاد کر کے وہ بہت دکھی ہوئے۔ وہ جانتے تھے اُن کی بیٹی سماج کی کرتوتوں کی وجہ سے دکھی نہیں ہو سکتی بلکہ اس وجہ سے اُسے زیادہ پُٹ پھونچی ہوگی کہ اُسے ایک نا انصافی کے ساتھ لڑنے سے منع کر دیا گیا تھا۔ اور جب منع کرنے والا خود

اس کا باپ تھا؟ وہ اس معاملے میں اب اپنا رویہ بدل دینا چاہتے تھے۔ اس لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔
 ”لیکن سچا ریتا۔ اجانت کیوں نہ دی جاسکے؟“

”کیونکہ اس کی ماں بہت ناراض ہوں گی۔“
 پارٹش بابو نے سوچا سچا ریتا ٹھیک کہتی ہے۔ اس کے کچھ بولنے سے پہلے سٹیش پہنچا۔
 اور سچا ریتا کے کان میں کچھ کہا۔ جس کے جواب میں وہ بول اٹھی۔ ”نہیں، شربا توئی، اس وقت
 نہیں۔ یہ کام کل ہوگا۔“

سٹیش بولا۔ ”لیکن کل تو مجھے سکول جانا ہے۔“
 پارٹش بابو اپنی شفیق مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ ”کیا بات ہے سٹیش، ترکیب
 چاہتا ہے؟“

سچا ریتا بولی۔ ”یہ تو سٹیش کی رہی۔“ سٹیش نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ
 دیا اور اسے منع کرتے ہوئے بولا۔ ”نہیں نہیں دیدی! ابھی نہیں، کچھ نہ بتاتے گا۔“
 پارٹش بابو بولے۔ ”اگر کوئی راز کی بات ہے تو تم سچا ریتا کو بتانے ہو۔ تم سے کیسی بات ہو؟“
 ”نہیں بتاؤں۔“ سچا ریتا کہنے لگی۔ ”یہ دراصل آپ کو بتانے کے لئے بیتاب ہے۔“
 ”نہیں نہیں بالکل نہیں۔“ یہ کہتا ہوا سٹیش باہر بھاگ گیا۔

اصل واقعہ یہ تھا کہ بیوے نے اس کے مضمون کی اتنی ادنیٰ تعریف کر دی تھی کہ
 وہ اسے سچا ریتا کو دکھانا چاہتا تھا۔

پچاسواں باب

چار دن کے بعد ہرن بابو ایک خط لے کر ہوتے بردوا دیوی کے ہاں پہنچے وہ پارٹیش بابو سے تو بالکل نا اُنسید ہو چکے تھے۔ بردوا دیوی کے ہاتھ میں وہ خط ٹٹھا کر بولے: ”میں نے آپ سے پہلے ہی کہہ دیا تھا۔ تب شاید آپ مجھ سے ناراض ہو گئی تھیں۔ اب یہ خط پڑھ کر دیکھ لیجئے۔ بات کتنی آگے بڑھ چکی ہے؟“

یہ وہی خط تھا جو لوہتا نے اپنی سہیلی شیل بالا کو جواب میں لکھا تھا۔ خط پڑھ کر بردوا دیوی نے کہا: ”آپ ہی کہتے۔ میں یہ کیسے جان سکتی تھی! میں تو یہ سب سچ بھی نہیں سکتی تھی۔ لیکن اس کے لئے آپ مجھے تصور ور نہیں کٹھڑا سکتے۔ سچا ریتا کو آپ لوگوں نے اس قدر مسر پر چڑھا رکھا تھا۔ اب اس آدرش برہمن کو کساری کی شہرت کو خود ہی سنبھال لیتے۔ بنوئے اور گوہ بابو کو اس گھر میں لے آئے واسے میرے اپنے ہی دیو تھے۔ اگرچہ بنوئے کو تو میں سمجھا بچھا کر اپنے راستے پر لے ہی آئی تھی۔ لیکن نہ جانے کہاں سے سچا ریتا اپنی خالہ کو لے آئی۔ انھوں نے یہاں آتے ہی اسی گھر میں سوہتی پو جا شروع کر دی۔ بنوئے کو بھی اس نے ایسا بھڑکایا کہ وہ اب مجھے دیکھتے ہی بھاگ جاتا ہے۔ ان سب بُرائیوں کی جڑ سچا ریتا ہی ہے۔ میں پہلے سے جانتی تھی کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہے۔ لیکن میں چپ رہی۔ میں نے اس کی پردہ نشیں طریقے سے کی ہے کہ کسی کو یہ شک بھی نہ ہو سکا کہ وہ میری حقیقی لڑکی نہیں ہے۔ اس کا بھی انعام مجھے ملنا چاہئے تھا۔ اب یہ خط مجھے دکھنا بیکار ہے۔ آپ جو کچھ مناسب سمجھیں کہتے۔ میں کچھ نہیں جانتی۔“

ہرن بابو نے صاف صاف اس بات کا اقرار کیا اور افسوس بھی ظاہر کیا کہ اب تک اس نے برودادی کو ٹھیک طرح سے سمجھا ہی نہیں تھا۔ آخر میں پارلش بابو کو بلا کر وہ خط ان کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔

اس خط کو بڑی احتیاط سے دو بار پڑھ کر پارلش بابو نے سر اٹھایا اور پوچھا۔

”پھر کیا ہوا؟“

برودادی غصے سے بولی۔ ”اور کیا ہونا چاہئے۔ گویا اب کچھ ہونے کو باقی بھی رہ گیا ہے؟ آپ کی وجہ سے ہی سو رتی پوچھا۔ ذات پات۔ ہریات تو پوری ہو چکی! اب آپ کی لڑکی کا کسی ہندو کے گھر میں شادی ہونا باقی رہ گیا ہے۔ وہ بھی ہو جاتے۔ بس! اس کے بعد میرے خیال میں آپ خود بھی ہندو ہو جائیے گا۔ لیکن میں آپ کو بتا دوں کہ۔۔۔“

پارلش بابو سنستے ہوئے بیچ میں بول پڑے۔ ”تم کچھ بھی مت بتاؤ۔ کیونکہ اس کے لئے ابھی وقت نہیں آیا۔ سوال یہ ہے کہ تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ لوٹا نے ایک ہندو کے ساتھ شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔! اس بات کا تو اس خط میں کہیں ذکر نہیں ہے۔ کم از کم مجھے تو نظر نہیں آیا۔“

”آپ کو کیسے نظر آئے گا۔ یہ تو میں آج تک نہیں سمجھ سکی۔ اگر آپ شروع سے ہی کچھ دیکھ سکتے تو اتنا بڑا حادثہ بھی نہیں ہوتا۔ کسی خط میں اس سے زیادہ اور لکھا بھی کیا جاسکتا ہے۔؟“

ہرن بابو نے راجت کرتے ہوئے کہا۔ ”میرا خیال ہے بہتر ہوگا اس خط کا ٹھیک ٹھیک مطلب بتانے کے لئے لوٹا کو ہی بلا لیا جائے یا اگر مجھے اجازت دے دی جائے تو میں جا کر انھیں سے پوچھ آؤں؟“

پیشتر اس کے کہ کچھ اور بات چیت ہوئی لوٹا وہاں ایک بگولے کی طرح

اڑی۔ اور چلا کر بولی: ہتاجی دیکھتے، اس قسم کے گناہم خطوط ہیں ہر لمحہ سماج والے
بھیجنے رہتے ہیں۔!

پارٹش بابو نے اس خط کو بھی دیکھا۔ کچھ اس قسم کی باتیں تھیں۔ بنوئے کے ساتھ
روتا کی شادی چوری چوری طے ہو چکی ہے۔ اس انکشاف کے ساتھ لکھنے والے
نے مزید حرج کی ہمتیں لگائیں اور دھمکیاں دینے کے علاوہ نصیحتیں بھی کی تھیں اور
یہ بھی لکھا تھا کہ بنوئے کی نسبت صاف نہیں ہے۔ وہ برہمن سماج کی عورت کو دوسرے
بھی دن چھوڑ کر کسی ہندو رشتہ کی سے شادی کرے گا۔

اس خط کا مضمون ہرن بابو نے بھی پارٹش بابو کے ہاتھ سے لے کر پڑھا۔ پھر
روتا کو لوٹا سنے ہوئے کہا: تم یہ خط دیکھ کر بہت برہم ہو ا کٹھی ہو؟ لیکن کیا تم اس
خود کے گمراہی نے کے لئے ذمہ دار نہیں ہو۔؟ یہ بتاؤ تم نے یہ خط خود اپنے ہاتھ
سے کیسے لکھ دیا ہے۔؟

روتا اس خط کو دیکھ کر حیران ہوئی۔ پھر بولی سمجھ گئی یہ آپ ہی تھے جوشیل بالا
کے ساتھ میرے باپ کے میں خط و کتابت کر رہے تھے۔!

ہرن بابو نے صاف صاف جواب نہ دیا۔ اور کہا۔ برہمن سماج کے تئیں اپنا
ایک فرسٹ سٹیج کر ہی شیل بالا کو بتا دیا کہ یہ خط میرے پاس بھیجنا پڑا۔

روتا اس کے سامنے تن کر بولی۔۔۔۔۔ آج کہہ ہی ڈالئے۔ برہمن سماج آخر
کیا چاہتا ہے۔۔۔۔۔

ہرن بابو نے کہا: تمہارے اور بنوئے بابو کے باپ کے جواہر ہیں کھیل رہی
ہیں ان پر اگرچہ مجھے یقین نہیں ہے پھر بھی میں اس کی تردید تمہاری زبان سے سننا
چاہتا ہوں۔

روتا کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو اٹھیں۔ اس نے اپنے کانپتے ہوئے ہاتھ

سے کرسی کی پشت کو زور سے پکڑتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔ ”مجھے بتائیے کہ آپ
دشواہس کیوں نہیں کر سکتے؟“

پارٹش بابو اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولے۔ ”لو لٹا۔ تم اس وقت بہت
غصے میں ہو۔ اس معاملے پر کوئی بھی بات مت کرو۔ ہم پھر باتیں کریں گے۔ اس وقت
چپ ہو جاؤ۔“

ہرن بول اٹھا۔۔۔۔۔ ”پارٹش بابو آپ معاملے کو دبانے کی کوشش مت کیجئے۔
اس پر لو لٹا اور بھی کھول اٹھی۔ اور بولی۔ پتا جی اسے وہاں دینے کی سچ چٹ
کوشش کریں گے بھی؟ وہ آپ کی طرح سچائی سے ڈرتے والے نہیں ہیں۔“ سچائی
کو وہ برہمہ سماج سے اپنا سمجھتے ہیں۔ میں آپ کو صاف صاف بتا دوں کہ میں ہوئے بابو
کے ساتھ اپنی شادی کو کسی پہلو سے بھی نامناسب یا ناممکن نہیں سمجھتی ہوں۔“
ہرن بولنے لگا۔۔۔۔۔ ”لیکن کیا وہ برہمہ سماجی بننے کے لئے تیار ہے؟“

لو لٹا نے جواب دیا۔۔۔۔۔ ”اس بات کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا ہے اور اس میں برہمہ
سماجی بننے کی ضرورت بھی کیا ہے۔“

ابھی تک برہمہ سماجی خاتون بیٹی سن رہی تھیں۔ وہ چاہتی تھیں آج ہرن بابو
کو جیتنا چاہتے۔ پارٹش بابو اپنی غلطی مان کر اس کی تلافی بھی کریں۔ لیکن اب وہ چنپ نہیں
رو سکی۔ اور بولی۔۔۔۔۔ ”لو لٹا ہاں تو نہیں ہو سکتی ہو؟ یہ کیا کہہ رہی ہو۔“

لو لٹا نے جواب دیا۔۔۔۔۔ ”نہیں ماں، میں پاگل نہیں ہوتی ہوں۔ جو کچھ میں
کہہ رہی ہوں اس پر غور کر لیا ہے۔ اس طرح لوگ چاروں طرف سے بانہ دھنا چاہیں گے
تو میں بندھ نہیں سکوں گی۔ میں نے ہرن بابو جیسوں کے سماج سے اپنے آپ کو آزاد
کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

”تم اس بے شرمی کو آزادی کا ناکار دیتی ہو! ہرن بابو نے طنز بھرے ہنسنے میں کہا۔

لوتا نے جواب دیا — ”نہیں۔ جھوٹ کی غلامی اور گنہگاروں سے نجات
ہی کو میں آزادی سمجھتی ہوں۔ میں جہاں کوئی غلطی یا نا انصافی دیکھتی ہوں وہاں برہم ہو سہا ج۔ میرے
راستے میں روڑے کیوں اکھٹا تا ہے؟“

بڑے غرور بھرے لہجے میں ہرن بابو نے پارٹیش بابو سے کہا: ”دیکھ رہے اسے
آپ پارٹیش بابو! میں جانتا تھا آخر میں یہی ہو گا۔ میں نے آپ کو سمجھانے کی کتنی کوشش
کی تھی لیکن سب بے سود نا!“

لوتا بولی — ”ہرن بابو دیکھئے! میں آپ کو بتاتے دیتی ہوں کہ جو لوگ
آپ سے ہر لحاظ سے بڑے ہیں انہیں نصیحت کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں ہے۔“
”یہ دھمکی دے کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔“

بروداد پوی! یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ اب کیا ہونا چاہئے۔ اس پر غور کیجئے۔“
پارٹیش بابو نے کہا: ”ہم اپنے فرض کو پورا کریں گے۔ لیکن یہ کہنا اس حالت
میں بہت مشکل ہے کہ ہمارا فرض کیا ہونا چاہئے۔ اُمید ہے آپ لوگ مجھے مسات
رکھیں گے۔ کہ میں اس وقت مزید کوئی گفتگو نہیں کر سکتا۔ اور کچھ دیر کے لئے بالکل تنہائی
چاہتا ہوں۔“

ایکیا و نواں باب

جب سچا ریتا کو یہ معلوم ہوا تو وہ سوچنے لگی۔ لولتا نے یہ سب کیا کیا! کچھ دیر تک خاموش رہ کر اس نے لولتا کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے کہا۔ بہن مجھے ڈر لگ رہا ہے "کس بات کا ڈر؟" لولتا نے پوچھا۔

"یہی کہ ادھر تو رہو سماج کے مانند بل چل بھی ہوئی ہے۔ اُدھر تو بڑے بابو تیار نہ ہوئے تو۔" وہ یقیناً تیار ہو جائیں گے۔ اگرچہ لولتا نے بڑے مضبوط لہجے سے یہ بات کہی مگر اس کا سر جھٹک سا گیا۔

سچا ریتا بولی۔ "تو تو جانتی ہے کہ ہرن بابو ماں سے صاف صاف کہہ گئے ہیں کہ بڑے بابو اس شادی کے لئے اپنے مذہب کو چھوڑنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔ تم نے سب پہلوؤں پر غور کئے بغیر ہرن بابو کے سامنے یہ باتیں کیوں کہہ ڈالیں؟"

لولتا نے جواب دیا۔ اگر کہہ ڈالیں تو مجھے اس پر کوئی پشیمانی نہیں ہو رہی ہے۔ ویدی ہرن بابو اور ان ایسے لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ وہ شکاریوں کی طرح مجھے اپنا شکار سمجھ کر پھینچا کرتے کرتے سمندر کے کنارے تک گھیرے آتے ہیں اور اس طرح وہ مجھے قابو میں کر لیں گے تو یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ شاید انہیں معلوم نہیں ہے کہ میں سمندر میں کود پڑنے سے کبھی نہیں ڈرتی۔ ان درندوں کے خونی پنجوں میں کھنسنے کے بجائے ایسا کرنا کہیں بہتر ہوگا۔

سچا ریتا نے راستے دی "پتا جی سے مشورہ کر لیتا چاہئے۔"

لوتا بولی۔۔۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ پتا جی شکاریوں کی ٹولی میں کبھی شامل نہیں ہوں گے۔ انھوں نے آج تک ہمارے پاؤں میں کوئی زنجیر نہیں پہنائی ہے۔ اگر ہم نے ان کی کبھی کوئی بات نہیں مانی تو کیا انھوں نے غصہ دکھایا ہے؟ یا کیا کبھی برہم ہو سہا ج کی دہائی دے کر انھوں نے ہماری آواز کو محدود کر نیکی کوشش کی؟ اسی بات کے لئے کتنی بار رن ان سے اُٹھی ہیں۔ پتا جی کے دل میں ہمارے لئے صرف ایک ہی خوت پیدا ہو رہا ہے۔ کہ ہمیں ہم سوچنے سمجھنے کی طاقت کو نہ بخشیں جبکہ انھوں نے ہماری پرکوشش اور تربیت اس انداز سے کی ہے تو کیا وہ اب ہرن باوجیہ سہا ج کے جیل داروغہ کے ہتھوں میں ہیں یوں سوئپ دیں گے۔

”تو کہ پتا جی نے کوئی رکاوٹ نہ ڈالی تو پھر اس کے بعد کیا کیا جائے گا۔؟“

”اگر تم لوگ کچھ بھی نہیں کرو گی تو جبراً آخر میں میں خود ہی۔۔۔“

سچا ریتا نے سچا پین ہو کر کہا۔۔۔ ”میں نہیں میری بہن! تمہیں اپنے آپ کوئی

قدم نہیں اٹھانا پڑے گا۔ میں نے ایک بات اور سوچ لی ہے۔“

اُس دن شام کو سچا ریتا پارٹیش بابو کے پاس جانے کا ارادہ کر رہی تھی کہ وہ خود ہی وہاں آٹھکے۔ روزانہ اسی وقت اپنے باغ میں اس کنارے سے اُس کنا سے تک سر جھکاتے ہوئے ٹپٹپٹے رہنا اُن کی عادت بن چکی تھی۔ جیسے شام کے سنائے ہیں آنے والی رات کے آرام کے لئے دن بھر کی تکلیف دہ باتوں پر وہ بہت گہرے جبر اور شانتی کے ساتھ غور کر کے انھیں ختم کر لیتے تھے۔ آج رات کو جب سچا ریتا کے کمرے میں گئے ان کا چہرہ گہری فکر میں ڈوبا ہوا تھا۔ شام کو تنہائی میں عبادت کرنے سے انہیں جو سکون نصیب ہوتا تھا اس سے بھی وہ محروم ہو چکے تھے۔ انھیں دیکھ کر سچا ریتا کے دل میں دزدکی ایک نہراٹھی۔ بالکل بس طرح جیسے کوئی ماں اپنے بچے کو ہنستا کھیلتا ہوا دیکھنے کے بجائے ہنسا اور دزد سے کراہتا ہوا دیکھتا ہے۔!

پارٹش بابو نے پوچھا — ”میرا خیال ہے تم سب کچھ سُن چکی ہو گی۔“
 ”جی ہاں پتا جی۔ میں نے سُن لیا ہے۔ لیکن آپ اتنے گہرا راتے ہوئے کیوں

ہیں؟

”مجھے صرف ایک بات کی فکر ہے۔ لوہتا نے طوفان کھڑا کر دیا ہے اس کا کیا وہ
 مقابلہ کر سکے گی؟ غصے کی حالت میں انسان جھوٹے فخر و غرور کا شکار ہو جاتا ہے تو کپڑا اپنی غلطیوں
 کی وجہ سے اس کی طاقت بھی دھیرے دھیرے گھٹنے لگتی ہے۔ آنے والی سب باتوں کو
 سامنے رکھ کر لوہتا نے کیا سوچ رکھا ہے؟“

سچا رینا نے کہا — آپ کو ایک بات پورے دشوا اس کے ساتھ بتا دوں
 پتا جی کہ سوچ لوہتا کو سبق سکھانے کے لئے چاہے کتنی ہی کڑی سزا کیوں نہ دے
 وہ اس کا مقابلہ کر سکتی ہے۔

”یہ مدت بھی جانتا جا رہا تھا کہ کہیں جذباتی ہو کر توفینہ نہیں کیا۔!“
 ”نہیں پتا جی“ اگر یہ بات ہوتی تو میں اس کی بات سمجھ سکتی بھی نہیں۔ وہ جس بات پر
 ایک غصے سے بہت بخیرگی سے غور کر رہی تھی اسے چانک جھٹ کھا کر زبان ہرے آئی
 لوہتا جیسی بڑی کو اس وقت سمجھنا یا روکنا مشکل نہیں ہو گا۔ اس کے علاوہ پتا جی نبوسے بابو
 ایک اچھے انسان ہیں۔

”لیکن کیا نبوسے برہموسہ جی بننے کے لئے تیار بھی ہے؟“
 ”مجھے نہیں معلوم۔ گورا بابو کی دل سے جا کر ملنے کے بارے میں آپ کی کیا رائے

ہے؟“

”میں چاہتا تو ہوں، لیکن اب اگر تم جا کر ان سے سو تو کیا بات اور نہ بڑھ جائے گی۔؟“

پاولواں باب

بڑے آئندہ موتی کے گھر سے ہر روز صبح کے وقت ایک بار اپنے گھر جاتا تھا۔ ایک دن وہاں اس کو اپنے کمرے میں ایک خط ملا۔ خط میں کسی کا نام نہیں لکھا تھا۔ اس میں صرف اسی قسم کی نصیحتوں کی بھرمار تھی کہ بنوئے لوتتا سے شادی کسی طور سے خوشحال ثابت نہیں ہوگی۔ اور یہ ان دونوں کے لئے سخت تباہ کن ہوگی۔ اس کے باوجود اگر بنوئے اپنی فیاضی پر اڑا رہا تو اسے یہ حقیقت بھی اپنے سامنے رکھ دینی چاہئے کہ ڈاکٹر لوتتا کے پیپٹروں کو کمزور قرار دے کر اسے دق کے شبہ میں بھی مبتلا کر چکے ہیں۔

ایسا خط ملنے پر بنوئے حیران رہ گیا۔ اسے یہ خیال کبھی نہیں آ سکتا تھا کہ لوگ اتنے بڑے بڑے جھوٹ بول سکتے ہیں! یہ بات تو یقینی طور پر روشن ہو گئی تھی کہ وہ الگ مذہبوں کے ہونے کی وجہ سے اس کی اور لوتتا کی شادی نہیں ہو سکتی تھی۔ اسی وجہ سے وہ اپنی محبت کو قصور وار سمجھنے لگا تھا۔ یہ خط پا کر تو اس کا احساس اور بھی شدید ہو گیا تھا کہ محض اسی کی وجہ سے لوتتا کے سماج کے لوگ اس بچاری کو ستارہ ہوں گے۔ سماج کے سامنے لوتتا کو اس طرح بدنام ہوتا دیکھ کر بنوئے کا دل درد سے بھر گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ یقینی طور پر اس کے ساتھ بڑھاتے ہوئے تعلقات کی وجہ سے لوتتا اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہی ہوگی۔ اور اس دن کو کوستی ہوگی جب ان دونوں کی پہلے پہل ملاقات ہوتی تھی۔ اور شاید اب وہ اس کی شکل تک بھی دیکھنا پسند نہیں کرے گی۔

یہ کیسا دل ہے؟ خرد کو اتنا بڑا تصور وار سمجھتے ہوئے بھی اس کے اندر خوشی کے جذبات پھوٹے پڑتے ہیں۔ اس نے مذمت محسوس کی نہ توہین۔ اس قسم کے خیالات سے بچنے کے لئے اس نے تیز تیز برآمدے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔ جب صبح کی روشنی پھوٹنے لگی تو اس کے اندر ایک جنون کی سی کیفیت پیدا ہو چکی تھی۔ گلی میں سے گزرتے ہوئے پھر می والوں کی آوازیں سن کر اس کی بے قراری جیسے جاگ اٹھی۔ لولتا کو اتنی شدید بدنامی اور مذمت میں گھرا ہوا پا کر اس کا دل اُسے اپنی محفوظ پناہ میں لینے کے لئے بے چین ہو گیا۔ وہ اپنے دل پر سے لولتا کی سمائی ہوئی مورتی کو باہر نہیں نکال سکتا تھا۔ بار بار اس کے اندر سے یہی آواز نکلتی تھی، لولتا میری ہے لولتا میری ہے۔ اس سے پہلے اتنے اعتماد کے ساتھ اس نے لولتا کو کبھی آواز نہیں دی تھی۔ آج جب اس نے اپنے وجود سے اتنی واضح اور صداقت صداسن لی تھی تو وہ خود کو کیسے روک سکتا تھا۔

وہ اسی کیفیت میں مبتلا برآمدے میں ٹہل رہا تھا جب اس کی نظر ہرن بابو پر پڑی جو اس کے گھر کی طرف ہی آرہے تھے۔ وہ فوراً سمجھ گیا اس گناہ خط کے پیچھے کس کا ہاتھ ہو سکتا تھا۔

ہرن بابو کو اس نے کرسی پیش کی لیکن منہ سے کچھ نہ کہا۔ خاموش رہا۔ آخر ہرن بابو ہی بولے — ”بھوتے بابو آپ ہندو ہی ہیں نا؟“
 ”ہاں بیشک۔“

”آپ کو میرے سوال کا بڑا نہیں ماننا چاہئے۔ جب ہماری وجہ سے سماج کے اندر کوئی خطرہ پیدا ہو جاتا ہے تو ہم اپنی بات کو ہر لحاظ سے توڑنے کی بجائے بالکل اندھے ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی بیک وقت یہ سوال بوجھے۔ ہرے اخلاق کا اثر کہاں تک پہنچ سکتا ہے اور ہماری حدود کہاں تک ہیں۔ تو اُسے اپنا ہی درست

سمجھنا چاہتے۔

”نہوئے سنس کر کہہ اٹھا“ اتنی لمبی تمہید باندھنے کی کیا ضرورت ہے مجھے کسی غلط قسم کے سوال پر غصہ نہیں آتا۔ نہ ہی ایسا سوال کرنے والے پر ناراض ہوتا ہوں۔ آپ کے دل میں جو بھی بات ہے پوچھ ڈالتے۔ ڈریسے مت۔“

ہرن بابو نے معذرت چاہتے ہوئے کہا میں آپ کو کسی بات کے لئے قصور وار نہیں ٹھہرانا چاہتا۔ اور آپ کو یہ بتانا بھی بے معنی ہوگا۔ کہ کسی انجانی غلطی کا پھل بڑا زہریلا بھی ہو سکتا ہے۔

”نہوئے زچ ہو کر بولا۔ جو کچھ بتانا غیر ضروری ہے۔ اسے مت کہتے جو بات ضروری ہے بس وہی پوچھتے۔“

ہرن بابو نے پوچھا۔ آپ چونکہ ہندو ہیں اور اپنے مذہب کو کسی قیمت پر بھی خیر باد نہیں کہہ سکتے۔ اس صورت میں آپ کا پارلش بابو کے گھر میں آنا جانا کہاں تک مناسب ہے۔ جبکہ اسی وجہ سے ان کی لڑکیوں کی بدنامی بھی ہوتی ہے؟

”دیکھتے ہرن بابو۔ سماج کے لوگ کس بات کا کونسا مطلب نکالتے ہیں۔ یہ بہت کچھ ان کے اخلاق پر منحصر ہے۔ اس بات کے لئے میں کیونکر ذمہ دار ہو سکتا ہوں؟ پارلش بابو کی لڑکیوں کے متعلق بھی اگر آپ کے سماج میں کوئی ایسی ویسی بات اٹھتی ہے تو اس میں جتنی شرم اور ذلت کی بات آپ لوگوں کے لئے ہے۔ نئی ان لڑکیوں کے لئے نہیں ہے۔“

”اگر کوئی لڑکی اپنی ماں کو چھوڑ کر کسی باہر کے مرد کے ساتھ ایٹمر پیر و تفریح کی غرض سے ایسی چلی جاتی ہے تو اس کے بارے میں کچھ سوچنے کا حق سماج کو ہو سکتا ہے یا نہیں؟ صرف اس سوال کا جواب دیجئے۔“

”آپ لوگ بھی اگر کسی بیرونی حادثے کو اندرونی جرم کا درجہ دیں تو پھر آپ کو

ہندو سماج چھوڑ کر برہمن سماج میں جانے کی کیا ضرورت تھی؟ ان بالوں کے لئے میں کسی بحث میں پڑنا ضروری نہیں سمجھتا۔ مجھے جو کچھ کہنا ہے اس کا فیصلہ میں خود ہی کروں گا اس بارے میں آپ میری کوئی مدد نہیں کر سکیں گے۔

”میں بھی آپ سے زیادہ کچھ نہیں کہنا چاہتا۔“ ہرن بابو نے جواب دیا۔ صرف ایک بات کہوں گا۔ اس وقت آپ کو پارٹیش بابو کے گھر سے دُور رہنا چاہئے۔ اگر آپ ایسا نہیں کریں گے تو یہ بڑا ظلم ہو گا۔ آپ لوگوں کو یہ پتہ بھی نہیں ہے کہ پارٹیش بابو کے دل میں ایک شدید بے چینی پیدا کر کے آپ لوگوں نے انہیں کتنا بڑا دکھ پہنچایا ہے۔ ہرن بابو کے چلے جانے کے بعد نبوتے کے دل کو طرح طرح کے شبہات تکلیف پہنچانے لگے۔ نیک اور مخلص پارٹیش بابو اسے دُرگورا کو اپنے گھر میں بڑی محبت سے لے گئے تھے۔ یہ ممکن ہے بعض دفعہ نبوتے ن کے گھر میں اپنی حدود سے آگے ہی بڑھ گیا ہے لیکن اس کے لئے اس گھر میں ایک دن کے لئے احترام و محبت کی کمی نہیں کی گئی تھی۔ اس برہمن گھرانے میں اسے جس قسم کی پناہ نصیب ہوئی تھی ویسی اور کہیں نہیں ملتی تھی۔ وہاں کی فضا اس کے مزاج کے عین مطابق تھی۔ ان لوگوں کے ساتھ تعلقات رکھنے کی وجہ سے ہی اسے جیسے زندگی بھر کے لئے ایک عجیب قوت مل گئی تھی۔ جس گھرانے سے اسے پناہ۔ خوشی اور شفقت ملی تھی وہی گھرانہ اس کی دل کی پٹھ کے لئے بھی ایک یادگار بن رہا تھا۔ وہ پارٹیش بابو کی لڑکیوں کی بدنامی کا باعث بن گیا تھا۔ ایسا ہی وجہ سے لوہتا کی ساری زندگی داغدار ہو کر رہ گئی تھی۔ کیا اس جرم کی کوئی تدبیر بھی ہو سکتی تھی؟ جس چیز کو سماج کہا جاتا ہے۔ وہ سچائی کے راستے کی کتنی بڑی رکاوٹ بن جاتی ہے۔ نبوتے اور لوہتا کے ملاپ کے خدشہ جو مخالفت کی جارہی تھی کسی لحاظ سے بھی معقول نہیں تھی۔ دونوں کا خدا جانتا تھا کہ نبوتے لوہتا کے سکھ کے لئے اپنی ساری زندگی تک قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔ نبوتے کو لوہتا کے نزدیک سے جانے میں

کیا خود بھگوان کا ہاتھ نہیں تھا جس بھگوان کی برہم سماج والے اور ہرن بابو جیسے لوگ
 عبادت کرتے تھے۔ وہ کیا کوئی الگ خدا تھا؟ کیا وہ ہی سب کے دلوں پر حکومت
 نہیں کرتا تھا۔ کوئی بہت ہی خوفناک طاقت دانت نکالے انہیں جدا کرنے پر تلی ہوئی
 تھی۔ اگر وہ سماج کی مرضی کے سامنے جھک گیا اور خدا کے حکم کی ضلالت و رزمی کر بیٹھا تو
 کیا پاپ نہیں کہلا۔۔۔ گا۔۔۔ غالباً وہ خوفناک طاقت لو تھا کا ساتھ دے رہی تھی۔ شاید لو تھا
 اپنے دل میں نبوت کے بائے میں سمجھتی ہو کہ۔۔۔ اس کے دل میں بھرے ہوئے
 دھموں اور شکوک کا سلسلہ بہت لمبا تھا۔ بہت طویل۔

ترپینواں باب

جب ہرن بابو بنوتے کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے تو اس وقت ابھناش آند موئی کے ہاں یہ خبر لے کر پہنچا کہ بنوتے اور لولتا کی شادی طے ہوئی ہے۔
 ”آند موئی بویں۔ یہ بات صحیح نہیں ہو سکتی۔“

”کیوں نہیں ہو سکتی کیا بنوتے کے لئے ایسا ناممکن نہیں ہے؟“
 آند موئی نے کہا۔ یہ تو میں نہیں جانتی لیکن یہ بات اگر واقعی ہونے والی ہوتی تو مجھ سے چھپی ہوئی نہیں رہتی۔

ابھناش پھر بھی اپنی بات پر اٹار رہا۔ کہ اس نے برسہو سماج کے خاص ذرائع سے یہ خبر سنی ہے۔ اور یہ یقینی طور پر صحیح ہوگی۔ وہ اس بات کو بہت پہلے سے جانتا تھا کہ بنوتے کا یہی فسوسناک انجام ہوگا۔ یہاں تک کہ اس نے اس کے متعلق کئی بار گورا کو بھی متنبہ کیا تھا۔ آند موئی کو یہ خبر سننا پسند کرنے کے بعد بیٹے پر ابھناش نے موہم کو بھی جاسٹنائی۔

صبح کو جب بنوتے گھر آیا تو آند موئی نے اس کے پاس سے اس کی پریشانی بھانپ لی۔ اُسے کھانا کھلانے کے بعد انھوں نے اسے اپنے کمرے میں بلایا اور پوچھا۔ کیا ہوا بنوتے۔ ”مجھے بتاؤ نا؟“
 اس نے کہا۔ ماں یہ خط پڑھو۔

جب وہ خط پڑھ چکی تو بنوتے نے مزید کہا۔ آج صبح ہرن بابو نے میرے پاس آکر مجھے بہت ڈانٹا ہے۔

”کس بات پر؟“

نبوتے نے کہا۔ وہ کہتے تھے میری رچ سے پارٹش ہلو کی لڑکیوں کی برہو سماج میں بدنامی ہوتی ہے۔

آنند موئی بولیں۔ ”لوگ تو کہہ رہے ہیں اس بات کا فیصلہ ہو گیا ہے کہ تم لوٹا کے ساتھ شادی کر دے گے۔ اس میں بدنامی کی کوئی بات ہے؟“

نبوتے بولا۔ ”گر شادی کرنا ممکن ہوتا تب تو بدنامی کی بات کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن جس بات کا ہونا ہی مشکل ہے اس کے بارے میں جڑیں اکھاڑ دینا کتنی بڑی حرکت ہے۔؟ خاص طور پر لوٹا کے بارے میں تو یہ سب کہنا بہت ہی کمینگی ہے۔“

”اگر تمہارے اندر ذرا بھی مردانگی کا احساس ہے تو تم اُسے ایسی ایسی افواہوں سے بالکل بچا سکتے ہو۔“

نبوتے نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”وہ کیسے؟“

”وہ کیسے؟ آنند موئی چٹا کر بولیں۔“ اس سے شادی کر کے۔

”ہاں یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔؟ اپنے بھوئے کو تم کیا سمجھتی ہو۔ یہ مجھے نہیں معلوم کیا تم سمجھتی ہو کہ میرے ”ہاں“ کہہ دینے سے ہی سب کے منہ بند ہو جائیں گے؟ کیا وہ سب رگ میری ہی طرف دیکھ رہے ہیں؟“

آنند موئی نے کہا۔ ”میں اتنی زیادہ بحث کی ضرورت بھی نہیں سمجھتی جو کچھ تمہارے اختیار میں ہے وہ اگر کر ڈاؤ تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم یقیناً یہ اعلان کر سکتے ہو کہ تم لوٹا کے ساتھ شادی کرنے کے لئے تیار ہو۔“

نبوتے نے کہا۔ ”اسی حتمی تجویز سے کیا لوٹا کی بے عزتی نہیں ہوگی۔ تم سے احمقانہ کیوں سمجھتے ہو؟“ آنند موئی نے اُسے سمجھانے کی کوشش کی۔

جب تم دونوں کی شادی کی خبر پھیں ہی چلی ہے تو پھر شادی کر لینا بالکل مناسب ہوگا میری خواہش ہے اس معاملے میں تم بالکل کوئی جھجک نہ دکھاؤ۔

نبوئے نے کہا لیکن ماں! میں گورا کا بھی تو خیال کرنا پڑے گا۔ نہیں میرے بچے، اس معاملے میں گورا کے مشورے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں وہ بہت ناراض ہوگا۔ اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ وہ تم سے ناراض ہو جائے۔ لیکن ہم کر ہی کیا سکتے ہیں! اگر تمہارے دل میں روتا کے لئے ذرا سی بھی عزت ہے تو اسے زندگی بھر کی بدنامی سے بچانے کے لئے یہ قدم بھتیں اٹھانا ہی پڑے گا۔

لیکن یہ کر کے دکھانے سے صرف کہہ دینا ہی بہت آسان تھا۔ جب سے گورا جیل گیا تھا اس کے لئے نبوئے کے دل میں محبت دو گنی ہو گئی تھی۔ وہ اسے اتنا بڑا صدر مہ کیونکر پہنچا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ مذہب کی پابندی بھی درمیان میں داخل تھی۔ دل ہی دل میں سوچ کے خلاف بناوت کر لینا بہت ہی آسان ہوتا ہے۔ لیکن جب واقعی سر ہر آ پڑتی ہے شاد و نادر ہی کوئی ثابت قدم رہ سکتا ہے۔ نبوئے نے کہا: "ماں! میں تمہیں جس قدر سمجھنے کی کوشش کرتا ہوں اتنی ہی میری نیت بڑھ جاتی ہے۔ تمہارا دل تناسف کیوں ہے۔ لگتا ہے تمہیں پاؤں سے نہیں چلنا پڑتا ہے۔ بھگوان نے جیسے تمہیں اڑنے کے لئے ہنکھ دے دئے ہیں اپنے سامنے کسی رکاوٹ کی بھی تو پرواہ نہیں کرتیں۔؟"

آندریو نے ہنس کر بولی۔ بھگوان نے میرے راستے میں کبھی رکاوٹ نہیں ڈالی وہ میرا ستر ایک دم صاف رکھتا ہے۔

لیکن ماں میں جو کچھ زبان سے کہتا ہوں میرا دل اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ اپنی تمام تر تعلیم، ذہانت، اور بحث کر لینے کی قابلیت کے باوجود مجھے ایسا لگتا ہے میں بالکل بیوقوف ہوں۔

اوپر سے موہم اندر آگیا۔ اور اس نے نبوتے کے ساتھ لوٹا کے بارے میں کچھ ایسے غیر مہذب طریقہ پر گفتگو کی جس سے نبوتے کا دل بہت زیادہ دکھا۔ لیکن وہ چپ چاپ بیٹھا رہا۔ موہم ان دونوں کو بہت سی بیہودہ طریقے سے ڈانٹ ڈپٹ کر کے وہاں سے چلا گیا۔ اس نے انہیں یہ بات ذہن نشین کرانے کی کوشش کی کہ پارلش بابو کے گھر میں نبوتے کو بالکل تباہ و برباد کر دینے کی سازش کی گئی ہے اور نبوتے ان کے جال میں پھنس کر بالکل بیوقوف بن چکا ہے۔ وہ گورا کو اس طرح دھوکا دیتے تو میں دیکھتا۔ وہ ان کے قابو میں آنے والے نہیں۔

ہر طرف سے پشکار پڑتی دیکھ کر نبوتے بہت ہی مایوس ہو کر بیٹھا تھا کہ آئندہ موتی نے یہ کہہ کر اسے چوٹکا دیا۔ نبوتے جانتے ہوئے کہیں اس وقت کیب کرنا چاہتے۔ تمہیں پارلش بابو سے ملنا چاہئے۔ ایک بار ان کے ساتھ بات کر کے سب معاملہ صاف کرالو۔

چوٹواں باب

آنند موئی کو اچانک آتا ہوا دیکھ کر سچا ریتا حیران ہو کر بولی — کتنی عجیب بات ہے۔ میں بھی آپ کے ہاں ہی آرہی تھی۔!

”آنند موئی ہنس کر بولی۔ مجھے کیا معلوم، تم بھی آنے کے لئے تیار ہو رہی تھیں۔ لیکن میں جانتی ہوں تم کس کام کے لئے آرہی تھیں۔ میں بھی اسی کام کیلئے آئی ہوں۔ کیونکہ جب سے میں نے وہ بات سنی ہے میں خود کو روک نہیں سکی۔ فوراً آنے کے لئے مجبور ہو گئی۔“

آنند موئی کو اطلاع ہو جانے کی بات سن کر سچا ریتا حیران ہو گئی۔ اس نے آنند موئی کی بات بڑے دھیان سے سنی وہ کہہ رہی تھی۔

بیٹی بنوئے کوہیں نے ہمیشہ اپنا بچہ ہی سمجھا ہے۔ جب اس کی زبانی تم سب لوگوں کی تحریف سنی تو سچ مانو میں نے خوش ہو کر تم سب کو دل ہی دلا یہ بہت سا اکشیر باد دیا۔ اس لئے اب تمھاری مصیبت کی خبر سن کر میں آرام سے کیونکر بیٹھ رہ سکتی تھی! نہیں کہہ سکتی میں تم لوگوں کی کوئی مدد کر سکتی ہوں یا نہیں، لیکن میں اتنی گھبرا گئی کہ یہاں تک مجھے پھاگتے ہوئے آنا پڑا۔ بیٹا تم لوگوں کی مصیبت کیا بنوئے کی وجہ سے ہے؟ سچا ریتا نے حیران ہو کر کہا۔ ہرگز نہیں۔ جو کچھ ہوا ہے اس کے لئے ولتا زمر وار ہے۔ بنوئے کو کیا معلوم تھا کہ ولتا کسی کو کچھ بتاتے بغیر اچانک اسٹیمر پر چوٹج جائے گی اور لوگ تو خواہ مخواہ کی اڑا تے پھرتے ہیں کہ دونوں نے وہاں ملنے کے لئے پہلے سے سوچ رکھا تھا۔

ابھر لوٹا ایسے تیز مزاج کی لڑکی ہے کہ وہ نہ تو افواہ کی تردید کرے گی اور نہ ہی اصل واقعہ کسی سے بتائے گی۔

”لیکن اس کا اب تو کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ جب سے نبوتے کو معلوم ہوا ہے وہ ایک لمحے کے لئے بھی آرام سے نہیں بیٹھ سکا ہے۔ بلکہ وہ تو سارا الزام اپنے ہی سر پر لے رہا ہے۔“

سچا ریتا نے سر جھٹکا کر پوچھا: ”کیا آپ سمجھتی ہیں کہ نبوتے بابو“
سچا ریتا کو ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا دیکھ کر آندریوٹی نے کہا: ”دیکھو بیٹا۔ میں تم کو یقین دلاتی ہوں کہ لوٹا کی بھلائی کے لئے نبوتے کو جو کچھ بھی کرنے کے لئے کہا جائے گا۔ وہ اسے ضرور پورا کرے گا۔ میں اُسے بچپن سے جانتی ہوں۔ اور یہ بھی دیکھ رہی ہوں کہ وہ جس کا ہو جاتا ہے اس پر اپنا سب کچھ بچھا کر دیتا ہے۔ اسی لئے میں اس بابو سے میں ڈرتی بھی رہی ہوں۔ کہ اس کا دل کسی ایسی جگہ کا ہو کہ نہ رہ جائے کہ جہاں سے اُسے پھر واپس لایا ہی نہ جاسکے۔“

اپنے دل پر پڑے ہوئے بوجھ کو سر کتا ہوا محسوس کر کے سچا ریتا نے کہا: ”لوٹا کی رضا مندی کے لئے تو آپ کو کوئی فکر کرنی ہی نہ چاہئے۔ میں اُس کے دل کی حالت اچھی طرح جانتی ہوں۔ لیکن کیا نبوتے اپنا مذہب پورے پر تیار ہوگا۔“
”ہاں، اگر وہ ضرور کرتا تو۔ لیکن تم ابھی سے مذہب بھرتا ہے۔ اسنے کی بات کیوں کرتی ہو؟ کیا دیکھ کی کوئی ضرورت ہے؟“

”کیوں نہیں ماں! کیا وہ ہندو رہ کر بھی ایک برہمن کی شادی کر سکتا ہے؟ اگر وہ ایسا ہی کرنا چاہے تو تم لوگوں کو کیا کوئی اعتراض ہوگا؟ آنت دیوٹی نے پوچھا۔“

سچا ریتا حیرتی سے بولی۔ میری سمجھ میں تو یہ بات نہیں آتی کہ ایسا کیسے ہو پائیگا۔

آنند نے اُسے سمجھایا: بیٹا یہ تو دنیا کی سب سے آسان بات ہے دیکھو۔
 تو۔۔۔ میں اپنے گھر میں ایسے رسم درواج پڑے نہیں کر سکتی جو گھر کے باقی لوگ
 نبھاتے ہیں۔ اسی لئے بہت سے لوگ مجھے عیسائی کہتے ہیں۔ خاص خاص رسومات
 کی ادائیگی کے موقع پر تو میں خود گھر سے باہر نکلتی ہوں۔ تم مسکرا رہی ہو بیٹی۔
 لیکن جانتی ہو۔ میرے کمرے سے گورا بھی پانی لیسنا پسند نہیں کرے گا۔ لیکن صرت
 اسی وجہ سے میں یہ تو نہیں کہہ سکتی کہ میرا گھر اپنا گھر نہیں ہے، یا ہندو سماج میرا سماج
 نہیں ہے! میں ذاتی طور سے ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔ میں اسی سماج اور اسی گھر میں
 رہتی رہوں گی چاہے مجھے کچھ ہی کیوں نہ کیا جاتے! یہ بات میرے لئے کوئی بہت
 بڑی رکاوٹ نہیں ہے۔ اگر رکاوٹیں ناتاہل عبور بن جائیں گی تب تو میں بھگوان کی رہنمائی
 چاہوں گی۔

لیکن۔۔۔ آپ کو معلوم ہے برہمن سماجی یہ چاہتے ہیں کہ اگر بنوتے یا پو۔
 آنند موئی نے کہا۔۔۔ اس کا مذہب بھی تو دسی ہے۔ برہمن سماج کا مذہب
 کوئی دنیا کا نالا مذہب نہیں ہے۔ تمہارے رسالوں میں جو مضامین چھپتے رہتے ہیں،
 بنوتے انہیں پڑھ کر مجھے سنا کر تا ہے۔ مجھے تو ان میں کوئی فرق نہیں معلوم ہوتا۔
 اسی وقت لو لٹا سچا ریتا کو ڈھونڈتی ہوئی اُدھر۔۔۔ کب سے ہیں آگئی۔ وہاں
 آنند موئی کو دیکھ کر قدرے شراکتی۔ کیونکہ اس نے۔۔۔ کے چہرے سے اندازہ
 لگا لیا تھا کہ وہ اسی کی باتیں کر رہی تھیں۔ وہ جانتی تھی۔۔۔ کھسک جاتے لیکن
 جلدی چلے جانے کے لئے کوئی بہانہ نہیں مل سکتا تھا۔

”آؤ لولتا۔۔۔ آؤ بیٹھو بیٹا“ آنند موئی نے اُسے ہاتھ سے پکڑ لیا اور
 اپنے پاس یوں بٹھالیا جیسے لولتا خاص طور پر اُن کی اپنی ملکیت ہو۔

آنند موئی نے اپنی بات کا سلسلہ پھر سے شروع کرتے ہوئے سچا ریتا

سے کہا — ”دیکھو بیٹا، کھیلے کے ساتھ بڑے کا ملنا ہی مشکل ہوتا ہے مگر پھر بھی تو دنیا میں انہیں ساتھ ساتھ دیکھا جاسکتا ہے۔ یہی نہیں دکھ سکھ میں بھی وہ ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ جب یہ ممکن ہو سکتا ہے پھر جہاں صرف خیالات کا تھوڑا سا فرق ہو وہاں اس تھوڑے سے فرق کی وجہ سے وہ دو انسان جن کے دل آپس میں مل چکے ہوں کیوں نہیں مل سکتے؟ انسان کا حقیقی ملاپ قیامت پر ہی ہوتی ہے؟“

سچا ریتا اس کے سامنے سر جھکاتے بیٹھی رہی۔ اور آئندہ موتی کہتی رہی۔ کیا تمھارا برہموسماج ایسے دو انسانوں کو آپس میں نہیں ملنے دے گا۔ جنہیں الیشور نے اندر سے ایک کر دیا ہو۔ کیا تمھارا سماج انہیں باہر سے الگ رکھ سکے گا۔ کیا دنیا میں اور کوئی ایسا مذہب نہیں ہے جو ایسی ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کر کے صرف اصلی باتوں کو ہی اہمیت دیتا ہو۔ تمام انسانوں کو پھر تو بھگوان کے ساتھ لڑنا چاہئے نہ کہ آپس میں۔ کیا اسی لئے سماج نام کی چیز بنائی جاتی ہے؟

اس موضوع پر آئندہ موتی جس جوش کے ساتھ بول رہی تھی وہ صرف ولتا اور نبوتے کے درمیان شادی کی رکاوٹ دور کرنے کے لئے نہیں تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ سچا ریتا یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ اگر وہ اس قسم کے مسائل میں اُلجھی رہی تو پھر تو کام کسی طور سے بھی نہیں چل سکے گا۔ نبوتے کے برہم ہوئے پر ہی اس کا بیاہ لولتا کے ساتھ ہو سکے گا۔ اگر اس بات پر زور دیا گیا تو آئندہ موتی نے پچھلے کچھ دنوں سے جو امید لگائی تھی وہ بھی مٹی میں مل جائے گی۔

آج نبوتے نے آئندہ موتی سے یہ سوال کیا تھا ”ماں کیا مجھے برہموسماج میں نام لکھانا ہی پڑے گا۔ اور کیا مجھے ان کے عقائد کو بھی قبول کرنا ہوگا۔ تو اس وقت آئندہ موتی نے اُسے جواب دیا تھا — ”نہیں تو“ اس کی تو میں کوئی ضرورت نہیں سمجھتی۔

پھر جب بنوتے نے پوچھا — اگر وہ لوگ بضد ہوں، دباؤ ڈالیں؟
 آئندہ موتی نے کچھ دیر چپ رہ کر کہا تھا۔ یہ دباؤ ڈالا جاسکتا۔ دباؤ چلیکا نہیں۔
 آئندہ موتی کے ان دلائل کے ساتھ سچا ریتا متفق نہیں ہو سکی۔ چونکہ سچا ریتا
 نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ اس لئے آئندہ موتی کو محسوس ہوا جیسے اس کا دل ان
 کی باتوں کو قبول نہیں کر رہا ہے وہ سوچنے لگیں۔ ”اس گورا کی محبت کی وجہ سے ہی تو میرا
 دل سماج کے بندھنوں کو توڑنے کے لئے تیار ہو سکا تھا۔ کیا سچا ریتا گورا کو نہیں
 چاہتی؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ جھوٹی ٹہنی بات اس کے لئے اتنی بڑی نہ ہوا کھٹکتی۔“

آئندہ موتی کا دل کچھ اداس ہو گیا۔ گورا کے جبل سے چھوٹنے میں دو تین دن
 ہی باقی رہ گئے تھے۔ وہ اپنے دل میں سوچ رہی تھی۔ جیسے اس کی خوشیوں کیسے
 ایک میدان ہموار ہے۔ اب تو گورا کو بندھن میں باندھنا ہی پڑے گا۔ لیکن اسے
 باندھنا کوئی آسنہ نہیں ہے۔ بندھن سماج کی کسی لڑکی کے ساتھ گورا کی شادی
 کرنا اس کے ساتھ انصافی کرنے ہوگی۔ اس لئے انھوں نے کتنی شادی کے قابل
 لڑکیوں کے والدین کی گورا کے ساتھ شادی کی درخواستیں ٹھکرا دی تھیں۔ گورا کہتا تھا
 ”میں شادی نہیں کروں گا۔“ آئندہ موتی اس کی اس بات کی بھی مخالفت نہیں کرتی تھی۔ یہ
 دیکھ کر لوگ حیران ہوتے تھے۔ لیکن انھیں دنوں گورا کو ایک طرف جھکا ہوا دیکھ کر اس
 کا دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ اس لئے سچا ریتا کی خاموش مخالفت سے ان کے دل کو
 بڑی ٹھیس لگی۔ لیکن وہ آسرتی سے سہارے والے عورت نہیں تھی۔ انھوں نے دل
 ہی دل میں کہا۔ ”سب دیکھ جائے گا۔“

چھپنواں باب

پارلش بابو بولے — بنوئے میں نہیں چاہتا کہ تم ایک مصیبت سے لو لٹا کو حکا لٹنے کے لئے جلد بازی کا کام کر بیٹھو۔ آج جو قسم قسم کی افواہیں پھیل رہی ہیں۔ دو دن بعد کسی کو ان کی یاد بھی نہیں رہے گی۔

لو لٹا کے تئیں اپنے فرض کو پورا کرنے کی خاطر ہی بنوئے بالکل تیار ہو کر آیا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ سماج میں اس شادی کی مخالفت ضرور ہو گی۔ اس سے کبھی زیادہ اسے گورا کی مخالفت کا خدشہ تھا۔ پھر بھی فرض کا خیال کر کے اس نے اپنے دل سے باقی سب ناخوشگوار باتوں کو نکال دیا تھا۔ اسی حالت میں جب پارلش بابو نے اس کے محض فرض کے احساس ہی سے متاثر ہونا پسند نہیں کیا۔ تو بنوئے بھی پیچھے ہٹنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ وہ بولا۔

”میں آپ کی شفقتوں کا احسان تو کبھی اتار نہیں سکوں گا۔ لیکن میری جہ سے آپ کو ذرا سی بھی پریشانی اٹھانی پڑے یہ میں برداشت نہیں کر سکتا۔“

”تم میری بات کا مطلب ٹھیک طرح سے نہیں سمجھتے بنوئے۔“ پارلش بابو نے کہا۔ سنو۔ میں یہ دیکھ کر بے حد خوش ہوں کہ تمہارے دل میں میرے لئے بڑی عزت موجود ہے مگر محض اس عزت ہی کی وجہ سے تم میری بیٹی سے شادی کرنا اپنا فرض سمجھتے ہو تو یہ میری بیٹی کے لئے کچھ زیادہ فخر کی بات نہیں ہو گی۔ اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ کوئی ایسی بھاری حقیقت نہیں ہے جس کی خاطر تم کوئی قربانی پیش کرو۔

اس طرح فرض کے بوجھ سے تو نبوتے کو چھٹکارا مل گیا۔ لیکن اس کا دل برابر ہی کہہ رہا تھا۔ ”تم لوٹنا چاہو تو کھلے ہی لوٹ جاؤ۔ میں تو یہیں رہنا چاہتا ہوں۔“

پارٹش بابو نے جب اُسے دل کی کوئی بات نہ چھپانے دی تو نبوتے بولا۔
 ”آپ یہ نہ سمجھتے کہ میں کسی فرض کے احساس سے ہی اس مشکل کام کو اپنے سر پر لے رہا ہوں۔ اگر آپ کی رضامندی ہو تو میرے لئے اس سے بڑی خوش نصیبی اور کیا ہوگی مجھے اگر سچے سچ کسی بات کا خدشہ ہے تو وہ صرف اس بات کا ہے کہ بعد میں کیا۔“
 پارٹش بابو فوراً بلا جھجک بول اُٹھے۔ ”تمہیں جس بات کا خدشہ ہے اسکی کوئی بنیاد ہی نہیں ہے۔ اور چونکہ وہ سچائی کو پسند کرتے تھے اس لئے اس بات کا اعتراض بھی کر لیا۔ مجھے سُچا ریتا سے معلوم ہوا ہے کہ لوٹنا تمہیں نہ پسند نہیں کرتی۔“

نبوتے کے دل میں مُسرت کی بجلیاں چمک اٹھیں۔ بولتا کے دل کی ایک گہری بات جو سُچا ریتا کے مُنہ سے نکلی تھی وہ کب سُنی گئی؟ کیسے کہی گئی۔ اس خیال سے ہی اس کا دل خوشی سے جھوم جھوم اٹھا کہ وہ دوسرے بیویوں کے بیچ بات چیت کا موضوع بنا تھا۔ اُس نے فوراً کہا۔

”اگر آپ مجھے اس قابل سمجھتے ہیں تو میرے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات اور کیا ہو سکتی ہے؟“

پارٹش بابو نے کہا۔ ”ذرا رکو، میں اُدھر سے ہواؤں۔“
 انہوں نے جا کر بردوا دیوی سے اس کی رائے لی تو وہ بولیں۔ ”ہاں مگر نبوتے کو ہر ہوساج دھرم قبول ہی کرنا پڑے گا۔“

اس نے رُک رُک کر کہا۔ ”میرے دل میں ہر ہوساج کی بڑی عقیدت ہے۔ آج تک میں نے کوئی ایسا کام بھی نہیں کیا جو اس کے اصولوں کے خلاف جاتا ہو۔ لیکن کیا یہ بالکل ضروری ہے کہ میں اس دھرم کو باقاعدہ قبول بھی کروں؟“ بردوا دیوی نے کہا۔ ”اگر

لمتھیں دونوں کے عقیقوں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا تو پھر ہمارے دھرم کو قبول کرنے میں لمتھیں ہچکچاہٹ کیوں ہوتی ہے؟
 بنوئے بولا: یہ کہنا تمہارے لئے ناممکن ہے کہ ہندو مذہب میرے نزدیک کوئی معنی ہی نہیں رکھتا۔

پھر تو تمہارے لئے یہ سوال اٹھانا ہی بالکل غلط ہے۔ تب کیا تم نے ہم لوگوں پر رحم کھا کر ہماری رڑکی کے ساتھ شادی کرنے کیلئے رضامندی دکھائی ہے۔
 بنوئے کو یہ بات بہت بُری لگی۔ اس نے دیکھا کہ اصل میں ان لوگوں کیلئے اس کی تجویز بہت ہی توہین آمیز بن گئی ہے۔

سول میرج کا قانون پاس ہوئے لگ بھگ ایک سال ہو چکا تھا۔ اس وقت گورا اور بنوئے دونوں نے اس قانون کی مخالفت میں اخبارات میں سخت تنقیدی مضامین لکھے تھے۔ آج اسی سول میرج کو منظور کر کے بنوئے خود کو ہندو نہ ماننے یہ بہت مشکل بات تھی۔

وہ ہندو رہ کر لو لٹا سے شادی کرے۔ اس بات کو قبول کرنے کی اہمیت پارلش باؤسے نہیں کی جاسکتی تھی۔ اس لئے وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ دروازے کو ہنسکا کر کے معذرت چاہتا ہوا بولا: آپ مجھے معاف کر دیجئے گا۔ اس بات کو اور آگے بڑھانے میں گنہگار نہیں بننا چاہتا۔ اتنا کہہ کر وہ وہاں سے چلا آیا۔

جب وہ سیر میوں سے نیچے اتر رہا تھا اس کی نگاہ لو لٹا پر پڑ گئی۔ وہ ہر آنے کے کوڑے میں ایک چھوٹے سے ڈیسک کے آگے کیلی بیٹھی تھی۔ کوئی خط لکھنے میں مصروف تھی۔ بنوئے کے پیروں کی آہٹ سن کر اس نے آنکھیں اٹھائیں اور بنوئے کے چہرے کی طرف دیکھا۔ نظریں ملتے ہی بنوئے کا دل جھوم گیا۔ دونوں کی زبان پہچان نہتی نہیں تھی۔ لو لٹا نے اس کی صورت کو پہلے بھی کئی بار دیکھا تھا۔ لیکن آج

اس کی نگاہوں میں کچھ اور ہی راز چھپا ہوا تھا۔ لوٹتا کے دل کا وہ راز آج ہی سچا رہتا
 کو معلوم ہوا تھا اور وہ آج ہی نبوتے کو لوٹتا کی بے چین آنکھوں میں گھرے ہوئے
 بادلوں کی صورت میں دکھائی دے گیا۔ نظریں ٹکرا نے سے نبوتے کے دل پر
 پھر ایک چوٹ پڑی۔ ایک لفظ کہے بغیر اس نے لوٹتا کو ہنسکا رکھا اور پھر نیچے اتر آیا۔

چھپنوال باب

جنب گورا جیل سے رہا ہوا تو پارٹش بابو اور بنوئے اُسے لینے کیلئے پھاٹک پر موجود تھے۔ ایک مہینہ کا عرصہ زیادہ نہیں ہوتا جب وہ پڑیا ترا کیا کرتا تھا تو کبھی کبھی اپنے دوستوں اور رشتے داروں سے ملے اس سے بھی زیادہ وقت گزرتا تھا لیکن ایک مہینے کی قید کے بعد جب وہ جیل سے نکلا اور بنوئے اور پارٹش بابو کو دیکھا تو اُس نے یوں محسوس کیا جیسے اپنے دوستوں کی جانی پہچانی دنیا میں وہ پھر سے پیدا ہوا ہو۔ جیل کی روشنی میں جنب اس نے پارٹش بابو کے پرسکون پیر سے پر محبت کی جھلک دیکھی تو وہ ان کے چہرہ کی دھول لینے کے لئے جس خوشی اور عقیدت سے جھک رہا تھا وہ اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ پارٹش بابو نے دونوں دوستوں کو کھٹے سے لگا لیا۔ پھر گورا بنوئے کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولا۔

”بنوئے ہم بچپن سے اکٹھے ہی تعلیم حاصل کرتے چلے آئے ہیں لیکن اب کے ہیں تمہیں ان کے اسکول میں اکیلا ہی چھوڑ آیا تھا۔“

بنوئے نے نہ تو ہنسا نہ ہی کوئی جواب دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ دست جیل کی نامعلوم سختیاں جیل کر اس کے دل میں دوستی کی قدر بڑھ گئی ہے۔ وہ برابر جیب رہا۔ یہاں تک کہ گورا نے پوچھا: ”ہاں کا کیا حال ہے؟“

”کھشیک ہے“ بنوئے نے جواب دیا

پارٹش بابو نے کہا: ”چلتے جاڑی آپ کے انتظار میں موجود ہے۔ جب وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے اسی وقت اکھناش کچھ طلباء کے ساتھ وہاں بھاگتا

اور ہانپتا ہوا آپہنچا اُسے دیکھ کر گورا نے جلدی سے گاڑی میں جا کر بیٹھنے کی کوشش کی، لیکن ابھناش جلدی سے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا اور درخواست کی کہ وہ ایک لمحہ کے لئے رُک جائے۔ جب وہ ایسی درخواست کر رہا تھا تو طلباء اُونچی آواز میں یہ گیت گارہے تھے۔

”مُصیبتوں کی سیاہ رات کے بعد سویرا ہو گیا ہے“

غلامی کی زنجیریں ٹوٹ کر بکھر گئی ہیں۔

سویرا ہو گیا ہے۔

اور گورا چلا کر بولا خاموش رہو۔ اس کا چہرہ گہرا سُرخ ہو گیا۔ لڑکے فوراً خاموش ہو گئے۔ اس کی طرف حیران ہو کر دیکھنے لگے۔ وہ ابھناش سے کہنے لگا۔ یہ سب کیا ہے کوئی برباد دینے کے بجائے ابھناش نے اِدھر سے اُدھر کے نیچے سے بتوں میں لپٹا ہوا ایک موٹا ہار نکالا۔ اسی وقت ایک نوجوان لڑکے نے اپنی اُونچی آواز سے ایک ایڈریس پڑھا۔ اس کے پڑھنے کا انداز جماعت میں رُٹا ہوا سنا تھا۔ یہ ایڈریس جلی حروف میں چھپوایا گیا تھا۔ اور اس کا موضوع گورا کی جیل سے رہائی تھی۔ گورا نے ابھناش کے پیش کئے ہوئے ہار کو غصے میں آکر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ آخر یہ سوانگ کیوں رچا گیا ہے۔ کیا تم مہینہ بھر سے تیاریاں کرتے رہے ہو کہ سڑک کے کنارے مجھے اس طرح ہار پہناؤ گے؟

ابھناش واقعی اس کی تیاری ایک عرصہ سے کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس بات کا بہت گہرا اثر پڑے گا۔ البتہ اس نے نئے نئے کو اپنے ساتھ شامل نہیں کیا تھا کیونکہ وہ خود شہرت کا بہت ہی بھوکا تھا اور اس طرح کے کارنامے کے بعد شہرت حاصل ہو جانا بہت آسان ہو گا۔ اس نے یہی ایسے ہنگامے عام نہیں تھے۔ ابھناش نے تو کلکتہ کے اخباروں میں شائع کرانے کے لئے اپنے اس ہنگامے کا پہلے سے

انہم کو دیکھا حال بھی لکھ لیا تھا جس میں صرف در ایک تفصیلات اور بھرنی باقی تھیں۔
ابھناش نے گورا کے رویہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے کہا۔ آپ کا اس
طرح سے کہنا بہت زیادتی ہے حقیقت یہ ہے کہ جب تک آپ جیل کے اندر پڑے
سختیاں برداشت کرتے رہے ہیں ہم بھی اسی آگ میں جلتے درد سے بلبلاتے رہے
اور اس طرح آپ کی تکلیفوں میں برابر شریک رہے ہیں۔

گورا نے کہا۔ تم جھوٹ بولتے ہو ابھناش۔ اگر غور سے دیکھو تو وہ آگ ابھی
تک بھڑکی ہی نہیں ہے، نہ ہی تم کو کوئی ایسی خاص تکلیف ہی پہونچی ہے۔
ابھناش نے ہار نہیں مانی اور اپنی بات پر اڑا رہا۔ حکومت نے آپ کو بے عزت
کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن آج ہم آپ کو بھارت مانا کا ایک نمائندہ سمجھ کر آپ
کی خدمت میں یہ ہار۔۔۔

”یہ ایک بھدا مذاق ہے“ کہہ کر گورا نے ابھناش اور اس کے ساتھیوں کو ایک
طرف ہٹا دیا۔ اور پارلش باؤسے بولا۔ چلتے بیٹھے گاڑی میں۔ جب پارلش باؤسیٹ پر
بیٹھے تو انھوں نے اطمینان کی سانس لی۔ ان کے پیچھے پیچھے گورا اور نمبوتے بھی فوراً
ہی بیٹھ گئے۔

اسیٹم سے سفر کر کے گورا دوسرے دن صبح کلکتہ پہنچا۔ اس کے گھر کے سامنے
بہت سارے لوگ اُسے مبارکباد دینے کے لئے جمع ہو چکے تھے۔ اُن لوگوں سے
کسی طرح چھٹکارا پا کر وہ اپنی ماں آنند موئی سے ملنے کے لئے اندر پہونچا۔ وہ صبح
صبح ہی نہاد دھو کر اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ جب گورا نے اندر جا کر اُن کے قدم لئے
لئے، تو آسوجو آج تک رُکے رہے اُن کو وہ روک نہ سکیں۔

جب کرشن دیال گنگا بہن اشنان کر کے واپس آ گئے تو گورا اُن سے سنے کے
لئے بھی گیا۔ ذرا فاصلہ سے انھیں پر نام کیا لیکن اُن کے پاؤں نہیں چھوئے۔ کرشن دیال

بھی ذرا فاصلے پر بیٹھے تو گورا نے کہا۔ پتا جی میں پراسچیت کرنا چاہتا ہوں۔

”لیکن اس کی ضرورت کیا ہے؟ کرشن دیال نے جواب دیا۔

”گورا بولا۔ جیل میں مجھے کوئی تسخنی نہیں جھیلنی پڑی، سوائے اس بات کے کہ میں وہاں خود کو پاک و صاف نہیں رکھ سکا۔ اس لئے میرا ضمیر مجھے اب بھی ملامت کرتا ہے۔ اس لئے مجھے پراسچیت کرنا چاہیے۔

کرشن دیال خوف زدہ ہو کر بول اٹھے نہیں نہیں۔ بات کو اتنا بڑھاانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہیں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

گورا نے کہا اچھی بات ہے۔ اس معاملے میں پنڈتوں سے مشورہ کروں گا۔ تمہیں کسی پنڈت سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کرشن دیال نے اعتراض کیا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں اس کام کے لئے تمہیں کوئی پراسچیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

گورا آج تک یہ بات نہیں سمجھ سکا تھا کہ کرشن دیال جو پاک و صاف رکھنے والی مذہبی رسومات کے اتنے زیادہ پابند تھے۔ گورا پر ایسا بندھن یا قانون عائد نہیں کرتے تھے۔ اگر گورا ذرا بے وفاء نہ صرف اُسے نہ منظور کر دیتے بلکہ اس کی تسخنی سے مخالفت بھی کرتے۔

آئندہ موتی نے آج کھانے پر نبوتے اور گورا کے آسن پاس پاس رکھے تھے۔ لیکن گورا نے کہا۔ ماں نبوتے کا آسن ذرا دور کر دو۔

آئندہ موتی حیران ہو کر بولی ”کیوں؟ نبوتے میں کیا خرابی ہے؟“

”خرابی جو ہے میں نہیں سمجھتا ہوں“ میں پوچھتا ہوں۔

”کوئی خرابی نہیں، نبوتے ایسی باتوں کی پرواہ کرنے والوں میں نہیں ہے۔“

گورا نے کہا۔ نبوتے میں نہ کرسے میں تو کروں گا۔

کھانا ختم کر کے جب دونوں دوست ادھر کے سنان کمرے میں پہنچے تو

دونوں کو کوئی بات نہیں سوجھ رہی تھی۔ بنوے کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ گورا سے اس معاملے پر کسی طرح گفتگو شروع کرے جو جو کچھلے مہینے سے اس کے ذہن پر چھ یا ہوا تھا۔ پارٹش بابو کے گھر کے بارے میں گورا کے دل میں بھی کچھ سوال اٹھتے تھے۔ لیکن اس نے کچھ نہیں پوچھا۔ چاہتا تھا کہ بنوے ہی سب کچھ بتائے۔ پارٹش بابو سے اس نے ان کی لڑکیوں کی خیریت کبھی پوچھی تھی لیکن وہ بھی صرف رسمی طور پر۔ وہ اس اطلاع سے کہیں زیادہ کہ وہ ٹھیک ہے۔ ان کے بارے میں ایک ایک بات جاننے کا خواہش مند تھا۔

اسی وقت موہم دادا آپہنچے۔ سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے وہ آتے۔ جب ان کے حواس ذرا ٹھیک ہوئے تو بولے ”بنوے۔ بنوے۔“ ہم لوگوں کو گورا کا ہی انتظار تھا نا؟ اب چونکہ وہ آ گیا ہے۔ اس لئے زیادہ دیر کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ فوراً مہورت، مٹھوانا چاہئے۔ گورا اٹھ کر آیا خیال ہے۔ تمہاری سمجھ میں کچھ آیا۔ میں کیا کہہ رہا ہوں؟“

گورا صرف ہنس پڑا۔ موہم دادا نے اپنی بات جاری رکھی۔ تم ہنس رہے ہو۔ کیوں؟ تم سمجھتے ہو۔ تمہارا ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔ لیکن ایک ایک بات سن لو۔ بیٹی خراب نہیں ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں وہ ایک اہم فرض ہوتی ہے۔ جسے آپ آسانی سے بھلا نہیں سکتے۔ اب ہنسنا بند کرو گورا تاکہ اس معاملے کو پوری طرح سے کر سیکنا چاہئے۔

”جس پر ساری بات کا دارومدار ہے وہ آدمی تو موجود ہی ہے۔ گورا بول۔ کیا بات کرتے ہو؟“ موہم چلے بار جو شخص خود ڈالنا ڈول رہتا ہے وہ کسی معاملے کو طے کرنے کے قابل ہو سکتا ہے۔ یہ ذمہ داری تو بے تمہیں اٹھانی پڑے گی۔

آج بنوے نے بالکل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ اس کی سبھی اڑتی جا رہی تھی۔

لیکن وہ کچھ نہیں بولا۔ یہ دیکھ کر کہ معاملے کے بیچ میں کوئی رکاوٹ موجود ہے۔
 گورا بولا ”میں شادی کے لئے دعوت نامے جاری کرنے، مٹھائیاں تیار
 کروانے کی ذمہ داری لے سکتا ہوں۔ شادی کے بعد کی دعوت کی ذمہ داری لینے
 کو تیار ہوں۔ لیکن بنوئے کو آپ کی لڑکی کے ساتھ شادی کرنے کے لئے راضی
 کرنے کی ذمہ داری مجھ سے نہیں اٹھائی جائے گی۔“ میں محبت کرنے والوں سے
 بہت دیر بھاگتا ہوں۔

موہم نہ دنا کہنے لگے۔ اپنے رماغ سے یہ بات بالکل نکال دو کہ چونکہ تم اس
 سے دُور رہتے ہو۔ اس لئے وہ تمہیں معاف بھی کر دے گا۔ یہ بات بتانے کی ضرورت
 نہیں ہے کہ وہ تمہارے پاس کسی بھی وقت پہنچ سکتا ہے۔ میں نہیں جانتا وہ تم سے
 کیا کیا کہے گا۔

لیکن جہاں تک بنوئے کا تعلق ہے وہ کافی ہنگامہ کرے گا۔ یہ بھی بتا دوں اگر
 تم اس معاملے کو اپنے ہاتھ میں نہیں رکھو گے تو تمہیں بعد میں بہت سی پریشانی اٹھانی
 پڑ جائے گی۔

گورا ہنس کر بولا کوئی ذمہ داری جو دراصل میری ہے کبھی نہیں اُسے اگر میں نہ
 اٹھاؤں اور پریشان ہوں تو اس کے لئے میں تیار ہوں۔ کیونکہ اگر میں نے ذمہ داری
 اٹھ لی تو پھر اور بھی زیادہ بچھتا نا پڑ جائے گا۔ میں ایسی مصیبتوں سے بالکل دور
 رہنا چاہتا ہوں۔

موہم دادا نے سوال کیا۔ کیا تم کسی برہمن لڑکے کو اپنی عزت اور
 ذات پات کو ٹیٹھ میں ملاتا ہوا دیکھ کر چپ چاپ برداشت کر لو گے؟ تم لوگوں کو
 ایک آدرش ہندو بنانے کے لئے بھٹو کے رہتے ہو۔ اپنا آرام کھو دیتے ہو۔ لیکن تمہارا
 سب سے بڑا جگر می دوست اپنے دھرم کی قربانی دے کر ایک برہمن سماجی لڑکی

کے ساتھ شادی کرنے والا ہے۔ جس کی وجہ سے تم لوگوں کو اپنا منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔ میں جانتا ہوں بنوتے تم مجھ سے ناراض ہو جاؤ گے لیکن ایسے بے شمار لوگ ہیں جو یہی باتیں تمہارے پیچھے کہتے رہتے ہیں۔ دراصل ایسا کرنے میں ایک دوسرے سے بازی بھی لے جانا چاہتے ہیں۔ میں تو تمہارے منہ پر کہہ رہا ہوں اور یہ ان لوگوں کی کبتلائی کے لئے ہے جن کا یہ معاملہ ہے۔ اگر افواہ بالکل غلط ہے تو کہو کہ غلط ہے تاکہ معاملہ جہاں ہے وہیں پر ختم ہو جائے۔

”اگر یہ سچ ہے تو اسے طے ہی کر ڈالو۔“

مورتم دادا کے چلے جانے کے بعد بنوتے نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ گورا نے پوچھا۔ ”بنوتے یہ سب کیا معاملہ ہے۔“

بنوتے بولا۔ صرف ایک یاد باتیں بنا کر سارا معاملہ سمجھا دینا آسان نہیں ہے۔ اس لئے میں نے سوچا تھا کھٹیں دھیرے دھیرے ساری کہانی سنا دوں گا۔ لیکن اس دنیا میں کوئی بات اپنی مرضی کے مطابق نہیں ہوا کرتی۔ یہاں تو واقعات چپ چاپ پرسوں پاتے رہتے ہیں۔ جنگل کے جانوروں کی طرح۔ بے پاؤں اپنے شکار کی تلاش میں گھومتے رہتے ہیں۔ پھر اچانک کوئی شور کئے بغیر وہ اس کی گردن کو دلوچ بیٹھتے ہیں۔ جب میں بھی اسی طرح اندری اندر پہلے پہل سلگتی رہتی ہیں۔ اس کے بعد چانک۔ آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اور ٹھکانا شکل ہو جاتا ہے۔ میں کبھی کبھی یہ سوچنے لگتا ہوں انسان کی آزادی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر بات سے بے تعلق رہ کر ایک جگہ جم کر رہ جائے۔

اس طرح اگر تم جم کر بیٹھ جاؤ تو پھر یہ آزادی کیسے ہوتی۔ ؟ گورا ہنسنے لگا۔ اگر باقی دنیا میں گھومنا پھرنا ہی ٹھیک سمجھتے ہو تو تم اسے کیونکر کھٹرا سکتے ہو۔ اس سے تو بالکل اٹکا اثر پڑے گا کیونکہ باقی دنیا تو اپنے کام کا بج میں لگی ہوگی۔ اور تم بیچارے

رہ کر خود کو دھوکا دے رہے ہو گے۔! اس لئے تم خود اس بات کا فہم خیال رکھو کہ تمہارا دھیان ادھر ادھر نہ کھینکنے پائے۔ لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ آگے بڑھ جائیں اور تم ابھی تک تیار بھی نہیں ہوئے ہو۔

”یہ صحیح ہے میں بھی تیار نہیں ہوتا۔ اس بار بھی میں بغیر تیاری کے ہی رہا۔ میں نہیں جان سکتا کہ کس طرف سے کونسی مصیبت نازل ہو سکتی ہے۔ جب جیسا وہ نازل ہو کر ہی رہے تو پھر انسان کو اس کے لئے ذمہ داری قبول کرنی ہی ہوگی۔ میں کسی الزام سے بھاگنا نہیں چاہتا۔ اس سے تو بہتر ہوتا کہ وہ بات پیدا ہی نہ ہوتی ہوتی۔ گورا اصل واقعہ جانے بغیر اس کے بارے میں کچھ کہنا میرے لئے مشکل ہے جوہ کی بنا پر کہ جنہیں ٹالا نہیں جاسکتا تھا۔ میں لو لٹا کے ساتھ ایسے حالات میں کھینس گیا کہ اسے سماج کی بدنامی سے بچانے کے لئے اس کے ساتھ شادی کرنا بہت ضروری ہو گیا ہے۔

گورا نے پوچھا۔ مجھے صاف صاف بتاؤ وہ حالات کیا تھے؟
 بنوتے بولا۔ یہ تو بہت ہی لمبی کہانی ہے۔ کتھیں کھوڑا کھوڑا کر کے بتاتا رہوں گا۔ فی الحال تم اسی پر اکتفا کرو جو میں نے کہا ہے۔
 ”اچھا۔۔۔۔۔۔ اسی پر اکتفا کر لیتا ہوں۔ لیکن اس سلسلے میں یہ بھی کہوں کہ اگر اس حادثے سے بچنا مشکل ہی تھا تو پھر انجام سے بچنا بھی ایسا ہی ہو سکتا ہے۔ اگر لو لٹا کو اپنے سماج سے بدنامی لیتی ہی پڑتی ہے تو پھر اس میں کوئی کیا کر سکتا ہے۔ بنوتے نے کہا۔۔۔۔۔۔ لیکن اس بدنامی کو بچانا میرے اختیار میں ہو گیا ہے۔
 ”اگر ایسی بات ہے تو یہ بہت اچھی ہے۔ لیکن صرف ہند کرنے سے تو یہ نہیں ہو سکتا جب لوگ ضرور تنہا ہوتے ہیں تو ان میں چوری اور قتل کرنے کی طاقت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن ان کا ایسا کرنا حق بجانب تو نہیں کہا جاسکتا نا۔! تم

کہتے ہو، لون کے ساتھ شادی کر کے تم ایک فرض پورا کرو گے۔ لیکن کیا یہ فرض اتنا اچھا ہے بھی۔ اپنے دھرم کے ستم پر کوئی فرض عائد نہیں ہوتا۔“

اس بات کا جواب دینے کی بجائے کہ وہ ایک برہمن کی طرح اس شخص کے ساتھ محض ایک فرض کی تکمیل کے لئے شادی کر رہا ہے۔ اس نے ذرا تیز ہو کر کہا۔ — معلوم ہوتا ہے اب میرا نظریہ تمہارے نظریے سے نہیں مل سکے گا۔ میں کسی شخص کی طرف تکل ہو جانے کی وجہ سے اپنے سماج کا مخالفت نہیں بن رہا ہوں۔ میرا کہنا یہ ہے کہ سماج اور انسان کے اوپر بھی ایک دھرم ہے جس کا ہمیں خیال کرنا ہو گا۔ جس طرح انسان کو بچانا میرا فرض نہیں بنتا ہے اسی طرح سماج کا خیال کرنا بھی میرا فرض نہیں بن سکتا۔ مجھے تو صرف اپنے دھرم کی حفاظت کرنی ہے۔

گورا نے دلیل پیش کی۔ میں ایسے مذہب کو پسند نہیں کرتا جو فوراً سماج کو کچلتا ہے۔ اور ہر چیز کے اپنے کو بلند رکھتا ہو۔

نورے غصے سے بول اٹھا۔ — لیکن میں پسند کرتا ہوں۔ مذہب کا انحصار انسان اور سماج کی بنیادوں پر نہیں ہے۔ بلکہ انسان اور سماج ہی مذہب کا سہارا دیتے ہیں۔ اگر تم سماج کی کسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کسی بات کو مذہب کا نام دے دو، تو اس طرح تو وہ سماج ہی ڈوب جائے گا۔ اگر سماج دھرم کے کسی ٹھیک کام میں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ تو ہم اس رکاوٹ کو نیست و نابود کر کے سماج کی بہت بڑی خدمت انجام دیتے ہیں۔ اگر میرا بولتا ہے ساتھ شادی کرنا غلط نہیں ہے تو مجھے یہ شادی ضرور کر لینی چاہیے۔ چونکہ سماج اس بات کو پسند نہیں کرتا صرف اس لئے میں خود کو روک لوں تو یہ ایک بہت بڑا گناہ ہو جائے گا۔

گورا نے پوچھا۔ کیا غلط ہے اور کیا صحیح اس کا فیصلہ کرنے کے لئے یا تم ہی ایک تنہا جج ہو؟ تم یہ نہیں سوچ سکتے کہ ایسی شادی کر کے تم اپنے بچوں کو کن حالات

کے ساتھ دوچار کر دو گے۔

بنوئے نے جواب دیا — ”اگر تم صرف اسی نظر سے سوچنے لگو گے تب تو تم سماجی نا انصافیوں کو مستقل کر دو گے۔ پھر تم ایک غریب کلرک کو اس بات کے لئے کیوں قصور دار ٹھہراتے ہو۔ کہ وہ اپنے یورپین آقا کے ہاتھوں پر ہر قسم کی ذلت برداشت کرتا رہتا ہے۔؟ وہ بھی ایسا کر کے اپنے بچوں کے مستقبل کو محفوظ بنانا چاہتا ہے۔“

اس طرح بحث مباحثہ کرتے کرتے بنوئے ویرگورا ایسے نقطہ نظر پر پہنچ گئے جہاں پہلے کبھی نہیں پہنچے تھے۔ کچھ ہی پہلے وہ سماج کے سامنے اپنے تمام نظریات کے ساتھ جھک کر بیٹھ جانے کو تیار ہو سکتا تھا۔ اس موضوع پر اس نے ابھی تک اپنے آپ سے بھی کوئی بحث نہیں چھیڑی تھی۔ اگر گورا کے ساتھ اس طرح وہ بحث نہ کرتا حالات کا رُخ بالکل اُلٹا بھی ہو سکتا تھا۔ اور یہ بنوئے کی بہت بُرائی عادت تھی۔ لیکن جوں جوں بات بڑھتی گئی احساسِ فرض کے ساتھ ساتھ اُسکے خیالات مضبوط اور مضبوط تر ہوتے چلے گئے۔

گورا کے ساتھ بہت سخت اور تیز قسم کی بحث ہو گئی تھی۔ ایسی بحث کے دوران میں گورا عمودِ اَدِل کا ساتھ نہیں دے پاتا تھا۔ وہ اپنے خیالات کو زبردستی دوسروں پر لادنے کی کوشش کرتا تھا۔ آج بنوئے نے اس کے سامنے جو دلیل پیش کی تھی اُسے اس نے مٹی میں ملا دینے کی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔ لیکن اب اُسے قدم رکاوٹ کا احساس بھی ہو رہا تھا۔ جہاں تک گورا کی بنوئے کے خلاف رویہ کا تعلق تھا گورالینڈ فتحیاب ہوا تھا۔ لیکن آج حقیقی انسانوں کا مقابلہ ہوا تھا۔ وہ بہت دیر تک اپنے دلائل کے ساتھ ایسے تیروں کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ کیونکہ تیر کے نشانے پر ٹپٹھنے ہی اسے انسانی کرب و رُپ کا احساس ہونے لگتا تھا۔

آخر میں گورا نے کہا۔ میں تم سے زیادہ بحث نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ تمہاری منطق میں کوئی وزن نہیں ہے۔ یہ صرف دل سے سمجھنے کی بات ہے۔ ایک برس ہو سہا جی لڑکی کے ساتھ شادی کر کے تم اپنے ملک کے لوگوں سے الگ ہو جانا چاہتے ہو۔ یہ بڑے دکھ کی بات ہے۔ تم ایسا کام کر سکتے ہو۔ لیکن مجھ سے یہ کبھی نہیں ہو سکے گا۔ ہمارا اختلاف اسی بات پر ہے۔ اور یہ کوئی ذلت کا کام بھی نہیں ہے۔ تمہاری محبت مجھ سے الگ ہو گئی ہے تم جس جگہ چھرا گھونپ کر خود کو آزاد کر لینا چاہتے ہو وہاں تمہارا کوئی لگاؤ نہیں ہے لیکن اسی جگہ پر میری رُوح پھڑپھڑانے لگتی ہے۔ میں تو اپنے بھارت دیش کو چاہتا ہوں تم چاہے اُسے گالیاں دو، یا اس میں نقص کالو میں اس سے بڑھ کر اور کسی کو نہیں چاہتا۔ میں کوئی ایسا قدم ہرگز نہیں اٹھانا چاہتا جس سے میرا اپنے ملک سے ذرا سا تعلق بھی ٹوٹنا ہو۔

پیشتر اس کے کہہ نہوتے اسے کچھ جواب دیتا۔ گورا چلا پڑا۔ نہیں نہوتے مجھ سے اب آگے بحث کرنا بالکل بیکار ہو گا۔ جب ساری دنیا نے میرے بھارت دیش کو ٹھکرا دیا ہے۔ اور اس کی سخت توہین کی ہے۔ تو میں اس کے ساتھ توہین میں شریک ہونا نہیں چاہتا ہوں اس ذات بات کا بھید بھاؤ والے، دھرم کرم والے برہمنوں کی پوجا کرنے والے بھارت سے مجھے بڑی عقیدت ہے۔ اگر تم اس سے الگ ہونا چاہتے ہو تو ہو جاؤ۔ لیکن تمہیں پھر مجھ سے الگ ہونا پڑے گا۔

گورا براؤن سے میں جا کر ادھر ادھر گھومنے لگا۔ نہوتے اسی جگہ چپ چاپ بیٹھا۔ اچانک نوکر نے آکر اطلاع دی کہ نیچے بہت سے لوگ گورا سے ملنے کیلئے آتے ہوئے ہیں۔ یہ سن کر جیسے گورا کو کچھ اطمینان اور راہ فرار مل گئی۔ وہ جلدی سے نیچے اتر گیا۔

نیچے جا کر اس نے ہجوم کے اندر ابھناش کو بھی دیکھا۔ گورا کو نہیں تھا کہ ابھناش

اس سے ناراض ہو گا۔ لیکن اس کے چہرے پر ایسی کوئی جھلک نہیں تھی۔ بلکہ وہ تو لوگوں کے سامنے بہت ہی لمبے چوڑے الفاظیں گورا کے پھولوں کا ہار نہ پہننے والے واقعہ کی تعریف کرنے لگا جو درون پہلے جیل کے سامنے پیش آیا۔ اس نے سب کے سامنے اعلان کیا۔ گورموہن بابو کے لئے میرے دل میں بہت عقیدت بڑھ گئی ہے۔ بہت دنوں سے مجھے پتہ تھا کہ وہ معمولی آدمی نہیں ہیں۔ لیکن کل کے واقعہ سے تو یہ ثابت ہوا کہ وہ بہت بلند انسان بھی ہیں۔ کل ہم اُن کا سواگت کرنے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے اُسے قبول نہیں کیا۔ آپ کو دنیا میں ایسے لوگ نہیں مل سکتے۔ کیا یہ کوئی ناراض ہونے کی بات ہے؟

یہ سن کر گورا ساری بات سمجھ گیا۔ اب اس کو ابھناش پر اور غصہ آیا اس نے چلا کر کہا۔ دیکھو ابھناش تم جس طرح کسی کی عزت کرنا چاہتے ہو اُس سے تو اس کی بڑی بے عزتی ہو نے لگتی ہے۔ میں تمہارے ساتھیوں کے سطرک پر دکھاتے جانے والے ناچ میں شامل نہیں ہو سکتا۔ میرے انکار کو تم میرے کردار کی بہت بڑی بلند می کا نام دے رہے ہو۔ کہیں تم نے بھیک مانگنے کے لئے گلی گلی گھومنے والی پارٹی تو نہیں بنالی ہے۔ کیا تعمیری کام کرنے کے لئے کوئی تیار نہیں ہوتا؟ اگر تم میرے ساتھ مل کر کام کرنا چاہتے ہو تو بیشک کرو۔ اگر تم میری مخالفت کرنا چاہتے ہو تو تمہیں اس کی بھی اجازت ہے۔ لیکن ہر بانی کر کے اس طرح بیکار کی زندہ باز زندہ باد کہتے ہوئے نہ بھرا کرو۔ یہ سن کر تو ابھناش کی عقیدت میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ لوگوں کے سامنے اپنا چمکتا ہوا چہرہ لے کر گھوما۔ تاکہ انہیں گورا کے الفاظ کی طلسماتی اثر پر یقین آجاتے۔ پھر کہنے لگا۔

”آپ نے بھارت ماتا کی بڑی بے غرض خدمت کی ہے۔ ہم آپ کو کبھی بھول نہیں سکتے۔ ہم ایسے ہی عظیم انسان کے قدموں پر اپنی جانیں نچھاور کر سکتے ہیں یہ کہتے

کہتے اس نے جھک کر گودا کے پاؤں چھونے کی کوشش کی لیکن گورا گھبرا کر پیچھے ہٹ گیا۔
ابھناش بولا۔ گورموہن بابو۔ آپ ہماری کوئی چیز قبول نہیں کرتے ہیں۔ لیکن
آپ ہمیں کم از کم اس خوشی سے تو محروم نہ رکھتے جو آپ کو دعوت دے کر ہم لوگ حاصل
کرنا چاہتے ہیں۔ ہم نے بہت سوچ بچار کر یہ فیصلہ کیا ہے۔ اسے آپ کو منظور کرنا
ہی پڑے گا۔

گورا نے جواب دیا۔ جب تک میں پرائیجٹ نہیں کر لوں گا تب تک آپ
لوگوں کے ساتھ کھانے میں شریک نہیں ہوں گا۔

پرائیجٹ! یہ سن کر ابھناش کی آنکھیں حیرت سے جھک اٹھیں۔ اس بات
کا خیال ہم میں سے کسی کو نہیں آسکتا تھا۔ لیکن گورموہن بابو۔ ان اصولوں کو کیسے
نظر انداز کر سکتے ہیں جو ہندو دھرم نے بنا دیے ہیں۔

اس بات پر سب متفق ہو گئے ہیں کہ وہ سب پرائیجٹ کے دن اکٹھے
ہو جائیں اس روز کھانے کا انتظام بھی کیا جائے۔ ملک کے بہت بڑے بڑے
پنڈت پرائیجٹ کے لئے بلاتے جائیں۔ تاکہ وہ اپنی آنکھوں سے گورموہن کا
پرائیجٹ دیکھ کر ہندو دھرم کے اس زمانے میں بھی زندہ ہونے کا ثبوت پائیں۔

پرائیجٹ کب اور کہاں ہونا چاہئے۔ اس بات کا بھی سوال اٹھایا گیا تو
گورا نے کہا۔ یہ میرے گھر میں نہیں ہو سکے گا۔ اس پر اس کے ایک عقیدتمند نے
اپنے مکان کی پیش کش کر دی جو گنڈہ کے کنارے بنا ہوا تھا۔ اس رسم کے تمام
اخراجات پارٹی کے ممبر خود ہی برداشت کریں گے۔ اس کا بھی فیصلہ ہو گیا ہے۔

جانے سے پہلے ابھناش نے کھڑا ہو کر ہجوم کے سامنے ایک نہایت ہی
جوشیلی اور پراسرار تقریر کرتے ہوئے کہا۔ گورموہن بابو چاہیے مجھ پر ناراض ہوں جب
نسان کا دل جذبات سے بھرا ہوا ہوتا ہے تو وہ خود کو روک نہیں سکتا۔ وہ بھارت

کی اس پوتر دھرتی پر دبدوں کی رکشا کرنے کے لئے اوتار ہوتے رہے ہیں۔ ہندو دھرم کی رکشا کے لئے ہمارے زمانے میں بھی ایک اوتار ہوا ہے۔ ساری دنیا میں صرف بھارت ہی میں چھ قسم کے موسم آتے ہیں۔ ہمارے اس دیش میں اوتار بھی بار بار ہوتے رہے ہیں۔ ورنہ بھی ہوتے رہے ہیں۔ ہم بہت خوش قسمت ہیں کہ ہمیں اس بات کا ثبوت بھی مل گیا ہے۔ بھائیو۔ زور سے کہو۔ گورموہن کی جے!!

ابھٹاش کے جوت دلانے پر لوگ جے جے کر کرنے لگے لیکن گورا گھبرا کر بھاگ گیا۔ جیل سے نکل کر آنے کے بعد آج پہلی بار اسے شدید شکان کا احساس ہوا۔ جیل کے اندر کئی روز تک وہ اس بات پر غور کرتا رہا تھا کہ وہ ایک نئی لگن کے ساتھ دیش کی سیوا کس طرح کرے۔ لیکن آج وہ بار بار خود سے پوچھنے لگا۔ — میرا دیش کہاں ہے۔ کیا یہی ہے وہ میرا دیش؟ یہیں پر میرا وہ دوست ہے جس کے ساتھ مجھ کو رہنے کی سزا مل چکی ہے۔ ہر بہت سی امیدیں وابستہ ہیں۔ وہ ایک لمحے کے اندر بڑی قوت سے گزشتہ کئی سالوں کی مضبوط دوستی کو توڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے تاکہ اس لڑکی کے ساتھ شادی کر سکے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ یہاں وہ لوگ بھی بستے ہیں جنہیں میری برائی کے لوگ کہا جاتا ہے۔ اُن کو کتنی برا اپنے خیالات کا اظہار کرتے وقت میں نے انہیں یہی یقین دلایا تھا کہ میں نے ہندو دھرم کو بچانے کے لئے اوتار لیا ہے۔ کیا میں مذہبی کتابوں میں بیان کئے جانے والے دیوتاؤں کا انسانی رویہ ہوں۔ پھر بھی بھارت دیش کا احترام نہیں کیا جاتا۔؟ واقعی چھ موسموں والا ہے۔ بھارت میں چھ موسم ہو۔ تیرے ہیں۔ چھ موسموں کی طرح سب سے بڑی پیداوار اگر یہی ابھٹاش ہو سکتا ہے تو چھ دین موسموں کو بچانے سے کونسا بڑا نقصان ہو رہا ہے؟

اسی وقت گورا کو نوکر نے آکر بتایا کہ اسے ماں بھاری ہے۔ وہ دل ہی

دل میں سوچنے لگے۔ ماں نے بلایا ہے۔ بول کہا جیسے ان الفاظ میں اور بھی معنی ہیں اور خاصے اہم ہیں۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔ میرے پاس میری ماں جو ہے اور مجھے بلارہی ہے۔ وہ میرا ہر ایک کے ساتھ میل کر دے گی۔ وہ کسی سے الگ تھلگ نہیں ہونے دے گی۔ جو لوگ میرے ساتھ ہوں گے وہ میری ماں کے پاس اس کمرے میں ضرور موجود ہوں گے حیل میں بھی مجھے ماں بلایا کرتی تھی۔ میں اس سے ملنے کے لئے ضرور جاؤں گا۔ اس طرح خود سے باتیں کرتے کرتے اس نے سردیوں کی دوپہر کے وقت باہر ٹھنڈے آسمان کی طرت دیکھا تو اسے ابھناش اور نیوٹے کے ساتھ اپنے اختلافات بہت معمولی لگے۔ دوپہر کی اس دھوپ میں اسے اپنا بھارت ورش بازو پھیلاتے ہوئے دکھائی دیا۔ اس کے سارے دریا، پہاڑ، شہر اور سمندر بھی دکھائی دتے۔ اور اسی وقت خلا میں سے ایک تیز صاف صاف ٹھہری ٹھہری روشنی نکل کر سارے بھارت ورش پر چھا گئی۔ اور بھارت ورش چمکنے لگا۔ گورا کا دل اس قدر بھرا ہوا تھا کہ اس کے آنسو نکل کر بہنے لگے اور اس کے دل میں سے ساری مایوسی دور ہو گئی۔

اس کی فطرت بھارت کی خدمت کے لئے خوشی خوشی کام آنا چاہتی تھی۔ اور اس خدمت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اگرچہ اس کے جلدی نتائج نکل آنے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ عبادت کرتے وقت وہ بھارت کی عظمت کا جو تصور کرتا تھا وہ اسے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ لیکن اس کے لئے اس کے دل میں مایوسی نہیں ہوتی تھی۔ وہ بار بار خود سے کہنے لگا۔ ”مجھے ماں بلارہی ہے“ مجھے وہاں جانا چاہیے۔ جہاں سب کو خوراک بخشنے والی بیٹھی ہوتی ہے۔ ساری کائنات کی مالک۔ وقت کی قید سے آزاد۔ لیکن ہر گھڑی، ہر لمحہ حاضر و ناظر۔ جو موت کے پنجے سے باہر ہے۔ لیکن زندگی میں ہر دم وجود جو بالوں و اوصاف سے حال پرستہ کی سنہری روشنی برساتی ہے۔

مجھے وہیں جانا چاہئے۔ ماں مجھے دُور کی علاقوں میں بٹا رہی ہے جو کتنی قریب بھی ہیں۔
خوشی کے جذبات سے معمور ہو کر اس نے بڑے اور ابھناٹوں کی موجودگی بھی محسوس
کی جیسے وہ اس سے الگ نہیں ہوتے تھے۔ اس دن کے چھوٹے چھوٹے طے سرب
اختیارات مکمل دوستی میں ختم ہو گئے تھے۔

جب گورا آئندہ موٹی کے کمرے میں داخل ہوا اس کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔
گورا کا دل چونکہ پہلے ہی بہت جوش سے بھرا ہوا تھا اس لئے وہ یہ نہ پہچان سکا کہ ماں
کے پاس اور کون موجود ہے۔

وہ سچا ریتا تھی جس نے اٹھ کر اُسے پر نام کیا۔

”اے آپ“ اس نے سچا ریتا سے کہا ”بیٹھے؟“

جب اس نے کہا ”اے آپ“ تو اس کا مطلب یہ تھا کہ اسکی آمد کوئی معمولی قسم کا
واقعہ نہیں تھا۔ کوئی بہت ہی اہم بات تھی۔

ایک دن اسکی سچا ریتا کو دیکھ کر اور اس کے ساتھ بحث کر کے گورا گھر چھوڑ کر بیھاگ
گیا تھا۔ جتنے دن وہ ایٹل کے کام کے لئے گھومتا رہا اس نے سچا ریتا کو اپنے ذہن
سے الگ رکھنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اسکی طرح بڑی بھلا نہیں رہا ایک
دن تھا جب اُسے دھیان بھی نہیں آتا تھا کہ بھارت کی عورتوں میں عورتیں کی ریتا ہیں
اتنے دن بعد سچا ریتا کو دیکھ کر اس کے دل میں عورتوں کے لئے عقیدت و احترام
کے جذبات بھر آئے۔ جس بات کا اُسے یقین تھا کہ سچا ریتا نہیں تھا۔ اسے دل کے اندر اُل
حرج اُنڈ تے دیکھ کر وہ بیکارگی کا نپ اٹھا۔

وہ جس سے باہر آیا تھا تو پارٹیش بابو کو دیکھ کر گورا کا دل خوشی سے بھر گیا تھا۔ وہ
خوشی صرف پارٹیش بابو سے ملاقات ہونے کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ اس میں اس شبہ کا
جادو بھی شامل ہو گیا تھا جو اس کے تصور پر کتنی روز تک طاری رہا تھا۔ گورا کو پہلے ہی اس کا

تلفاً احساس نہیں ہوا۔ جب اسٹیمر کے ذریعہ کلکتہ جا رہا تھا اس وقت آہستہ آہستہ یہ حقیقت اس پر روشن ہوئی شروع ہوئی تھی کہ پارلیمنٹ باوجود محض اپنی خصوصیات کی ہی وجہ سے اسے اپنی طرف نہیں کھینچ رہے تھے۔

اب گورا نے خود کو اس جدوجہد کے لئے پھر تیار کر لیا۔ اپنے آپ سے بولا۔ میں شکست نہیں کھاؤں گا۔ اسٹیمر پر سوار ہوتے ہی اس نے پھر دُور چلے جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ تاکہ اس کے دل و دماغ کو حسین سے حسین بندھن اپنے قبضے میں نہ کر سکے ذہن کی ایسی کیفیت کی موجودگی میں اس کی بنوئے سے بحث ہوئی تھی۔ وہ تو دل ہی دل میں الجھتا اور بحث کرتا تھا۔ ورنہ ایسی گرم باتیں ایک عزیز ترین دوست کے ساتھ کبھی نہ ہوتی تھی جو جو باتیں اس بحث کا سرگرم حصہ بنی تھیں۔ اُن کا اس کی اپنی ذات اور عزت سے تعلق تھا۔ یہ بات اب اس پر آہستہ آہستہ ظاہر ہو رہی تھی اسی وجہ سے وہ اس روز اتنی سختی سے بولا تھا۔ اسی سختی کی اُسے خود بھی ضرورت تھی۔

بنوئے اس کے سبب دلائل کو چیر چیر کر پھینک رہا تھا۔ اور اسے احمق اور اندھا معتقد ثابت کر رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا دل بنوئے کے خلاف مخالفت کے طور پر کھر گیا۔ بنوئے کے تو خواب و خیال میں بھی اس کی حقیقی وجہ نہیں سمجھ سکتی تھی کہ دراصل وہ خود ایک اندرونی غلغلا میں پھنسا ہے۔

بنوئے کے ساتھ جھگڑے کے بعد گورا نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ میدان سے پیچھے نہیں ہٹے گا۔ اس نے سوچا۔ اگر میں اپنی زندگی کے خوت کے لئے ہی بنوئے کو چھوڑ دیتا ہوں تو پھر بنوئے بھی نہیں بچا جاسکتا۔

ستاؤنواں باب

اس وقت گہرے خیالوں میں ڈوبے ہوئے کی وجہ سے گورا نے سچا ریتا کی آمد کو ایک بہت ہی اہم واقعہ سمجھ لیا تھا۔ پورے دیش کی نمائندہ عورت بن کر ظاہر ہو گئی تھی۔ اس نے یوں محسوس کیا تھا جیسے اس کا جنم بھارت دیش کے گھروں کو پاک و صاف محبت اور مٹھاس سے بھرا ہوا دیکھنے کے لئے ہی ہوا ہے جو سُنڈرتا کی دیوی ہے۔ دیش کے بچوں کو پال کر بڑا کرتی ہے بیماروں کی خدمت۔ دیکھو کی دلجوئی اور حقیر لوگوں کو اُونچا اٹھانے کی کوشش کرتی ہے انتہائی منسوبیت پڑنے پر بھی کسی کو نفرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتی۔ اُسے چھوڑ نہیں دیتی۔ خود قابل پرستش ہونے پر بھی مردوں کی پوجا کرتی رہتی ہے۔ جس کے خوبصورت اور ماہر ہاتھ مردوں کی سیوا کے لئے ہی وقف ہو چکے ہیں۔ جس کی قوت برداشت معاف کردینے کی فطرت اور ہمیشہ قائم رہنے والی محبت کو ایشور نے ایک عطیہ کی صورت میں مردوں کو دے رکھی ہے۔ شکی اور خدمت کی دیوی کو اپنی ماں کے پاس نفس نفیس بیٹھا دیکھ کر گورا کا دل انتہائی خوشی سے چھلک چھلک پڑا۔ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ یہی وہ عورت ہے جسے دھرتی ماتا کہنا چاہئے۔ بھارت کے دل پر سینکڑوں کنول کے پھولوں کے درمیان بیٹھی ہوئی یہی وہ عورت ہے جسے ہم سب پوجتے ہیں۔

گورا کو خرد اپنے خیالات پر حیرت ہو رہی تھی۔ دل میں عبرت ذات کی تیرن ہونے کی وجہ سے ہی بھارت کے بارے میں اس کا علم اُبھور رہا تھا۔ جیتک

ذہن عورتوں کے معاملے میں صاف اور واضح نہیں ہو جاتا۔ اس کے اپنے ملک کے تئیں
فرائض کا تصور بھی ادھورا اور ناقص تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ اس کے فرض کے
احساس میں زور تھا لیکن زندگی نہیں تھی۔ پٹھے پٹھے لیکن رگیں نہیں نکلیں۔ ایک لمحے کے
اندیشے سے احساس ہو گیا کہ اگر ہم عورتوں کو سچ سمجھائیں اسے اپنے ساتھ جگہ نہیں دینگے
تو ہمارا پیش اتنا ہی کمزور ہوتا چلا جائے گا۔

اس لئے جب اس نے سچا ریتا سے یہ کہا تھا — ارے آپ آگئیں
تو یہ محض رسمی الفاظ نہیں تھے۔ ان کے پیچھے وہی نئی خوشی اور حیرت تھی جو اسکے
وجود کی آواز تھی۔

گورا کے جسم پر جیل کی تکلیفوں کے نشان صاف دکھائی دیتے تھے۔ پہلے کی
نسبت اب وہ دُبل ہو گیا تھا۔ جیل کی خوراک سخت، بد ذائقہ ہونے کی وجہ سے
اُس نے قید کا پورا عرصہ قریب قریب بھوکا رہ کر گزار دیا تھا۔ اس کا خوبصورت
چہرہ اب بھی بے پہلے کی نسبت کچھ پیلا پیلا دکھائی دیتا تھا۔ سر کے بال کٹ کر
بہت چھوٹے ہو جانے کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت ہی کمزور نظر آتا تھا۔

گورا کے جسم کی اس تبدیلی نے سچا ریتا کے دل میں ایک خاص کرب کا احساس
پیدا کیا۔ وہ چاہتی تھی اس کے قدموں میں جھک کر اس کے جبروں کی دُھول سے جس
دُستی ہوئی اُس کا دُھواں نظر نہیں آتا اسی کی مانند اسے گورا بھی نظر آیا۔ اس کی
عقیدت میں ایک شدید درد تھا۔ اس لئے اس کا دل کانپنے لگا وہ اس کے ساتھ
سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

سب سے پہلے آندھونی نے ہی زبان کھولی۔ گورا، اگر میری کوئی بیٹی
ہوتی تو اس کا شکہ کیسا ہوتا۔ یہ بات میری سمجھ میں اب آرہی ہے۔ جتنے دن تو یہاں
نہیں رہا اتنے دن سچا ریتا نے مجھے جو جو مسکھ پہنچائے ہیں وہ میں بیان نہیں کر سکتی

اس سے ملنے سے پہلے مجھے اس بات کا پتہ بھی نہیں تھا کہ اگر کوئی اچھا سا کھٹی مل جائے تو انسان کو انتہائی دکھوں میں بھی ایک فحشیابی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ ایشور نے ہماری مصیبتوں میں بھی ہماری ڈھارس بندھانے کی سبیل بنا رکھی ہے لیکن اس سے لاعلم ہونے کی وجہ سے ہم زیادہ دکھی رہتے ہیں۔ بیٹی تم تو شرمناک ہی ہو۔ لیکن یہ سب تمہارے نبھانے کے لئے بالکل بے اختیار ہو گئی ہوں کہ ان دنوں تم میرے لئے کتنی غمناک غمناک بن گئی تھیں۔

گورا نے سچا ریتا کے شرمائے ہوئے چہرے کو مشکور نگاہوں سے دیکھا اور پھر ماں سے کہنے لگا۔ ماں یہ تمہارے مصیبت کے دنوں میں تمہارے دکھ بڑانے آیا کرتی تھیں۔ اور آج خوشی کے دن تمہاری خوشی بڑھانے کیلئے آگئی ہیں۔

جن کے دل اتنے بڑے ہوتے ہیں وہ ایسے ہی بے غرض لوگ ہوتے ہیں۔ سچا ریتا کو گھبرا یا ہوا دیکھ کر نبوتے بولا۔ دیدی جب چور پکڑا جاتا ہے تو اسے سب ظلمت سے سزا ملتی ہے۔ اب چونکہ تم بھی پکڑی گئی ہو۔ اس لئے اپنے کتے کا پھل بٹوگو۔ اب بھاگ کر کہاں جاؤ گی۔ میں تمہیں بہت دنوں سے جانتا ہوں مگر اس کے سامنے کچھ ظاہر نہیں کرتا۔ دل میں سب کچھ جانتے ہو۔ مگر کبھی خاموش رہتا ہوں۔ لیکن زیادہ دیر تک کوئی بات چھی بھی نہیں رہ سکتی۔

آنند موئی ہنس کر بولیں۔ تم تو چپ رہو گے ہی! کیونکہ تمہاری فطرت ہی ایسی ہے پر سچا ریتا سے کہنے لگیں۔ بیٹا جس دن سے یہ تمہیں ملا ہے تمہارے ہی گن گار ہا ہے۔ ابھی تک اس کا جی نہیں بھرا۔

نبوتے بولا۔ سن لیا دیدی۔ میں انسان کی قدر کرنے والوں میں سے ہوں احسان فراموش نہیں ہوں! اس بات کے ثبوت اور گواہ دونوں تمہارے سامنے موجود ہیں۔

سچا ریتا نے جواب دیا۔ ”یہ کہہ کر تو تم اپنی تعریف کر رہے ہو۔“
 نبوتے نے کہا: ”لیکن اس طرح آپ میری خالصتیں تھوڑا ہی مان پائیں گی۔
 اگر آپ وہ سب باتیں جاننا چاہیں تو پھر میری ماں کے پاس آیا کیجئے۔ آپ کا منہ حیرت
 سے کھلا رہ جائے گا۔ میں بھی جب ان کے منہ سے اپنی تعریف سنتا ہوں تو خود
 ہی حیران رہ جاتا ہوں۔ ہاں اگر میری ماں سوانح عمری لکھنے کو تیار ہوں، تو میں
 اس جوانی میں بھی مرنے کے لئے تیار ہوں۔“

آئندہ موتی نے کہا: ”سن رہی ہو اس لڑکے کی باتیں۔“
 جانے سے پہلے سچا ریتا نے نبوتے سے کہا: ”تم کسی دن نہیں ملنے کیلئے
 نہیں آؤ گے۔“

سچا ریتا نے نبوتے کو آنے کے لئے کہا۔ لیکن وہ گورا سے نہ کہہ سکی۔ اس پر
 گورا کا دل بہت دکھا۔ لیکن وہ اس کی وجہ نہ سمجھ سکا۔ نبوتے ہر جگہ اپنی جگہ بنا لیتا تھا
 لیکن وہ نہیں اس سے پہلے اسے اس بات کا افسوس کبھی نہیں ہوا تھا۔ لیکن آج اس
 نے اپنے کردار کی اس کمزوری کو محسوس کر لیا۔

اٹھاؤ لو! باب

بنوئے سمجھ گیا کہ سچا ریتا نے اُسے لوٹتا سے شادی کرنے کے سلسلے میں بات چیت کرنے کے لئے بلایا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگرچہ اس نے اپنا فیصلہ دے دیا تھا۔ لیکن وہ معاملہ ابھی تک ختم نہیں ہوا تھا۔ جب تک وہ زندہ رہے گا۔ وہ دونوں سماجوں میں سے کسی ایک سے بھی نجات حاصل نہیں کر سکے گا۔ ابھی تک تو وہ اس بات کے لئے پریشان رہتا تھا۔ کہ وہ یہ خبر گورا کو کیسے سنائے گا۔ وہ گورا کو محض ایک فرد نہیں سمجھتا تھا بلکہ خاص خیالات و حق اعتقادات کا نمائندہ جانتا تھا۔ اور اسے زندگی میں ایک قسم کی حمایت بھی حاصل تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ رہنے کی وجہ سے بنوئے نے اگر کوئی اس سے عادت سیکھ لی تھی تو وہ بنوئے کے لئے باعث خوشی بھی تھی۔ اگر کسی وجہ سے گورا سے اس کا جھگڑا ہو جاتا تھا تو وہ کشمکش و خود بھی محسوس کرتا تھا۔

لیکن حادثہ تو اب ہو ہی چکا تھا۔ پیچھے سٹھنے کا امکان بھی اب ممکن نہ تھا۔ گورا سے لوٹا کے بارے میں گفتگو کر کے بنوئے کو ایک نئی قوت حاصل ہو چکی تھی جب تک آپریشن نہیں ہو جاتا۔ مریض کے ڈر اور خوف کی کوئی حد نہیں ہوتی لیکن جب نشتر اپنا کام شروع کر دیتا ہے تو بیمار آدمی کو تکلیف کے ساتھ ساتھ آرام کا بھی احساس ہونے لگتا ہے۔ تصور میں جو بات بہت زیادہ مشکل ہوتی ہے وہی حقیقت میں نہیں ہوتی۔

ابھی تک تو اس نے خود کو کسی بحث کے لئے تیار نہیں کیا تھا۔ لیکن چونکہ دروازہ

کھل گیا تھا۔ اس لئے وہ دل میں ہر وقت گورا کے اعتراضات کا جواب سوچتا رہتا ہے۔ ایسے اعتراضات بھی اس کے ذہن میں آتے تھے جو گورا نے کئے نہیں تھے لیکن ان کے کرنے کا امکان تھا۔ اگر اُسے گورا سے پوری طرح بحث کرنے کا موقع ملتا تو وہ جوش میں آتے بغیر ہی بحث کو کسی نتیجہ پر پہنچا سکتا تھا۔ لیکن بنو نے نے دیکھ لیا تھا۔ گورا نے پوری طرح بحث کی ہی نہیں تھی۔ اس پر بنو نے کرفضہ آیا۔ اس نے سوچا — گورا نہ سمجھنا چاہتا ہے نہ سمجھانا چاہتا ہے۔ وہ تو بس سختی سے کام لینا جانتا ہے۔ سختی! میں کسی سختی کے سامنے کیونکر سر جھکا سکتا ہوں! چاہے کچھ بھی ہو جاتے۔ میں سچائی کا ساتھ دوں گا۔

جب اس نے سچائی کا نام لیا تو سچائی نے جیسے اس کے دل پر مضبوطی سے قبضہ کر لیا۔ جیسے سچائی کوئی زندہ چیز ہو! گورا کا مقابلہ کرنے کے لئے کسی مضبوط پارٹی کے ساتھ ہونا ضروری تھا۔ اس لئے سچائی کو اس نے سب سے بڑا مددگار سمجھ کر بنو سے تے بار بار اس لفظ کو دل میں دہرایا۔ سچائی کا سہارا لینے کے بعد اس کے دل میں سچائی کے لئے عزت بھی بڑھ گئی۔ اور جب وہ سچا ریتلے گھر کی طرف روانہ ہوا تو وہ سراؤ سچا اٹھا کر چل رہا تھا۔ اس میں اعتدال کی قوت کیوں بڑھ گئی تھی، کیا اس لئے کہ وہ سچائی کی طرف جھک گیا تھا۔ اس کے دل میں کوئی اور بات بھی تھی — وہ اس کی وجہ جاننے سے نا صبر تھا۔

جب وہ سچا ریتلے گھر پہنچا تو ہری موہنی کھانا بنانے میں لگی ہوئی تھیں رسولی کے دروازے پر اپنا یہ حق جتا کر کہ وہ برہمن کا بیٹا ہے اس لئے آج دوپہر کا کھانا انہیں کے ہاں کھائے گا۔ اوپر چلا گیا۔

سچا ریتلے اس وقت سلامتی کا کچھ کام کر رہی تھی۔ وہ اسی طرح انگلیاں چلاتی ہوئی اور اپنے کام پر نظر رکھتی ہوئی بولی۔ دیکھو بنو سے بابو! اگر انسان کی اپنی طبیعت

میں رکاوٹ نہ ہو تو کیا اس کو مخالفت کے آگے سر جھکا دینا چاہتے ہو کہ بالکل باہر کی ہے۔ جس رقت گورا سے بحث ہوئی تھی تو بنوئے نے ایک نقطہ نظر پکڑ لیا تھا۔ اب سچا ریتا سے بات ہونے لگی تو اس نے دوسرا نقطہ نظر اپنا لیا۔ اس بات کو دیکھ کر کون یہ کہہ سکتا تھا کہ گورا اور بنوئے میں کوئی اختلاف ہے۔!

بنوئے نے پوچھا ”دیدہ می تم لوگ باہر کی رکاوٹوں کو سمجھتی نہیں سمجھتی ہو؟“ اس کی ایک وجہ ہے بنوئے بالو۔ سچا ریتا نے اُسے بتایا۔ ہماری رکاوٹیں بالکل باہر کی بھی نہیں ہیں۔ ہمارے سماج کی بنیاد کچھ اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ جبکہ اس سماج میں جس میں تم رہتے ہو صرف ذات پات کے بندھن ہیں۔ اس لئے لوٹا کر ہمو سماج کو چھوڑ دینے سے جتنا نقصان پہونچے گا اتنا تمہیں نہیں۔

اس کے بعد ان دونوں میں اس بات پر بحث ہونے لگی کہ دھرم انسان کا ایک ذاتی معاملہ ہے۔ اسے کسی سماج کے ساتھ بانڈھنا مناسب ہے یا نہیں۔! جب یہ بحث چل رہی تھی سٹیش ایک خط اور ایک اخبار لے کر اندر آگیا۔ بنوئے کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہو گیا۔ اور صدر کرنے لگا کہ وہ کسی طرح جمعہ کو اتوار میں بدل دے۔ دیکھتے ہی دیکھتے سٹیش اور بنوئے خوب مہنس مہنس کر باتیں کرنے لگے سچا ریتا اخبار اور اس کے ساتھ آتے ہوئے خط کو جو لو لٹا نے بھیجا تھا پڑھنے میں مصروف ہو گئی۔

برہمو سماجیوں کے اس اخبار میں ایک جگہ یہ بھی خبر چھپی تھی کہ ایک مشہور برہمو گھرانے میں ایک ہندو کی شادی ہوئے والی تھی۔ لیکن ہندو نوجوان کے اہکار کر دینے سے یہ خطرہ دور ہو گیا۔ اس خبر کی آڑ لے کر جو آرٹیکل لکھا گیا تھا اس میں برہمو گھرانے کی کمزوری کا ہندو نوجوان کے پختہ اعتقاد کے ساتھ مقابلہ کیا گیا تھا۔ یہ مقابلہ برہمو فیملی کے حق میں کسی طرح بھی نہیں تھا۔

سچا ریتا نے سوچا، چاہے کچھ بھی ہو جائے لو لٹا کی شادی نبوتے کے ساتھ
 ہونی چاہئے۔ لیکن ایسا ہونا بحث کے ذریعے ممکن نہیں تھا۔ اس نے اسی وقت ولٹا
 کو ایک چٹھی لکھ کر لو لٹا کو اپنے گھر آنے کے لئے کہا۔ چٹھی میں نبوتے بابو کی موجودگی
 کے بارے میں کچھ بھی نہ تھا۔

چونکہ جمعہ کو اتوار بنادینے کا کوئی طریقہ ہی نہیں تھا اس لئے سٹیشن کو مجبوراً اسکول
 جانے کی تیاری کرنے کے لئے وہاں سے چلا جانا پڑا۔ اور سچا ریتا بھی نبوتے سے
 معافی مانگ کر رہا نہ چلی گئی۔

جب بحث کی گرمی ختم ہو گئی اور نبوتے کمرے میں اکیلا رہ گیا تو اس کا ضمیر جا
 پڑا۔ اس وقت لڑکچہ رہے تھے اور باہر گلی میں کوئی اکاؤنٹ کا ہی گزر رہا تھا
 کمرے کی خاموشی کو توڑنے والی صرف سچا ریتا کی چھوٹی سی ٹائم پیس ہی تھی جو مکھنے
 کی میز پر ٹک ٹک کر رہی تھی۔ کمرے کی فضا نے نبوتے کے دل پر اپنا اثر
 ڈالنے کا کام شروع کر دیا۔ اور ایسا لگا کہ اس کمرے میں رکھی ہوئی ہر ایک چیز
 سے اچانک اس کی جان پہچان ہو گئی ہے۔ میز کی صفائی۔ کرسیوں کے کارٹھے
 ہوئے غائب، دیوار پر لٹکی ہوئی دو عین تصویریں اور چھوٹے سے بک سٹلف میں
 بڑے سلیقے سے رکھی ہوئی دال جلد والی کتابوں کی قطار۔ سب سے لے کر اس کے
 دل پر جاؤ کرنے کی کوشش کی۔ ایک حسین اور حیرت ناک کیفیت۔ کمرے کے اندر
 بھر گئی۔ آج اس کمرے کی تنہائی میں جن باتوں کو چھپا گیا ہے۔ یہ سب حسین
 اور شرمیلی لڑکی کی طرح کسی جگہ چھپ کر کھڑی ہوئی ہے۔ وہی شرمیلی جو کوشش
 کر کے اس بات کو چھپتھیں میں لائے لگا۔ کہ جس نے کہاں بیٹھ کر کیا باتیں کی
 تھیں۔ اور وہ پارٹیں بابو کی بڑے اعتماد سے کہی ہوئی اس بات کو بھی یاد
 کرنے لگا۔ ”میں نے سچا ریتا کی زبانی سنا ہے کہ لو لٹا بھی تمہیں ناپسند

نہیں کرتی۔

یہ بات یاد کر کے اس کے دل میں سے کسی آوارہ موسیقار کی گائی ہوئی
نغم اور مدھر دھن کی طرح ایک عجیب ناقابل بیان لہر اٹھتی۔ جو پھر اس کے رگ و پے
میں سما گئی۔

وہ شاعر تھا نہ آرٹسٹ، لیکن پھر بھی انتہائی طور پر بے چین ہو گیا۔ وہ
سوچنے لگا وہ اپنے آپ پر قابو بھی پاسکے گا۔ جب کچھ کرے گا۔ لیکن یہ سب
اس کے ہاتھوں میں تھوڑا ہی تھا۔ لگتا تھا۔ ایک پرشے نے اُسے اس چیز
سے الگ کر رکھا ہے جو اس سے بہت دُور نہیں تھی۔ لیکن اس کے پاس اس
پر دے کو چھاڑ کر کھینک دینے کی طاقت بھی نہیں تھی۔

ہری موہنی نے کرے میں داخل ہو کر اس سے کچھ مل پان کرنے کے
لئے پوچھا۔ جب ہوتے نے منہ کر دیا تو وہ اندر آ کر اس کے پاس بیٹھ گئی۔ جب
سے وہ پاریش بابو کے گھر میں رہ رہی تھی۔ وہ نبوسے کو بہت پسند کرتی تھی۔
لیکن جب سے وہ سچا ریتا کے ساتھ اپنے مکان میں (جسے وہ اپنا کہہ سکتی تھی)
آئی تھی تب سے باہر سے آنے والے کسی آدمی کو وہ پسند نہیں کرتی تھی اس
کا خیال تھا سچا ریتا نے دھرم کرم کے معاملے میں جو غلطیاں کی تھیں وہ سب
اس کے دوستوں کی وجہ سے ہوا تھا۔ یہ جان کر بھی کہ بڑے بڑے برہمن سماجی نہیں
تھا۔ وہ یہ تو دیکھتی ہی تھی کہ وہ اپنے اندر ہندو دھرم کے اصولوں کا بھی پابند
نہیں تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ پہلے کی طرح اس برہمن لڑکے کو بلا کر اپنے ٹھاکر جی
پر چڑھایا ہوا پرشاد نہیں دیتی تھی۔

آج باتوں باتوں میں اس نے ہوتے سے پوچھا۔ بیٹا تم برہمن ہو کر بھی
سندھیا، پوجا وغیرہ کچھ نہیں کرتے۔

بنوئے نے معافی مانگتے ہوئے کہا ”خالد میں دن رات ادھر کی باتیں سیکھ سیکھ کر پوجا پاٹ کے سامنے سبق بھول گیا ہوں۔“

ہری موہنی بولی۔ پارلش بالوبھی بہت کچھ پڑھے، سیکھے ہیں لیکن اپنے دھرم کے مطابق وہ صبح و شام دونوں وقت پانٹھ پوجا کرتے رہتے ہیں۔

”دو جو کچھ کرتے ہیں اسے صرف منتر رٹ کر نہیں کیا جاسکتا۔ میں بھی اگر ان جیسا بن سکا تو ان ہی کے راستے پر چلنے لگوں گا۔“ بنوئے نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

یہ سن کر ہری موہنی کچھ کڑے لہجے میں بولی۔ ”جب تک تم ان جیسے نہیں ہو جاتے تب تک تم اپنے باپ دادا کے راستے پر کیوں نہیں چلتے۔ نہ ادھر نہ ادھر۔ یہ کوئی اچھی بات متھوڑی ہے!۔ انسان کا کوئی دھرم تو ہونا ہی ہے۔ نہ رام، نہ گنگا! اسے بھائی یہ کیا ڈھنگ ہے۔“

اسی وقت لولتا کمرے میں آگئی۔ وہاں بنوئے کو دیکھتے ہی چونک پڑی اس نے ہری موہنی سے پوچھا ”دید کی کہاں ہیں؟“

”دراستہ مان کر رہی ہے“ ہری موہنی نے کہا۔

لولتا نے شاید اپنی آمد کی وجہ بتانا ضرور کی خیال کیا۔ بولی۔ ”مجھے سچا ریتا دیدی نے بلا بھیجا تھا۔“

ہری موہنی نے جواب دیا۔ ”تو بیٹھو نا۔ وہ آتی ہی ہے۔“

ہری موہنی لولتا کو بھی دس سے نہیں چاہتی تھیں کیونکہ ان کی خواہش تھی کہ سچا ریتا اپنے پُرائے ماحول سے نکل کر ان کے قبضے میں مکمل طور پر آجائے۔ پارلش بالوبھی دوسری لڑکیاں سچا ریتا سے اتنی گھلی ملی ہوئی نہیں تھیں۔ لیکن لولتا جس بے تکلفی سے یہاں آکر سچا ریتا سے باتیں کرنے لگتی تھی۔ وہ ہری موہنی کو

بالکل نہیں اچھا لگتا تھا۔ وہ سچ سچ میں کسی نہ کسی بہانے سے سچا ریتا کو ہلا کر ان کی باتوں میں مداخلت کیا کرتی تھیں۔ اور اس بات پر ناخوشی کا اظہار کیا کرتی تھیں کہ اب سچا ریتا پہلے کی طرح اپنی پڑھائی میں دھیان نہیں لگاتی تھی۔ جب سچا ریتا سچ مچ پڑھائی میں لگ جاتی تھی تو وہ یہ بات لکھنا بھی کبھی نہیں بھولتی تھی کہ تعلیم لڑکیوں کے لئے بالکل غیر ضروری اور نقصان دہ ہے۔

حقیقت دراصل یہ تھی کہ چونکہ وہ سچا ریتا کو اپنے بس میں نہیں کر سکی تھیں اس لئے اُسے سہیلیوں کی وجہ سے کبھی پڑھائی کی وجہ سے ڈانٹتے رہتا ان کی عادت بن چکی تھی۔

وہ بدستے اور بولتا کے پاس بیٹھنا بھی پسند نہیں کرتی تھیں لیکن پھر بیٹھی رہیں۔ کیونکہ انھیں شک تھا کہ ان دونوں کے درمیان کوئی عجیب سا تعلق ہے۔ ضرور اس لئے اس نے اپنے دل میں کہا۔ تمہارے سوجھ بوجھ کے احوال کیسے جی کیوں نہ ہوں۔ میں اپنے گھر میں ایسی بے حیائی نہیں دیکھنے والی گی۔ یہ سب کرسٹالوں جیسی حرکتیں ہیں۔؟

ادھر بولتا کے دل میں مخالفت کا ایک دوسرا ہی طوفان اٹھ رہا تھا۔ کل اس نے سچا ریتا کے ساتھ استدرموتی کے گھر جانے کے لئے سوچا تھا لیکن عین وقت پر وہ وہاں نہیں جاسکی۔ گورا کے لئے اس کے دل میں بڑی عفت و ریت تھی لیکن اختلاف کا جذبہ کبھی کبچہ کم نہیں تھا۔ وہ اپنے اس خیال کو کسی طرح بھی دس سے نکالی نہیں سکتی تھی کہ اس کے متعلق گورا کا رویہ بالکل غیر ہمدردانہ ہے۔

جس روز جبیل سے چھوڑا گیا اس دن سے بنوئے کے بارے میں کبھی اس کے خیالات بدل گئے۔ تھے۔ کچھ دن پہلے وہ اس بارے کے لئے اپنے دل میں فخر محسوس کرتی تھی کہ بنوئے پر اس کا گہرا اثر ہے لیکن اب یہ سمجھ کر کہ بنوئے

اپنے اُوپر سے اپنے دوست گورا کے اثرات کو دُور نہیں کر سکے گا۔ وہ اس کی اس کمزوری پر اس کی مخالف سی ہو گئی تھی۔

ادھر نبوتے کے دل میں بھی لولتا کے کمرے میں آنے کے بعد ایک ہلچل سی مچ گئی تھی۔ وہ اس کے بارے میں اپنے جذبات کو دبا نہیں سکتا تھا۔ جب سے ان کی شادی کی خبریں سماج میں پھیلی تھیں۔ تب سے اس کا دل لولتا کو دیکھتے ہی طوفان کی مقناطیسی سوئی کی طرح کانپنے لگتا تھا۔

نبوتے کو کمرے میں بیٹھا ہوا دیکھ کر لولتا کو سچا ریتا پر بڑا غصہ آیا۔ وہ سمجھی نبوتے کو سمجھانے اور شادی کے لئے رضا مند کرنے کے لئے سچا ریتا نے اسے بلایا ہے۔ اس نے ہری موہنی سے کہا۔ دیدی سے کہئے گا میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتی۔ پھر کسی وقت آجاؤں گی۔

یہ کہہ کر نبوتے کی طرف نگاہ اٹھائے بغیر ہی جلدی سے باہر نکل گئی۔ اب ہری موہنی کا بھی وہاں بیٹھا رہنا ضروری نہیں تھا۔ وہ بھی جلدی سے اٹھ کر گھر کا کام کرنے کے لئے چلی گئیں۔

لولتا کے چہرے پر دبی ہوئی آگ کی جو کیفیت تھی وہ نبوتے پہلے تو کئی بار دیکھ چکا تھا۔ لیکن اب اس وقت اس نے ایک عرصے کے بعد دیکھی تھی مصیبتوں کے وہ دن جب لولتا اس کی مخالفت میں اس پر تیر برسایا کرتی تھی اب بظاہر گذر ہی چکے تھے۔ اور وہ اسی لئے نکروں سے آزاد ہو گیا تھا لیکن آج اس نے دیکھا کہ لولتا نے اپنے ترکش سے پھر بُرائے ہتھیار نکال لئے تھے۔ جن پر زنگ کا نام و نشان نہیں تھا۔ غصہ برداشت کرنا مشکل ہو جاتا ہے لیکن نبوتے جیسے شخص کے لئے تو ہین برداشت کرنا تو اس سے زیادہ مشکل تھا وہ نہیں بھول سکتا تھا کہ لولتا محض گورا کو گرو سمجھنے پر اس سے نفرت کہا

کرتی تھی۔ اب وہ یہ سوچ کر پریشان ہو گیا کہ لوٹنا کے تئیں اس کی ذرا سی جھجک کو بھی اس کی بزدلی کا نام دیا جاسکتا ہے۔ یہ بات اس کے لئے ناقابلِ برداشت تھی۔ اس کی جھجک کو جو کسی فرض کے احساس کا ہی نتیجہ ہو سکتی ہے، بزدلی سمجھ لیا جاتے اور اُسے اس موضوع پر چند الفاظ کہنے کا موقع بھی نہ دیا جاتے۔

اپنا نقطہ نظر پیش کرنے کے موقع سے بھی محروم ہو جانا بنوئے کے نزدیک ایک بہت بڑی سزا تھی۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ وہ اپنا نقطہ نظر پیش کر سکتا ہے۔ اس کے لئے مناسب دوسروں الفاظ بھی استعمال کر سکتا ہے اور کسی بات کو ثابت کرنے کے لئے اس کی بحث کر لینے کی قابلیت کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔ لیکن جب بھی اس کا لوٹنا کے ساتھ کوئی جھگڑا کھڑا ہو گیا تھا۔ لوٹنا نے اسے کچھ کہنے کا موقع نہیں تھا۔ آج بھی یہی ہوا تھا۔

میز پر اخبار کو بڑا ہوا دیکھ کر وہ بیقرار ہوا اٹھا۔ جلدی سے اٹھایا اور دیکھا کہ یک جگہ پینل سے نشان بنا ہوا تھا۔ اس نے وہ کالم پڑھ ڈالا اور فوراً سمجھ گیا لوٹا اور بنوئے ہی تنقید اور بحث کے موضوع بنے تھے۔ وہ سوچنے لگا کہ لوٹنا اپنے سماج کی نظروں میں ہمیشہ اس قسم کی توہین کا نشانہ بنتی رہے گی۔ ولتا ایسی جوشیلی لڑکی اگر اس سے اس وجہ سے نفرت کرتی ہے کہ وہ بجائے اس کے کہ اسے بدنامی سے بچانے کی کوشش کرے۔ ذات پات کے اصولوں کے بارے میں کچھ شاندار باتیں سوچ کر ان پر بحث مباحثہ کر کے وقت گزار رہا تھا۔ تو وہ غلط نہیں کرتی۔ جب اس نے اپنا اس جوشیلی لڑکی سے مقصد کیا جو سماج کی مخالفت بہت بہادری سے کرتی ہے تو اس کا سر شرم سے جھک گیا۔

جب سچا رتیا اشنا کر کے ایرتیش کو سکول جانے سے پہلے کھانا کھلا کر

کمرے میں واپس آئی تو اس نے بنوئے کو بہت ہی اداس اور کھویا ہوا پایا۔ اس نے ان پھلی باتوں کو نہیں دہرایا۔

کھانا کھانے وقت بنوئے ہاتھ دھونا بھول گیا تو ہری موہنی اُسے سمجھانے لگی۔۔۔ بنوئے جب تم اپنے دھرم کرم کی کوئی بات نہیں کرتے تو پھر برہم سماجی کیوں نہیں ہو جاتے۔“

یہ سن کر بنوئے کے دل پر چوٹ سی لگی۔ اور اس نے کہا: ”میں جس دن ہندو دھرم کو چھوٹ چھات اور کھانے پینے کے معاملے میں سخت برہمنز کرنے والا ایک بیکار دھرم سمجھوں گا اسی دن برہم نہیں تو عیسائی یا مسلمان یا کوئی اور ہی بن جاؤں گا۔ لیکن ہندو دھرم سے ابھی میرا وشواس ختم نہیں ہوا ہے۔“

سچا ریتا کے گھر سے نکلنے وقت بنوئے کا دل بہت ہی بے چین تھا۔ جیسے وہ چاروں طرف سے دھکے کھا کھا کر ایک ایسے مقام پر آ گیا ہو جو بالکل سسٹنسان ہو۔ کہیں سر چھپانے کے لئے بھی کوئی پناہ نہ ہو۔

”میں ایسی عجیب کیفیت میں کیونکر کھنس گیا ہوں؟“ یہ سوچتا ہوا وہ سر نیچا کئے سڑک پر آہستہ آہستہ چلنے لگا۔ چلتے چلتے وہ ایک درخت کے نیچے پہنچ کر وہاں بیٹھ گیا۔ آج تک اس کی زندگی میں جب بھی کوئی اچھنیں پیدا ہوئی تھیں ان پر اس نے اپنے دوست گورا سے بحث کر کے اُن کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیا تھا۔ لیکن آج وہ دروازہ بھی بند ہو چکا تھا۔ اُسے اب کیا راستی اپنی مشکلوں کا سامنا کرنا ہو گا۔

جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا وہاں سورج کی کرنیں پڑنے لگیں تو وہ اٹھ کر سڑک پر چلنے لگا۔ ابھی وہ بہت دُور نہیں گیا تھا کہ نیچے سے تیش کے پکارنے کی آواز سنائی دی۔ ”بنوئے بابو۔ بنوئے بابو!“ ایک لمحے کے بعد اس کے ننھے دوست

نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ آج جمعہ تھا اور ستیش سکول بند ہو جانے کے بعد گھر واپس جا رہا تھا۔

ستیش نے کہا۔۔۔۔۔ ”چلتے بنو تے بابو میرے ساتھ گھر چلتے نا!“

بنو تے نے کہا۔ کیسے چلوں

ستیش نے ہنر کی۔ ”آپ کیوں نہیں چل سکتے؟“

بنو تے نے اسے بتایا۔ میرا وہاں بار بار جانا ٹھیک نہیں ہے۔ ستیش۔ وہ

لوگ ناراض ہوں گے۔

ستیش اس بات کو کوئی جواب دینے کے قابل نہ سمجھ کر بولا۔ ”میں نہیں چلتے نا۔“

ستیش نہیں جانتا تھا کہ بنو تے کے ساتھ تعلقات رکھنے کی وجہ سے

اُن کے گھر پر کونسی بڑی مصیبت آپڑی تھی۔ اس لڑکے کی سنیٹھوم محبت

دیکھ کر بنو تے کا دل بھر آیا۔ پاریش بابو کے گھر سے اُسے جو مکمل خوشی

نصیب ہوئی تھی اس کا علم اس گھر کے صرف اسی ایک شخص کو نہیں تھا۔ آج

کی تباہی سے صرف اسی کا دل شک و شبہ کا شکار ہونے سے بچ رہا تھا

صرف اس کی دوستی توڑنے میں سماج سنا کام رہا تھا۔ اس کی گردن میں باہیں

ڈال کر بنو تے نے کہا۔ ننھے بھتیجا۔ چلو۔ میں تمہیں اُٹھا کرے گھر کے دروازے

تک چھوڑ آؤں۔

اس نے محسوس کیا اس نے ستیش کو گلے سے لگا کر اُسے ویسی ہی محبت

کی گرمی محسوس کرائی تھی جیسی وہ بچپن سے لوتا اور سچا ریتا سے پارہا تھا۔

راستے میں چلتے چلتے ستیش مسلسل باتیں کرتا جا رہا تھا۔ اور وہ بنو تے

کو بہت اچھی معلوم ہو رہی تھیں۔ اس کی محبت بھری باتوں ہی کی وجہ سے وہ

کھوڑی دیر کے لئے اپنی زندگی کی آنکھیں کو کھول سکا گیا۔

سچا ریتا کے گھر پہنچنے سے پہلے پارلش بابو کے گھر کے سامنے سے
 گزرنا پڑتا تھا۔ پارلش بابو کی بیٹھک جو مکان کی پہلی منزل پر تھی۔ راستے سے
 تین دکانی دیتی تھی۔ اس بیٹھک کے سامنے نیچے ہی بنوتے اور اس کمرے
 کی طرف دیکھے بغیر نہیں رہ سکا۔ اس نے پارلش بابو کو میز کے سامنے بیٹھے ہوتے
 آیا۔ یہ نہیں معلوم ہو سکتا تھا کہ پارلش بابو کچھ کہہ رہے تھے یا نہیں۔ لیکن ولتا
 کی بیٹھک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ان کے سامنے ایک اسٹول پر بڑی
 سادہ دست بندی سے سر جھکا تے بیٹھی تھی۔

سچا ریتا کے گھر سے آنے کے بعد ولتا کے دل میں بڑی ہلچل مچ گئی تھی وہ
 بہت لمبے چین ہو چکی تھی۔ بے چینی کو ختم کرنے کے لئے اُسے پارلش بابو
 کے پاس جاسنے کے علاوہ اور کوئی راستہ نظر نہیں آیا۔ پارلش بابو کی شخصیت
 سے اُسے سکون کا احساس ملتا تھا کہ کبھی کبھی شہ رخ و شنگ ولتا اپنی بیقراری
 کو دبا سنے کے لئے چپ چاپ ان کے کمرے میں چلی جاتی تھی۔ آج پارلش
 بابو نے پوچھا۔

کیا بات ہے ولتا؟ تو اس نے جواب دیا "پتا جی کچھ نہیں۔ آپ کا
 رہ کتنا اچھا اور ٹھنڈا ہے۔"

پارلش بابو بالکل سمجھ گئے کہ آج وہ ان کے پاس زخمی دل لے کر آئی
 ہے۔ کیونکہ ان کے اپنے دل میں بھی ایک درد چھپا ہوا تھا۔ اس لئے آج انہوں
 نے ایسی باتیں چھڑ دیں جو انسان کی زندگی کے دکھ سکھ کو بلکا کر دینے والی تھیں۔
 باپ بیٹی کو اس طرح تنہائی میں باتیں کرتے دیکھ کر بنوتے کے پاؤں
 ایک لمحے بھر کے لئے جیسے جکڑ سے گئے۔ جو کچھ ستیش اس سے کہہ رہا تھا
 اس کی طرف وہ دھیان نہیں دے سکا۔

ستیش اس سے فوجی معاملات کے بارے ایک بہت ہی مشکل سوال پوچھ رہا تھا۔ وہ جانتا چاہتا تھا۔ اگر بہت سے شیروں کو پکڑ کر سدھا لیا جائے تو دشمن سے جنگ کرتے وقت انہیں فوج کے آگے آگے بھیجا جائے تو کیا جیت نہیں ہو سکتی۔؟ ابھی تک تو سوالوں اور جوابوں کا سلسلہ بڑے بڑے مزے سے چلتا آرہا تھا۔ اب نبوتے کو اچانک خاموش دیکھ کر ستیش نے اس کی طرف دیکھا کہ کیا بات ہو گئی تھی۔ جدھر نبوتے دیکھ رہا تھا اسی طرف دیکھتے ہوئے اس کی نظر لولتا پرہڑ گئی۔ اور وہ فوراً چلا اٹھا۔ لولتا دیدی۔ لولتا دیدی۔ دیکھو دیکھو میں نبوتے بابو کو سکول کے راستے سے پکڑ کر لئے چلا آرہا ہوں۔

جب لولتا کرسی سے چونک کر اٹھ پڑی اور پارٹیش بابو بھی گلی میں جھانکنے لگے تو نبوتے کو بہت شرم آئی۔ اس بات کے لئے وہ خود ہی ذمہ دار تھا کسی طرح ستیش کو بھیج کر وہ پارٹیش بابو کے گھر میں داخل ہو گیا۔

جب وہ اوپر پہنچا تو وہاں لولتا کا کہیں پتہ نہیں تھا۔ یہ سوچ کر کہ اس نے ان کی تنہائی پر حملہ کیا تھا وہ بہت ہی نادام سا ہو کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

جب رسمی طور پر وہ ایک دوسرے کی خیریت وغیرہ پوچھ چکے تو نبوتے کہنے لگا۔ جب میں ہندو دھرم کے دھرم کرم کو پورا نہیں کر سکتا اور رو رہی اس کے اصولوں کو توڑتا رہتا ہوں تو پھر ایسی حالت میں کیا برہمن سماج کو قبول کر لینے سے میرا فرض پورا نہیں ہو جائے گا۔ میری خواہش ہے کہ یہ کام آپ کے ہاتھوں سے ہی سرانجام پائے۔

ہندوہ منٹ پہلے تک یہ خواہش اور ارادہ نبوتے کے دل میں موجود نہیں تھا۔ اور اس کے منہ سے یہ سن کر پارٹیش بابو بھی حیران ہو کر خاموش سے رہ گئے پھر بولے لیکن کیا تم نے اس سوال پر ہر پہلو سے اچھی طرح غور کر لیا ہے؟

ہوتے نے جواب دیا: اس کے بارے میں زیادہ غور کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ میرے نزدیک دیکھنے کی بات صرف یہ ہے کہ یہ غلط ہے یا ٹھیک۔ معاملہ بالکل سیدھا ہے۔ میں نے کچھ سیکھا ہے۔ اس کی روشنی میں ایسے مذہب کو قبول نہیں کر سکتا جو محض کچھ پابندیاں نہ نبھانے کی وجہ سے بر باد ہو جاتا ہے۔ قدم قدم پر خیالات کی جو ٹکڑ ہوئی رہتی ہے اسے دیکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ اس سے تو میں ان لوگوں کو بھی دکھ پہنچاتا رہوں گا جو ہندو مذہب کے کٹر پابند ہیں۔ میں ایسے ماحول سے آزاد ہو جانا چاہتا ہوں۔ اگر ایسا نہیں کروں گا تو اپنی عزت بھی کھو بیٹھوں گا۔

پارلش بابو کو اس کے اتنے لمبے چوڑے بیان کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ یہ بات خود ہوتے کے اپنے ارادے کو مضبوط کرنے کے لئے ضروری تھی۔ غلط اور ٹھیک راستے پر بولتے وقت اس کا دل ایک فخر کے احساس سے لبریز ہو گیا جیسے ٹھیک راستے کو وہ اپنا کر جیت بھی سکتا تھا۔

پارلش بابو نے پوچھا: دھرم و سواش کے بارے میں تمہارے خیالات برہمن سماج سے ملتے ہیں نا؟

ہوتے بولا: آپ سے سچ کہوں۔ پہلے میں سمجھتا تھا میرے اندر کوئی دھرم و شواہس ہے۔ اسی موضوع پر لوگوں کے ساتھ بحث بھی کرتا رہتا تھا لیکن اب محسوس کرتا ہوں کہ دھرم و شواہس کے میرے خیالات ابھی تک ناچختہ ہیں۔ اس بات کا احساس مجھے آپ سے ملتے رہنے کی وجہ سے ہوا ہے مجھے زندگی میں آج تک دھرم کی صحیح ضرورت بھی محسوس نہیں ہوئی ہے۔ اسی وجہ سے میرا دھرم و شواہس بھی پیدا نہیں ہو سکا۔ ہمارے سماج میں آج کل جو تازہ ترین دھرم اور کرم چلے ہوئے ہیں۔ میں نے صرف ان ہی کو اپنا لیا تھا۔ اور پورے

جوش و خروش کے ساتھ انھیں کی حمایت بھی کرتا رہتا تھا۔ میں نے ایسا سوچنے کی ضرورت ہی کبھی محسوس نہیں کی کہ کونسا دھرم سچا ہے۔ میں صرف اس دھرم کو سچا ثابت کرنے میں زور لگاتا رہا ہوں جس کے ساتھ رہ کر میری جیت ہو سکتی ہے اس کی حمایت کرنے میں مجھے جتنی زیادہ محنت کرنی پڑتی مجھے اتنا ہی فخر بھی ہوتا ہے اب اب بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میرے اندر صحیح اور قدرتی طور پر دھرم و شواکس موجود ہے یا نہیں۔! لیکن یہ یقینی ہے کہ اگر میں صحیح ماحول میں پہنچ جاؤں اور ایسے لوگوں سے مل جاؤں جو میرے سامنے آدرش رہے ہیں میں اس معاملے میں ترقی کر سکوں گا۔ میں ہر قیمت پر ایسی ناشی حرکتوں سے چھٹکارا پانا چاہتا ہوں جن کی وجہ سے میں خود کو جیتا ہوا سمجھتا ہوں۔ ساتھ ساتھ اس سے میرے ضمیر کو چوٹ بھی پہنچتی رہتی ہے۔

پارلش بابو کے ساتھ باتیں کرتے وقت اسکے سامنے اپنے اندر کی سب الجھنیں صاف اور آسان ہو گئیں۔ اور اس کے اندر ایک ایسا جوش اُمنڈنے لگا جسے کئی دن تک ہر بات کے توڑنے کے بعد وہ اس فیصلے پر پہنچا تھا۔

پھر بھی پارلش بابو نے اُسے راتے دی کہ کچھ فیصلہ کرنے سے پہلے اچھی طرح سوچ لے جس سے ہوتے کو یہ اندازہ ہوا کہ پارلش بابو اس کے فیصلے کی پختگی پر شک کرتے ہیں۔ اس سے اس کے اندر اور بھی ضد پیدا ہو گئی وہ بار بار اس بات پر زور دینے لگا۔ کہ وہ اپنے فیصلے پر ثابت قدم رہے گا۔ اور کبھی بھی ایک اپنچ وہاں سے نہیں سر کے گا۔ لولتا کی شادی کا ذکر دونوں میں سے کسی نے بھی نہ کیا۔

اسی موقع پر برودادیو می بھی کسی کام کا بہانہ بنا کر پہنچیں اور جب کام پورا کر چکیں تو وہ اس طرح باہر جانے لگیں جیسے انھوں نے ہوتے کو دیکھا ہی نہیں تھا۔

بنوئے کا خیال تھا کہ پارلش بابو بردوا دیوی کو بلا کر یہ تازہ خیرا سے ضرور سنائیں گے لیکن پارلش بابو نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ بتانے کے لئے ابھی وقت نہیں آیا تھا۔ وہ اس سوالے کو بالکل چھپا کر رکھنا چاہتے تھے لیکن جب بردوا دیوی نے ایسا غصے اور سختی کا رویہ اختیار کر لیا تو بنوئے نے خود کو روک نہیں سکا۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ اس کے پاؤں پر جھک کر بولا۔ میں آج آپ کے پاس یہ بتانے کے لئے آیا ہوں کہ میں برہموسماج میں شامل ہونے کو تیار ہوں۔ میں جانتا ہوں میں اس کے قابل نہیں ہوں لیکن امید کرتا ہوں کہ آپ مجھے ضرور قبول کریں گی۔

یہ سن کر بردوا دیوی حیران ہو گئی اور کمرے میں واپس آکر پارلش بابو کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

پارلش بابو نے کہا۔ ”بنوئے کہتا ہے مجھے برہموسماج میں لے لے۔“

یہ سن کر بردوا دیوی کو ایک فٹخ کا احساس ہوا۔ لیکن اس میں خوشی کی کوئی جھلک نہیں تھی۔ وہ یہ بات شدت سے چاہتی تھی کہ پارلش بابو کو ایک بار ضرور سبق سکھائیں۔ انھوں نے ایک مذہبی راہبر کی طرح پورے اعتماد کے ساتھ یہ اعلان کیا تھا کہ پارلش بابو کو ایک دن ضرور پھپھتا نا پڑے گا۔ اور آج وہ پارلش بابو کو سماج کے اندر چلی ہوئی تحریک کی وجہ سے بدلا ہوا دیکھ رہی تھیں۔ وہ اندر ہی اندر بہت بیقرار ہو گئیں۔ اب جبکہ ان کی سب مشکلیں دور ہوتی دکھائی دے رہی تھیں تو وہ خوش ہو گئیں اور بولیں۔

”اگر یہ تجویز کچھ دن پہلے آجاتی تو ہم لوگوں کو اتنی تکلیف اور بے عزتی نہ پہنچی پڑتی۔“

پارلش بابو بولے۔ اس وقت تکلیف اور بے عزتی کی بات نہیں ہو رہی

ہے۔ بنوئے برہموسماج میں آنا چاہتا ہے بس۔

صہرت یہی! بردواد یومی نے پوچھا۔

بنوئے بولا۔۔۔۔۔ بھگوان جانتا ہے آپ لوگوں کی ساری تکلیف اور

بے عزتی میری وجہ سے ہو رہی ہے۔

پارنش بابو بولے۔ ”دیکھو بنوئے! اچھی طرح غور کتے بغیر برہموسماجی

مرت بنوئیں نے تم سے یہ بات پہلے بھی کہی تھی کہ کہیں تم اس خیال سے یہ

قدم تو نہیں اٹھا رہے ہو کہ ہم اپنے سماج والوں کے درمیان مشکل میں کھنس

گئے ہیں۔

بردواد یومی نے کہا۔۔۔۔۔ ”یہ ٹھیک ہے لیکن میرا کہنا یہ ہے۔ ہم

لوگوں کو جال میں پھنسا دینے کے بعد ان کا خاموش رہنا بھی کسی طرح سے مناسب

تہیں ہے۔

پارنش بابو سنجیدگی سے بولے۔ خاموش رہنے کے بجائے جوش میں آکر

آدمی اور کبھی سختی سے جال میں کھنس جاتا ہے۔ کچھ کرنے ہی کا نام فرض نہیں

ہے۔ کبھی کبھی انسان کا یہی سب سے بڑا فرض بن جاتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہ کرے۔

بردواد یومی نے کہا۔ ہاں ہاں میں تو کٹھہری بیوقوف! کسی بات کو

سمجھ ہی نہیں سکتی۔ لیکن میں جاننا چاہتی ہوں اس بات کے بارے میں آخر فیصلہ

کیا کیا جاتا ہے۔ مجھے گھر میں اور بھی کام ہیں۔

بنوئے بولا۔ پرسوں یعنی اتوار کو مجھے اپنے مذہب کی پناہ میں لے لیجئے

کیوں پارنش بابو۔ آپ۔۔۔۔۔

نہیں۔ پارنش بابو نے اس کی بات کاٹ دی۔ میرے گھر کو جس بات

سے کوئی فائدہ پہونچتا ہو وہ اس معاملے کو اپنے ہاتھوں میں کبھی نہیں لے گا۔ بہتر ہوگا

تم برہموسماج کو براہ راست درخواست دو۔

یہ سن کر نبوتے کی بڑی دل شکنی ہوئی۔ وہ یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ برہم ودھرم قبول کرنے کے لئے اسے پہلے سماج کے ان لوگوں کے سامنے باقاعدہ درخواست بھی دینی پڑے گی جو اس کا اور لو لٹا کا نام اُچھالنے کے لئے ذمہ دار تھے۔ وہ ایسی درخواست لکھ ہی کیسے سکتا تھا۔ کیا لکھتا؟ کس منہ سے لکھتا؟ درخواست برہموسماج کے اخباروں میں شائع کی جائے گی۔ جسے گورا اور آئندہ مونی بھی پڑھیں گے۔ وہ اُن کو منہ کیسے دکھا سکے گا۔ اگر اس کی درخواست میں صرف اتنی ہی بات ہوتی کہ اس کا دل یکایک اس دھرم کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے تب تو شیک تھا۔ لیکن بات صرف یہیں تک محدود نہیں تھی۔

نبوتے کو خاموش دیکھ کر برہم ودادیوں کے دل میں خدشہ اُٹھنے لگا۔ وہ بولیں یہ تو میں بٹول ہی گئی تھی کہ نبوتے کو صرف ہم لوگوں کے سوا برہموسماج میں کوئی جانتا ہی نہیں ہے۔ اس بات کی فکر تم نہ کرو۔ ہم سب انتظام خود ہی کر لیں گے میں فوراً ہرن بالو کو بلواتی ہوں۔ وقت ضائع نہیں ہونا چاہئے تو ار بہت دور نہیں ہے جب وہ خاموش ہوتیں تو اس وقت دروازے کے سامنے ادھر جانے وقت شہر گذرا۔ اس نے سدھیر کو بلا کر بتایا۔ سدھیر، نبوتے تو ار کو برہموسماجی بن جائے گا۔

سدھیر نبوتے کو بہت پسند کرتا تھا۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوا کہ نبوتے برہموسماجی بن جائے گا۔ وہ اس بات کے لئے ہمیشہ افسوس کرتا رہتا تھا کہ نبوتے جیسا اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہت اچھی انگریزی لکھنے والا شخص ان کے سماج کا ممبر نہیں ہے۔ اسے اس بات پر بھی فخر اور خوشی محسوس ہوتی کہ نبوتے جیسے پڑھے لکھے شخص سوائے برہموسماج کے اور کسی مذہب میں خوش ہی نہیں رہ سکتے۔ وہ کہنے لگا۔

”لیکن اس کا انتظام اتوار کو کیسے ہو سکے گا۔ اتنے تھوڑے عرصے میں اتنی بڑی بات کی خبر بھی نہیں پھیلانی جاسکے گی۔“

وہ چاہتا تھا کہ بنوئے بابو کے برہمن جانے کی خبر کو ایک مثال بنا کر ہر شخص کے سامنے پیش کیا جائے۔

برہواد یوی نے کہا۔ نہیں نہیں۔ اتوار تک سب کچھ ہو جائے گا۔ بس تم جلدی سے جا کر ہرن بابو کو بلا کر لے آؤ۔ سدھیرا!

جو سدھیر بنوئے کی مثال کی نمائش کر کے برہمن سماج کی طاقت اور نسخہ ثابت کرنا چاہتا تھا وہی سدھیر یہ بات سن کر گہری سوچ میں پڑ گیا۔

ہرن بابو کا نام سنتے ہی بنوئے جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا۔ برہواد یوی بولی۔ تھوڑی دیر اور بیٹھ جاؤ، ہرن بابو آجائیں گے۔ تمہیں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا۔

وہ اس گھر سے نکل کر سب باتوں پر اچھی طرح غور کرنے کیلئے مہلت چاہتا تھا۔

جب وہ جانے کے لئے اٹھا تو پارلش بابو نے اٹھ کر اسکے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ جلدی میں کوئی کام مت کرنا۔ بنوئے کچھ دیر آرام کرو۔ خاموشی سے سوچو۔ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے خوب غور کرو جس بات کا اثر تمہاری ساری زندگی پر پڑتا ہے۔ اسے پوری طرح سمجھو بغیر نہیں کرنا چاہتے۔

برہواد یوی کو دل ہی دل میں اپنے شوہر پر بڑا غصہ آیا۔ چمک کر بولیں شریعہ شروع میں کوئی سوچ سمجھ کر کام نہیں کرتا۔ غلطی کر بیٹھتا ہے۔ اسکے بعد جب اس کی سائنس گھنٹے لگتی ہے تب وہ کہتا ہے بیٹھ کر سوچ لو۔ تم لوگ

سوچتے رہو۔ لیکن ہماری زندگیاں تو خطرے میں کھنسی ہوتی ہیں۔

سہرہیر بنوتے کے ساتھ ساتھ گھر سے باہر نکل گیا۔ اس کا دل بیقرار ہوا کھانا کھا۔ جیسے کوئی کھانا کھانے سے پہلے اسے ذرا سا چکھ لینے کی خواہش رکھتا ہے۔ اس طرح وہ بنوتے کو اپنے ساتھ اپنے سماج کے دوستوں کے پاس لے جانا چاہتا تھا تاکہ وہاں جا کر اس بات کا جشن منایا جاتے۔ لیکن اس کے اس جوش و خروش کو دیکھ کر بنوتے پہلے سے بہت ادا اس ہو گیا۔ جب سہرہیر نے اُسے ہرن بابو کے ہاں چلنے کے لئے کہا تو وہ اس کا ہاتھ چھڑا کر تیزی کے ساتھ چلا گیا۔

کچھ دُور جا کر اس کی نظر ابھناش اور اس کے دو تین دوستوں پر پڑی۔ وہ سب جلدی جلدی کہیں جا رہے تھے۔ بنوتے کو دیکھتے ہی وہ لوگ رُک گئے۔ اور ابھناش نے کہا۔ ارے بنوتے بابو۔ یہاں چلتے۔ بنوتے بابو ہمارے ساتھ آتے۔

کیوں —؟ کہاں جا رہے ہو تم۔ بنوتے نے پوچھا۔
ہم لوگ کاشی پور باغ میں گور دھن بابو کے پرانشیت کے رتے بگیہ کی تیاری کرنے اکیلے جا رہے ہیں۔ آپ بھی آتے نا؟
نہیں میرے پاس وقت نہیں ہے۔

کیا کہتے ہیں آپ بنوتے بابو۔ ابھناش حیران ہو کر بولا۔ آپ کو کچھ اندازہ بھی ہے۔ یہ کتنا بڑا بگیہ ہو گا۔ اگر یہ معمولی بات ہوتی تو گور دھن بابو کبھی اس کا ارادہ بھی نہ کرتے۔ آج کل تو ہندوؤں کو اپنی قوت کا مظاہرہ کرنا ہی ہی چاہتے۔ گور دھن بابو کے اس پرانشیت سے سارے ملک میں بڑی ہلچل مچا ہو جاتے گی۔ ہم دیش کے کونے کونے سے دتواں پنڈتوں کو

بلارہے ہیں۔ اس لئے اس کا اثر ساری ہندو جاتی پر پڑے گا۔
 انہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہندو دھرم ابھی تک مرا نہیں۔
 ابھناش کی ان بے وقوف بنائے والی باتوں سے کسی طرح بچ کر
 نبرستے وہاں سے بھاگ گیا۔

انسٹھواں باب

جب ہرن بابو نے برادری کے ہاں آکر سب باتیں سنیں تو وہ کچھ
سنجیدہ ہو گئے اور پھر کہنے لگے۔ اس معاملے میں لو لٹا کو بلا کر اس کی رائے
بھی لینی چاہئے۔

لو لٹا کے آجانے پر ہرن بابو نے بناوٹی طور پر سنجیدہ ہو کر کہا۔
دیکھو لو لٹا تمہاری زندگی میں ایک بہت بڑی ذمہ داری اٹھانے کا وقت
آپہو نچا ہے۔ ایک طرف تو تمہارا دھرم ہے اور دوسری طرف محبت تمہیں
اُن میں سے ایک کو چننا ہو گا۔

یہ کہہ کر وہ اس کے چہرے کا رد عمل دیکھنے کے لئے رُکے۔ اُن کا خیال
تھا کہ دھرم کے لئے پیدا ہوئے جذبات کے طوفان کے سامنے انسان کی
بزدلی نہیں ٹک سکتی۔ اور بناوٹی لگاؤ یا عقیدت بھی بالکل ہوا ہو جاتی ہے۔
اُن کے مذہبی جوش کی یہ روش ترین مثال برہو سماج کے لئے بہت بڑی اہمیت
حاصل ہو گی۔

لیکن لو لٹا نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ بیٹھی رہی۔ ہرن بابو کہتے
رہے تم نے بھی یقیناً سن لیا ہو گا کہ تمہارا خیال کر کے یا کسی اور وجہ سے
نبوت بابو نے برہو سماج میں شامل ہونا منظور کر لیا ہے۔

یہ خبر لو لٹا کے لئے نئی تھی لیکن اس کے متعلق اس نے نہ کوئی رائے
ظاہر کی، نہ ہی اس کے چہرے پر کوئی چمک پیدا ہوئی۔ بلکہ وہ پتھر کی مورتی بنی رہی

طرح بیٹھی رہی۔

ہرن نے کہا۔ یہ خبر سن کر پارٹش بابو یقیناً خوش ہیں۔ لیکن اس بات کا فیصلہ تو تمہیں کرنا ہے کہ یہ خبر خوشی کی ہے یا نہیں۔ اس لئے برہموسماج کے نام پر تم سے اپنی جنونی خواہشات ایک طرف رکھ کر اپنے دل سے یہ سوال کرنے کے لئے درخواست کرتا ہوں۔ اس خبر پر خوش ہونا چاہئے یا نہیں۔

چونکہ لولتا پھر بھی خاموش رہی۔ ہرن بابو سمجھے ان کی باتوں کا اس پر بہت اثر پڑ رہا ہے۔ اس لئے انھوں نے اپنی کوشش کو اور تیز کر دیا۔ زندگی میں خیر کو ایک دھرم کی پناہ دے دینے کی رسم بہت بڑی رسم ہوتی ہے۔ کیا تم اس بات کے حق میں ہو۔ کہ اتنی بڑی رسم کو اس طرح ناپاک کر نیکی اجازت دی جائے؟ کیا ہم خوشی، آرام اور ذاتی تعلقات کے عوض اپنے سماج کو بدی کے راستے پر ڈال دیں۔ اور بناوٹ کا رویہ اختیار کر کے اسے باعث تعظیم بنادیں۔ بولوں۔ لولتا کیا تم اپنی زندگی میں برہموسماج کی تاریخ کے اس تکلیف دہ واقعہ کے ساتھ خود کو وابستہ کرنا پسند کرو گی۔

اس سوال پر لولتا بھی اسی طرح بیٹھی رہی۔ خاموش ساکت، صرف اس کے ہاتھوں کی مٹھیاں کرسی کے بازوؤں پر تن گئی تھیں۔ ہرن بابو نے پھر کہا۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ انسان کی ذاتی خواہشات اس کے کردار کو کمزور کر دیتی ہیں اور میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ انسانی کمزوریوں کو معاف بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن جب انسان کی وہی کمزوری صرف اسی کی زندگی کو نہیں بلکہ سیکڑوں ہزاروں اور لوگوں کی زندگیوں کو متاثر کر کے ان کی ایک ہی پناہ گاہ کو تباہ و برباد کر دے تب لولتا بتاؤ۔ کیا وہ ایک لمحے کے لئے بھی معاف کی جاسکتی ہے؟ کیا اسی کمزوری کو معاف کرنے کی خدا ہمیں اجازت دیتا ہے۔

”نہیں نہیں ہرن بابو، لو لٹا چلا کر کسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ آپ ہرگز نہ ممان کیجئے۔ ہم آپ کی ایسی باتیں سُنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ اگر آپ کسی کو کبھی واقعی ممان کرنے کے قابل ہو سکے تو وہ کسی سے بھی برداشت نہیں ہو سکے گا۔ یہ کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔“

جو کچھ ہرن بابو نے کہا تھا اس سے بردوا دیوی کو بہت تکلیف پہنچی تھی کیونکہ وہ بنوئے کو کسی قیمت پر ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتی تھی۔ لیکن ہرن بابو کی وجہ سے ان کی یہ کوشش رائیگاں چلی جائے گی۔ اس پر انہیں بہت غصہ آیا۔ انہوں نے کھسیا کے ہرن بابو کو واپس کر دیا۔ اب وہ بالکل بے بس تھیں، نہ پارٹیں بابو کو اپنی طرف کر سکیں نہ ہی ہرن بابو کو۔ ان میں سے کسی کو خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ وہ ایسی الجھن میں پھنس گئی تھیں۔ ہرن بابو کے متعلق ان کی رائے بالکل بدل گئی۔

بنوئے جب تک برہموسماج میں شامل ہونے کے معاملے کو معمولی طور پر دیکھتا رہا تب تک وہ بڑی مضبوطی کے ساتھ اپنے ارادے کا اظہار کرتا رہا۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ اس مقصد کے لئے برہموسماج میں ایک باقاعدہ درخواست بھیجنی پڑے گی اور اس پر ہرن بابو کا مشورہ بھی طلب کیا جائے گا۔ وہ اس کی عام تشہیر سے خوف زدہ ہو گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ کس سے مشورہ کرے۔ اس بات کے لئے سন্দھوتی کے پاس جانا بھی اسے مشکل معلوم ہوتا تھا۔ باہر گھومنے جانے کی خواہش بھی اسے نہیں رہی۔ وہ اپنے ذاتی گھر کے اوپر والے کمرے میں جا کر بستر پر پڑ رہا۔

شام ہو جانے پر اس کا نوکر کمرے میں بتی جلانے کے لئے آیا تو وہ اسے ایسا کرنے سے منع کر دینے والا تھا کہ اچانک اسے نیچے سے تنیش کے پکارنے کی آواز سنائی دے گئی۔ ”بنوئے بابو، بنوئے بابو“ یہ آواز سن کر اس کی جان میں پھر جان آگئی

جیسے کسی صحرا کے بیچ ہیں اُسے اچانک پانی کا چشمہ مل گیا ہو اس وقت ساری دنیا میں
یک ستیش ہی تھا جو اس کی دلجوئی کر سکتا تھا۔ ستیش کی آواز کان میں پڑتے ہی اس کے
جسم کا سارا بھاری پن غائب ہو گیا۔ کیا بات ہے چھوٹے بھٹیا، کہتا ہوا وہ بستر سے
کوڑھ پڑا۔ پاؤں میں کچھ پہنے بغیر ہی سیڑھیوں کی طرف دوڑا۔ وہاں نیچے صحن میں
سیڑھیوں کے پاس ستیش کے ساتھ برزاد دیوی بھی کھڑی تھیں۔ اس کا مطلب یہ تھا
اسے پھر وہی باتیں سننی پڑیں گی۔ ایک بار پھر اسی الجھن میں پھنسا ہو گا۔

ادھر آجائے کے بعد برزاد دیوی نے ستیش کو باہر برآمدے ہی میں بیٹھنے
کا حکم دیا۔ لیکن بندے اس کی دلچسپی سے اسے ایک دوسرے کرے ہیں لے گیا
وہاں اسے دیکھنے کے لئے تصویروں والی کتابیں دے دیں۔

برزاد دیوی نے اپنی گفتگو یوں شروع کی۔ بنوئے چونکہ تم اس سراج میں کسی
اور کو نہیں جانتے ہو اس لئے ہمارے دھرم میں داخل ہونے کے لئے درخواست
مجھے مکھ کر دے دو۔ اسے میں خود لے کر صبح صبح چلی جاؤں گی۔ اور اتوار تک سارے
انتظامات بھی مکمل کر لوں گی۔ تمہیں ایک لمحے کے لئے بھی فکر کرنیکی ضرورت نہیں ہے۔
یہ سن کر بنوئے حیران رہ گیا۔ ایک لفظ بھی نہ بول سکا۔ لیکن اس نے ایک
درخواست لکھ کر اس کے حوالے کر دی۔ وہ چاہتا تھا۔ کچھ بھی ہو، اب ان مشکلوں
میں سے جن میں سے نکل آنا بہت آسان نہیں تھا باہر نکلنے کے لئے کوئی راہ ملنی
ہی چاہئے۔

برزاد دیوی نے سرسری طور سے لوہا کی شادی کا بھی ذکر کر دیا تھا۔
جو نہی وہ وہاں سے گتیں بند سے کی بیزاری بڑھ گئی۔ یہاں تک کہ اب
لوہا کی بھی یاد اسے اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے برزاد
دیوی کو لوہا ہی نے اتنی جلدی کرنے کے لئے حوصلہ افزائی کی ہوگی۔ چونکہ وہ خود

اپنی نظر میں اپنی وقعت کھو بیٹھا تھا۔ اس لئے اس کے نزدیک کسی دوسرے کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔

ادھر برودادیوی گھر لوٹنے کے بعد یہ سوچ رہی تھی کہ وہ لوٹا کو ایک ایسی خبر سنا سکے گی۔ جس سے وہ بہت ہی خوش ہو جائے گی۔ چونکہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ اُن کی بیٹی بنوئے سے محبت کرتی ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کے سماج میں اتنا شور پیدا ہو گیا تھا۔ اس کے لئے وہ اپنے سوا ہر شخص کو قصور وار سمجھتی تھیں۔ کئی روز تک اس نے لوٹا سے کوئی بات تک نہیں کی تھی لیکن اب جبکہ ایک راستہ نکل آیا تھا اور یہ سب اس کی اپنی کوششوں کا ہی نتیجہ تھا وہ اتنی اچھی خبر جلد سے جلد لوٹا کو سنا دینے کے لئے بیقرار ہو رہی تھیں۔ لوٹا کی تو ہر کوشش بیکار ثابت ہوتی تھی۔ وہ بھی بنوئے کو ٹھیک راستے پر لے آنے میں ناکام رہی تھیں۔ ہرن باوبھی کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ یہ کام برودادیوی ہی کیلی کر سکتی تھی۔ ہاں ہاں! ایک عورت نے کام ایسا کر لیا تھا جسے آدھے درجن مرد پورا نہیں کر سکتے تھے۔

گھر جا کر اُسے معلوم ہوا آج پہلے ہی لوٹا سونے کے لئے اپنے کمرے میں چلی گئی ہے اور اس کی طبیعت اچھی نہیں ہے۔ وہ مسکرا کر اپنے آپ سے بولیں۔ میں اسے پھر سے اچھا کر لوں گی۔ بسبب اٹھائے، وہ سونے کے کمرے میں گئیں۔ وہاں انھوں نے لوٹا کو صوفے میں بیٹ کر کچھ پڑھتے ہوئے پایا۔

اُن کو دیکھ کر لوٹا اُسٹھ بیٹھی اور پوچھا، "تم کہاں گئی تھیں؟"

اس کی آواز میں ایک قسم کی تیزی بھی تھی۔ کیونکہ اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ وہ شیش کو لے کر بنوئے کے ہاں گئی تھیں۔

برودادیوی نے کہا: "ہیں بنوئے۔ یہ کتے ہاں گئی تھی۔"

”کیوں؟“

کیوں! نہ جاتی؟ دل ہی دل میں بردوا دیوی کچھ ناراض بھی ہوتیں۔ لوٹا مجھے اپنا دشمن ہی سمجھتی ہے۔ احسان فراموش لڑکی۔

اس لئے — یہ کہہ کر اس نے زور سے زور کا خط لولتا کے ہاتھ میں ڈے دیا۔ خط پڑھ کر لولتا کا چہرہ گہرا سرخ ہو گیا۔ کیونکہ بردوا دیوی نے اس بات کو اپنا کارنامہ قرار دیا کہ وہ بنوئے پر بہت زور دے کر اس سے ایسا خط لکھوا لئے ہیں کامیاب ہو گئیں تھیں۔ وہ اس بات کو بڑے نفرت سے کہہ رہی تھیں کہ ان کے علاوہ اور کسی میں اس کام کو اس خوش اسلوبی سے کرنا لینے کی قابلیت ہی نہیں تھی۔

سنہ کو ہاتھوں میں چھپا کر لولتا صوفے میں لیٹ گئی۔ اور بردوا دیوی یہ سوچ کر کہ چونکہ وہ اپنے جذبات ظاہر کرنے سے شرمناک رہی ہے باہر چلی آئیں۔ دوسرے دن جب وہ برہمہ سماج میں لے جانے کے لئے خط لینے کے لئے گئیں تو دیکھا کہ کسی نے خط کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے ہیں۔

ساٹھواں باب

دوسرے دن شام کے وقت جب سچا ریتا پارلش بابو کے ہاں جانے کے لئے تیار ہو رہی تھی تو نوکر نے اکر کسی شخص کے آنے کی اطلاع دی۔ کون ہے، اس نے پوچھا۔ بتوتے بابو تو نہیں؟ نوکر نے بتایا کہ بتوتے بابو نہیں ہیں بلکہ کوئی اور اُونچے سے قد کا گورے رنگ کا آدمی۔ یہ سن کر سچا ریتا حیران ہوئی نوکر سے کہا۔ انھیں اُوپر کے کمرے میں بٹھاؤ۔

اس دن اسے اس بات کا خیال بھی نہیں تھا کہ وہ کیا اور کیسے کچھ پہنے ہوئے ہے۔ جیسی وہ آئینہ میں دکھائی دیتی تھی اس سے وہ مطمئن بھی نہیں تھی لیکن اب کپڑے بدلنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ اس لئے جلدی جلدی بالوں کو اُلٹا سپدھا سمیٹا۔ کپڑے ذرا اٹھیک کئے اور پھر اوپر چلی گئی۔ وہ بھول گئی تھی کہ اس کی میز پر گورا کی کتابیں بکھری ہوئی تھیں۔ میز کے پاس سامنے گورا بیٹھا ہوا تھا۔ اب ان کتابوں کو ہٹانے یا سمیٹنے کا موقع بھی نہیں تھا۔

وہ بولی۔ خالہ آپ سے کتنے دن سے ملنے کے لئے کہہ رہی تھیں۔ میں جا کر انھیں آپ کے آنے کی اطلاع دیتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ جلدی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔ کیونکہ تنہائی میں تو اسے ملنے کے لئے اُس کے اندر حُرّات بھی نہیں تھی۔

کچھ ہی دیر کے بعد سچا ریتا ہری موہنی کو لے کر آگئی۔
پچھلے دنوں ہری موہنی بتوتے سے گورا کی زندگی، اس کے خیالات اور

دھرم کرم کے بارے میں سُنتی رہی تھی۔ اور دوپہر کے وقت کبھی کبھی وہ سچا ریتا سے گورا کی لکھی ہوئی کتابوں میں سے کچھ پڑھ کر سُنانے کے لئے کہا کرتی تھیں۔ وہ یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں کہ گورا اپنے وید شاستروں پر پکا وِشوا س کرنے والا تھا۔ اور اس کے مضامین ان لوگوں کی مُذمت کرتے تھے جو اپنے مذہب کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ یہ سب سُن کر دوپہر کا وقت اچھا کٹ جاتا تھا۔ اُن کے دل میں گورا کے لئے بڑی جگہ تھی۔ کیونکہ اس سے عجیب اور بڑی بات کیا ہو سکتی تھی کہ کوئی انگریزی پڑھ لکھ کر بھی اپنے مذہب کے اصول پر چٹان کی طرح جمارہتا۔

جب انھوں نے اُس برہمو گھرانے میں نمونے کو پہلی بار دیکھا تھا تو بہت خوش ہوتی تھیں۔ لیکن دھیرے دھیرے اور خاص طور پر جب اس نے اپنا مکان لے لیا تو وہ نمونے کے حالات کو جاننے لگیں۔ اور ان کو دُکھ ہونے لگا۔ اس لئے ب وہ گورا سے ملنے کے لئے بہت زیادہ بیقرار تھیں۔

گورا کو دیکھا تو حیران رہ گئیں۔ اُن کے سامنے واقعی ایک سچا برہمن موجود تھا۔ یگیہ کی پوترانگنی کی طرح بھڑکنا ہوا بالکل ہادیو کی مانند دیکتا ہوا! جب وہ اسے پر نام کرنے کے لئے اُٹھا تو ہری موہنی گھبرا کر پیچھے ہٹ گئیں۔ یہی تھا سِرے پائے میں بہت کچھ سُن چکی ہوں۔ لیکن جب انھیں دیکھتی ہوں تو بڑی حیرانی ہوتی ہے کہ ان لوگوں نے انھیں جیل میں کیسے بند کر دیا۔

گورا ہنس کر بولا۔ اگر مجسٹریٹ لوگ آپ جیسے ہوتے تو جیل چاہوں اور چکا ڈرڈ کو پھنسانے والے پتھرے ہی ہوتے۔

ہری موہنی بولی ————— ”نہیں بیٹا۔ اِس دُنیا میں چوروں اور مکاروں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن مجسٹریٹ کیا اندھا تھا۔ کتھاری تو صورت ہی دیکھ کر کوئی یہ سمجھ

سکتا ہے کہ تم معمولی انسان نہیں ہو، بلکہ بھگوان کا ایک روپ ہو۔ کیا جیلوں میں لوگوں کو صرف اس لئے بھر دیا جاتا ہے۔ کیونکہ جیل کو کسی طرح بھرنا بھی ہے۔ رام رام یہ کیسا انصاف ہے۔

گورا نے کہا۔ چونکہ انسان کا چہرہ نہ دیکھنے سے انہیں بھگوان کا سُرُوپ دکھائی دینے لگتا ہے۔ اس لئے وہ اپنی نظر صرف قانون کی کتابوں پر ہی گاڑے رہتے ہیں اگر وہ بہت سارے لوگوں کو کوڑے نہ لگائیں، قید نہ کریں، کالا پانی نہ کھجیں اور پھانسی نہ دیں تو انہیں روٹی کیسے ملے۔ رات کو آرام سے کیونکر سوتیں۔

ہری موہنی بولیں ”جب مجھے فرصت ہوتی تھی تو میں رادھارانی سے تمہاری کتابوں میں لکھی ہوئی باتیں سنتی تھی۔ اور سوچتی تھی کبھی میں یہ باتیں تمہارے منہ سے بھی سنوں گی۔ میں ایک غریب اور موہر کہ عورت ہوں۔ اور بڑی بد شمت بھی نہ کچھ سمجھ سکتی ہوں نہ ہر بات پر دھیان دے سکتی ہوں۔ لیکن یہ میری بڑی خوش نصیبی تھی کہ میں تمہارے گیان اور علم سے کچھ سیکھ سکوں۔“

ان کو کوئی جواب دینے کے بجائے گورا سر جھکاتے خاموش رہا۔ وہ بولتے رہے جاتے سے پہلے تم کچھ جل پان کر لو۔ ایک مدت سے میں نے کسی برہمن کی خاطر نہیں کی ہے۔ آج تو تم صرف کچھ مٹھائی ہی قبول کرو۔ پھر کسی دن کھانا بھی کھلاؤ گی۔ جب ہری موہنی کچھ لینے باہر چلی گئی تو سچا ریتا خود کو اکیلا پا کر گھبرا سی گئی۔ گورا نے پوچھا ”کیا آج تم سے بنوتے ملنے کے لئے آیا تھا“

ہاں ”سچا ریتا نے جواب دیا“

”میں کانی عرصے سے اس سے نہیں ملا لیکن میں جانتا ہوں۔ وہ کیوں آیا ہوگا۔

یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ سچا ریتا بھی خاموش رہی۔

پھر گورا کہنے لگا۔ کیا تم اس بات کی کوشش کر رہی ہو کہ بنوتے کی شادی

برہموسماج کے مطابق ہو! کیا یہ مناسب ہوگا۔

ایسا طنز بھرا سوال سن کر سچاریا کے چہرے سے تمام شرم اور جھجک دور ہو گئی اور وہ گورا کی طرف دیکھتی ہوئی بولی: "کیا آپ مجھ سے یہ اُمید رکھتے ہیں کہ میں اپنے برہم ودھرم کے مطابق ہونے والی شادی کو نامناسب کہوں۔"

گورا نے کہا: "یقین مانو میں کم از کم تم سے ایسے چھوٹے کام کی اُمید نہیں رکھتا تھا۔ میں تم سے ایسے بڑے کام کی اُمید رکھتا ہوں جو معمولی فرقہ پرست لوگوں سے نہیں کیا جاسکتا۔ مجھے اس بات کا پورا بھروسہ ہے کہ تم اُن لوگوں میں سے ہرگز نہیں ہو جو اپنے فرقے کے ماننے والوں کی تعداد بڑھانے کے لئے قلیوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں تم اپنے دھرم کے آئینے ہی میں خود کو دیکھو اور سمجھو۔ دوسروں کے کہنے میں آکر خود کو اتنا نہ گراؤ۔ اپنے دل میں تمہیں اس بات کا احساس ضرور کرنا چاہئے کہ تم صرف ایک خاص فرقے کی ممبر ہی نہیں ہو۔"

سچاریا اپنی سب طاقت جمع کر کے بولی: "کیا آپ کا اپنا ایک خاص فرقے سے تعلق نہیں ہے؟"

"نہیں گورا نے جواب دیا: "میں ہندو ہوں۔ ہندو کسی ایک فرقے کا آدمی نہیں ہوتا۔ ہندو ایک قوم کا نام ہے۔ اور اتنی بڑی قوم کہ اس کی قومیت کو کسی ایک معنی میں محدود نہیں کیا جاسکتا۔ جیسے ہندو وہ نہیں ہوتا جو لہریں ہوتی ہیں اسی طرح ہندو بھی کوئی الگ فرقہ نہیں ہیں۔"

سچاریا نے پوچھا: "اگر ہندو ایک فرقہ نہیں ہیں تو وہ لوگ اپنے درمیان جماعت بندی کیوں کرتے ہیں۔"

گورا نے جواب دیا: "جب کسی پر حملہ ہوتا ہے تو وہ خود کو بچانے کی

کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ اس میں زندگی ہوتی ہے۔ صرف ایک پتھر ہی ہر طرح کی مار چپ چاپ سہتا رہتا ہے۔

”میں جسے دھرم سمجھتی ہوں اُسے ہندو اپنے اوپر حملہ سمجھنے لگیں تو بتائیے اس صورت میں میں کیا کروں۔“

”میں ہی کہوں گا کہ تم جسے ایک دھرم سمجھتی ہو وہ ہندو قوم کی وسیع حیثیت پر ایک حملہ ہے۔ اس وقت تمہیں یہ دیکھنا چاہئے کہ تم کہیں آنکھیں بند کر کے تو ایسا نہیں کر رہی ہو۔ دماغ میں یہ بات رکھ کر کہ تمہارے فرقے کے اصول ہی سب سے اچھے اصول ہیں۔ دوسروں پر زبردستی کرنا کسی طرح سے بھی مناسب نہیں ہے۔ جب کوئی چوہا اناج سے بھرے ہوئے جہاز میں ایک سوراخ کر لیتا ہے تو اس میں اس کا اپنا سکھ اور فائدہ چھپا ہوتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ اس کا یہ فائدہ اس نقصان کے مقابلے میں بہت معمولی ہے۔ جو وہ اتنے سارے اناج کو پہنچا سکتا ہے۔ اسی طرح تمہیں بھی سوچنا چاہئے کہ کیا تم محض ایک چھوٹے سے فرقے کے لئے کام کر رہی ہو۔ یا ساری انسانی برادری کے لئے اس کی ضرورتوں کی کتنی ساری قسمیں ہیں۔ کتنے سارے مزاج ہیں۔ کتنے سارے خیالات ہیں۔ راستے میں سب ہی آدمی ایک طرح نہیں چلتے۔ کچھ پہاڑوں کے سامنے کھڑے ہیں کچھ سمندر کے کنارے پر اور کچھ میدانوں کے سرے پر۔ ان میں سے کسی میں بھی جم کے کھڑا رہنے کی شکتی نہیں ہے۔ سب کو حرکت کرنی پڑتی ہے۔ کیا تم اپنی جماعت کا قانون سب پر لا دنا چاہتی ہو۔ کیا تم آنکھیں بند کر کے یہ تصور کرنا چاہتی ہو کہ دنیا کے سب انسان ایک جیسے ہیں۔ اور وہ برہمن سہج کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرا نے کے لئے اس سنسار میں پیدا ہوئے ہیں۔ اگر ایسی بات ہے تو ان قوموں سے جو دنیا میں صرف غلامی ہی

پھیلا ناچا ہستی ہیں اور تم میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔

ایک لمحے کے لئے سچا رہتا اپنی منطق کو بھول گئی۔ وہ اس کے پُر اثر انداز سے بے حد متاثر ہوئی۔ اُسے یہ محسوس ہوا کہ وہ کوئی منطق پیش کرنے کے بجائے صرف سچائیاں سامنے رکھ رہا تھا جنہیں اس کا دل قبول کرنے کے لئے تیار ہو رہا تھا۔

گورا نے پھر کہا۔ تمہاری جماعت نے کروڑ ہا لوگوں کو پیدا نہیں کیا ہے جو بھارت میں رہ رہے ہیں۔ یہ تمہارے سمجھنے کی بات ہے کہ ان کروڑوں لوگوں کے لئے بہترین راستہ کونسا ہے؟ ان کی بھوک کو کونسا عقیدہ مٹا سکے گا اور کس طرح طاقتور بن سکتے ہیں۔ تم اتنے عظیم اور وسیع بھارت کو اتنا چھوٹا سا کیونکر بنا سکو گی! جب تم اپنے مشن میں کرتی رکاوٹیں دیکھتی ہو تو سارے دیش سے ناراض ہو جاتی ہو۔! جتنی زیادہ رکاوٹیں سامنے آتی ہیں تمہیں اتنی ہی زیادہ نفرت ان لوگوں سے ہونے لگتی ہے۔ جنہیں تم فائدہ بھی پہنچانا چاہتی ہو۔ اس پر بھی تم خدا کا ذکر کرتی ہو جس نے مختلف قسموں کے انسان پیدا کئے ہیں۔ اگر تم اس خدا پر واقعی و شواہد رکھتی ہو تو پھر یہ کیوں نہیں دیکھتیں کہ اس کا قانون کیا ہے۔؟ اور اپنی پارٹی کے بچا غرور میں اس کی مرضی کا احترام کیوں نہیں کرتیں۔؟

سچا رہتا کو غامض دیکھ کر گورا کے دل میں اس کے لئے ہمدردی اُمنڈر آئی۔ اور جب پھر بولن شروع کیا تو اس کا ہجہ پہلے کی نسبت نرم تھا۔ شاید میری باتیں تمہیں بُری لگی ہیں۔ لیکن میری مخالفت صرف اس وجہ سے نہ کرو کہ میں ایک مخالفت پارٹی میں ہوں۔ اگر میں نے یہ سوچا ہوتا کہ تم ایک دوسرے فرغے سے تعلق رکھتی ہو تو میں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہ نکالا ہوتا۔ لیکن مجھے یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ تمہاری تمام تر آزاد خیالی ایک تنگ نظر فرقے کے لئے محدود ہوتی جا رہی ہے۔

”نہیں نہیں“ سچا رہتا کے چہرے پر سُرخ تیر گئی۔ بولی، آپ میری فکر مت کیجئے۔ اب اپنی بات جاری رکھئے۔ میں سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

گورا بولا۔ کہنے کے لئے میرے پاس بہت کچھ نہیں ہے۔ بھارت کے نقشے کو دل سے دیکھو اس سے پیار کرو۔ اگر تم بھارت کے لوگوں کو براہِ سماج کی نظر سے دیکھو گی تو انہیں غلط ہی سمجھو گی۔ اور ان سے نفرت کرتی رہو گی۔ بھگوان نے انسانوں کو بنیادی طور پر تو ایک سا پیدا کیا ہے۔ لیکن خیالات، اعمال، عمل اور اعتقادات کے لحاظ سے انہیں الگ الگ کر دیا ہے۔

صدیوں سے یہاں قربانیاں دی جاتی رہی ہیں۔ ان کی آگ آج بھی مُلک رہی ہے۔ آخر ایک دن ایسا بھی آئے گا جب وہ سب سنی ہوئی آگ ساری دُنیا میں پھیل جائے گی۔ ان تصورات کو غلط بتا کر ان پر یقین نہ کرنا دہریت کے علامہ کچھ نہیں ہو سکتا۔

سچا رہتا اب تک سر جھکا کر اُسے سنتی رہی تھی۔ اب اس نے آنکھیں اٹھائیں

اور پوچھا۔

”تب آپ مجھے کیا کرنے کے لئے کہتے ہیں؟“

”اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہوں کہ تم اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کر لو کہ ہندو دھرم مختلف خیالات اور عقیدے رکھنے والے لوگوں کو ایک ماں کی طرح اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہندو دھرم انسان کو صرف انسان سمجھتا ہے۔ کسی خاص فرقے کا آدمی نہیں۔ یہ بیوقوف اور نادانوں کی عزت کرتا ہے۔ اور صرف ایک ہی فلسفہ کی قدر نہیں کرتا بلکہ سب فلسفوں کا احترام کرتا ہے۔ لیکن عیسائی مت اس بات کو قبول نہیں کرتا۔ وہ کہتے ہیں ایک طرف۔ عیسائی مذہب ہے دوسری طرف لازوال تہا ہی۔ ان دونوں کے درمیان کوئی

راستہ نہیں ہے۔ چونکہ ہم نے عیسائی لوگوں کے زیر اثر رہ کر تعلیم حاصل کی۔ اس لیے ہندو مذہب کے فلسفے کو مانتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اسی فلسفہ کی بدولت ہی ہندو مذہب سب کو ایک سمجھتا ہے۔ جب تک ہم عیسائی کی دی ہوئی تعلیم سے آزاد نہیں ہو جاتے۔ ہم اپنے ہندو مذہب کی شاندار سچائیوں کی قدر کرنے کے قابل بھی بن سکیں گے۔

سچا ریتا نہ صرف باتیں ہی سن رہی تھی بلکہ اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا وہ مستقبل کو اپنی دونوں آنکھوں سے ٹکٹکی لگاتے بڑے دھیان سے دیکھ رہی ہے۔ اپنی ساری جھجک اور شرم بھول کر وہ اس کے جوش سے چمکتے ہوئے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس چہرے میں ایسی ایک طاقت تھی جس نے دنیا کے تمام بڑے اور اعلیٰ مقاصد بیان کر دئے تھے۔ اس نے اپنے سماج کے بڑے بڑے عالموں کو سچائی کی تشریح کرتے ہوئے سنا تھا۔ لیکن گورا کے دلائل محض الفاظ نہیں تھے بلکہ تخلیق تھے۔ وہ اس قدر بامعنی اور حقیقت پر مبنی تھے کہ وہ جسم اور روح دونوں کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیتے تھے۔ سچا ریتا نے آج اپنی آنکھوں سے اندر کی بجلی کو کڑک کے ساتھ دیکھ لیا۔ جب گورا کے الفاظ اپنے گہرے لہجے کے ساتھ اس کے کانوں کے ساتھ ٹکراتے تو اس کا دل دھڑکنے لگتا تھا۔ اور اس کی رگ رگ میں ہر لمحہ بجلی کی چمک ناچتی ہوئی معلوم ہونے لگتی تھی۔ اس کے پاس وہ طاقت اور نظر بھی نہیں تھی جن کی مدد سے وہ یہ جان سکتی کہ اس کا گورا کے ساتھ کہاں اختلاف پیدا ہوتا تھا اور کہاں اتفاق !

اسی وقت وہاں تیش آشکا۔ چونکہ وہ گورا سے ڈرتا بھی تھا۔ اس لیے وہ اس سے دُور رہ کر اپنی بہن سے سرگوشی میں بولا۔ بہن باپو آتے ہیں۔

یہ سن کر سچا ریتا کو بڑا اچنبھا ہوا کیونکہ وہ ایسی کیفیتوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ

ان کے لئے اس وقت ایسے ناپسندیدہ مہمان سے چھٹکارا پالنے کے لئے بڑی قربانی پیش کر سکتی تھی۔ یہ سوچ کر کہ گورا نے تنیش کی بات نہیں سنی ہوگی۔ وہ جلدی سے اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ وہ سیدھی نیچے اتر گئی اور ہرن بابو سے بولی۔

”آپ اس وقت مجھے معاف رکھیں کیونکہ اس وقت آپ کی باتیں مستنامیرے لئے ممکن نہیں ہوگا۔“

”کیوں ممکن نہیں ہوگا؟“ ہرن بابو نے پوچھا۔

اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے سچا ریتا نے کہا۔ اگر کل آپ بتاجی کے پاس آجائیں تو میں بھی آپ کو وہیں مل جاؤں گی۔

”شاید آج آپ کے یہاں مہمان آئے ہوئے ہیں؟“

اس وقت میرے پاس بالکل وقت نہیں ہے۔ میں آپ سے معافی چاہتی ہوں۔

لیکن — میں نے گلی میں سے گورموہن کی باز سنی تھی۔ کیا وہ اوپر موجود ہیں۔

اس کے سوال کا سیدھا سیدھا جواب دینے پر مجبور ہو جانے کی وجہ سے اس کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔ اور اس نے کہہ دیا — ”جی ہاں۔ موجود ہیں۔“ تب تو یہ بہت ہی اچھا ہوا۔ میں ان سے کبھی کبھار باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ مگر تمہیں کوئی ضروری کام کرنا ہے تو بیشک کرو۔ میں ان کے ساتھ بیٹھ کر باتیں کروں گا۔

سچا ریتا کے جواب کا انتظار کئے بغیر وہ اوپر چڑھ گیا۔ وہ اس کے پیچھے آئی اور ہرن بابو کی طرف دیکھے بغیر گورا سے بولی۔ ”خالہ آپ کے لئے کچھ ٹھانی وغیرہ

تیار کر رہی ہیں میں وہی لینے جا رہی ہوں۔

یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور ہرن بابو ایک کرسی پر جم کے بیٹھ گئے۔

”آپ کچھ بیمار سے معلوم ہوتے ہیں ہرن نے گورا سے پوچھا۔“

”اس نے اقرار کر لیا۔ ہاں میں علاج کروا رہا ہوں۔“

”آپ کو بہت تکلیف اٹھانا پڑی ہوگی۔“

گورا نے طنز بھرے لہجے میں کہا جی نہیں۔ اتنی نہیں جتنی کہ امیر کی جاتی

تھی۔

مجھے آپ سے نبوتے کے سلسلے کے ایک معاملے پر بات چیت کرنا

ہے۔ ہرن بابو نے مضبوط بدل کر کہا۔ میرا خیال ہے آپ کو معلوم ہے کہ وہ

اس اتوار کو اپنا مذہب تبدیل کر رہا ہے۔

”جی نہیں مجھے معلوم نہیں ہے۔“ گورا نے جواب دیا۔

”کیا آپ اس کے اس کام کی حمایت کرتے ہیں۔“

”نبوتے نے میری رضامندی چاہی ہی نہیں ہے۔“

”کیا آپ سمجھتے ہیں اس کا مذہب تبدیل کرنے کا ارادہ کافی مضبوط ہے۔“

گورا نے جواب دیا ”جب وہ اپنا مذہب تبدیل کرنے کا ارادہ ظاہر کرے

چکا ہے تو پھر اس سوال کے پوچھنے کا فائدہ۔“

ہرن بابو نے کہا۔ جب ہم کسی چیز کی طرف جھک جانے کے لئے تیار

ہو جاتے ہیں تو پھر اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ کیا ٹھیک اور کیا ٹھیک نہیں

ہے۔ انسانی خصلت کے بارے میں آپ بخوبی جانتے ہیں نا۔

گورا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ میں انسانی خصلت کی بیکار بحث میں

نہیں پڑا کرتا۔

”اگرچہ میرے خیالات اور میرا سماج آپ سے اتفاق نہیں کرتا پھر بھی میں آپ کی بڑی قدر کرتا ہوں۔ اور میں یہ بھی اچھی طرح جانتا ہوں کہ آپ کے جو عقیدے ہیں وہ نیچے ہوں یا جھوٹے مگر آپ کو اپنے مقام سے کوئی ہٹا نہیں سکتا لیکن۔“

”آپ کے دل میں میرے لئے جو تھوڑی سی قدر بچ رہی ہے اگر وہ بھی نہ رہی تو اس سے بنوئے کو کیا نقصان اٹھانا پڑے گا؟ گورا نے جواب دیا۔

”اس دنیا میں سچ اور جھوٹ کی پہچان بہت ضروری ہو گئی ہے۔ لیکن اگر آپ اس کی اہمیت کا فیصلہ اپنی عقیدت کے زیر اثر یا اس کے بغیر ہی کرنا چاہیں تو بیشک ایسا کریں۔ لیکن یہ توقع کیوں رکھیں کہ آپ کے فیصلے کو ہر شخص قبول کر لے۔“

بہت بہتر! ہرن بابو نے کہا۔ لیکن اگر اس سوال کا کوئی فیصلہ نہیں بھی ہو پاتا تو کوئی خاص نقصان نہیں ہو گا۔ لیکن آپ سے ایک سوال پوچھتا ہوں کہ پارٹیش بابو کے گھر میں بنوئے کی ہونے والی شادی پر آپ کوئی اعتراض نہیں کریں گے۔

گورا سٹرخ ہو کر لولا۔ ہرن بابو۔ بنوئے کے معاملے پر میں آپ سے کیسے بحث کر سکتا ہوں! جب آپ انسانی خصلت کے بارے میں ہر وقت باتیں کرتے رہتے ہیں تو کیا اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ بنوئے میرا دوست ہے آپ کا نہیں! میں نے اس سوال کو اس لئے اٹھایا ہے کہ اس کا تعلق براہِ سماج سے ہے وہ نہ۔

”لیکن میرا تو براہِ سماج سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گورا جلدی سے بول اٹھا“ اگر آپ لوگوں کو کوئی فکر ہے تو اس سے میرا کیا واسطہ۔“

جب بحث یہاں تک پہنچ گئی تو سچا ریتا آگئی۔ ہرن بابو اسے مخاطب

کر کے بولا۔ سچا ریتا، میں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔ ایسی بات کہنے کی ضرورت تو نہیں تھی لیکن ہرن بابو کو گورا کے سامنے سچا ریتا سے اپنے تعلقات کی اہمیت جتاننا تھی۔ سچا ریتا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اور گورا بھی اپنی کرسی پر چپ چاپ بیٹھا رہا تاکہ ہرن بابو کی گفتگو میں اس کی وجہ سے کوئی مداخلت نہ ہو۔ ہرن بابو نے سچا ریتا سے پھر کہا۔

”سچا ریتا تم ذرا دوسرے کمرے میں چلی چلو مجھے کچھ کہنا ہے۔“

اس کی درخواست پر کوئی دھیان نہ دے کر سچا ریتا نے گورا سے پوچھا

”آپ کی مانا جی تو اچھی ہیں نا“

گورا ہنس کر بولا ”ہیں نے آج تک انھیں کبھی بیمار نہیں دیکھا۔“

سچا ریتا نے ہنس کر اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ میں بھی دیکھ کر حیران ہوتی ہوں کہ وہ اتنی اچھی صحت کیسے قائم رکھتی ہیں۔

گورا کو یاد آ گیا کہ وہ جیل میں تھا تو سچا ریتا اس کی ماں کے پاس جایا کرتی تھی۔

اس دوران میں ہرن بابو میز پر سے کتاب اٹھا کر اسے دیکھنے لگے تھے۔ ٹائٹل پر اس کے مصنف کا نام پڑھنے کے بعد اب اندر کا کوئی پیرا گراف دیکھ رہے تھے۔

سچا ریتا کا چہرہ شرم سے لال ہو گیا تھا۔ گورا نے بھی دیکھا کہ یہ اس کی لکھی ہوئی کتاب تھی وہ بس مسکرایا۔ ہرن بابو نے پوچھا ”گورا موہن بابو یہ کتاب آپ نے شاید بچپن میں لکھی تھی۔“

”میرا بچپن آج بھی چل رہا ہے گورا ہنس پڑا۔ کچھ لوگوں کا بچپن بڑی جلدی ختم ہو جاتا ہے اور کچھ کا بہت دیر تک چلتا ہے۔“

سچا ریتا کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔ گور موہن بابو آپ کا کھانا تیار ہو گا۔ کیا آپ دوسرے کمرے میں چلے چلیں گے۔ موسیٰ ہرن بابو کے سامنے نہیں آئیں گی وہ شاید آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔

سچا ریتا نے آخری جملہ ہرن بابو کو چوٹ پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ دن بھر اُسے اس قدر زچ کیا جا چکا تھا کہ اب وہ کم از کم ایک چوٹ پہنچانے بغیر نہ رہ سکی گور اٹھ پڑا۔ لیکن اپنی شکست کبھی نہ ماننے والے ہرن بابو نے کہا۔۔۔ تو میں یہاں بیٹھ کر آپ کا انتظار کرتا ہوں۔

سچا ریتا نے کہا بیکار کیوں انتظار کرتے ہو۔ پہلے ہی کافی دیر ہو چکی

ہے۔

لیکن ہرن بابو پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ اس لئے گورا اور سچا ریتا باہر چلے

گئے۔

گورا کو اس گھر میں دیکھ کر اور پھر سچا ریتا کی طرف اس کا رویہ سمجھ کر ہرن بابو لڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ کیا سچا ریتا کا برہم سماج سے نکل جانا آسان تھا۔ کیا اُسے کوئی بچانے والا بھی نہیں تھا۔ کسی نہ کسی طرح ایسا کرنا ہی ہو گا۔

کافذ کا ایک ورق لے کر ہرن بابو نے سچا ریتا کو ایک خط لکھا۔ ان کے جیش و خروش سے بھرے ہوئے الفاظ کچھ نہ کچھ اثر تو دکھائی دیں گے۔

جب ہری موہنی سے بہت سی باتیں کر کے گورا سچا ریتا کے کمرے میں سے اپنی چھڑی اٹھانے کے لئے گیا تو اس وقت شام ہو چکی تھی۔ سچا ریتا کے ڈیکس پر ایک لمبے جل رہا تھا۔ ہرن بابو جا چکے تھے۔ لیکن میز پر سچا ریتا کے نام ان کا لکھا ہوا ایک خط پڑا ہوا تھا۔ جسے کمرے میں آنے والا کوئی بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔

خط پر نظر پڑنے ہی گورا کا دل غصے سے بھر گیا۔ اس بات میں اُسے کوئی شبہ نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ وہ کس نے لکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ہرن بابو سچا ریتا پر ایک خاص حق جتایا کرتے ہیں۔ اس شام کو جب ستیش نے سچا ریتا کو آکر ہرن بابو کے آنے کی خبر سنائی تو وہ گھبرا گئی تھی۔ اور جلدی جلدی نیچے چلی گئی تھی۔ اور جب وہ ہرن بابو کو ساتھ لے کر لوٹی تھی تو اس کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ اس سے کوئی سخت بات کہی گئی ہے۔ اور جب پھر وہ اُسے نیچے چل پان کرانے کے لئے لے گئی تھی تو وہ ہرن بابو کو اکیلا ہی چھوڑ گئی تھی۔ اس کا یہ سلوک بہت ہی روکھا تھا۔ میز پر یہ خط پڑا ہوا دیکھ کر اُسے بہت بھاری رھکا لگا جو ہمیشہ عجیب ہوتا ہے۔ چونکہ اُس پر صرف نام لکھا ہوا تھا اور اہم بات اس کے اندر ہوتی ہے۔ لوگوں کو دیکھ پہنچانے کے لئے خط میں ایک خاص قسم کی لیاقت ہوتی ہے۔

میں کل پھر آجاؤں گا۔ گورا نے سچا ریتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 اس نے گورا سے نظر نہیں ملاتی بس اتنا ہی کہا ”اچھا“
 باہر جاتے جاتے گورا اچانک رُک گیا اور سچا ریتا سے کہنے لگا تم بھارت ورش کے سورج منڈل کا ایک پختہ ہو۔ کوئی بھی دھوم کیسے تمہیں اپنی پونچھ کے ساتھ لپیٹ کر غلاب میں نہیں لے جاسکتا۔ جب تم اپنی حقیقی مقام پر حتم جاؤ گی تبھی میں تمہیں چھوڑنے کا خیال کر سکوں گا۔ لوگوں نے تمہارے دل میں یہ بات بٹھا رکھی ہے کہ تمہارے اس مقام پر پہنچنے کے بعد تمہارا مذہب تمہیں تباہ کرے گا۔ لیکن میں تمہیں صاف صاف بتا دوں کہ تمہارا مذہب اور تمہاری سچائی چند لوگوں کی رائے یا طعنوں کا نام نہیں ہے۔ یہ تمہارے ارد گرد کے بے شمار دھاگوں کے ساتھ بندھا ہوا ہے تم اُسے اپنی مرضی سے جڑے نہیں اکھاڑ

سکتی ہو۔ اور نہ ہی کسی برتن سے اُسے لگا کر یہ امید پوری کر سکتی ہو۔ تمھاری
 کوششوں سے یہ زندہ بھی رہے گا۔ اور چمکتا ہوا بھی۔ اگر تم اُسے بچا اٹھانا چاہتی
 ہو، تاکہ یہ دوسروں کی بھلائی بھی کرتا رہے تو تمھیں اپنی صحیح جگہ پر جا کر کھڑا ہونا ہوگا
 جو تمھاری پیدائش سے بھی پہلے تمھارے دیش واسیوں نے تمھارے لئے بنا
 رکھی ہے۔ تم یہ بھی نہ کہنا وہ میرے کوئی نہیں۔ اور میں ان کا کوئی نہیں۔ اگر
 تم ایسا ہو گی تو تمھارے مذہب کی سچائی اور تمھاری طاقت سامنے کی طرح
 غائب ہو جائے گی۔ میں تمھیں دسواں دلاتا ہوں کہ اگر تمھارے خیالات تمھیں
 اس قدم سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں جہاں تمھارے خدا نے بھی رکھا
 ہے۔ چاہے وہ مقام کہیں پر بھی ہے۔ تو تمھارے خیالات کی جیت کبھی نہیں
 ہو سکتی۔

میں کل پھر آؤں گا۔

ان الفاظ کے ساتھ جب وہ کمرے سے چلا گیا تو وہاں کی فضا کافی دیر تک
 اس کے جانے کے بعد بھی کانپتی رہی۔ اور سچا رہتا بت بنی جادہ، ساکت، خاموش
 بیٹھی رہی۔

اکسٹھواں باب

ماں سُننے "نورے آنند موئی سے کہہ رہا تھا۔ میں آپ کو کچھ بتا دوں
میں جب کبھی کسی نورتی کے سامنے سر جھکا تا ہوں تو مجھے اس بات کے لئے
شرم بھی محسوس ہونے لگتی ہے۔ میں آج تک یہ اس چھپاتا ہی رہا ہوں
کیونکہ دراصل میں نورتی پوچھا کے حق میں کتنی اچھے آرٹیکل لکھ چکا ہوں۔ لیکن
آپ کو سچی بات بھی بتا دوں کہ میں جب نورتیوں کے سامنے جھکتا ہوں تو میرا
دل اس بات کے لئے اجازت نہیں دیتا۔

آنند موئی نے پوچھا۔ کیا مختار ادل اتنا معمولی منہ کا ہے۔ تم بھی باتوں
کو دل میں ڈھونڈتے ہو۔ اسی لئے مختار سے دل کے شبہات رُور نہیں ہوتے۔
"یہ بالکل ٹھیک ہے" نورے نے تسلیم کیا۔ لیکن یہ میری ذہانت ہے
جس کی وجہ سے میں ان باتوں کو بھی ثابت کر کے دکھا سکتا ہوں جن میں میرا
دراصل کوئی دشواہ بھی نہیں ہے۔ آج تک میں نے مذہبی اصولوں کو مذہبی اصول
سمجھ کر نہیں بلکہ پارٹی کے نقطہ نظر سے سمجھنے کی کوشش کی ہے۔

"اسی لئے تو انسان کے لئے مذہب باعث کشش نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس
وقت انسان مذہب کو محض ایک دولت، عزت یا مہر جیسی چیز سمجھنے لگتا ہے۔
ٹھیک کہتی ہو ماں۔ ہم اتنے صحیح معنوں میں مذہب نہیں سمجھتے۔ لیکن آپس
میں لڑتے ہیں اس بات پر کہ اپنے مذہب کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔ آج تک
میں نے جو کچھ کہا ہے۔ لیکن کبھی اپنے آپ کو مکمل طور پر دھوکا نہیں دے سکا۔ چونکہ

میرے اندر ایک بناوٹی بھروسہ رہا ہے۔ اس لئے مجھے اس بات پر شرم بھی آتی ہے۔
 آئندہ موتی نے کہا۔ تو کیا تم سمجھتے ہو میں یہ سب نہیں سمجھتی۔ تم نے عام آدمیوں
 کی نسبت زیادہ باتیں گھڑی ہیں تمہارے اندر ایک کھوکھلا پن ہے۔ اس لئے اس
 جگہ کو بھرنے کے لئے تمہیں کافی سالہ کی ضرورت پڑتی تھی۔ اگر تم کو سچا عقیدہ
 ہوتا تو تمہیں یہ سب نہ کرنا پڑتا۔

”بہی میں آپ سے پوچھنے کے لئے آیا ہوں کہ جب میرے اندر دشواں
 ہے ہی نہیں تو پھر اس کے لئے بہانہ کرتے رہنا کہاں تک مناسب ہے۔“
 ”کیا یہ پوچھنا بھی ضروری تھا“ آئندہ موتی نے کہا۔
 ”ماں کل میں برہمچاری بن جاتوں گا۔“

یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ برہمچاری۔! وہ بہت حیران ہوئیں۔ اس کی کیا ضرورت
 ہے۔

”اس کی ضرورت میں آپ کے سامنے ابھی ابھی بیان کر چکا ہوں ماں۔“
 ”صرف اسی دشواں کے ساتھ جتنا تمہارے اندر موجود ہے۔ کیا تم اپنے
 دھرم پر قائم نہیں رہ سکتے۔؟“

”اگر میں ایسا کروں تو کیا یہ اپنے سماج کو دھوکا دینا نہیں ہوگا۔“
 ”دھوکا دیتے ہوئے بھی کیا تم سماج کے اندر رہنے کی جرأت نہیں کر سکتے۔“
 آئندہ موتی نے پوچھا۔ لوگ تمہیں اس میں کوئی شک نہیں بہت دکھ دیں گے لیکن
 کیا تم دکھ بالکل برداشت نہیں کر سکو گے۔“

”ہوئے نے کہا۔“ اگر میں ہندو دھرم کے اصولوں کے مطابق نہ رہ سکوں
 تب.....

اگر تیس کروڑ لوگ رہ سکتے ہیں تو تم کیوں نہیں رہ سکتے۔

لیکن ماں اگر سماج مجھے قبول نہ کرے تو کیا میں زبردستی بھی ہندو رہ سکتا

ہوں۔؟

آنند موئی نے جواب دیا۔ میرے سماج کے لوگ مجھے عیسائی کہتے ہیں۔
لیکن میں اُن لوگوں کے ساتھ کبھی اٹھتی بیٹھتی نہیں کیا۔؟

نبوتے کوئی جواب دینے والا ہی تھا کہ آنند موئی نے اسے اور کچھ کہنے
سے روک دیا۔ یہ ایسی بات نہیں ہے جس کے لئے منطق پیش کی جاتے۔ ایسے
اہم موضوع پر بیکار بحث کرنی بھی نہیں چاہئے۔ تم سمجھتے ہو تم مجھ سے کوئی بات
چھپا لو گے۔؟ میں دیکھ رہی ہوں تم مجھ سے بحث کرنے کے بہانے سے خود
کو دھوکا بھی دے رہے ہو۔ لیکن اتنے بڑے سوال پر اپنی آنکھوں میں دھول
منت جھونکو۔

نبوتے سر جھکا کر بولا۔ لیکن ماں میں تو اپنی ایک درخواست بھی لکھ کر دے
چکا ہوں کہ مجھے اس اتوار کو اپنے دھرم میں شامل کر لیں۔

”اس بات کی اجازت کبھی نہیں دے سکتی۔ آنند موئی تیسوری چڑھا کر بولی“
”اگر تم پارلش بابو کو سمجھا دو تو وہ مذہب تبدیل کرنے کے لئے کبھی تم
سے اصرار نہیں کریں گے۔“

پارلش بابو نے اس کے لئے کبھی زیادہ خواہش ظاہر نہیں کی۔ وہ اس کام
میں کوئی حصہ بھی نہیں لیں گے۔

”تب تو تمہیں زیادہ فکر بھی نہیں کرنی چاہئے۔“

”نہیں ماں“ نبوتے زور سے بولا۔ اب بات پکی ہو چکی ہے اسے بدلا

نہیں جاسکتا۔

”کیا تم نے گورا سے کبھی پوچھا۔؟“

”لیکن وہ اس وقت لو گھر میں ہے“

”نہیں“ بنو سنے بولا۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ وہ سچا رہتا ہے گھر گیا ہوا ہے وہاں توکل بھی گیا تھا۔ آئندہ موئی نے حیرانی سے کہا۔
”وہ آج بھی وہیں گیا ہے۔“

جب وہ یہ کہہ رہا تھا اُسی وقت کہا روں کی ایک پاکی اٹھا کر لے آئے کی آواز سنائی دی۔ بنو سنے یہ سمجھ کر کہ شاید آئندہ موئی کی کوئی رشتہ دار عورت آئی ہے وہ باہر چلا گیا۔ لیکن وہ لو لٹا تھی جس نے اندر آکر آئندہ موئی کو پر نام کیا۔ اس کی آمد بالکل غیر متوقع تھی۔ آئندہ موئی نے یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ اور سمجھ گئیں کہ بنو سنے کے برہمنوں نے اس کے معاملے میں کوئی بات ایسی ہو گئی ہے جس کے لئے اسے آنا پڑا۔

انہوں نے بہت سی سوچ سمجھ کر بات شروع کی۔ بیٹی تمہیں دیکھ کر میں بہت خوش ہوئی۔ بنو سنے بھی ایک لمحہ پہلے یہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بتا رہا تھا کہ کل وہ تمہارے مذہب میں شامل ہو جائے گا۔

”لیکن وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں“ لو لٹا نے بے چین ہو کر پوچھا۔ کیا اس کے لئے کوئی خاص مجبوری ہے؟

”کیا کوئی مجبوری نہیں؟“ آئندہ موئی نے حیران ہو کر پوچھا

”میرے خیال میں تو کوئی بھی نہیں۔“

آئندہ موئی کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ وہ سوالیہ نشان بنی لو لٹا کی طرف دیکھتی

رہیں۔

”ان حالات میں اچانک دھرم تبدیل کر دینے سے ان کا دل دُکھے گا۔ لو لٹا

نے نظر جھپکا کر کہا۔ وہ آخر کس مقصد کے لئے ایسا کر رہے ہیں۔“

”کس مقصد کے لئے“ کیا لو لٹا کو معلوم نہیں۔ کیا اس سے وہ بالکل خوش نہیں ہوگی؟

آنند موئی نے سوچا۔ پھر لو لٹا سے پوچھا۔ کل کا دن تو مقرر ہو چکا ہے اور بتوتے کہتا ہے کہ وہ اب اپنی بات سے پھر نہیں سکتا۔
یہ سن کر لو لٹا کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ بولی، ”ایسے معاملوں میں اپنا وعدہ توڑ دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔ اگر ایسا کرنا ضروری ہو جائے تو بات سے پھر ہی جانا چاہئے۔“

آنند موئی بولی — ”بیٹی میرے سامنے شرم کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں بھی تم سے صاف کہے دیتی ہوں کہ جہاں تک بتوتے کو سمجھا ہے اس کے اپنے دھرم کے بارے میں کیسے بھی خیالات ہوں لیکن اس احترام دھرم کو چھوڑنے کی توطئہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ اپنے منہ سے جو کچھ بھی کہتا پھرے لیکن میں اس کا اعتبار نہیں کرتی کہ وہ دل سے ایسا کہتا ہے۔ لیکن بیٹی تم تو اس کے خیالات سے بے خبر نہیں ہو۔ اسے اس بات کا یقین ہو چکا ہے کہ جب تک ایسا نہیں کرے گا تم سے اس کی شادی نہیں ہو سکے گی۔ شرم اور مت بیٹی۔ مجھے صاف صاف بتا دو کیا ایسا نہیں ہے؟“

”ہاں“ لو لٹا آنند موئی کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔ میں آپ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گی۔ مجھ پر بھروسہ کیجئے۔ میں ایسے خیالات کو قبول نہیں کر سکتی۔ میں بہت سوچ کر اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ محض کسی سے شادی کرنے کے لئے انسان اپنے دھرم، خیالات اور سماج سے الگ ہو جائے چاہے وہ کتنے ہی اس سے مختلف کیوں نہ ہوں۔ یہ کسی طرح سے بھی ضروری نہیں ہو سکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ایک ہندو اور ایک عیسائی میں کبھی دوستی پیدا

نہ ہوتی۔

آئسٹ روٹی خوش ہو کر کہنے لگیں۔ تمھاری بات سن کر مجھے بڑی خوشی ہوئی بیٹی۔ میں بھی یہی کہا کرتی ہوں۔ انسان اپنی طبیعت شکل اور صورت میں ایک دوسرے سے مخالف ہوتے ہیں۔ اور ان کی دوستی کے درمیان کوئی رکاوٹ بھی نہیں رہتی۔ تو پھر دھرم اور خیالات کے معاملے میں رکاوٹ کیوں پڑے۔ مجھے معلوم ہے وہ تمھیں اپنا دل دے چکا ہے۔ اگر تمھیں کوئی دکھ پہونچا تو اسے بھی چوٹ لگے گی۔ بھگوان جانتا ہے اس کو پریشان دیکھ کر مجھے کتنی تکلیف پہونچتی ہے۔ لیکن پھر بھی وہ بہت ہی خوش قسمت ہے کہ اتنی بڑی مشکل سے اتنی آسانی سے نکل جانا کوئی معمولی بات نہیں ہو سکتی۔ تم سے ایک سوال پوچھوں؟ کیا یہ معاملہ پاریش بابو کو بھی بتایا گیا ہے؟

لو لتا نے جواب دیا۔ ”جی نہیں“ لیکن مجھے یقین ہے وہ اس کی ہر بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں۔

آئسٹ روٹی نے کہا۔ اگر وہ نہیں سمجھتے ہوتے تو تمھیں اتنی عقل اور ارادے کی طاقت کہاں سے ملی؟ میں بنوئے کو ابھی بکاتی ہوں۔ تم دونوں ایک دوسرے سے بات کر کے کوئی فیصلہ کر ڈالو۔ میں اس کو بچپن سے جانتی ہوں اور قسم کھا کر کہہ سکتی ہوں کہ وہ تمھاری ہر مصیبت کا بار سہہ سکنے کے قابل ہے جو تم اس کی خاطر مول لو گی۔ ایک اور جگہ اس کی شادی کی بات چل رہی تھی لیکن وہاں میرا دل نہیں مانا۔ کچھ میں دیکھتی ہوں کہ اس کی قسمت بھی بہت سیٹی نہیں ہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے لو لتا کے گال پر بوسہ دیا، اور بنوئے کو بلانے کے لئے چلی گئیں۔ اس کے

بعد اس نے بہت ہوشیاری سے گھر کی نذرانی کو بھی ان دونوں کے علاوہ کمرے میں چھوڑ دیا۔ اور خود لو لٹا کے کھانے کے لئے کچھ بنانے کے بہانے سے باہر چلی گئیں۔

آج لو لٹا اور نبوے کے لئے شرم اور جھجک کا موقع نہیں تھا۔ جس مشکل مسئلے نے اپنے دل کے لئے ان دونوں کو آج اکٹھا کر دیا اس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے کے رشتے کو بھی سمجھ رہے تھے۔ اس موقعے کو وہ ضائع نہیں کر سکتے تھے۔ اُن کے گہراتے ہوئے جذبات کی وجہ سے اُن کے درمیان کوئی دیوار بھی موجود نہیں تھی۔ خاموشی سے محبت سے بغیر کسی بحث اور جھجک کے انھوں نے اس بات کو قبول کر لیا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔ ان کی زندگیوں کی تیز لہریں ایک دوسرے کی نرت گنگا جمن کی طرح باہم مل جانے کے لئے بے چین ہو کر اٹھ رہی تھیں۔ انھیں نہ سماج نے بلایا تھا، نہ ہی کسی دھرم و شواس نے انھیں بلایا تھا۔ اُن کا بندھن بناوٹی نہیں تھا۔ جب انھیں حقیقت کا احساس ہوا تو یہ بھی سمجھے کہ انھیں دراصل ملانے والا مذہب ہی تھا۔ وہ مذہب جو بہت گہرا اور سچائی پر مبنی تھا۔

لو لٹا بولی۔ اگر آپ خرد کو گرا کر مجھے قبول کریں گے تو میں اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکیں گی۔ آپ جہاں ہیں وہیں پر جے رہتے ہیں یہی چاہتی ہوں۔ اس کی آنکھوں میں اور چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک تھی۔

نبوے اس کی بات مانتے ہوئے بولا۔

تم بھی وعدہ کرو کہ جہاں کھڑی ہو وہاں سے بالکل نہیں ہٹو گی۔ اگر محبت اختلافات کی پرواہ نہیں کرتی تو پھر دنیا میں اتنے اختلافات کیوں ہیں؟

وہ تقریباً بیس منٹ تک بات کرتے رہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ دونوں ہی اس بات کو بھول گئے۔ وہ ہنس دیا برہمویں۔ وہ صرف انسان ہیں۔ صرف یہی خیال ان کے دل میں مضبوطی کے ساتھ جما تھا۔ روشن اور تابناک شعلے کی طرح۔ جو ادھر ادھر ذرا بھی نہ پہلے۔

باسٹھواں باب

شام کی عبادت سے فارغ ہو کر پارٹیش بابو اپنے کمرے کے سامنے
برآمدے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بالکل خاموش تھے اور سورج ڈوبنے
کے قریب تھا۔ اس وقت بنوئے لوتا کے ساتھ اُن کے پاس آیا اور قدم
چھونے کے لئے اُن کے سامنے جھک گیا۔

پارٹیش بابو ان دونوں کو اس طرح اکٹھے آنے دیکھ کر حیران ہوئے
وہاں اُن کو بٹھانے کے لئے اور کرسیاں بھی نہیں تھیں۔ بولے چلو اندر
بیٹھیں۔

بنوئے بولا۔ جی نہیں، آپ بیٹھے رہتے۔ یہ کہہ کر وہ نیچے فرش پر
ہی بیٹھ گیا۔ اور لوتا بھی پارٹیش بابو کے قدموں میں بیٹھ گئی۔

بنوئے نے کہا۔ ہم دونوں آپ سے آشر باد لینے کے لئے آئے
ہیں۔ یہی ہمارا سچا دھرم ہے اور ہو گا۔

جب پارٹیش بابو نے اس کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا تو وہ کہنے
لگا۔

میں سماج کے سامنے ایسی کوئی قسم نہیں کھاؤں گا جو مجھے اپنے تاعدیل
میں باندھیں۔ اور الفاظ کے ساتھ مجھے باندھ کر رکھ لیں۔ آپ کا آشر باد ہی
ایسا دھرم ہے جو ہم دونوں کو ایک سچے اور پوتر بندھن میں باندھ سکتا ہے
اگر ہماری قسمت میں کچھ شکہ لکھا ہوا ہے تو آپ کے ذریعہ ہمیں ضرور مل جائیگا۔

پارلش بابو نے کچھ دیر خاموش رہ کر پوچھا۔ تو کیا تم برہموسماج میں شامل نہیں ہو رہے ہو۔

”جی نہیں“ اس نے جواب دیا۔

”تم ہندو ہی رہنا چاہتے ہو۔“

”جی ہاں۔“ بولتے ہوئے جواب دیا۔

یہ سن کر پارلش بابو نے لو لٹا کی طرف دیکھا۔ لو لٹا اُن کا مطلب سمجھ کر بولی۔ میرا جو دھرم ہے وہی ہے اور ہمیشہ میرا ہی رہے گا۔ ہو سکتا ہے مجھے اس کی وجہ سے دُکھ اور تکلیفیں اٹھانی پڑ جائیں۔ لیکن جس دھرم کے ساتھ میرے کردار کا اختلاف ہو اُسے میں کبھی نہیں برداشت کر سکوں گی۔ اپنے باپ کو خاموش دیکھ کر وہ پھر بولی۔ میں سمجھتی تھی مرنیا میں برہموسماج ہی ایک دھرم ہے۔ اس کے علاوہ ہر ایک دھرم محض ایک سایہ ہے۔ اس سے علیحدگی سچائیوں سے علیحدگی کے برابر ہوگی لیکن کچھ دن پہلے میرے دل میں سے یہ خیال ختم ہو گیا ہے۔

پارلش بابو مسکراتے۔ خاموش رہے۔ اُن کی مسکراہٹ میں اُدا سی بھی جھلک رہی تھی۔

لو لٹا کہتی رہی۔۔۔ میں آپ کو نہیں سمجھا سکتی کہ مجھ میں کتنی بڑی تبدیلی آچکی ہے۔ ہمارے برہموسماج میں ایسے کتنے لوگ ہیں جنہیں میں پسند نہیں کرتی۔ لیکن ان کے اور میرے دھرم کے بارے میں خیالات ایک سے ہیں۔ میں اس بات کو بالکل بے معنی سمجھتی ہوں کہ جو لوگ میرے مذہب میں شامل ہیں وہ تو میرے اپنے ہیں۔ لیکن دوسرے سب لوگ بالکل غیر ہیں۔

پارٹش بابو اپنی باغی لڑکی کی پیٹھ کھینچا کر بولے۔ جب انسان کا دل اپنے ذاتی فائدے کے لئے چوٹ کھایا ہوا ہو تو کیا اس سے ٹھیک ٹھیک فیصلے کی امید کی جاسکتی ہے؟ انسان میں ماضی اور مستقبل کا ایک تسلی تسلسل بھی ہوتا ہے جس کی حفاظت کے لئے مذہب اور سماج کی ضرورت پڑتی ہے۔ تم نے اس بات پر غور نہیں کیا۔ یہ تمہارا سماج ہی ہے۔ جس پر مستقبل میں آنے والی کئی نسلوں کا انحصار ہے۔

”ہندو دھرم موجود ہے“ بنوتے بیچ میں بول پڑا۔

پارٹش بابو نے پوچھا۔ اگر ہندو دھرم ذمہ داری اٹھانا پسند نہ کرے؟ انکار کر دے تو؟

یہ اسے ذمہ داری اٹھانے کے لئے مجبور کریں گے۔ ”آئندہ موتی کے الفاظ یاد کر کے اس نے جواب دیا۔“ ہندو دھرم نے نئے نئے فرقوں کو ہمیشہ پناہ دی ہے۔ یہ سب فرقوں کا ایک بڑا سماج ہے۔

پارٹش بابو نے اعتراض کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔۔ یہ صرف رہائی بائیں ہیں۔ جب عمل کا وقت آتا ہے تب یہ بالکل مختلف معلوم ہونے لگتا ہے۔ درنہ کوئی اپنے پُرانے دھرم کو کیوں چھوڑتا۔ جب انسان ایک ایسے دھرم سے وابستہ ہو جاتے جو دوسروں کو ان کے مذہبی خیالات کی وجہ سے زنجیروں کے ذریعہ اپنے ساتھ باندھ کر رکھے تو پھر تو وہ محض کٹھ پتلی ہو کر رہ جاتے گا۔

اگر ہندو دھرم کے اندر ایسی ہی تنگدلی موجود رہی تو ہم اُسے دور کرنے کی ذمہ داری لیتے ہیں۔ بنوتے نے جواب دیا۔ ”زیادہ ہوا اور روشنی حاصل کرنے کے لئے کوئی اپنے مکان کو گرا نہیں دیتا۔ اس کے دروازوں اور کھڑکیوں کو چھوڑا کرتا ہے۔ اور بڑا کرتا ہے۔“

لوتا نے کہا۔ پتاجی "میری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آ رہی ہیں۔ میں نے کبھی سماج کو اونچا اٹھانے کی ذمہ داری اپنے سر نہیں لی۔ لیکن ہر طرف سے مجھ پر اتنا ظلم ڈھایا جاتا رہا ہے کہ میری سانس گھٹنے لگی ہے۔ اوز میں کوئی وجہ نہیں دیکھتی کہ اس کے خلاف میں اپنی آواز بلند نہ کروں۔ میری سمجھ میں یہ بات بھی صاف صاف نہیں آتی کہ میں کیا کروں در کیا نہ کروں۔ لیکن پتاجی مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا۔"

پارلش بابو بڑی نرمی سے بولے۔ ابھی تمہارے دل میں پھل مچی ہوئی ہے اس لئے سوچنے کے واسطے تم کچھ اور وقت لے لو۔

"مجھے اور وقت لینے میں کوئی اعتراض نہیں ہے" لوتا نے کہا۔ لیکن یہ بات میرے دل میں پوری طرح بیٹھ چکی ہے کہ جھوٹ اور ظلم میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا۔ اور میں ڈرتی ہوں کہ کبھی غصے میں آ کر کوئی ایسا کام نہ کر بیٹھوں جس سے آپ کا دل بہت دکھی ہوا اٹھے۔ "پتاجی" یہ مت سوچتے کہ میں نے اس بات پر بالکل غور ہی نہیں کیا ہے۔ میں صاف صاف دیکھ سکتی ہوں کہ اپنی تعلیم اور خیالات کی وجہ سے ہی مجھے برہمن سماج کے باہر صیبتیں اور بدنامی اٹھانی پڑ جائے گی۔ لیکن میں کسی طرح کی جھجک یا خوف محسوس نہیں کرتی بلکہ مجھے ایک قسم کی طاقت اور خوشی کا احساس ہوتا ہے۔ مجھے صرف اسی ایک بات کی فکر ہے کہ کہیں میری وجہ سے آپ کو تکلیف نہ پہونچے۔ یہ کہہ کر لوتا نے پارلش بابو کے پیر چھو لئے۔

"بیٹی" پارلش بابو نے آہستہ سے ہنستے ہوئے کہا۔ اگر میں صرف اپنی عقل پر ہی بھروسہ کروں تو اپنے سامنے ہونے والی باتیں دیکھ کر مجھے افسوس بھی ہو گا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ جو تم نے اچانک یہ صدمہ محسوس کیا ہے۔ وہ تمہارے لئے واقعی بُرا بھی

ہے۔ میں بھی ایک دفعہ باغی ہو کر گھر سے نکل آیا تھا۔ ایک لمحے کے لئے بھی یہ سوچے اور سمجھے بغیر کہ اس سے مجھے تکلیف ہوگی یا آرام، ہمارے سماج پر یہ جو بار بار حملے ہو رہے ہیں۔ اس سے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ بھگوان کی اپنی مرضی سے ہی ہو رہا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس طرح کی توڑ پھوڑ سے بھگوان کو نسا نتیجہ برآمد کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے نزدیک برہمنو سماج کیا ہے۔ ہندو دھرم کیا ہے۔ وہ صرف انسان کو پہچانتا ہے اتنا میں جانتا ہوں۔

وہ کچھ دیر کے لئے آنکھیں بند کر کے بالکل خاموش ہو گئے۔ اپنی عبادت میں کھو گئے۔ اور کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولے۔ دیکھو نبوتے۔ ہمارے ملک کا سماجی نظام مذہبی خیالات کے ساتھ بندھا ہوا ہے اس لئے سماجی معاملوں میں مذہبی رسومات کا بھی بہت کچھ بانٹا ہوتا ہے۔ تم یقیناً اپنے مذہبی حلقے میں کسی دوسرے کو نہیں لے جا سکو گے۔ جس کا اس حلقے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

لوہا کی سمجھ میں بات نہیں آ سکی۔ کیونکہ اس نے سماج اور دوسرے کسی مذہب کے رسم و رواج کو کبھی دیکھا نہیں تھا۔ وہ سمجھتی تھی۔ ان کے رسموں اور رواجوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ جیسے نبوتے اور اس کے درمیان فرق کو نظر انداز کیا جاسکتا تھا۔ تو مختلف سماجوں کے باہمی فرق کو بھی بدلا جاسکتا تھا۔ دراصل وہ اس بات کو جانتی ہی نہیں تھی کہ ہندو رسومات کے مطابق شادی کرنے میں ایک خاص رکاوٹ بھی موجود تھی۔

نبوتے نے پوچھا۔ آپ ہماری اس رسم کی طرت اشارہ تو نہیں کر رہے ہیں جو شادی کے وقت بھگوان کی مورتی کے سامنے بٹیکہ کرادیا جاتی ہے۔

ہاں وہی۔ پاریش بابو نے لولتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا لولتا اس کے لئے رضامند ہو سکے گی۔

نبوتے نے لولتا کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے سے یہ جان پڑتا تھا کہ یہ بات سن کر اس کی روح بھی کانپ گئی تھی۔

وہ جذبہ باقی ہو کر ایک ایسی جگہ جا پہنچی تھی جو اس کے لئے بالکل اجنبی تھی۔ اور قدم قدم پر گڑھیوں سے بھری ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر نبوتے کا دل رحم کے جذبات سے بھر گیا۔ اور اس نے محسوس کیا۔ وہ لولتا پر ہونے والے ہر ایک وار کو اپنے اوپر لے کر اُسے بچالے گا۔ فتح پانے کے لئے ایسا جوش و خروش مخالفوں کے مہلک تیروں کا مقابلہ کرتے کرتے اگر شکست میں تبدیل ہو گیا تو کس قدر افسوسناک ہو گا۔ وہ لولتا کی نہ صرف جیت ہی چاہتا تھا بلکہ اُسے بچانے کے لئے خواہش بھی رکھتا تھا۔

لولتا کچھ دیر تک سر جھکاتے بیٹھی رہی پھر نبوتے کی طرف دیکھ بولی۔ کیا آپ کا مورتی پوجا پر گہرا وشواس ہے۔

نبوتے ایک لمحہ کے توقف کے بعد کہہ اٹھا۔ نہیں میں تو نہیں مانتا یہ موتی کوئیں نے بھگوان کبھی نہیں سمجھا۔ صرف ایک سماجی رواج سمجھتا ہوں۔

لولتا نے پوچھا۔ جس چیز کو آپ زبان سے بھگوان کہتے ہیں۔ دل میں اُسے محض ایک رواج کا نام دیتے ہیں۔

نبوتے پاریش بابو کی طرف دیکھ کر بولا۔ میں شادی کے وقت ہاں مورتی کو رکھنے ہی نہیں دوں گا۔

اپنی کرسی سے اٹھ کر پاریش بابو بولے نبوتے تم نے ہر بات کو ابھی پوری طرح نہیں سوچا ہے۔ یہ صرف تمہارے یا کسی دوسرے کے خیالات کا ہی

معاملہ نہیں ہے۔ شادی کسی کا ذاتی معاملہ نہیں ہوتا بلکہ سماجی ہوتا ہے۔ تم اس حقیقت کو کیوں بھول جاتے ہو۔ جلدی مت کرو۔ ٹھنڈے سے دل سے غور کر لو۔

یہ کہہ کر پارٹش بابا اپنے باغ میں چلے گئے اور ادھر ادھر ٹہلنے لگے۔ لولتا بھی وہاں گھوم کر نبوتے سے بولی۔ میں یہ بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں جس کو کرنے کے لئے ہماری خواہش نہیں ہے۔ اسماج کے محض خوف کی وجہ سے پراکھا جاتے۔ اس سے تو یہ ثابت ہوا کہ سماج کے دل میں ایک غلط رویہ کے لئے وجہ ہو سکتی ہے لیکن جو سچائی پر مبنی ہے اس کے لئے ہرگز نہیں۔

نبوتے آہستہ آہستہ چلتا ہوا لولتا کے قریب آ گیا۔ اس کے سامنے کھڑا ہو کر بولا۔ میں کسی سماج سے نہیں ڈرتا ہوں۔ اگر ہم دونوں ایک ہو کر صرف سچائی کی گود میں چلے جاتے ہیں تو پھر اس سے بڑا اور سماج کو نسا ہو سکتا ہے۔

اسی لمحے بردوادیلوی ایک طوفان کی طرح اندر داخل ہوئیں۔ اور دونوں کے سامنے رک کر بولیں۔ نبوتے میں نے سنا ہے کہ تم دھرم تبدیل نہیں کرو گے۔ کیا یہ سچ ہے؟

”میں دھرم تبدیل نہیں کروں گا۔ نبوتے نے جواب دیا۔ لیکن کسی قابل گرو کی مدد سے۔ اس سماج کے ہاتھوں نہیں۔“

بردوادیلوی غصے میں چلا پڑیں۔ آخر اس دعوے کے اور فریب کا مطلب کیا ہے۔ تم نے مجھے اور سماج کو یہ کہہ کر بیوقوف کیوں بنایا ہے کہ تم دھرم تبدیل کر لو گے۔ کیا تمہیں اس بات کا خیال نہیں آیا کہ اس سے لولتا کی

زندگی تباہ ہو جائے گی۔

”ماں تم نے اخبار میں دیکھا ہو گا کہ برہمن سماج کے سب لوگ نبوتے بابو کو اپنے دھرم میں لانے کے لئے ایک راتے نہیں رکھتے۔ پھر؟ ایسی حالت میں دھرم میں لئے جانے کی کیا ضرورت ہے؟ لولتا بچہ ہیں بولی۔“
برہمن نے کہا۔ اگر یہ دھرم نہیں بد لے گا تو یہ شادی کیسے ہوگی۔
کیوں نہیں ہو سکے گی ”لولتا نے پوچھا“

”تو کیا تم ہندو رسم و رواج کے شادی کرو گی۔ برہمن بولی۔
نبوتے نے کہا۔ یہ ہو سکتا ہے۔ میں سب رکاوٹیں دور کر دوں گا۔
ایک لمحے کے لئے برہمن دیوی بٹ بنی رہ گئی۔ پھر بڑی سختی سے کہنے لگیں ”نکل جاؤ نبوتے۔ میرے گھر سے فوراً نکل جاؤ۔ پھر یہاں کبھی مت آنا۔“

تڑپٹھوال باب

سچا ریتا جانتی تھی کہ گورا آج ضرور آئے گا۔ صبح سے ہی اُس کے دل میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔ گورا پر پڑانے رواجوں کا گہرا اثر تھا۔ اس کا پورا بچپن ہی ایسے ماحول میں گزرا تھا۔ قدم قدم پر سچا ریتا کے دل میں اس بات کے خلعت جنگ شروع ہو جاتی تھی۔ گورا اُسے اپنی طرف کھینچتا جا رہا تھا۔ اسی وجہ سے وہ بے چین بھی رہتی تھی۔

کل گورانے اس کی مثال کے کمرے میں ٹھاکر جی کی مورتی کے سامنے جھک کر پرنام کیا تھا۔ سچا ریتا کو یوں لگا تھا جیسے کسی نے اُسے چھرا گھونپ دیا ہو۔ اس نے بہت سوچا۔ کیا ہوا اگر گورا مورتی پو جا کیا کرتا ہے۔ اگر اس کا یہی ایمان ہے تو اس میں تیری بات یہ کہہ کر وہ اپنی ڈھارس نہیں بندھا سکتی تھی۔ اپنے دل کو قائل نہیں کر سکتی تھی۔

جب کبھی وہ گورا کے رویہ میں کوئی ایسی بات دیکھ لیتی تھی جس کا تعلق اس کے مذہبی خیالات سے ہوتا تو وہ صرف خوں سے کانپنے لگتی تھی۔ حالانکہ خود اس کی زندگی میں ایک اس دھرم کی جڑیں بہت گہری جا چکی تھیں۔ آخر خدا اسے کہاں تک آزمانا چاہتا تھا۔

ہری موہنی آج پھر گورا کو اپنے اس کمرے میں لے گئی جس میں ٹھاکر جی کی مورتی رکھی ہوئی تھی۔ تاکہ وہ سچا ریتا کے سامنے ایک اچھی مثال پیش کر سکے وہ اپنے جدید خیالات کی وجہ سے کھنچی کھنچی رہتی تھی۔ گورانے آج بھی مورتی کے سامنے

سر جھکایا۔ سچا رہتا جیسے ہی گورا کو نیچے کی بیٹھک میں لے کر پہنچی تو اس نے گورا سے پوچھا۔ کیا آپ مورتیوں کو مانتے ہیں۔

”ہاں یقیناً“

گورا کے جواب سے اُسے چوٹ لگی لیکن وہ سر جھکاتے کھڑی رہی۔ اُسے اس طرح نرمی سے سر جھکاتے اور اس کے تلخی سے بھرے ہوئے جواب کو برداشت کرتے دیکھ کر گورا کو بھی ایک صدمے کا احساس ہوا۔ وہ بہت جلدی سے بولا: دیکھو میں تمہیں سچ مچ بتا رہا ہوں۔ میرا مورتیوں پر ایمان ہے یا نہیں، ٹھیک ٹھیک نہیں کہہ سکتا۔ لیکن میں اپنے دلش کے دشوار کی قدر کرتا ہوں جس پوجا کا سارا دلش صدیوں سے ہر چار کرتا چلا آ رہا ہے۔ وہ کوئی ایسی چیز ضرور ہے جسے میں عزت کے قابل سمجھتا ہوں۔ عیسائی پادریوں کی طرح میں اس سے نفرت نہیں کر سکتا۔

سچا رہتا اُسے کھوتی ہوئی نظروں سے دیکھتی رہی اور گورا کہتا رہا۔ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ اُسے تمہارے لئے سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس بات کا مجھے احساس ہے کہ تم سب کو سب چیزوں کو سمجھنے کی شکتی کھو چکی ہو۔ جب تم اپنی مثال کے کمرے میں مورتی رکھتی دیکھتی ہو تو اُسے محض ایک پتھر ہی سمجھتی ہو لیکن مجھے اس مورتی میں تمہاری مثال کا بھگتی بھاتو سے بھرا ہوا نرم دل دکھائی دیتا ہے۔ یہ دیکھ کر میں کیسے ناراض ہو سکتا ہوں یا دل میں نفرت پیدا کر سکتا ہوں؟ کیا دل کا دیوتا ایک پتھر کا دیوتا ہو سکتا ہے؟

”کیا بھگتی کرنے سے ہی سب کام بن جاتے ہیں۔ سچا رہتا نے پوچھا۔ کیا یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ بھگتی کس کی جاری ہے؟“

گورا نے تدریسے جوش کے ساتھ کہا۔ تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ کسی چیز کو خدا مان کر

اس کی پوجا کرنا غلط ہے۔ لیکن کیا اس کی حد کا فیصلہ وقت اور ملک ہی کر سکتے ہیں۔ یاد کرو۔ جب تم کوئی شاستر کا اشلوک دہراتی ہو تو تمہارے دل میں ایک عقیدت کا جذبہ سا پیدا ہونے لگتا ہے یا نہیں۔ لیکن وہی اشلوک کسی کتاب کے صفحے پر لکھا ہوا ہو تو تم کیا اس صفحے کی لمبائی چوڑائی اور ان حروف کو گننے لگتی ہو۔ جن سے مل کر وہ اشلوک بنے ہیں۔ ان مذہبی خیالات کے پیچھے جو نصیحتیں رکھی گئی ہیں۔ وہ اپنی گھیری ہوئی جگہ سے کہیں بڑی ہیں۔ وہ مورتی تمہاری موسیٰ کے نزدیک لا محدود آسمان کے سورج چاند اور ستاروں سے بھی کہیں زیادہ لا محدود ہے۔ چونکہ تم لا محدود کر اس کی پیادش کے لحاظ سے لا محدود کہتی ہو۔ اس لئے اس کا اندازہ کرتے وقت تمہیں اپنی آنکھیں بند کر لینی پڑتی ہیں۔ میں نہیں جانتا تمہیں اس سے کچھ ملتا ہے یا نہیں۔ لیکن دل کی لا محدودیت مورتی جیسی چھوٹی چیز کے اندر بھی دیکھی جاسکتی ہے۔ اگر ایسی بات نہ ہوتی تو تمہاری خالہ کا ایمان اب تک کیسے قائم رہ سکا۔ زندگی کی ساری خوشیاں ختم ہو چکی تھیں۔ اگر یہ محض کہیں ہوتا۔ تو کیا اس کے دل کے اندر کی اتنی وسیع خلا اس چھوٹے سے پتھر سے پُر ہو سکتی تھی۔ انسان کے روحانی خلا کو اس کے خیالات کی وسعتیں ہی پُر کر سکتی ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔

سچا ریتا کے لئے ان تمام اسی درجے کی دیلوں کا جواب دینا ناممکن تھا۔ لیکن پھر بھی وہ خود کو تیار نہیں پاتی تھی کہ ان کو سچا سمجھے۔ کوئی اور چارہ نہ دیکھ کر وہ چُپ ہو گئی۔

بحث کرتے وقت گورا اپنے مخالفین کے دل کی کوئی پروا نہیں کرتا تھا بلکہ انہیں دیکھ کر اس کے دل میں ایسا غصہ پیدا ہو جاتا تھا جو اپنے شکار کو دیکھ کر کسی جانور میں ہو سکتا ہے۔ مگر آج سچا ریتا کو ایک لفظ بھی کہے بغیر ہارتا ہوا دیکھ کر

اُسے بہت دکھ ہوا۔ اور پہلے کی نسبت زیادہ نرمی اختیار کر کے کہنے لگا "میں تمہارے مذہب کو برا نہیں کہہ رہا ہوں۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جس خدا کو تم بڑے توہین آمیز الفاظ کے ساتھ سورتی کہتی ہو وہ دراصل کیا ہے۔ اسے صرف آنکھوں سے دیکھ کر نہیں سمجھا جاسکتا۔ جو اس کی مضبوط ارادے کے ساتھ بھگتی کرتے ہیں جن کے دل اس سے اطمینان حاصل کرتے ہیں جن کی فطرت کو اس کے اندر ایک پناہ مل جاتی ہے۔ صرف وہی لوگ اس بات کو جانتے ہیں کہ یہ سورتی فانی ہے یا لا فانی۔ محدود ہے یا لا محدود۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ ہمارے دیش کا کوئی بھی بھگت کسی محدود چیز کی پوجا نہیں کرتا۔ حدود کو صوروں کے اندر ہی کھودینے سے پوجا کی خوشی ملتی ہے۔

سچا ریتانے کہا۔ لیکن ہر شخص تو بھگت نہیں ہو سکتا۔

گورا نے جواب دیا۔۔۔۔۔ جو بھگت نہیں وہ کس کی پوجا کرتا ہے۔ یہ جاننے یا نہ جاننے سے نقصان یا فائدہ ہی کیا ہے۔ برہموسماج کے اندر جو سچے بھگت نہیں ہیں وہ کیا کرتے ہیں۔ ان کی ساری عقیدت ان کے کھوکھلے پن میں کھو جاتی ہے۔ ان لوگوں سے زیادہ خطرناک اور اس کھوکھلے پن سے زیادہ تباہ کن اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی ؟

جماعت بندی کا احساس ہی ان کا بھگوان ہوتا ہے۔ ان کے پادری ہی ان کا غرور ہوتے ہیں۔ کیا تم نے اپنے سماج ایسے خون کے پیاسے خدا کی پوجا نہیں دیکھی۔

سچا ریتانے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے پوچھا۔ جو کچھ آپ نے اپنے مذہب کے بارے میں کہا ہے۔ کیا وہ آپ کے اپنے تجربات ہیں۔ یس کرگورا مہنس پڑا۔ بولا۔ یعنی تم یہ جاننا چاہتی ہو کہ کبھی میں نے بھی

کھلونوں کی ضرورت محسوس کی ہے یا نہیں؟ نہیں میرا دل اس طرف کبھی مائل نہیں ہوا۔

یہ بات اس نے سچا ریتا کو خوش کرنے کے لئے کہی تھی۔ لیکن پھر بھی سچا ریتا کو ایک اطمینان سا نصیب ہو گیا۔ وہ اس لئے بھی خوش ہوئی کہ اب اُسے یہ پتہ چل گیا تھا کہ گورا اس موضوع پر پورے علم کی بنا پر بولنے کا حق نہیں رکھتا تھا۔

گورا نے کہا۔ میں کسی کو دھرم سکھانے کا حق نہیں رکھتا۔ لیکن میں اپنے دیش کے لوگوں کی بھگتی پر کسی کو ہنستا ہوا بھی برداشت نہیں کرتا۔ تم اپنے دیش کے لوگوں کو بیوقوف اور بُت پرست کہتی ہو۔ لیکن میں انھیں پکار پکار کر کہنا چاہتا ہوں۔ تم لوگ بیوقوف نہیں ہو۔ تم لوگ بُت پرست نہیں ہو۔ تم لوگ ذہین ہو۔ تم لوگ سچے بھاری ہو۔ ان لوگوں کا احترام کر کے میں اپنے دیش کی آمت کو جگانا چاہتا ہوں۔ تاکہ وہ اپنے دھرم کے اصولوں کی عظمت اور عقیدت کی گہرائی کا صحیح احساس کریں۔ میں ان کے احساسِ فخر کو ابھارنا چاہتا ہوں جو انھیں اپنی اس دولت پر ہونا چاہئے۔ میں انھیں حقیر نہیں بننے دوں گا۔ نہ انھیں سچائی کی طرف سے آنکھیں بند کرنے دوں گا۔ اور نہ ہی انھیں خود سے نفرت کرنے دوں گا۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔ اسی لئے میں آج تمہارے پاس آیا ہوں جب میں تم سے پہلی بار ملا، تو میرے دل میں ایک نئی لہر اٹھ اٹھی تھی۔ جسے میں اتنے دن تک بھلائے تھے بیٹھا تھا۔ میں یہ سوچتا رہتا ہوں کہ بھلاست کے صرف مردوں کو ہی اہمیت دے کر اس دیش کی حقیقی صورت نہیں دیکھی جاسکتی۔ اس کی مکمل سوسنوں کو ابھارنے کے لئے ضروری ہو گا کہ یہ دیش اپنی عورتوں کو بھی وہی اہمیت دے میرے دل میں یہ خواہش ہمیشہ جوش مارتی رہی کہ تمہارے ساتھ کھڑا ہو کر اس دیش کو

ایک مشترکہ نقطہ نظر سے دیکھوں۔ اپنے ویش کے لئے ایک مرد کی حیثیت سے صرف
 سہوا کر سکتا ہوں۔ اور بوقت ضرورت جان بھی دے سکتا ہوں۔ لیکن اپنے ویش
 کے سوا گت کے لئے مشعل جلا نے والا تھا۔ سوا اور کون ہو سکتا ہے؟ اگر
 تم ایک طرف ہٹ کر کھڑی ہو جاؤ گی تو اس کی صحیح خدمت کبھی نہیں کر سکو گی۔

عبادت کہاں تھی، سچا ریتا اس سے کتنی دُور کھڑی ہوئی تھی۔ بھارت کا
 یہ عقیدت مند۔ خود فراموش دیوانہ کہاں سے آیا ہے۔ اس نے ہر ایک کو
 کندھے مار مار کر کیوں ہٹایا اور سچا ریتا کے ساتھ کھڑا ہونے کے لئے جگہ کیوں
 بنائی ہے۔ اس نے کسی اور کو بلانے کی بجائے صرف سچا ریتا ہی کو کیوں پکارا
 ہے۔ بغیر کسی جھجک کے اور کوئی رکاوٹ محسوس کئے بغیر اس نے کہا تھا۔ تمہارا
 بغیر سب بے سود ہو گا۔ میں تمہیں ساتھ لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم
 جلا وطن رہو گی تو قربانی ادھوری ہی رہے گی۔

سچا ریتا کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں اور جب گورا نے اس کے
 چہرے کی طرف دیکھا تو اسے یوں نظر آیا جیسے کسی پھول پر شبنم کے قطرے
 گرے ہوئے ہوں۔

اگرچہ سچا ریتا کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز تھیں۔ اس نے بھی جواب
 میں اس کی خود فراموشی اور سکوت کی کیفیت میں دیکھا۔ اس کی نڈر اور بے خوف
 نظر کے سامنے گورا کا سارا وجود اس طرح سے لرزا اٹھا جیسے بھونچال آجانے
 سے سنگ مرمر سے بنا ہوا محل ٹوٹ گیا جائے گا۔ اپنے آپ پر قابو نہ پا کر وہ کھڑکی
 کے پاس جا کر باہر جھانکنے لگا۔

گلی کے تنگ راستے کے اوپر جھکے ہوئے سیاہ پتھر جیسی آسمان کی پٹی پر
 ستارے چمک رہے تھے۔ آسمان کا وہ چھوٹا سا حصہ اور کھوڑے سے ستارے۔

گورا کو اس کی روزمرہ کے مشاغل سے بھری ہوئی مصروف زندگی کو آج کہاں سے کہاں لے آتے تھے۔ وہ صدیوں سے اُن گنت حکومتوں کے عروج اور زوال کو صدیوں کی بے شمار عبادتوں اور کوششوں کو دیکھتے چلے آ رہے تھے۔ ایک دل دوسرے دل کو اپنی اٹھائے گہرائیوں میں سے پکار رہا تھا۔ ان کی طرف دنیا کے ایک حصے میں سے وہ آسمان اور تارے بھی دیکھ رہے تھے۔ خاموش اپنی خواہش دبا کر اور پھر اچانک کھڑکھڑانے لگتے تھے۔ اس وقت گلی میں سے گزرنے والے کلکتے کے لوگ گورا کو محض پرچھائیاں معلوم ہوتے تھے۔ شہر کی کوئی بھی تیز آواز اس کے کانوں تک نہیں پہنچ رہی تھی۔ وہ اپنے ہی دل کے اندر تھانک رہا تھا۔ وہاں بھی ہر چیز آکاش کی طرح ساکت تھی۔ تاریک تھی اور خاموش تھی۔ اور وہاں لامحدود ماضی سے دوخو بصورت آنکھیں کبھی نہ ختم ہونے والے مستقبل کو ٹھٹھکی لگاتے دیکھ رہی تھیں۔ — آنسوؤں سے بھری ہوئی، لیکن نظر اور جہمی ہوئی !

اچانک اُسے ہری موہنی کی آواز سنائی دی۔ وہ اسے بل پان کرنے کے لئے پکار رہی تھیں۔ اُن کی آواز سن کر گورا کانپ گیا۔ مڑا اور جلدی سے کہا۔ نہیں خالہ آج نہیں۔ آج مجھے معاف ہی رکھئے۔ میں بہت جلدی جانا چاہتا ہوں۔

اور جواب کا انتظار کئے بغیر جلدی سے باہر نکل گیا۔ ہری موہنی نے حیران ہو کر سچا ریتا کی طرف حیرانی سے دیکھا۔ لیکن وہ بھی دوسری طرف چلی گئی۔ اور ہری موہنی حیرانی سے سر ہلاتی رہ گئیں۔ ”کیا بات ہو گئی ایسی“
تھوڑی ہی دیر بعد پارٹیش بالو آئے۔ انھوں نے سچا ریتا کو نہیں دیکھا تو ہری موہنی سے پوچھا۔

”مجھے کیا معلوم“ ہری موہنی نے دُکھ بھرے لہجے میں جواب دیا۔ اپنے کمرے میں بڑی دیر سے گور موہن بابو کے ساتھ باتیں کرتی رہی۔ اب شاید وہ اوپر چھت پر اُٹھ رہی ہو۔

پارٹیش بابو حیران ہو کر بولے۔ اتنی سرد رات میں اوپر چھت پر۔ ہری موہنی نے بے چین ہو کر کہا۔ اسے سردی میں ذرا مزہ لینے دیکھتے آج کل کی رڑکیوں کو سردی سے کچھ نہیں ہوتا۔

چونکہ آج ہری موہنی کا پارہ چڑھا ہوا تھا۔ اس لئے انھوں نے سچا ریتا کو کھانے کے لئے نہیں بلایا۔ سچا ریتا کو خود بھی آج وقت کے گزرنے کا کوئی احساس نہیں تھا۔

پارٹیش بابو کو چھت پر آنا دیکھ کر اسے بہت شرم آئی اور بولی۔ بتا جی نیچے چلیں۔ یہاں آپ کو زکام ہو جائے گا۔

نیچے کمرے میں پیپ کی روشنی میں جب سچا ریتا نے پارٹیش بابو کا گھبراہٹ بوجھ دیکھا تو حیران رہ گئی۔ وہ آج تک اس تنیم رڑکی کے پتا اور گور و دلوں سے بے تعلق تھی۔ اب بچپن کے تمام بندھن توڑ کر وہ ان سے الگ کی جا رہی تھی۔ سچا ریتا کو یوں لگا جیسے وہ خود کو کبھی موافق نہیں کر سکے گی۔ پارٹیش بابو بہت تھکے ہوئے سے کرسی میں بیٹھ رہے۔ اپنی آنکھوں میں بھر بھرتے ہوئے آنسوؤں کو چھپانے کی وجہ سے وہ ان کی کرسی کے نیچے جا کر کھڑی ہو گئی اور ان کے سفید بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی۔

پارٹیش بابو نے کہا۔ بنوئے برہم دھرم قبول کرنے کے لئے کسی طرح سے بھی تیار نہیں ہو رہا ہے۔

سچا ریتا کو خاموش دیکھ کر وہ پھر کہنے لگے۔ مجھے بنوئے کی اس پیشکش پر

پہلے سے شک تھا۔ اس لئے جو کچھ ہوا ہے اس کی وجہ سے میں زیادہ پریشان نہیں ہوا ہوں۔ لیکن جو کچھ لو لتا کہتی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا دھرم قبول نہ کرنے پر بھی بنوتے کے ساتھ اس کی شادی ہونے میں کوئی رکاوٹ نہیں پڑے گی۔

سچا ریتا تقریباً چلا پڑی نہیں۔ پتا جی نہیں۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے۔

سچا ریتا نے بولتے وقت ایسا جوش پہلے کبھی نہیں دکھایا تھا۔ اس لئے پارٹیش بابو حیران رہ گئے۔

انہوں نے پوچھا۔ کیا کبھی نہیں ہوگا۔

سچا ریتا نے کہا۔ جب تک بنوتے بابو برہمن نہیں ہو جاتے۔ شادی آخر کن رسومات سے ادا کی جائے گی۔

پارٹیش بابو بولے ”ہندو رسموں کے مطابق“

سچا ریتا زور زور سے سر ہلا کر بولی۔ نہیں، نہیں، نہیں۔ آپ نے یہ کیسے تجویز کر دیا۔ کپ کو یہ کبھی سوچنا بھی نہیں چاہئے تھا۔ لو لتا کی شادی میں میری کی پوجا کی جائے۔ اس کی تو میں کبھی صلاح نہیں دے سکتی۔

چونکہ گورا سچا ریتا کے دل کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا کیا سی لئے اس نے آج ہندو رسم کے مطابق ہونے والی شادی کے بارے میں اتنا جوش دکھایا۔ اس کے چلا اٹھنے کا نفسیاتی سبب یہ تھا کہ وہ پارٹیش بابو ہندو سے اپنا قبضہ نہیں چھوڑنا چاہتی تھی۔ اور ان سے کہنا چاہتی تھی۔ میں آپ کو کبھی نہیں چھوڑ دوں گی۔ میں اب بھی آپ کے سماج کی ممبر ہوں۔ آپ کے خیالات ابھی تک میرے پاس ہیں۔ مجھے آپ کی تعلیمات چھڑانے میں کوئی بھی کامیاب

نہیں ہو سکتا۔

پارٹش بابو نے اسے بتایا: ”بھوتے شادی کی رسمیں مورتی پوجا کے بغیر ہی ادا کرنے کے لئے تیار ہو گیا ہے۔“

جب سچا ریتا اُن کی کرسی کی پشت سے ہٹ کر اُن کے سامنے آ بیٹھی تو انھوں نے پھر کہا۔ اس کے بارے میں تم کیا کہتی ہو۔ ؟
ایک لمحہ خاموش رہ کر سچا ریتا نے کہا۔ لیکن لو لٹا کو تو ہمارا سماج چھوڑ دینا پڑے گا۔

پارٹش بابو نے کہا۔ مجھے اس معاملے پر بہت زیادہ غور کرنا پڑا ہے۔ جب کسی ایک آدمی اور سماج کے درمیان کوئی جھگڑا کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو اس وقت دو باتیں سوچنی پڑتی ہیں۔
پہلی یہ کہ سچائی کس کے ساتھ ہے۔ دوسری یہ کہ طاقت کس کے ہاتھ میں ہے۔

اس میں ذرا سا بھی شک نہیں ہے کہ دونوں پارٹیاں مضبوط اور طاقتور ہیں۔ اس لئے باغی کو نقصان زیادہ ہو گا۔ لو لٹا نے مجھے بار بار بتایا ہے کہ وہ نقصان سے بالکل نہیں ڈرتی ہے بلکہ اس سے اسے خوشی ہوگی۔ اگر یہ حقیقت ہے اور مجھے اس کی اس بات میں کوئی غلطی نظر نہیں آتی تو پھر میں اس کے سامنے میں کیوں رکاوٹ پیدا کروں۔

سچا ریتا نے پوچھا۔ لیکن ہتاجی یہ شادی ہوگی کیسے ؟
پارٹش بابو نے اسے بتایا۔ میں جانتا ہوں یہ بات ہم سب کو مصیبت میں پھنسا دے گی لیکن جب لو لٹا کی بھوتے سے شادی کرنے میں کوئی نامناسب بات نہیں ہے اور درحقیقت اسے کرنی ہی چاہیے۔ تو میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سماج کے سامنے

میں جو بھی رکاوٹ پیدا کرے اُسے برداشت کرنا ہمارا فرض ہے۔ یہ تو کبھی بھی مناسب نہیں ہوگا کہ آدمی تنگ نظر سماج کی عزت کرنا چھوڑ دے بلکہ اس کے مقابلے میں سماج کو زیادہ وسیع النظر ہو کر اس آدمی کا احترام کرنا چاہئے۔ اس لئے مجھے ان لوگوں میں کبھی کوئی بُرائی نظر نہیں آتی۔ جو اپنے خیالات کی وجہ سے پیش کرنے والی مصیبتوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔

”بتاجی اس معاملے میں سب سے زیادہ آپ کو ہی تکلیف اٹھانی پڑے گی سچا ریتا نے کہا۔

اس کی فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پارلش بابو نے کہا۔

سچا ریتا نے پوچھا۔ بتاجی کیا آپ نے اجازت دے دی ہے۔

”نہیں۔ اکھوں نے جراب دیا۔ ابھی تو نہیں۔“

چوسٹھواں باب

صبح تڑکے ہی سے گورا کا کمرہ گرم بجٹ کا مرکز بنا ہوا تھا۔
 سب سے پہلے موہم دادا حقہ پیتے ہوئے آتے اور گورا سے پوچھا۔
 ”ہوں۔۔۔۔۔ تو اتنے دنوں بعد آخر بنوئے نے زنجیریں تڑا ہی لیں۔“
 گورا کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔۔۔۔۔ سوالیہ انداز میں اُن کا منہ تکلنے لگا۔
 انھوں نے تشریح کی ”آخر اس دھوکے سے فائدہ کیا ہے“ مجھے یہ بتاؤ۔
 تمھارے دوست کے معاملات اب کوئی راز تو رہے نہیں، چاروں طرف
 ڈھول پٹ رہا ہے۔ ذرا اسے پڑھو۔۔۔۔۔ اور انھوں نے ایک بنگالی
 اخبار گورا کی طرف بڑھایا۔

اُس میں ایک نہایت زہریلا مضمون تھا جو اس خبر پر مبنی تھا کہ بنوئے اسی
 دن برہموسماج میں شامل ہونے والا ہے۔ لکھنے والے نے برہموسماج کے
 کچھ معروف نمبروں کے رویہ کا ذکر کیا تھا۔ نہایت سخت الفاظ میں جن پر کئی
 جوان لڑکیوں کا بوجھ تھا۔ اور جنہوں نے گورا کے جیل میں ہونے کے موقع
 سے فائدہ اٹھانے پر تے چپکے سے اس کمزور طبیعت آدمی کو ورغلا کر ہندو
 سوسائٹی چھوڑنے اور برہموسماج میں شادی کرنے کے لئے گھیر لیا تھا۔

جب گورا نے کہا کہ ”مجھے تو اس بات کی کوئی خبر نہیں“ تو پہلے تو موہم دادا
 کو یقین ہی نہیں آیا اور پھر وہ بنوئے کی اس گہری اور رازدارانہ دھوکہ بازی پر
 حیرت کا اظہار کرتے ہوئے زور زور سے کہتے جا رہے تھے ”واہ بھتی۔۔۔۔۔“

اور بے جب اس نے شاشی سے بیاہ کرنے کا وعدہ کر کے آنا کائی کرنی شروع کر دی تھی۔ اس وقت ہم لوگوں کو سمجھ لیںنا چاہتے تھا کہ اس کا زوال شروع ہو گیا ہے۔“

پھر ابھناش ہانپتا پھونپتا اور چیخ کر بولا ”گور موہن بابو — یہ کیا ماجرا ہے ایسا اس کا تو خواب میں بھی کوئی امکان نہیں تھا سب کچھ ہونے کے بعد یہ بنوتے بابو کو.....“

لیکن ابھناش نے اپنی بات پوری نہیں کی۔ اُسے بنوتے کو گالیاں دینے میں اتنی خوشی ہو رہی تھی کہ اس کے متعلق کسی پریشانی کے محسوس کرنے کا سوال ہی نہیں تھا۔

زیر اسی دیر میں گورا کی پارٹی کے سب ہی اہم ممبر باری باری سے آپہنچے اور سمجھوں کے اکٹھا ہونے کے بعد بنوتے کے اس رویہ پر زور دار بحث ہونے لگی۔ اُن میں سے زیادہ تر کی صرف ایک ہی رائے تھی کہ یہ بات جو اب ہوتی ہے۔ اُس پر کوئی تجویز نہ کرنا چاہتے، کیونکہ ان میں ہر ایک نے وقتاً فوقتاً بنوتے کے کردار میں کمزوری اور ہچکچاہٹ کے آثار دیکھے تھے بلکہ سب کی رائے یہ تھی کہ واقعاً بنوتے کبھی دل سے اُن کی پارٹی میں شامل ہوا ہی نہیں تھا۔ کتنی ایک نے کہا کہ وہ ہمیشہ گور موہن بابو کی برابری کرنے کی کوشش کیا کرتا تھا۔ اور اس کی یہ حرکت ان لوگوں کو ناگوار گزری تھی۔ اور سب تو گورا کا احترام اتنا کرتے تھے کہ الگ الگ رہتے تھے۔ لیکن وہ اُن کی ناک کا بال بنا ہوا اُن کے پاس گھسنا تھا۔ وہ لوگ دیکھتے تھے کہ گور موہن بابو خود اس سے اپنی محبت کرتے ہیں اس لئے چپ رہ جاتے تھے۔ اور دیکھتے رہا کہ اُس خود پسندی کا یہ کیسا نفرت انگیز انجام ہوا! سب ہی کہہ رہے تھے

”ہم اتنے بڑھے لکھے نہ بھی جتنے بنوتے باجوہیں، اتنے ذہن نہ بھی پر ہم لوگ ہمیشہ ایک اصول پر چلنے رہے، یہ ہم نے نہیں کیا کہ سوچیں کچھ اور کریں کچھ اور۔ ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ آج ایک بات کریں، تو کل اس کے بالکل خلاف دوسری بات کریں۔ اب چاہئے آپ اس کو حماقت کہتے، نادانی کہتے، بھولا بن کہتے۔ جو چاہئے کہہ لیجئے۔“

گورا نے ان تمام باتوں کا کوئی جواب نہیں دیا، نہ بحث میں کوئی حصہ لیا۔ خاموش بیٹھا رہا!

جب کافی دیر ہو گئی اور سب ملاقاتی ایک ایک کر کے رخصت ہو گئے تو گورا نے دیکھا کہ بنوتے اس کے پاس آئے بغیر اوپر کوٹھے پر جا رہا ہے۔ اس نے جلدی سے کمرے سے نکل کر پکارا ”بنوتے“۔ بنوتے واپس آکر اس کے کمرے میں داخل ہوا تو گورا نے کہا ”بنوتے میں نہیں جانتا کہ میں نے کبھی تمہارے ساتھ کوئی بُرائی کی ہے یا نہیں کی، مگر مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے میرا ساتھ چھوڑ دینے پر آمادہ ہو۔“

بنوتے پہلے ہی سوچ کر آیا تھا کہ آج گورا سے ضرور لڑائی ہوگی۔ اسلئے وہ اپنا دل کافی مضبوط لاتے ہوئے تھا۔ لیکن گورا کی اُرداسی اور اس کے لہجے کی چوٹ ایسی تھی کہ بنوتے کی سب مضبوطی اڑ بچھو ہو گئی۔ گھٹی گھٹی آوازیں بولا ”گورا، میرے بھائی، کم از کم تم تو مجھ کو غلط نہ سمجھو، زندگی میں بہت سی تبدیلیاں آتی ہیں، بہت کچھ چھوڑ دینا پڑتا ہے لیکن سستی بھی نہ رہے، اس کی تو کوئی وجہ نہیں۔“

گورا نے ایک منٹ چپ رہ کر پوچھا ”بنوتے، تم برہمن سماج کے ممبر بن گئے ہو؟“

”نہیں گورا۔۔۔۔۔ نہ بنا ہوں اور نہ بنوں گا۔ لیکن میں اس بات کو زیادہ اہم نہیں سمجھتا، نہ اس پر زور دینا چاہتا ہوں۔“

”اس کا کیا مطلب ہوا؟“

”اس کا یہ مطلب ہوا کہ میں برہمنوں کا ممبر ہوں یا نہ ہوں۔ یہ میرے لئے کوئی اہم بات نہیں ہے۔“ بنوتے نے جواب دیا۔

گورا نے پہلو بدل کر کہا ”میں تم سے یہ پوچھتا ہوں کہ پہلے تمہارے خیالات کیا تھے اور اب کیا ہیں؟“

گورا کے اس سوال کا لہجہ بھانپ کر بنوتے نے پھر اس سے مقابلے کے لئے کم کس لی اور بولا ”پہلے میں جب کبھی یہ سنتا تھا کہ کوئی برہمن ہو گیا تو مجھے بہت غصہ آتا تھا۔ اور میں دل سے دبا کرتا تھا کہ اس شخص کو اس کی سزا ملے۔ لیکن اب میں اس طرح نہیں سوچتا۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایک خیال کا مقابلہ ایک خیال سے کیا جاسکتا ہے، ایک دلیل کا جواب دوسری دلیل سے دیا جاسکتا ہے، لیکن جرم معاملات میں سمجھداری اور رواداری کی ضرورت ہو وہاں کسی پر غصہ کرنا اور اس کو مسنے کی خواہش کرنا تو مننگلی پن ہے اور کچھ نہیں۔“

”اب تم کسی ہندو کو برہمن دیتے دیکھو گے تو تمہیں بے شک غصہ نہیں آئے گا، لیکن کسی برہمن کو تو بے کر کے ہندو ہوتے دیکھو گے تو غصہ سے تمہارا سارا وجود سلگ اُٹھے گا۔ تمہاری اس حیثیت اور پہلی حیثیت میں بس یہی فرق ہے۔“ گورا نے کہا۔

”تم یہ بات بھی صرف غصہ میں کہہ رہے ہو گورا۔ سوچ سمجھ کر نہیں۔“

”میں تمہارا احترام کرتے ہوئے یہ بات کہہ رہا ہوں“ گورا نے گفتگو جاری رکھی۔ ”یہ سمجھ کر کہہ رہا ہوں کہ تمہیں یہی کرنا چاہیے تھا۔ میں بھی اگر تمہاری جگہ ہوتا تو

بھی کرتا۔ اگر ہمارے چمڑوں میں کوئی ایسی بات ہوتی کہ ہم گر گٹ کی طرح رنگ بدل سکتے تب وہ اور چیز ہوتی۔ لیکن مذہب جو ایک دل کا معاملہ ہے نا۔ اتنی اہم بات کی طرف میں اتنا ہلکا رویہ نہیں اختیار کر سکتا۔ اگر ان معاملات میں مخالفت نہ بھڑکتی، انسان کو کسی نہ کسی قسم کی سزا بطور ہرجانہ نہ کھگنتی پڑتی تو پھر مذہب کے معاملہ میں انسان اپنا سارا ذہن و دماغ کیوں صرف کرتا؟ ہمیں سچے سچے غلوں کے ساتھ صداقت قبول ہے یا نہیں، یہ آدما نے کے لئے انسان کو کچھ امتحانوں میں سے گزرنا پڑتا ہے اور اس کے نتائج، اس کی پاداش بھی برداشت کرنی پڑتی ہے۔ سچائی کے کاروبار میں یہ نہیں ہوتا کہ ہیرا بھی لے لے اور دام بھی نہ دے۔ اب بحث زوروں پر چلنے لگی۔ دونوں طرف سے الفاظ تیروں کی طرح ایک دوسرے پر بوجھا کر لئے لگے، چنگاریاں سی جھٹنے لگیں! — آخر جب اتفاق کی جنگ کافی دیر چل چکی تو بنوئے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا ”گورا، تمھاری اور میری طبیعتوں میں بنیادی فرق ہے۔ اب تک وہ فرق دبا ہوا تھا، جب بھی وہ سراٹھانا چاہتا تھا میں اسکو کھل دیتا تھا۔ اس لئے کہ مجھے معلوم تھا کہ تم کسی اختلاف سے سمجھوتہ نہیں کر سکتے، تم ہمیشہ اس پر شمشیر برہنہ لے کر حملہ کرنے دو گے اس لئے اپنی اور تمھاری دوستی کو قائم رکھنے کے لئے میں اتنے دنوں تک اپنی طبیعت سے لڑتا رہا، اب مجھے یہ نظر آ گیا ہے کہ اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا اور نہ آئندہ ہوگا۔“

”اچھا تو اب مجھے صاف صاف بتاؤ کہ تمھارا ارادہ کیا ہے؟ گورا نے کہا۔

”آج میں اپنے پیروں پر کھڑا ہوں، میں اب زیادہ دن سوسائٹی کا یہ حق نہیں

تسلیم کر سکتا کہ وہ دیو کی طرح منہ پھاڑے روزانہ انسانوں کی قربانیاں لیتی رہے

اور اس طرح اس کو بہلائے رکھا جاتے، اب میں مردوں یا بیویوں، لیکن سوسائٹی کا

”ہاں“ بنوئے نے جواب دیا۔

”ہنہ کسم سے شادی کرو گے“ گورا نے پوچھا۔

”ہاں“ بنوئے نے کہا۔

”پارلش بابو نے رضا مندی لے دی؟“

”یہ ہے ان کا خط“ بنوئے نے گیداکو ایک خط دیتے ہوئے کہا
گورا نے بڑی احتیاط سے دوبارہ اسے پڑھا۔ آخر میں پارلش بابو نے
لکھا تھا۔

”میں اس بحث میں نہیں پڑنا چاہتا کہ یہ بات ذاتی طور پر میرے لئے مفید
ہے یا مضر، یہ بھی سوال میں نہیں اٹھانا چاہتا کہ آخر میں تم دونوں کے لئے کیا
مشکلیں پیدا ہوں گی، تم دونوں میرے عقائد اور خیالات سے واقف ہو، میں
کس گروہ میں ہوں یہ بھی تمہیں معلوم ہے، اس سے کبھی ناواقف نہیں ہو کہ لو لانا
کو بچپن سے کس طرح کی تعلیم و تربیت دی گئی ہے اور کس طرح کے سماجی
ماحول میں اس کی پرورش ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ تم دونوں نے ان تمام امور
پر غور کر کے ہی یہ راستہ طے کیا ہو گا، اس لئے مجھے اب کچھ اور نہیں کہنا ہے
البتہ یہ نہ سمجھنا کہ میں بے نیاز ہوں یا میں نے کچھ سوچا نہیں یا کسی نتیجہ پر نہیں
پہنچا۔ جتنا مجھ سے ہو سکتا تھا میں نے اس معاملے پر سوچا ہے اور میں یہ سمجھتا
ہوں بنوئے، کہ مذہبی حیثیت سے تم دونوں کے مذاہب میں کوئی ہرج نہیں
ہے۔ یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ میرے دل میں ذاتی طور پر پختہ کاری بڑی
عزت ہے۔ چنانچہ صرف سوسائٹی کے کھڑے کئے ہوئے کسی اڑچن سے تمہیں
اپنی راہ چھیڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے اس سلسلے میں تم سے بس
اتنا ہی کہنا ہے کہ اگر تم اپنے سماج کی بنائی ہوئی حدود کو توڑ رہے ہو تو پھر

ہتھیں ہتھ کے سماجی قاعدوں سے بلند تر ہونا چاہتے۔ ہتھاری ہتھ زندگیوں
 اور ہتھاری محبت کو صرف تخریب ہی نہیں بلکہ تعمیر کی ایک درختاں مثال بننا
 چاہتے۔ صرف ایک بار جوش اور ہمت دکھانے سے کام نہیں چلے گا، بلکہ
 روزانہ ہتھیں مسلسل بہادری کے ساتھ اپنی متحد زندگی کے مسائل کو حل کرنا ہوگا ورنہ
 تم زوال پذیر ہوتے چلے جاؤ گے۔ سوسائٹی تو بیرونی حیثیت سے تم کو ایک
 مسلح راستے پر لے ہی نہیں چلے گی۔ اور اگر تم معمولی انسانوں سے زیادہ
 ہمت اور قوت اپنے میں نہیں پیدا کر دے گے تو زندگی ہتھیں چھوڑ کر آگے
 بڑھ جائے گی۔ میں ہتھارے آئندہ دکھوں اور پریشانیوں کا خیال کر کے
 آزرده ہوتا ہوں اور گھبراتا ہوں۔ لیکن مجھے یہ حق نہیں ہو نچتا کہ اپنی اس
 گھبراہٹ سے ہتھارا راستہ روکوں۔ کیونکہ جن لوگوں میں یہ ہمت ہوئی
 ہے کہ اپنی زندگی کے مسائل خود کو شیش کر کے سلجھائیں وہی وہ لوگ
 ہوتے ہیں جو سماج کو عظمت بخشتے ہیں! جو لگے بندھے قاعدوں کی مطابق
 ہی زندگی گزارتے ہیں وہ سوسائٹی کو آگے بڑھانے والے نہیں ہوتے
 صرف اس کو لے چلنے والے ہوتے ہیں۔ صرف اس کو سہارا دیتے رہنے
 والے ہوتے ہیں۔ اس لئے میں اپنی جھجک اور پریشانی سے تم کو آگے بڑھنے
 سے کیوں روکوں؟ تم جس راستے کو صحیح سمجھتے ہو اس پر ضرور بڑھو، مشکلات کا
 مقابلہ کرو، خدا ہتھاری مدد کرے۔ وہ کبھی بھی اپنے ذمہ اٹھانے والے بندوں
 کے پیروں میں زنجیریں نہیں ڈالتا، بلکہ وہ تو زندگی کے نئے نئے مظاہرے
 پیش کرتا ہے اور مسلسل تغیر کے ذریعہ انسان کے شعور کو بیدار کرتا رہتا ہے
 تم بھی اس شعور بیدار کے پیغامبر ہو، اسی لئے اس نے ہتھیں یہ توفیق دی
 ہے کہ اپنی زندگیوں کو مشعل کی طرح روشن کر کے اس شکل راستے پر چل پڑو۔

جو دنیا کا رہبر ہے وہ تمہیں بھی راستہ دکھائے گا۔ میں تم سے کبھی
 کبھی یہ نہیں کہوں گا کہ جس راستے پر میں چل رہا ہوں اسی پر تم بھی چلو۔ ایک دن
 ایسا بھی آتی جب کفار می عمریں میں نے بھی اپنی ناؤ کو گھاٹ سے کھول کر
 طوفان کی موجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دریا میں اتارا تھا۔ اس
 وقت میں نے خبردار کرنے والوں کی ایک نہیں سنی تھی، جو کچھ میں
 نے کیا اس پر اب تک مجھے کبھی پشیمانی نہیں ہوئی۔ اور اگر کبھی افسوس ہوا
 بھی تو پھر کیا؟ انسان غلطی کر سکتا ہے اور کرتا رہے گا، پریشانیاں اٹھائیں
 گئیں، ورنہ ناکامیوں کا سامنا کرے گا پر وہ جانتے کبھی نہیں رہ سکتا، جس چیز
 کو وہ اپنا فرض سمجھتا ہے اس کے لئے اپنی جان بھی قربان کرنے سے وہ
 دریغ نہیں کرتا۔ اسی طرح سماج کی ندی کا پانی صاف اور پاک رہتا ہے کہ
 اس کا دھارہ ایک رفتار میں کے ساتھ چلتا رہتا ہے۔ اس کے معنی یہ ضرور
 ہیں کہ کبھی کبھار کچھ سڑھے کے لئے دریا کے کناروں میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں
 لیکن اس دھارے پر ہمیشہ کے لئے بند باندھنے کا مطلب یہ ہوگا کہ پانی
 میں رٹ نہ پیدا ہو، اور موت کو دعوت دی جائے۔ میں اس بات کو جانتا ہوں
 اس پر یقین رکھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ میں تم دونوں کو ایک ایسی قوت
 کے حاملے کرتا ہوں جو تمہیں سماجی ناعدولوں سے بغاوت کرنے پر گھسیٹ رہی
 ہے اور اسی قوت کے آگے سر جھکا کر ہی دل سے دعا مانگتا ہوں کہ تم جو
 لوگوں کی بُری بھلی برداشت کرنے کی تکلیف اٹھاؤ، اپنے عزیزوں سے
 جدا ہونے کا دکھ سہو، اس کی وہ تلافی کرے۔ اسی نے تم کو یہ مشکل راستہ
 اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور وہی تمہیں ستمی منزل تک بخیریت پہنچائے گا۔
 جب گور اخط پڑھ چکا اور خاموش ہو کر سوچنے لگا تو ہونے لگا کہ

لیکن ہر سے لپٹتی ہوئی بیل کو درخت ہر وقت پناہ دے سکتا ہے۔ اگر کسی طوفان میں وہ بیل ٹوٹ بھی جائے تو وہ پھر اکٹھا ہو کر درخت سے لپٹ سکتی ہے۔۔۔۔۔ اگر تم ہم لوگوں سے الگ ہو جاتے ہو تو پھر ہمارے لئے سوائے اس کے کوئی رستہ باقی نہیں رہ جاتا کہ تم سے ہمیشہ کے لئے قطع تعلق کر لیں۔ اسی لئے سوسائٹی نے ایسے سخت قواعد بنائے ہیں اور روک تھام کی صورتیں مقرر کی ہیں۔“

”بھی تو رجبہ ہے کہ معمولی باتوں پر علیحدگی کی بنیاد نہ رکھی جانی چاہئے اور قطع تعلق اس آسانی سے نہ ہونا چاہئے“ بنوئے نے کہا ”بازو کی ہڈیاں اس لئے مضبوط ہوتی ہیں کہ اگر ٹوٹ جائیں تو بڑی دیر میں جڑتی ہیں۔ اسی لئے بازو اکثر نہیں ٹوٹتا۔ تمہاری سمجھ میں یہ کیوں نہیں آتا کہ آنے جانے کا کام کرنے کی سہولتیں اس سوسائٹی میں کس قدر کم ہوں گی۔ جو بات بات پر اس طرح ہڈیاں ٹوڑتی ہے کہ وہ جڑ نہیں سکتیں۔“

”مجھے اس کی کچھ پروا نہیں ہے“ گورا نے جواب دیا ”سوسائٹی نے سوچنے اور فیصلہ کرنے کا بار اتنی مکمل طور پر اپنے ذمے لے رکھا ہے کہ مجھے تو ہتھ بکھی نہیں چلتا کہ اس نے کس وقت سوچا۔ میں تو اپنی اُمیدوں کو اس بات پر کرتا ہوں کہ سوسائٹی ہزاروں سال سے سوچتی چلی آ رہی ہے۔ اور وہ ابھی تک اپنے وجود کو وقار کے ساتھ قائم کئے ہوئے ہے جس طرح میں کبھی سوچنے کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ زمین سیدھی سادھی سورج کے چاروں طرف گھومتی ہے یا ٹیڑھی ٹیڑھی۔ اور اس سلسلے میں وہ کوئی غلطی کر رہی ہے یا نہیں۔۔۔۔۔ اسی طرح میرا رویہ سوسائٹی کی طرف بھی ہے۔۔۔۔۔ اب ابھی تک تو مجھے اس بے فکری سے کوئی مشکل محسوس ہوئی نہیں ہے۔“

”بھائی گورا — نبوتے نے ہنس کر کہا“ میں تو خود ہی عرصہ تک تم سے یہ باتیں کہتا رہا ہوں۔ کسی کو یہ شبہ بھی ہو سکتا ہے کہ مجھے اپنی ہی کہی ہوئی باتیں اُلٹ کر تمہاری زبان سے سننی پڑیں گی؛ اس طرح کی لمبی لمبی تقریریں تیار کرنے کا بھگتان آج میں خود ہی بھگت رہا ہوں۔ لیکن اب بحث کرنے سے کیا فائدہ، کیونکہ آج میں نے کچھ ایسی چیزوں کو قریب سے دیکھ کر سمجھا ہے جن کا مجھے پہلے سے علم ہی نہیں تھا۔ آج میری سمجھ میں آیا ہے کہ انسانی زندگی ایک بہت بڑے دریا کی مانند ہے جو اپنی تیزی کی وجہ سے ہانکل نئے اور بالکل انجانے راستے اختیار کرتا جاتا ہے، ایسے راستے جہاں پہلے کبھی کوئی دھارا بہا ہی نہیں! یہ تبدیل ہوتے ہوئے دھارے جن کے متعلق پہلے سے کوئی سوچ ہی نہیں سکتا، خدا کی مرضی سے وجود میں آتے ہیں اور وہ ہماری زندگی کو مختلف سمتوں پر لے جانے کے لئے ان دھاروں کو تخلیق کرتا ہے۔ زندگی کوئی کھودی ہوتی نہر نہیں ہے کہ اس کو صرف مقررہ راستوں پر ہی لے جایا جائے۔ ایک بار اگر ہم اس اصول کو اچھی طرح سمجھ لیں تو پھر کسی مصنوعی صورت حال کی وجہ سے کھٹکنے کا کوئی امکان نہ رہ جائے۔“

”جب چیونٹی کے پر نکل آتے ہیں تو وہ اسی طرح کی ریلیں پیش کرتی ہوگی جیسی تم اس وقت کر رہے ہو۔“ گورا نے کہا ”لیکن آج میں تمہیں سمجھانے میں اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتا۔“

”بڑی اچھی بات ہے“ نبوتے ایک دم کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

”اچھا تو پھر مجھے اجازت دو — ذرا ماں سے مل لیں۔“

نبوتے کے جانے کے بعد موہم دادا آہستہ سے کمرے میں آتے جسب

دستورپان چہاتے ہوتے — ”تو پھر نہیں ملے ہوئی نہ بات؟ وہ مناسب

نہیں سمجھتا — ہے نہ؟ میں بہت دنوں سے تمہیں ہوشیار کر رہا تھا، خطرے کے آثار دکھائی دے رہے تھے، پر تم نے میری ایک نہ سنی! اگر اس وقت کسی نہ کسی طرح ہم ہمت سے کام لے کر زبردستی شناسی سے اس کا بیاہ کر دیتے تو یہ سب پریشانی کیوں اٹھانی پڑتی — لیکن کون پرواہ کرتا ہے؟ میں کس پر بھروسہ کروں؟ اگر تم پر کوئی مصیبت نہ پڑے تو تم کبھی اس کو سمجھ ہی نہیں سکتے۔ چاہے سمجھا سمجھا کے تمہاری کھوپڑی میں چھیدا ہی کیوں نہ کر دیا جاتے! کیا یہ کوئی معمولی بات ہے کہ اس ذرا سے ٹونڈے بنوئے تمہاری پارٹی کیوں بکھیر دیا؟ گورا کو چپ دیکھ کر وہ کہتے ہی گئے ”تو پھر بنوئے کو واپس لانے کی کوئی امید نہیں ہے؟ خیر ہوگا اس وجہ سے ہم لوگوں کو شناسی کے بیاہ کی کیا کچھ کم پریشانی اٹھانی پڑی — اب اس معاملے میں زیادہ دیر نہ کرنی چاہیے۔ تم تو ہماری سوسائٹی کی حالت جانتے ہی ہو، ایک بار کسی کو اپنے پنجوں میں دبوچ لے تو اس پر کبھی ترس نہیں کھاتی۔ تو پھر برے کے واسطے..... نہیں نہیں — تم نہ گھبراؤ، میں تم سے اب رشتہ لگانے کو نہیں کہوں گا۔ میں نے سب کچھ خود ہی ٹھیک کر لیا ہے۔“

”پر لڑکا کون ہے؟“ گورا نے پوچھا

”تمہارے ابھناش“ موہم نے جواب دیا

”وہ راضی ہے؟“ گورا نے سوال کیا

”ابھناش اور راضی نہ ہو! — وہ تمہارے بنوئے کی طرح تو ہے نہیں!

تم جو کچھ بھی کہو، لیکن یہ صاف نظر آتا ہے کہ تمہاری پارٹی میں وہی تمہارا سب سے گہرا عقیدت مند ہے۔! کیوں؟ جب اس نے یہ تجویز سنی کہ وہ تمہارے خاندان کا ایک فرد بن جائے گا تو خوشی سے نا چنے لگا اور بولا ”میری کتنی خوش قسمتی ہے“

میری کشتی عزت افزائی ہے۔“ جب میں نے جہیز کی بات کی تو اس نے کانوں پر ہاتھ رکھ لئے اور بولا۔ ”مجھے تو معاف ہی کیجئے، ان سب معاملات کی بات مجھ سے نہ کیجئے۔“

میں نے جواب دیا اچھی بات ہے تو پھر میں کہتا رہے بتاجی۔ سب بات کروں گا۔ لہذا میں ان کے پاس بھی گیا۔ لیکن مجھے باپ بیٹے میں بڑا فرق معلوم ہو۔ انھوں نے تو جہیز کی بات پر ہرگز کان بند کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ بلکہ وہ تو شروع سے ہی ایسی باتیں کرنے لگے کہ میں اپنے کانوں کو ہاتھ کیا لگاتا، میرے ہاتھ ہی رہ گئے! یہ بھی مجھ پر واضح ہو گیا کہ ایسے معاملات میں لڑکا اپنے باپ کا خاص احترام کرتا ہے۔ گویا باپ ہی سب عزت آبرو کا مرکز ہے لہذا لڑکے کو بچے میں ڈالتا تو بیکار ہی سی بات معلوم ہوتی! — مجھے سرکاری سرٹیفکیٹوں کو بھنانا پڑے گا تب ہی یہ کالج بنے گا۔ — خیر۔ وہ جو کچھ ہے سو ہے، ہر تم تو ذرا ابھناش کا دل بڑھانے کے لئے دو لفظ کہہ دیتے تو اچھا ہوتا۔ تم ایک دو بات بھی کہہ دو گے تو.....“

”اس سے جہیز میں ایک کوڑی کی بھی کمی نہ ہوگی“ گورا بچے میں بول پڑا۔
 ”وہ تو میں جانتا ہوں — اگر باپ کی عزت اور احترام کرنے کے سلسلے میں کچھ پیسے بھی ہاتھ آجائیں تو بھلا کون نہ کرے گا۔“
 ”تو پھر بات بالکل طے ہو گئی ہے؟ گورا نے پوچھا۔
 ”ہاں“ موہم دادا نے جواب دیا۔

”کیا تاریخ بھی سچ مقرر ہو گئی ہے؟“

”ہاں ہاں۔ سچ سچ کیا؟ یقیناً ہو گئی ہے۔ ماگھ کی پورن ماسی کی تاریخ، اور یہ تاریخ اب ایسی دور بھی نہیں ہے، لڑکے کے باپ کا کہنا ہے کہ میرے خواہرات

سے کوئی فائدہ نہیں، البتہ سونے کا بھاری زیور چاہتے ہیں! اس لئے سنا سے بھی مجھے مشورہ کرنا ہے کہ دام بڑھاتے بغیر سونے کے زیور کا وزن کیوں کر بڑھایا جائے گا؟

”لیکن اتنی جلدی کیا ضرورت ہے؟ گورا نے کہا اور ابھناش کے برہم ہو جانے کا تو کوئی خطرہ ہے نہیں“

”وہ تو ٹھیک ہے“ موہم دادا نے کہا ”لیکن تم کیا دیکھ نہیں رہے ہو کہ بابو جی کی صحت ادھر بہت خراب ہو گئی ہے ڈاکٹر لوگ تو جتنا زیادہ احتیاط اور سرسبز بتاتے ہیں۔ وہ اتنا ہی اس کے برخلاف کرتے ہیں۔ اب آج کل جس سنیا سی سے ان سے یار نہ ہو گیا ہے وہ دن میں تین تین بار ان کو نہلاتا ہے اور اس نے ایک ایسی بوگاورش ان کو بتائی ہے کہ ان کے انجھر پتھر سب اُلٹے جا رہے ہیں اگر بابو جی کی زندگی میں ہی شاشی کا بیاہ ہو جاتا تو بڑا اچھا ہوتا۔ بابو جی نے جو کچھ بچایا ہے وہ اوششکر نندا سوامی کے — میں پونچنے سے پہلے اگر میرا یہ کام پورا ہو جاتا تو اچھا ہے نہ! ویسے میں نے کل اُن سے ذکر تو کیا تھا۔ پرا یا سا نظر آتا ہے کہ ان کو گھیرنا بھی مہموں بات نہیں ہے! میں نے سوچا ہے اس کمبخت سنیا سی کو — ادھر کچھ دن اچھی طرح بھنگ پلاؤں اور اسکے ہی ذریعہ کچھ بابو جی سے کلوالوں تم یقین رکھو! تم خاندان والے چاہے جتنے ضرورت مند ہوں، پر ہمارے باپ کا پیسہ ہمارے کام نہیں آئے گا۔ میری یہ مشکل ہے کہ ایک غیر شخص کا باپ مجھ سے روپے کا مطالبہ کر رہا ہے اور مجھ پر ذرا نرس نہیں کھاتا۔ اور میرا اپنا باپ ایسا ہے کہ روپے کا ذکر کرو تو سانس کھانچ کر ادگی انداز میں دھیان کرنے لگتا ہے! پھر میں اس گیارہ برس کی لڑکی کو کیا گلے میں باندھ کر دریا میں ڈوب جاؤں — کیا کروں؟“

پینٹھواں باب

”را دھارانی تم نے کل رات کھانا کیوں نہیں کھایا“ ہری موہنی نے پوچھا
 ”کیوں؟ کیا مطلب؟ میں نے تو رات کا کھانا کھایا تھا“ سچاریتا نے حیران
 ہو کر کہا۔

”کیا کھایا تم نے؟ یہ سب نور کھا ہے ویسے کا ویسے ہی!“ ہری موہنی
 نے رات کے کھانے کی طرف اشارہ کیا جس پر سرپوش اب تک ڈھکا ہوا تھا۔
 تب سچاریتا کی سمجھ میں آیا کہ کل رات وہ کھانا کھانا بھول ہی گئی۔

”یہ تو بڑی بڑی بات ہے“ ہری موہنی نے سخت آواز میں کہا ”جہاں
 تک میں پاریش بابو کو جانتی ہوں وہ تو کبھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ تم اس انتہائی
 بد نشان رہو۔۔۔۔۔ اُن کو تو دیکھ کر ہی انسان کو سکون اور اطمینان محسوس
 ہوتا ہے۔ بھلا انہیں اگر ہتھماڑے اس روپیہ کی خبر ہو تو وہ کیا کہیں گے۔

سچاریتا کو یہ سمجھتے ذرا کبھی دیر نہیں لگی کہ ہری موہنی کس بات کی طرف اشارہ
 کر رہی تھیں۔۔۔۔۔ سنتے ہی تو پہلے چند منٹ اس کا ذہن بالکل بھینپ کر رہ گیا۔
 اس نے کبھی ایک پل کے لئے بھی نہ سوچا تھا کہ گورا کے اور اس کے تعلقات
 کو کوئی بڑی نظر سے بھی دیکھ سکتا ہے، اس لحاظ سے بھی سوچ سکتا ہے کہ یہ
 صرف مخالف جنس کی ایک کشش ہے اور کچھ نہیں! ہری موہنی کے اس اشارے سے
 اس پر خوف طاری ہو گیا۔ لیکن ایک ہی پل بعد اس نے سلائی انک رکھ دی، جم کہ
 ہری موہنی کے سامنے بیٹھ گئی اور مستحکم اٹھا کر اُن کو دیکھنے لگی۔ اس نے فوراً ہی

اپنے دل میں یہ ارادہ کر لیا تھا کہ جہاں تک گورا کا سوال ہے وہ کسی کے سامنے اس
رشتے کے متعلق شرمائے گی نہیں۔ کیوں شرمائے گی؟

”خالد آپ جانتی ہیں کہ کل رات گور موہن بابو آئے تھے۔ اور ان سے جو
بحث ہو رہی تھی اس بحث کا موضوع اس بڑی طرح میرے دل و دماغ پر
حادثی ہو گیا کہ میں کھانے کے بارے میں بالکل ہی بھول گئی۔ آپ بھی وہاں ہوئیں
تو آپ کو بہت سی دلچسپ باتیں معلوم ہوئیں۔“

لیکن ہری موہنی کو گورا بابو کی گفتگو سے کوئی دلچسپی نہیں تھی وہ تو صرف
مذہبی باتیں سننا چاہتی تھیں۔ لیکن جب گورا دھرم کی باتیں کرتا تھا تو اُسکے
الفاظ ہری موہنی کو ایسے پُر خلوص نہیں معلوم ہوتے تھے جو ان پر اثر کرتے۔
ہمیشہ ایسے معلوم ہوتا جیسے گورا کے سامنے کوئی دشمن کھڑا ہے اور وہ اس مخالفت
پر حملے کرتے جا رہا ہے۔ یہ تو کھٹیک ہے کہ جو لوگ اس سے اتفاق نہیں کرتے
تھے ان کو وہ دبا کر اپنا حامی بنا چاہتا تھا۔ لیکن جو اس سے متفق ہی تھے ان
کے لئے گورا کے پاس کہنے کو کیا کھانا؟ گورا جس طرح کا جوش و خروش بات کرتے
دقت ظاہر کرتا تھا وہ ہری موہنی پر سے یوں صاف گزر جاتا تھا جیسے چکنے گھر کے
ہر بوند! اگر ہر بھوسہ ساج کے لوگ اپنی الگ راستے رکھتے تھے اور ہندو فرقے
سے ملاپ نہیں کرنا چاہتے تھے تو ہری موہنی کا دل اس سے کیوں پریشان
ہوا۔ وہ تو بس صرف اتنا چاہتی تھیں کہ جن لوگوں سے وہ محبت کرتی ہیں وہ
ان سے جدا نہ کئے جائیں۔ اور باقی ان کو کسی بات کی پرواہ کیوں ہو؟
ابھی وجہ تھی کہ گورا سے بات کر کے ان کو خاک خروشی نہیں ہوتی تھی اور
پھر حبیب ان کو یہ بھی محسوس ہونا شروع ہوا کہ وہ سچا ریتا کے ذہن پر اثر کرتا جا رہا
ہے تو انہیں گورا کی باتوں سے اور بھی نفرت ہو گئی۔ وہ پیہ پیہ کے معاملے میں

سچا ریتا کسی کی محتاج نہ تھی، خیالات، عقیدے، رویے، اس میں بھی اس کو مکمل آزادی تھی۔ اس لئے ہری موہنی کسی قسم کا دباؤ تو اس پر ڈال ہی نہیں سکتی تھیں، پھر بھی پارلش بابو کے علاوہ اگر کوئی بھی سچا ریتا پر ذرا سا اثر انداز رہتا تو ہری موہنی کو گھبراہٹ اور پریشانی ہونے لگتی تھی۔ کیونکہ اس بڑھاپے میں سچا ریتا ہی اُن کا واحد سہارا تھی۔ گورا کے متعلق ہری موہنی کا یہ خیال تھا کہ وہ نہایت فراڈ قسم کا آدمی ہے۔ اور اس کا اصل مقصد یہ ہے کہ باتیں بنا کر سچا ریتا کو اپنالے، بلکہ وہ تو یہ بھی سوچتی تھیں کہ گورا کی نظر اس جائداد پر ہے جس کی واحد مالک سچا ریتا تھی۔ اس لئے وہ گورا کو اپنا خصوصی دشمن جانتی تھیں اور اس کو دھنا بتا دینے کی ہر ممکن کوشش کرنے اور ممکن طریقے آزمانے پر آمادہ تھیں۔

اُس دن گورا کے آنے کا کوئی تذکرہ نہ تھا اور کوئی خاص وجہ بھی نہ تھی لیکن گورا کی طبیعت میں کوئی بجا ہچکچاہٹ بھی نہیں تھی۔ ایک بار کوئی کام کرنے کا خیال اس کے دل میں سما جاتا تو اُن کو انجام کے متعلق سوچے بغیر اس کی طرف تیر کی طرح لپک پڑتا تھا۔

گورا صبح ہی صبح آیا۔۔۔۔۔ ہری موہنی پوچھا کر رہی تھیں، سچا ریتا اپنی کتابیں اور کاغذات وغیرہ کچھ ٹھیک ٹھاک کر رہی تھیں۔ سنیش نے گورا کے آنے کی اطلاع دی تو اس کو تعجب نہیں ہوا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ گورا آج صبح آئے گا۔

”تو آخر ہوتے ہم لوگوں کو چھوڑ ہی گیا“ گورا نے بیٹھتے ہوئے کہا

”کیوں؟“ سچا ریتا نے پوچھا ”اس نے ہمیں چھوڑا کس طرح؟ برہموسراج

میں تو وہ شامل نہیں ہوا ہے۔“

”اگر وہ برہموسراج میں جدا جاتا تو پھر بھی مقابلہ ہم سے قریب رہتا“ گورا نے

جواب دیا۔ ”یہ جو وہ ہندو سوسائٹی سے چپکا ہوا ہے اس سے بڑی کوفت ہوتی ہے

ہمارے فرقہ سے ذہ بالکل ہی شکل جاتا تو بہت اچھا کرتا۔
 ”یہ آپ سوسائٹی کو اس قدر اہمیت کیوں دیتے رہتے ہیں“ سچا ریتلے
 بھی رنجیدہ ہو کر پوچھا۔
 ”سوسائٹی پر اتنا عقیدہ کیا آپ کی فطرت بن گیا ہے یا آپ خواہ مخواہ ایسا
 کہتے رہتے ہیں۔“

ان حالات میں تو ایسا سوچنا خواہ مخواہ ہی میری فطرت بنے گا۔“ گورا نے
 جواب دیا۔ ”جب پاؤں تلے کی زمین کھسکنے لگے تو پھر ہر قدم زیادہ جھکا کر رکھنا پڑتا
 ہے۔ ہر طرف سے مخالفت ہو تو گفت ارادہ کر دار میں زور آ ہی جاتا ہے۔ یہ تو
 کوئی غیر نظری بات نہیں ہے۔“
 لیکن آپ کیوں سمجھتے ہیں کہ ہر طرف سے جو آپ کی مخالفت ہو رہی ہے۔
 وہ غلط ہو رہی ہے۔ سوسائٹی اگر ترقی کے راستے ہیں اور دوسرے اٹھکاتے تو کھپڑ
 تو اس کو لگاتے ہی جاتیں۔“

”ترقی تو پانی کی موجوں کی طرح ہے جو کناروں کو توڑتی رہتی ہے لیکن
 میں نہیں سمجھتا کہ کناروں پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس توڑ پھوڑ کو قبول بھی
 کر لیں۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں سوسائٹی کے اچھے اور بُرے پہلو پر کبھی غور نہیں کرتا
 آج کل تو کسی سو دہ سال کے لڑکے کے لئے بھی یہ دیکھنا آسان بات نہیں ہے
 مشکل چیز یہ ہے کہ ایمان اور مذہب کے عقائد کے ساتھ ساتھ سوسائٹی کا مکمل
 جائزہ لیا جائے۔“

”لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ ہم اپنے عقائد کے ذریعہ ہمیشہ سچی ہی بات تک
 پہنچیں۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کے ذریعہ ہم چیزوں کے متعلق غلط فیصلے
 کر بیٹھیں اور اس طرح حق کی بجائے باطل کی طرف جھک جائیں۔“

آپ سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ کیا بہت پرستی کرنی چاہیے؟ کیا آپ اسے صحیح اور صادق چیز سمجھتے ہیں؟

گورا ایک منٹ چُپ رہا، پھر بولا "دیکھتے ہیں کوشش کروں گا آپ کو اپنے خیالات سمجھا سکوں۔۔۔ شروع میں میں ان باتوں کو صحیح سمجھتا تھا ان کی مخالفت نہیں کرتا تھا کیونکہ ان میں یورپین رسموں کے متضاد عناصر مجھے نظر آتے تھے۔ ایسے ان کے خلاف بہت سہل ویلیں دی جاسکتی تھیں۔۔۔ مذہبی معاملات میں میں نے بھی کوئی خاص دخل ابھی تک حاصل نہیں کیا تھا، لیکن آنکھیں بند کر کے رُٹے ہوتے سبق کی طرح میں یہ دہرانے پر تیار نہیں ہوں کہ صورت کی پرستش بھی وہی چیز ہے جو بہت پرستی ہے یا بتوں کی پرستش ہی مذہبی عقائد کی سخری منتہا اور مقصد ہے۔ اگر فن میں ادب میں، سائنس اور تاریخ میں انسان کی تختیل کا دخل ہے تو میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ مذہب میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ مذہب میں تو انسان کی تمام صداقتوں کی تکمیل ہوتی ہے اور آپ خود ہی سوچتے کہ کیا عقل و عقیدے کو تختیل کے ساتھ ملائے کی جو کوشش ہمارے ملک میں کی گئی جس کا ذریعہ یہ بہت پرستی ہے وہ کوشش انسان پر سچائی کو ظاہر نہیں کرتی۔ ایسی کوشش کسی دوسرے ملک میں نہیں ہوتی۔"

"کیوں؟ یونان اور روم میں بھی بہت پرستی ہوتی تھی" سچا رہتا ہے دلیل پیش

کی۔

"ان ممالک کے بنوں میں سچائی اور تلاش صداقت کا عنصر اتنا نہیں تھا جتنا کہ حُسن کا۔۔۔ جبکہ ہمارے ملک کے خیالات میں ہمارا فلسفہ اور ہمارا مذہب گہرائی کے ساتھ رچا ہوا ہے۔ بھٹائے کرشن اور رادھا۔ شیوا اور دُرجا، صورت تارنجی پرستش

کے نمونے نہیں بلکہ وہ ہماری تہذیب کے فلسفہ کھن کی صورتیں ہیں۔ ایہی وجہ ہے کہ ہمارے رام پرشو اور چیتھ دیو نے بھی اپنے ایمان اور عقائد کے اظہار کے لئے ان تمام صورتوں کا سہارا لیا۔ یونان اور روم کی تاریخ میں کہیں آپ کو اتنا عظیم عقیدہ دکھائی دیتا ہے؟

پھر کیا آپ یہ ماننے سے انکار کر سکتے ہیں کہ زمانے گزرنے کے بعد مذہب اور سوسائٹی میں بھی تبدیلیاں ہوتی ہیں؟ ”سچا ریتا نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔ میں کیسے انکار کر سکتا ہوں۔۔۔ یہ اگر تبدیلیاں ایک مجنونانہ انداز میں کی جائیں گی تو کام نہیں چلے گا۔ بچہ آہستہ آہستہ بڑھ کر پورا مرد بنتا ہے لیکن پورا مرد یکا یک بلی یا کتا نہیں بن سکتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ ہندوستان میں جو بھی تبدیلیاں ہوں وہ ہندوستانی ارتقا کے مطابق ہوں۔۔۔ کیونکہ آج آپ اگر یکا یک انگلستان کی تاریخ یہاں دہرانے لگیں گی، تو شروع سے آخر تک ناکامی ہی ناکامی ہوگی۔ میں آپ لوگوں کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہمارے ملک کی عظمت اور قوت ہمارے ہی ملک میں پنہاں ہے، اسی کے لئے میں نے اپنی زندگی وقف کر دی ہے! یہ تو آپ سمجھ سکتی ہیں نا؟“

”ہاں یہ تو میں بخوبی سمجھ سکتی ہوں، لیکن یہ سب خیالات میرے لئے بالکل نئے ہیں، آپ سے ملاقات ہونے سے پہلے میں نے ان باتوں کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہ تھا جیسے اجنبی جگہ کو جانتے جانتے انسان کو دیر لگتی ہے وہی حال اس وقت میرا ہے۔ میں سمجھتی ہوں۔۔۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ میں عورت ہوں اور سمجھنے کی قوت مجھ میں ذرا کم ہے۔“

”مہرگز نہیں!“ گورانے جوش کے ساتھ کہا ”میں بہت سے ایسے مردوں کو جانتا ہوں جن سے میں نے عرصے تک یہ باتیں کی ہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ وہ سمجھ گئے

لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان میں سے کسی نے بھی اتنا نہیں سمجھا جتنا آپ نے! جب میں پہلی بار آپ سے ملا تھا تب ہی مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ آپ مخصوص طور پر ذہین ہیں اور اسی لئے میں اکثر آپ کے پاس آتا اور بلا تکلف آپ سے بات کرتا ہوں۔ اپنی زندگی کے تمام ارمان اور امیدوں کو آپ کے سامنے کھول کر رکھ دینے میں مجھے کبھی تامل نہیں ہوا۔

”آپ ایسی باتیں کہتے ہیں تو مجھے بڑا ویسا لگتا ہے“ سچا ریتا نے شرمکے کہا ”کیونکہ میں پوری طرح سمجھ نہیں سکتی ہوں کہ آپ مجھ سے کیا اُسید کرتے ہیں میں کیا دے سکتی ہوں کیا کر سکتی ہوں۔ اور یہ خیالات جو اتنی تیزی سے میرے ذہن پر قبضہ کرتے جا رہے ہیں ان کو کس طرح بیان کر سکتی ہوں۔ مجھے ڈر ہے کہ ایک دن آپ اپنی غلطی کو پہچانیں گے کہ آپ نے مجھ پر اتنا بھروسہ کیا۔“ گورا کی آواز بھاری ہو گئی ”نہیں۔۔۔ اس میں کوئی غلطی نہیں۔ آپ میں کتنی عظیم صلاحیتیں ہیں، یہ میں آپ پر واضح کروں گا، آپ بالکل پریشان نہ ہوں۔۔۔ آپ اپنی لیاقت کو ثابت کرنے کا بار میرے کندھوں پر ڈال دیجئے۔۔۔ صرف مجھ پر بھروسہ کیجئے اور کچھ نہیں۔“

سچا ریتا نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس کی خاموشی سے کم از کم یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو رہی تھی کہ وہ گورا پر پورا بھروسہ کرنے کے لئے تیار ہے۔ گورا بھی چُپ ہو گیا۔ ایک منٹ کمرے میں کوئی آہٹ نہیں ہوئی مکمل سناٹا رہا۔۔۔ باہر غلی سے سودے والوں کی صدائیں آ رہی تھیں گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے۔ پیتل کے برتن بیچنے والے کے برتنوں کی جھنجھٹاؤ ذرا دیر فضا میں گونجی پھر وہ آگے نکل گیا اور مکمل خاموشی چھا گئی۔

ہری موہنی صبح کا بد خاتمہ کر کے باورچی خانہ کی طرف جارہی تھیں، اُن کو گمان

بھی نہ تھا کہ سچا ریتا کے خاموش کمرے میں کوئی بیٹھا بھی ہے، لیکن گذرتے ہوئے انہوں نے ایک نظر ڈالی تو دیکھا کہ سچا ریتا اور گورا آسنے سامنے خاموش بیٹھے ہیں ایک لفظ کہنے نہیں، بالکل چپ ہیں۔ طیش کے مارے ان پر جیسے بجلی گر پڑی لیکن ضبط سے کام لے کر انہوں نے دروازے پر کھڑے ہو کر آواز دی ”را دھارانی“

سچا ریتا نکل کے آئی تو وہ بڑی مٹھاس سے بولیں ”بیٹی، آج میرا پورنماشی کا برت ہے، جی میرا چٹنا نہیں ہے، ذرا تم رسوئی میں جا کر چولہا جلا لیں جب تک میں گورا بابو کے پاس بیٹھی ہوں۔“

سچا ریتا کچھ تو سمجھ گئی کہ اس کی شامہ کا ارادہ کیا ہے، ذرا پریشان بھی ہوئی مگر باورچی خانہ کی طرف چلی گئی۔ گورا نے کھڑے ہو کر ہر سی سوہنی کو باتہ جوڑے وہ بغیر کچھ جواب دے تے بیٹھ گئیں۔ ذرا دیر ہوئی کھینچے بیٹھی رہیں۔ پھر سسوت توڑا۔۔۔۔۔ آپ تو برہو نہیں ہیں نہ۔۔۔۔۔ یا ہیں؟

”جی نہیں“ گورا نے جواب دیا

”تو آپ ہمارے ہندو سماج کے عورتوں کا تو ضرور لحاظ کرتے ہوں گے؟“

”جی ہاں۔۔۔۔۔ ضرور کرتا ہوں۔“

”تو پھر اس طرح کے رویہ سے آپ کا کیا مطلب ہے؟“

گورا کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ ہر سی سوہنی کا کیا مطلب ہے۔ سوالیہ انداز میں ان کی طرف دیکھنے لگا۔

ہر سی سوہنی نے اپنی بات جاری کی ”را دھارانی سیانی لڑکی ہے اور آپ

اس کے کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہیں، تو پھر آپ کو اس سے کیا اتنی گفتگو کرنے کی

ضرورت ہے! وہ عورت ہے۔ اس کو گھر گریہستی کا کام کاج دیکھنا ہوتا ہے،

بہر وہ گپ شپ ہیں اتنا رقت کیوں ضائع کرے۔ خواہ مخواہ ہی تو اس کا دماغ خراب ہوگا۔ آپ سمجھدار آدمی ہیں۔ ہر کوئی آپ کی تعریفیں کرتا ہے لیکن ہمارے ملک میں اس طرح کے طور طریقوں کی کب اجازت تھی اور یہ رویہ کس شاستر میں لکھا ہے کہ ٹھیک ہے۔“

گورا کو سخت دھکا لگا۔ اس کو تو کبھی خیال بھی نہ آیا تھا کہ اس کی اور سچا ریتا کی دوستی کے متعلق ایسی بات بھی کسی طرح سے کہی جاسکتی ہے۔ — ذرا دیر چپ رہ کر بولا ”سچا ریتا برہمن سماج کی ممبر ہیں اور چونکہ میں دیکھتا ہوں کہ وہ آزادانہ لوگوں سے ملتی جلتی ہیں۔ اس لئے میں نے ایسا کبھی نہیں سوچا۔“

”اچھا۔۔۔ اگر وہ برہمن سماج کی ممبر ہے بھی، تو آپ تو یہ کہہ نہیں سکتے کہ یہ باتیں ٹھیک ہیں، — آپ جو کچھ کہتے ہیں اس سے آج بٹیار لوگ بیدار ہو رہے ہیں، — اگر وہ آپ کا یہ رویہ دیکھیں تو کس طرح وہ آپ کا احترام کریں گے۔ کل رات گئے تک آپ سچا ریتا سے ہاتھ کھڑے رہے اور ابھی تک آپ کی بات ختم نہیں ہوتی جو آج صبح ہی صبح آپ آگئے صبح سے نہ اس نے موہمی خانہ میں جہانک کر دیکھا نہ باورچی خانہ میں گئی۔ پورے شامی کے دن جو کھوڑی بہت مدد و مدد مجھے گھر کے کاموں میں دیتی ہے وہ بھی اس نے بھلا ہی دی۔ — یہ آخر کیسی تعلیم ہے؟ آخر آپ کے گھر میں بھی تو لڑکیاں ہوں گی۔ کیا آپ ان کو بھی گھر کے کام کاج سے کھینچ کر اس کی تربیت دیتے ہیں؟ نہیں۔ — ہرگز نہیں۔ بلکہ اگر اور کوئی ایسا کرتا چاہے تو آپ اس کو اچھا بھی سمجھیں گے۔“

گورا اپنے بچاؤ کے لئے کیا کہہ سکتا تھا۔!

صرف اتنا ہی بولا ”سچا ریتا کی تعلیم اور تربیت اس طرح ہوتی ہے کہ میں نے

اس معاملے پر اس طرح کبھی غور ہی نہیں کیا۔

”چھوڑ دیتے اس تعلیم تربیت کو“ ہری موہنی چنچیں ”جب تک وہ میرے ساتھ رہ رہی ہے اور جب تک میں زندہ ہوں، یہ سب نہیں چلے گا۔ میں بڑی مشکلوں سے اُسے کچھ کچھ اپنے راستے پر لاتی ہوں، پاریش بابو کے یہاں تو یہ افواہ رڑ گئی کہ میرے ساتھ رہ کر وہ ہندو ہو گئی ہے، پھر جب اس گھر میں ہم لوگ آئے تو بھارا راہ جو بندے ہے اس نے ایسی لمبی بحثیں کر کے پھر اُٹ پٹ کر دیا۔۔۔۔۔ ظاہر ہے کہ وہ تو برہمن خاندان میں شادی رچانے والا ہے۔ خیر ہو گا۔ اس بندے کو میں نے بڑی مشکلوں سے دفع کیا۔ پھر ایک کوئی اور صاحب ہیں جو ہرن بابو کہلائے ہیں۔ جب وہ آتے تو میں راہا رانی کو لے کر کھٹے پر جا بیٹھتی تھیں کہ وہ نہ کچھ سمجھائیں پڑھائیں۔ جب میں پہلے پہل یہاں آتی تھی تو یہ سب کے ساتھ کھانا کھاتی تھی مگر اب میں دیکھتی ہوں کہ وہ یہ سب و جیات بائیں چھیڑی جا رہی ہے۔ کل خود باورچی خانے سے بھات لاتی اور نوکر کو بھی پانی لانے سے منع کر دیا۔۔۔۔۔ اب میں آپ کے آگے ہاتھ جوڑتی ہوں۔ اس کا وہ غوغا خراب نہ کیجئے۔۔۔۔۔ میرے جو بھی عزیز اقارب تھے وہ مر چکے، یہی ایک بچی ہے۔۔۔۔۔ اور کوئی ایسا نہیں ہے جسے میں اپنا کہہ سکوں، مہربانی کر کے اس کا بیچا چھوڑ دیجئے۔ ان کے گھر میں سب ایک سب فی لڑکیاں ہیں۔ لمبونا ہے، لمبلا ہے، وہ بھی بڑھی لکھی ہیں، ذہین ہیں، اگر آپ کو باتیں ہی کرنی ہیں تو ان سے کیجئے، کوئی آپ کو منع نہیں کرے گا۔“

گورا کے بچوں پر مہر لگ گئی۔۔۔۔۔ چپ بیٹھا رہا۔ کہتا بھی کیا! ذرا دیر بعد ہری موہنی نے پھر کہنا شروع کیا ”دیکھتے نا۔۔۔۔۔ اب آخر اس کی شادی

ایسا اچھا لڑکا اسنے دن یوں ہی بیٹھا رہ جاتا ہ وہ رادھارانی کے لئے نہایت موزوں رہے گا۔

گورا کو جتنی ہی زیادہ چھن محسوس ہوتی گئی وہ اتنا ہی زیادہ کیداشس کے متعلق پوچھتا گیا۔ معلوم یہ ہوا کہ ہری موہنی کے دیوروں میں کیداش سب سے زیادہ پڑھا لکھا تھا۔ اس نے خود ہی کوشش کر کے تعلیم حاصل کی تھی۔ لیکن کہاں تک حاصل کی تھی یہ ہری موہنی کو کچھ ٹھیک سے نہیں معلوم تھا۔ بہرحال خاندان میں وہ اپنی قابلیت کے لئے مشہور تھا۔ گاؤں کے ڈک بابو کے خلاف جب شکایت لکھ کر جنرل پوسٹ آفس کو بھیجی گئی تھی۔ یہ کیداش نے اتنی عمدگی سے وہ درخواست لکھی تھی کہ پوسٹ آفس کے محکمے کا ایک بڑا افسر خود جانچ پڑتال کرنے آیا۔ اور رائے گاؤں کے لوگ کیداش کی قابلیت پر حیران رہ گئے تھے لیکن اتنی تعلیم کے باوجود مذہبی معاملات اور ریتوں رسموں کے سلسلے میں اس میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آتی تھی۔

کیداش کی ساری تاریخ سننے کے بعد گورا اٹھا ہری موہنی کے سنا منے جھکا اور ایک لفظ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔ زینے سے اترتے وقت اس نے دیکھا کہ سچا ریتا آنگن کے دوسرے سرے پر باورچی خانے میں کھانا پکانے میں مصروف ہے۔ جب اس نے گورا کے قدموں کی آہٹ سنی تو وہ دروازے پر آکھڑی ہوئی۔ لیکن جب گورا ادھر ادھر دیکھے بغیر سر جھکاتے باہر چلا گیا تو اس نے ایک ٹنڈی سانس بھری اور پھر باورچی خانے میں جا کے کام میں لگ گئی۔ گلی سے نکل کر گورا بڑی سڑک پر مڑا ہی تھا کہ ہرن بابو سے تصادم ہو گیا۔

”میں سمجھتا ہوں آپ ابھی وہاں ملنے گئے تھے سچا ریتا کھر پر ہیں؟“

”ہاں“ اور تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

ہرن بابو نے گھر کے دروازے پر قدم رکھتے ہی دیکھ لیا کہ سچا ریتا بابو چلی خانے میں ہے۔ اس کی خالہ اس کے آس پاس کہیں کھین نہیں لیں اس لئے اب سچا ریتا کے لئے بھاگ نکلنے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔

”ابھی راستے میں گور موہن بابو سے ملاقات ہوئی تھی ”ہرن بابو بولے ”میرا خیال ہے وہ ابھی ابھی یہاں سے گئے ہیں۔“

سچا ریتا نے اُن کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ دیکچسوں اور پتیلیوں میں بچید مصروف ہو گئی۔ وہ ایسا ظاہر کر رہی تھی گویا سانس لینے تک کی اُسے مہلت نہیں ہے، لیکن ہرن بابو اس آسانی سے ٹپکنے والے نہیں تھے۔ بابو چلی خانے کے کمرے میں کھڑے کھڑے انھوں نے گفتگو شروع کر دی۔ زینے پر سے ہری موہنی نے دو چار بار کھنکارا بھی، لیکن اُن پر کوئی اثر نہ ہوا۔ ہری موہنی آسانی سے ہرن بابو کے سامنے بے سکتی کھین سیکن انھیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ایک بار انھوں نے اپنا پردہ توڑا کہ پھر ان کے اور سچا ریتا کے لئے، اس جوڑے کی طرح چمٹنے والے نوجوان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہے گی! اس وقت اگر اُن کو ہرن بابو کا سایہ بھی دکھائی دے جاتا تو اس احتیاط سے گھونگھٹ نکال کھسکتیں جیسے نئی بیاہی دولہن ہوں!

”سچا ریتا“ ہرن بابو کہہ رہے تھے ”تم سمجھ رہی ہو کہ تم کیا کر رہی ہو؟ آخر تمہارا کیا انجام ہونا ہے؟ میں سمجھتا ہوں یہ تو تم سن ہی چکی ہو گی کہ لوہتا کی شادی نہوتے سے ہندو رسوم کے مطابق ہو رہی ہے! تم جانتی ہو اسکا ذمہ وار کون ہے؟“

جب اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملا، تو انھوں نے اپنی آواز مدھم کی اور سنجیدگی سے بولے ”تم اس کے ذمہ وار ہو۔“

ہرن بالو کا خیال تھا کہ اتنا بڑا الزام لگے گا تو سچا ریتا اس دھکے کو برداشت نہیں کر سیکے گی۔ لیکن انھیں یہ نظر آیا کہ وہ اپنے کام میں مصروف ہے، سر اٹھا کر دیکھتی تک نہیں۔۔۔ انھوں نے اپنی آواز اور سنجیدگی۔۔۔ انگلی اٹھائی اور بولے ”سچا ریتا۔۔۔ میں پھر کہتا ہوں کہ تم اس کی ذمہ دار ہو۔۔۔ کیا تم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتی ہو کہ اس معاملے میں تم پورے برہو سماج کے سامنے موزر الزام نہیں ہو؟“

سچا ریتا نے جواب میں صرٹ آگ پر فرائی بان رکھ دیا اور تیل اس میں سنسنائے لگا۔

ہرن بالو نے اپنی بات جاری رکھی۔۔۔ ”تم نے بوسے اور گورموہن بالو کو اپنے گھر میں گھسایا۔ اور یہاں تک ان لوگوں کو سر چڑھایا کہ اب برہو سماج کے تمام محترم دوستوں سے زیادہ ان کی عزت بھاری نظر میں ہے! اب دیکھتی ہو اس کے کیا نتیجہ ہوا! میں نے تمہیں شروع ہی سے خبردار کیا تھا کہ نہیں۔۔۔ آج کیا انجام ہے! اب کون لو لٹا کو روک سکتا ہے؟ میرا خیال ہے تم سمجھتی ہو کہ بس یہاں اسنے ہی پر ختم ہو جائے گا۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ بے شک تم اپنے دل میں لو لٹا کی بد نصیبی پر کڑھکتی ہو گی، لیکن وہ دن دور نہیں جب تمہیں اپنی تباہی بر بھی کڑھکتے نہ بنے گی۔ سچا ریتا، اب بھی موقع ہے، لوٹ آؤ۔“

ایک منٹ سوچو تو سہی، ہم دونوں نے کتنی عظیم اُمیدوں سے ایک دوسرے کا ہاتھ کھانا تھا، خدا نے کس طرح ہمارے دلوں کو منیر لیا تھا، کیسے کیسے ارادے ہم نے کئے تھے۔۔۔ کس طرح ایک ایک دن گن کر ہم زندگی کے سفر کی تیاری کر رہے تھے۔ کیا تم سمجھتی ہو کہ وہ سب ختم ہو گیا نہیں۔۔۔ ہماری اُمیدوں کی وہ زراعت آج بھی تیار ہو رہی ہے صرف

تم کو مڑ کر ایک بار اُسے دیکھنا ہے۔۔۔۔۔ واپس آجاؤ سچا ریتا۔۔۔۔۔ واپس آجاؤ۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی ساتھ کڑھائی کے تیل میں بکھتی ہوئی طرح طرح کی سبزیاں زور زور سے جھنچھنا نے لگیں اور سچا ریتا ان کو کفگیر سے اُلٹنے پلٹنے لگی ہرن بابو یہ دیکھنے کے لئے چُپ ہو گئے کہ انھوں نے جو دعوتِ پشیمانی دی ہے وہ سچا ریتا پر کیا اثر کرتی ہے۔۔۔۔۔ سچا ریتا نے کڑھائی کو آگ پر سے اٹھایا اور زمین سے رکھتے ہوئے ہرن بابو کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بڑی سنجیدگی اور استقلال سے بولی ”میں ہندو ہوں“

”تم۔۔۔۔۔ ہندو“ ہرن بابو کو جیسے بجلی کے تار نے چھو لیا۔
 ”ہاں۔۔۔۔۔ میں ہندو ہوں“ اور یہ کہتے ہوئے اس نے پھر کڑھائی کو آگ پر رکھ دیا اور اس میں کفگیر چلائے لگی۔

ہرن بابو اس صدمے کے پہلے اثر سے اب ہوشیار ہوئے جیسے تھے
 تھے ہنچ کر بولے ”تو گور موہن بابو صبح مشام تمہیں یہ سبق پڑھاتے رہے ہیں۔“
 سچا ریتا نے مڑے بغیر جواب دیا ”ہاں۔۔۔۔۔ میں ضرور ان سے تعلیم حاصل کرتی ہوں۔۔۔۔۔ وہ میرے گرو ہیں“

ہرن بابو آج تک اپنے آپ کو سچا ریتا کا گرو سمجھتے رہے تھے۔۔۔۔۔ اگر اس وقت سچا ریتا ان کو یہ خبر سناتی کہ وہ گور موہن بابو سے محبت کرتی ہے تو بھی غالباً ہرن بابو کو اتنا تلخ احساس نہ ہوتا۔۔۔۔۔ لیکن سچا ریتا کی زبان سے یہ سننا کہ گورا نے ان کے گرو بننے کا حق چھین لیا ہے، ان کو چابک کی طرح لگا۔

تمہارے گرو صاحب چاہے جتنے بڑے آدمی ہوں کیا تم سمجھتی ہو کہ ہندو

سوسائٹی تمہیں قبول کر لے گی“ ہرن بابو نے دانت پیس کر طنز کیا۔
 ”میں یہ سب کچھ نہیں جانتی۔ میں آپ کی یہ سوسائٹی و سائٹی کچھ نہیں سمجھتی۔ لیکن اتنا مجھے معلوم ہے کہ میں ہندو ہوں۔“

”کیا تم سمجھتی ہو کہ تمہارا اتنی عمر تک کنوارہ رہنا ہی تمہیں ہندو سوسائٹی سے نکال باہر کرنے کے لئے کافی نہیں ہے؟“ ہرن بابو نے سوال کیا۔
 ”آپ اس سوال کے متعلق پریشان نہ ہوں۔“ میں تو آپ سے

بس صرف اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ میں ہندو ہوں۔“
 ”میرا خیال ہے کہ پارلیمنٹ ہاؤس نے تمہیں جو کچھ تعلیم و تربیت دی تھی وہ سب تم اس نئے گرو کے قدموں میں بیٹھ کر بھلا چکی ہو۔“ کیوں؟

”میرے دل کا اصلی حال جاننے والا میرا خدا میرے نہ ہب کا حال بہتر جانتا ہے۔ میں کسی سے اس کے بارے میں بحث نہیں کرنا چاہتی۔ البتہ آپ کو ایک بات سمجھانے کی ضرورت ہے کہ میں ہندو ہوں۔“

ہرن بابو بگڑ کر بولے ”خیر۔۔۔ میں تمہیں یہ بتاتے دیتا ہوں کہ تم اپنے کو چاہے جتنا بڑا ہندو سمجھو، اس سے تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا، تمہارے گورموہن بابو کوئی دوسرے بنوے نہیں ہیں، اس لئے تم چاہے چیخ چیخ کر اپنا گھا بٹھا لو کہ تم ہندو وہ تمہارے بنوے سے ہے! ان کے لئے تمہارا گرویننا اور تم کو چیلنا بنا کر پھانسی لیسن آسان ہے، لیکن یہ تم خواب میں نہ سوچنا کہ وہ تمہیں بیوی بنا کر گھر لے جائیں گے اور اپنی گریستی تمہارے حوالے کر کے تمہیں سائیلی کا درجہ بخشیں گے۔“

سچا ریتا ایک منٹ کے لئے اپنی ساری پکائی و کائی بھول گئی، بجلی کی طرح مڑ کر چیخی ”یہ سب کیا بک رہے ہیں آپ؟“

”میں صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ گرو موہن بابو شادی تم سے کبھی نہیں کریں گے۔“
”مجھ سے شادی؟“ سچا ریتا پھر چیخی، اس کی آنکھوں میں غضب کی تہارت

کھنی ”میں نے آپ سے کہا نہیں کہ وہ میرے گرو ہیں۔“
”وہ تو تم نے یقیناً کہا لیکن جو کچھ تم نے نہیں کہا وہ بھی ہم لوگ سمجھتے ہیں۔“
”کل جاتے اس گھر سے! آپ کو میری ہتک کرنے کا حق پہنچتا ہے۔“
”آج میں آپ سے ہمیشہ کے لئے کہہ دیتی ہوں، میں اب کبھی آپ کے سامنے نہیں آؤں گی۔“

”میرے سامنے نہیں آئیں گی“ ہرن بابو دانت پس کر چلائے ”اب تو آپ زنا نے میں رہنے والی خاتون ہو گئیں! باقاعدہ ہندو استری ٹھہریں۔ جسے سورج کی کرن بھی نہیں دیکھ سکتی۔۔۔۔۔ اب جائیے پاریش بابو کو اپنی کرنی کا پھل بھوگنا پڑ رہا ہے، جو بو یا ہے وہ بڑھا ہے میں کاٹیں میں نے تو آپ سب سے بھر پایا۔۔۔۔۔ یہ کہہ کر وہ غصے میں لال پیلے، پیر پٹکتے گھر سے باہر نکل گئے۔ سچا ریتا نے دھڑ سے باورچی خانے کا دروازہ بند کیا اور زمین پر گر پڑی کہ اُس کے رونے کی آواز کوئی سننے نہ پائے۔

ہری موہنی نے ان دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سُنا تھا۔ اور سچا ریتا کے مُنہ سے جو باتیں انکھوں نے سُنیں وہ اُن کی بلند ترین اُمیدوں سے درو قدم آگے تھیں۔ وہ خوشی سے پھولی نہیں سماتیں۔ اُن کے دل نے صدا دی کہ ایسا کیوں نہ ہو؟ ایسا سچ کچھ کیوں نہ ہو۔۔۔۔۔ آخر میں نے اپنے خدا سے اتنی یکسوئی کے ساتھ دعا میں مانگی تھیں تو وہ بیکار کیسے جاتی تھیں۔۔۔۔۔ وہ سیدھی بھگوان کے سامنے دوڑی گئیں اور موہنی کے سامنے زمین پر لیٹ کر دل سے وعدہ کیا کہ آج سے وہ دُورنی پوجا کریں گی۔۔۔

اِسنے دلوں سے ان کا دکھی دل، غم کے مارے بہت خاموشی اور سکون سے پوچھا کیا کرتا تھا۔۔۔۔۔ اچھے وہی دل بے چین تھا، بیتاب تھا، اُمیدوں کی آگ، آرزوں کے شوق نے اس کی ہوس، اس کی بھوک بڑھا دی تھی، اس کی ہوس کو بھواد دی تھی۔

— (۱۱) —

پچھیا سٹھواں باب

گورا جس طرح سچا ریتا سے گفتگو کر لیا کرتا تھا، اُس طرح اُس نے کبھی کسی سے بات نہیں کی تھی۔ اب تک وہ اپنے سُسنے والوں کے سامنے صرف اپنے خیالات بیان کرتا تھا، انھیں ہدایتیں دیتا تھا یا اُن کو تقریریں سُنااتا تھا۔ لیکن سچ سچا ریتا کے سامنے وہ اپنے پورے وجود کی تشریح کر رہا تھا۔

اپنے وجود کے اس اظہار میں صرف قوت ہی کا احساس نہ تھا بلکہ اُس کے سارے خیالات اور تمام رادوں پر ایک گداز، ایک سوز — ایک جذبات کا عالم طاری ہو گیا۔ زندگی حُسن سے بھرپور نظر آتی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ دیوتاؤں نے اس کے ایمان اس کی عقیدت پر یکایک آبِ حیات کی پُتیاں برسائی شروع کر دی ہے۔

یہی سُرست تھی جو اتنے دن تک برابر گورا کو کھینچ کر سچا ریتا کے قریب پہنچاتی رہی — وہ عظیم وہ گہری مسرت جس نے انجامِ اپر غور کرنے کی کبھی ٹھہرت ہی نہیں لی — آج، یکایک ہری موہنی کے الفاظ سُن کر اُسے یاد آیا کہ ایک بار وہ اسی بے رحمی کے ساتھ بُھوتے پر ہنستا تھا، اسی طرح اس نے بُھوتے کو اسی قسم کی کشیش پر لعنت ملامت کی تھی !

اپنی حماقت سے وہ بالکل اسی قسم کی دلدل میں کھنس گیا تھا — اور اپنے آپ کو اس میں پھنسا دیکھ کر حیران رہ گیا !

اُس نے اپنی تمام عقل و فراست کو آواز دی !

جس طرح گہری نیند میں سوئے ہوئے کسی آدمی کو کسی جگہ سوئی چھوڑ دی جاتے وہ چونک کر اٹھ بیٹھے اور اس کا دل قابو میں نہ آ رہا ہو، وہی حالت گورا کی تھی۔ اس نے بارہا اپنی تقریروں میں یہ کہا تھا کہ دنیا کی بہت سی عظیم توہیں بالکل نیست و نابود ہو گئیں۔ ہندوستان جو صدیوں تک شدید تھپیڑوں کا مقابلہ کر کے بھی زندہ رہا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے کبھی اپنے آپ کو بے قابو نہیں ہونے دیا اور ہمیشہ پُرانے اصولوں اور قاعدوں کو قائم رکھا۔ ان قوانین میں گورا بالکل رد و بدل کرنے کو تیار نہ تھا اور اس کا خیال تھا کہ اتنی لوٹ کھسوٹ کے باوجود، چونکہ ہندوستان کی رُوح اسی ٹھہراؤ اور اسی اصول پسندی پر قائم تھی۔ اسی لئے کوئی اس کے جسم کو بھی ناپاک نہیں کر سکا۔ اسی لئے جب تک کوئی بدیشی راجہ ہم پر مسلط ہے، ہمیں اپنے قاعدوں پر سختی سے قائم رہنا چاہیے اور ان قاعدوں کی اچھائی یا بُرائی پر بحث نہ کرنا چاہیے۔ ڈوبتا ہوا لجنے جب تنکے کا سہارا لیتا ہے وہ تنکے کے خوبصورت یا بدصورت ہونے کی طرف ترجیح کیسے دے سکتا ہے۔

اس طرح گورا بار بار اپنے خیالات کا اظہار کرتا رہا تھا۔ آج بھی وہ یہی سوچ رہا تھا اور سہری موہنی نے جو اس کو لوٹ کا تو اسے ایسا محسوس ہوا کہ گویا کسی شریف اور سیدھے سادھے ہاتھی کو انکس چبھا دیا گیا۔

وہ گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ موہم دارا متیض اُٹا سے باہر ایک کرسی پر بیٹھے حُفّہ پی رہے ہیں۔ آج اُن کے آئین میں چھٹی تھی۔ گورا اندر گیا تو وہ بھی اُس کے پیچھے پیچھے چلے "گورا۔۔۔ میری بات سنو، مجھے تم سے کچھ کہنا ہے" اور وہ اُسے آواز دیتے اندر گئے۔

دونوں گورا کے کمرے میں داخل ہو کر بیٹھ گئے۔ موہم دارا نے بات شروع

کی ” دیکھو بھئیّا۔ بُرا نہ ماننا، لیکن سب سے پہلے تو میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم بھی اُسی مرض میں مبتلا ہو گئے ہو جو، ”نوے“ کے کو لگ گیا ہے۔ تم نے اس طرف زیادہ آنا جانا شروع کر دیا ہے، بہت گھلے ملے جا رہے ہو ان لوگوں سے۔ ” گورا اُٹھا گیا۔ ” اے نہیں۔۔۔۔۔ آپ کو گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

” لیکن معاملات مجھے جس طرح چلتے دکھائی دے رہے ہیں اُن کے لحاظ سے کون کہہ سکتا ہے۔ تم سمجھتے ہو گے کہ یہ بھی کوئی مُنہ کا نوالہ ہے کہ جہاں چاہا بیٹھ کر بنگلہ، اور پھر کُٹنڈے کُٹنڈے گھر چلے آتے ہو اپنے دوست کی حالت دیکھو تو پتہ چلے کہ نوالے میں اندر کا اُٹھا بھی ہے جو کتھیں پھنسا لے جائیگا نہیں نہیں۔۔۔۔۔ بھاگو نہیں۔۔۔۔۔ ابھی تو میں اصل بات تک پہنچا بھی نہیں میں نے سنا ہے کہ ”نوے“ کی شادی کسی برہمن خاندان میں طے ہو گئی ہے اور میں تم سے پہلے سے کہے دیتا ہوں کہ اب اس کا اور ہم لوگوں کا کوئی تعلق نہیں رہے گا۔“

” وہ تو ہے ہی۔۔۔۔۔ اس کے کہنے کی کیا ضرورت ہے“ گورانے ان سے اتفاق کیا۔

” لیکن ماں نے اگر کوئی پھنڈا کھڑا کیا تب تو بڑی مشکل ہوگی“ میں نے اپنی بات جاری رکھی۔ ” ہم لوگ بال بچے دار لوگ ہیں، لڑکے لڑکیوں کی شادیاں لگانے کرنے میں یوں ہی بہاری کمر ٹوٹ جاتی ہے۔ اور اُدھر سے اگر گھر ہی ہیں ایک برس میرا سہا جہلہ بھی بن جاتے تب تو گھر چھوڑ کہیں اور جا کے بسنا پڑے گا۔“

” نہیں نہیں۔۔۔۔۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

” شاشی کا بیاہ تقریباً طے ہی ہو گیا ہے، لیکن اس کے ہونے والے

سُسر کو تو کوئی اطمینان نہیں ہوگا جب تک اس کو صرف لڑکی ہی نہیں مل جائے گی۔
 بلکہ اس کے برابر سونا نہ تول کر لے دیا جائے گا۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ انسان
 تو فنا ہو جانے والی چیز ہے اور سونا باقی رہ جانے والی شے! گولی سے زیادہ
 اس کی نگاہ گولی پر لیٹی ہوئی شکر پر ہے! اس ڈھٹالی سے وہ اپنے مطالبات
 پیش کرتا ہے کہ اُسے واقعی سُسر کی گالی دینے کو جی چاہتا ہے! ویسے تو
 مجھے اس وقت کافی پیسے خرچ کرنے پڑیں گے مگر تجربہ اچھا ہو جائے گا جو
 میرے بیٹے کی شادی کے وقت کام آئے گا۔ کاش کہ میں اس زمانے میں
 ایک بار پھر مرد کا جنم بیستا۔ اور اپنے باپ کو بچ میں ڈال کر میں بھی اپنی شادی
 اس انتظام کے ساتھ کرتا کہ مرد پیدا ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھا سکتا۔ مردانگی
 اسی کو کہتے ہیں کہ لڑکی کے باپ کا مکمل دیوالہ نکال دیا جائے۔ کیا یہ کوئی
 معمولی بات ہے؟ تم کچھ بھی ہو بھائی، لیکن تم جو یہ رات دن ہندو سوسائٹی
 کے جسے جے کار پکارا کرتے ہو، اس میں میں تو تمھارا شریک نہیں ہو سکتا، اس
 خیال ہی سے میری آواز بیٹھنے لگتی ہے۔ میرے تنکوڑی کی عمر صرف چودہ نہیں
 ہے، میری بیوی نے شروع میں بیٹی پیدا کرنے کی جو حماقت کی اس کی
 تلافی بہت دیر میں کی، مگر خیر گور، تم اور تمھارے دوست مل کر اس بات کی
 انتہائی کوشش کرتے رہنا کہ جب تک میرا تنکوڑی شادی کے لائق ہو تب
 تک یہ ہندو سماج پھلتا پھوٹتا رہے تاکہ میں بھی بیٹے کی شادی پر پوری
 وصول کر سکوں۔ اس کے بعد چاہے سب مسلمان ہو جائیں، چاہے عیسائی
 ہو جائیں، یا جو جی چاہے ہو جائیں، مجھے کیا لینا ہے؟

گورا کو آنکھیں دیکھ کر انھوں نے اپنی بات بند نہیں کی اور کہتے رہے
 یہی وجہ ہے کہ جو بے کہتا ہوں کہ ناشی کے بیاہ پر تمھارے بنوئے کو بدنامی تو

ہوگی، اس سے اور نہ جانے کیا کیا گڑبڑ ہو جائے۔ اس لئے تمہیں ابھی سے ماں کو جتا دو کہ وہ ذرا ہوشیار رہیں۔“

گورا آئندہ موتی کے کمرے میں گیا تو وہ عینک لگائے، ایک میز کے پاس بیٹھی، ایک کاپی میں کچھ حساب درج کر رہی تھیں۔ اس کو دیکھ کر انھوں نے کاپی بند کر دی، عینک اتار لی اور بولیں: ”بیٹھو۔۔۔ مجھے تم سے کچھ صلاح کرنی ہے۔“ گورا بیٹھ گیا تو وہ بولیں: ”تم نے نوئے کی شادی کے مطابق توسننا ہی ہو گا! اس کے چچا بہت خفا ہیں۔ شادی میں اس کے کوئی رشتہ دار شریک نہیں ہو رہے ہیں۔ یاریش بابو کے یہاں سے بھی شادی کا کیا جانا مشکل ہی ہے۔ اس لئے نوئے کو خود ہی سارا انتظام کرنا ہو گا۔۔۔ اس لئے میں یہ سوچ رہی تھی کہ ہمارے مکان کے اُتری جیسے برجہ دو منزلہ ہے اُسے اگر اس کام کے لئے استعمال کر لیا جائے تو بہت مناسب رہے گا۔ اور ہم لوگوں کو آسنا رہے گی۔ نیچے تو کرایہ دار ہیں لیکن اوپر جو فی الحال خالی ہے۔“

”لیکن آسانی کس طرح رہے گی“ گورانے پوچھا

”دیکھو نہ، اگر میں اس کی شادی کا انتظام نہیں کروں گی تو کون کرے گا؟ وہ بڑی مضیبت میں پھنسے گا، اس سے کھلا کیا ہو سکے گا؟ لیکن اگر ان کمروں میں شادی کا بندوبست ہو جائے تو میں یہیں کے یہیں انتظام کر دوں گی اور کوئی وقت نہیں ہوگی۔“

”یہ تو ناممکن ہے ماں“ گورانے فیصلہ کن انداز میں کہا

”کیوں ناممکن ہے میں نے گھر کے مالک کی اجازت حاصل کر لی ہے کیا مشکل ہے؟“

”نہیں ماں، وہاں شادی نہیں ہو سکتی، میں جو کچھ کہتا ہوں۔۔۔ آپ

میری بات مانتے نہ۔

”مگر کیوں نہیں ہو سکتی؟ بنوتے کی شادی برہمنو طریقے سے نہیں ہو رہی ہے، ہنرور رسم کے مطابق ہوگی۔“

”یہ سب دلیلیں بیکار ہیں، سہاج سے اس طرح مننت کرنا بے سود ہے، بنوتے کا جو جی چاہے وہ کرے، پھر ہم تو اس شادی پر صدا نہیں کر سکتے ماں۔۔۔ کلکتہ میں گھروں کی کیا کمی ہے، اس کے پاس خود اپنا گھر موجود ہے جہاں وہ رہتا ہے۔“

یہ بات تو آئندہ موتی کو بھی معلوم تھی کہ کلکتہ میں ٹہتیرے گھر ہیں۔ لیکن یہ بات ان کی برداشت سے باہر تھی کہ سب درست اور عزیز اقارب بنوتے کا ساتھ چھوڑ دیں۔ اور اُسے ایک بد بخت اور بے سہارا انسان کی طرح کسی نہ کسی طرح کراٹے کے گھر میں شادی کرنی پڑے۔ اسی وجہ سے انھوں نے اپنے دل میں سوچا تھا کہ گھر کا وہ حصہ جو اس وقت خالی اور بیکار پڑا، بنوتے کی شادی کے لئے استعمال کیا جائے۔ اگر سو سائٹی کے کہنے سننے کا خیال نہ ہوتا تو وہ اپنے خاص گھر سے بنوتے کا بیاہ کر لیں مگر مجبوری تھی۔ انھوں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری ”اگر تم اس خیال کے اس قدر مخالف ہو تو میں سمجھتی ہوں پھر ہمیں کہیں اور کرایہ کا گھر لینا پڑے گا۔ لیکن اس سے مجھ پر بڑی دھڑ بڑ جائے گی۔۔۔ خیر۔ کوئی بات نہیں۔ اگر میری رائے ایسی ہے جو مکمل طور پر مناسب نہیں ہے تو پھر اس کے متعلق سوچنا ہی بیکار ہے۔“

”اگر آپ اس شادی میں شریک ہوں گی ماں تو یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔“

گورا نے اعتراض کیا۔

آئندہ موتی چیخ پڑیں ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو گورا۔۔۔ میں پوچھنا چاہتی ہوں

کہ بنوئے کی شادی میں اگر میں نہیں جاؤں گی تو کون جائے گا؟
 ”نہیں ماں — یہ بالکل نہیں چلے گا“ گورا اپنی بات پر اڑا رہا۔
 ”گورا — تم بنوئے کے کسی خیال سے اتفاق کرو یا نہ کرو، یہ
 اور بات ہے، لیکن کیا یہ ضروری ہے کہ تم اس کے دشمن بن جاؤ؟“
 گورا کو بھی جوش آگیا ”ماں یہ آپ غلط کہتی ہیں۔ میرے لئے کیا یہ
 کوئی خوشی کی بات ہے کہ بنوئے کی شادی سے میں خوش نہیں ہو سکتا۔
 کوئی اور جانے یا نہ جانے پر آپ تو جانتی ہیں مجھے بنوئے سے کتنی
 محبت ہے۔ لیکن یہاں محبت کا سوال نہیں ہے ماں۔ دوستی
 دشمنی کا اس معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بنوئے آنکھ کھول کر
 یہ سب کچھ کر رہا ہے، وہ انجام سے بے خبر نہیں، ہم اُسے کب چھوڑ رہے
 ہیں، وہ خود ہی ہم سے الگ ہوا جا رہا ہے۔ پھر اگر اُسے کوئی صدمہ پہنچے۔
 تو اس کے لئے تو اس کو تیار رہنا چاہئے۔“

لیکن آنند موئی بولی ”گورا۔ یہ بات کھٹیک ہے کہ بنوئے جانتا ہے کہ تم
 اس کی شادی سے بے تعلق ہو۔ لیکن اُسے یہ بھی بھروسہ ہے کہ
 زندگی کے اس اہم اور نازک مبارک موقع پر میں اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتی۔
 میں یقین دلا سکتی ہوں کہ اگر بنوئے کو یہ معلوم ہو کہ میں بھی اُسکی دواہن
 کو دواؤں کے ساتھ قبول کرنے پر تیار نہیں ہوں تو وہ کبھی شادی نہیں
 کرے گا۔“ بھلا کیا خیال ہے، میں بنوئے کے دل کا حال نہیں
 جانتی۔“ — اور وہ آنسو پونچھنے لگیں۔

گورا کو بنوئے سے جو محبت تھی اس کی وجہ سے خود اس کا دل و دماغ
 بھی بہت پریشان تھا مگر سمجھتا کر کے بولا ”ماں — آپ کو یہ یاد رکھنا

چاہئے کہ آپ ایک سماج میں رہتی ہیں اور اس سماج کے آپ پر احسانات ہیں۔
 ”گورا — میں تم سے بار بار کہہ چکی ہوں کہ میں ہوتی ہیں اپنے
 سماج سے قطع تعلیق کر چکی ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ سوسائٹی مجھ سے نفرت کرتی ہے
 اور میں اپنے آپ کو اس سے الگ رکھتی ہوں۔“

’ماں — آپ کی یہ بات مجھے سب سے زیادہ تکلیف پہنچاتی ہے۔
 سنن مونی نے آنکھوں میں آنسو بھر کر گورا کو سر سے پاؤں تک پیار سے
 دیکھا اور پھر اتنی ہوتی آواز میں بولیں ”بیٹا، — خدا بہتر جانتا ہے کہ اس
 تکلیف سے تم کو بچانا میری طاقت کے باہر ہے۔“

گورا اٹھ کھڑا ہوا ”اچھی بات ہے۔ میں آپ کو بتاتے دیتا ہوں کہ میں
 نیا کرنے والا ہوں۔ میں سب جہانوں کے پاس جاتا ہوں اور اس سے
 ہوں گا کہ اپنی شادی اس طرح کرے کہ آپ کے تعلقات سوسائٹی سے اور
 زیادہ کشیدہ نہ ہوں ورنہ تو یہ اس کی بڑی خود غرضی اور بڑی غلطی ہوگی۔“
 سنن مونی سنسنے لگیں ”اچھا جاؤ — تم سے جو بنے وہ بھی کر لو۔
 برا اس سے بات کرو۔ — پھر میں بھی دیکھوں گی کیا ہوتا ہے۔“

گورا کے جانے کے بعد سنن مونی بڑی دیر تک فکریں کھوتی ہوئی
 بیٹھی رہیں۔ — پھر اٹھیں اور آہستہ آہستہ اپنے شوہر کے کمرے کی طرف
 بڑھیں!

آج چاند کی گیارھویں تاریخ تھی اس سے کرشن دیال جی نے کھانا وغیرہ
 نہیں بنایا تھا۔ ایک ہنر مند بھی کتاب کا ہنگامی ترجمہ ان کے ہاتھ لگ گیا تھا
 اور وہ مرگ چھا لے پر بیٹھے ہوئے اس کے مطالعہ میں کھوئے ہوئے تھے۔
 سنن مونی کو دیکھ کر انھیں بہت خلل محسوس ہوا لیکن وہ ان سے دور ہی رہیں۔

دہلیز پر بیٹھ کر بولیں ”دیکھتے — یہ ہم لوگ بہت بُرا کر رہے ہیں۔
 کرشن دیال اپنے آپ کو سنسار کی اُوچے نیچے اور اچھے بُرے سے
 بالاتر سمجھتے تھے، اس لئے بے نیازی کے انداز میں بولے ”کیا بُرا ہو گیا ہے“
 اب ہمیں ایک دن بھی گورا کو دھوکے میں نہ رکھنا چاہیے“ آنتروہی
 نے سمجھاتے ہوئے کہا ”حالات دن بدن زیادہ ہی اُچھلتے جا رہے ہیں“
 جب گورائے نے اپنی پراسچیت کا سوال اُٹھایا تھا تو کرشن دیال کو بھی
 اس بات کا خیال آیا تھا، لیکن پھر وہ لوگ کے مختلف مسئلوں میں ایسا کھنس گئے
 کہ اس معاملے پر غور کرنے کی اُکھیں فرصت ہی نہیں ملی۔

”شاشی مکھی کی شادی کی بات چیت چل رہی تھی اور غالباً پھاگن کے
 مہینے اس کا بیاہ ہو جائے گا۔“ اب تک گھر میں جو بھی تقریب ہوئی
 تھی تو میں کوئی نہ کوئی بہانا بنا کر گورا کو کہیں الگ ہٹ لے جاتی تھی لیکن، تہی ہم
 تقریب اب تک کوئی ہوئی بھی نہیں! اب شاشی کے بیاہ پر ہم لوگ کیا کریں گے
 یہ بتاؤ۔ دن بدن مشکل بڑھتی ہی جاتی ہے۔ میں دن میں دو دو بار خدا سے دعا
 مانگتی ہوں کہ وہ مجھے معاف کر دے، اور یہ کہ بزمِ امیر سے لئے من سبب ہو وہ
 برداشت کرنے کی مجھ کو طاقت دے، لیکن مجھے سارے وقت یہ ڈر لگا رہتا
 ہے کہ اب یہ بات چھپ نہیں سکتی۔ اور یہ گورا کے لئے سخت آفت کا سامنا
 ہو گا۔ میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے اجازت دے دو کہ میں صاف صاف اس سے
 سب کچھ کہہ دوں۔ اور پھر جو میری قسمت میں ہو وہ تو مجھے بھگتنا ہی ہے۔
 بھگوان اندر کے بخشے ہوئے عرفان کے درمیان کرشن دیال جی پر عجیب
 سی مصیبت ٹپک پڑی! حال ہی میں انھوں نے لوگ کی نہایت سخت ریاضت
 کرنی شروع کی تھیں، سانس روک کر عجائبات و غرائبات کیا کرتے تھے، کھانا

اس قدر گھٹا لیا تھا کہ بس آج ہی کل میں پیٹ پیٹ سے لگ جانے والا تھا اور ایسے وقت میں یہ کیا گڑبڑ ہوئی !

”ہے چھینے لگے“ تم پاگل ہو کیا جی ؟ — اگر تم نے یہ بات ظاہر کر دی تو میں کس کس کو سمجھاتا پھروں گا۔ میری نیشن یقیناً بند ہو جائے گی، پولیس الگ ہم لوگوں کی جان کر لگ جائے گی۔ اب تو جو ہوا سو ہوا — تم سے جو بن پڑے وہ ان باتوں کو روکنے کے لئے کر لو اور اگر کچھ چیزیں نہ بھی رک سکیں تو ایسا کیا جرم ہو جائے گا ”اے میں کرشن دیال جی یہ سوچ بیٹھے تھے کہ ان کے مرنے کے بعد یہ لوگ جو چاہیں کریں لیکن زندگی میں ان کا پنڈ چھوڑ دیں ! اس کے علاوہ دوسرے جو کچھ کر رہے ہیں اس سے ان کو کیا مطلب ! کچھ نہ کچھ ہو ہی رہے گا !

آنند موہی بہت پریشان اور اداں تھیں، ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا فیصلہ کیا جائے۔ وہ کھڑمی ہو گئیں اور ذرا رک رک کر بولیں ”کھیں نظر نہیں آتا کہ تم کس قدر کمزور اور بیمار معلوم ہوتے ہو، بھٹارا جسم.....“

”جسم !“ کرشن دیال ذرا سا ہنسے، ان کی آواز قدرے بلند ہو کر اپنی بیوی کی بیوقوفی پر عاجز ہونے کا اظہار کر رہی تھی ! چونکہ اصل مسئلہ کا کوئی خاص خاطر خواہ حل نہیں نکلا۔ اس لئے کرشن دیال پھر پیٹ پیٹ کر مرگ چھا لے پر جسم گئے اور مطالعہ میں غرق ہو گئے۔

اس درمیان موہم داد، اپنے سنیاسی کے ساتھ باہر والے کمرے میں بیٹھے تھے۔ انسان انجام اور دوسرے روحانی دنیا ہی مسائل پر بحث ہو رہی تھی گریست کے لئے نجات آخری ہے یا نہیں۔ اس مولے پر موہم اتنی خاکساری اور گرجوشی کے ساتھ لوجہ نہتے ہوئے تھے جیسے اس کے جواب پر ہی ان کی زندگی کا انحصار

تھا۔ سنیا سی موہم کو اپنی بوری لیاقت صرف کر کے یہ سمجھا رہا تھا اور تسلی دے رہا تھا کہ اگرچہ گرمہست کے لئے مُمکنی (نجات) ممکن نہیں لیکن سورگ حاصل کرنا ممکن ہے لیکن موہم کو اس تسلی سے کیا اطمینان ہو سکتا تھا۔ انھیں تو نجات کی تلاش تھی، صرف جنت لے کر وہ کیا کرنے! ایک بار اگر وہ اپنی بیٹی کی شادی ٹھیک سے کر لیتے تو پھر یہ سنیا سی کی سیوا میں لگ جاتے اور مُمکنی حاصل ہی کر کے رہتے! اس ارادے سے ان کو کوئی نہیں ہٹا سکتا تھا۔ لیکن مشکل سب سے بڑی یہ تھی کہ بیٹی کی شادی کرنا آسان کام نہ تھا۔۔۔ اہ! کاش اُن کا گرو اُن پر ترس کھا کر اس مشکل کو حل کرنے کا کوئی رستہ دکھا کر اُن کو مُمکنی دلا سکتا!

سٹسٹھواں باب

گورا سمجھ رہا تھا کہ سچا ریتا سے اس کی جو رفاقت اور دوستی تھی اس میں خوش فہمی اور خود فریبی کو کافی دخل تھا۔ لہذا اس نے ارادہ کر لیا کہ آئندہ زیادہ احتیاط برتے گا۔ اس نے سوچا کہ جو لگے بندھے وعدے ہیں ان کو برتنے میں ضرور غفلت ہوتی اور اس غفلت کی وجہ سے ایک خاص قسم کی کشش تھی جو وہ سوسائٹی کے طریقے بھول گیا۔

صبح کی پوجا سے فارغ ہو کر وہ اپنے کمرے میں گیا تو وہاں پارلش بابو اس کے منتظر بیٹھے تھے۔ ان کو دیکھ کر گورا نے ایک خاص مسرت محسوس کی، وہ یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا تھا کہ اس کے اور پارلش بابو کے درمیان ایک خاص یگانگت کا رشتہ تھا! وہ ان کے سامنے جھک گیا۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو پارلش بابو نے ”آپ نے نئے کی شادی کے متعلق تو سنا ہی ہوگا“

”جی ہاں“

”وہ برہمن قاعدہ کے مطابق شادی کرنے پر تیار نہیں ہے“ پارلش بابو نے بات آگے بڑھائی

”ایسی صورت میں تو پھر شادی نہ ہونی چاہیے“ گورا نے کہا
 ”ہیں اس باب میں بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے“ پارلش بابو نے ہنس کر کہا ”ہمارے فریڈ کے لوگ تو ویسے بھی شادی میں شریک نہ ہونگے،

میں نے سنا ہے کہ بنوتے کے رشتہ دار بھی نہیں شامل ہو رہے ہیں۔ اپنی لڑکی کی طرف سے تو صرت میں ہوں اور بنوتے کی طرف سے میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اسی لئے میں آپ سے کچھ صلاح مشورہ کرنے آیا ہوں۔“

”مجھ سے صلاح کرنے سے کیا فائدہ۔۔۔ میں تو اس شادی سے کوئی واسطہ نہیں رکھوں گا۔“

”آپ واسطہ نہیں رکھیں گے“ پارلیش بابو نے حیران ہو کر اس کی طرف دیکھا۔۔۔ اُن کی حیرانی دیکھ کر ایک پل کے لئے تو گورا شرم سے زمین میں گڑ گیا۔ لیکن اسی شرم کی وجہ سے اُس نے چیخ کر کہا ”میں کیا کروں۔ کیسے اُس میں شریک ہوں۔“

”لیکن میں تو سمجھتا تھا کہ آپ اس کے دوست ہیں اور ایسے موقعوں پر دوستوں کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔۔۔ ہے نہ؟“

”جی ہاں۔۔۔ یہ تو سچ ہے کہ میں اس کا دوست ہوں، لیکن میرا ایک یہی بندھی تو دنیا میں نہیں ہے اور نہ ہی یہ میرے لئے سب سے زیادہ اہم ہے۔“

”گورا بابو۔۔۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ بنوتے نے جو کچھ کیا وہ غلط ہے یا دھرم یا مذہب کے خلاف ہے؟“ پارلیش بابو نے کہا۔

”دیکھتے۔۔۔ مذہب کے دو رخ ہوتے ہیں۔ ایک اصولی اور ایک دنیاوی، جہاں مذہب کا مظاہرہ سوسائٹی کے قوانین سے ہوا وہاں آپ مذہب کی پرواہ نہ کریں گے آپ سوسائٹی کو ضرور نقصان پہنچائیں گے۔“

”سوسائٹی میں تو بے شمار قوانین ہیں مگر ہر ایک قانون کا رشتہ مذہب سے

تو نہیں بندھا ہوا ہے۔“ پارلیمنٹ بابو کی اس بات نے گورا پر ایسا اثر کیا کہ اس کے ذہن کے تاریک بھنناٹے اٹھے، اور اس تاثر سے وہ اس نتیجے پر پہنچا کہ جو کچھ اُس کے دل میں ہے وہ بیان کر دے۔ جو کچھ اس نے کہا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر ہم سوسائٹی کے بناتے ہوئے قانون کو پوری طرح نہیں مانتے تو گویا ہم اُس مقصد ہی کی راہ میں روڑے اٹھاتے ہیں جس کے لئے سوسائٹی وجود میں آئی ہے۔ وہ مقصد ہر ایک کو نظر نہیں آ سکتا ہے کیونکہ وہ نامعلوم طریقے پر سوسائٹی کے رگ و پے میں سمایا رہتا ہے۔ لہذا اپنے ذاتی فیصلے کے مقابلے میں ہمیں سوسائٹی کے فیصلوں پر تسلیم خم کرنا زیادہ ضروری ہے کیونکہ اسی صورت میں ہم قوت حاصل کر سکتے ہیں!

پارلیمنٹ بابو نے نہایت غور اور تحمل کے ساتھ آخر تک گورا کی بات سنی، پھر جب وہ اپنی بیباکی پر خود کچھ شرمندہ ہو کر چپ ہو گیا تو وہ بولے ”ہاں۔۔۔ اس میں سے زیادہ تر سے مجھے اتفاق ہے یہ بات بھی ٹھیک ہے کہ خدا نے ہر سوسائٹی کو بنانے میں کوئی خاص مقصد رکھا ہے جو ہر کسی پر پوری طرح ظاہر اور واضح نہیں ہو سکتا۔ لیکن انسان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنے شعور سے کام لے کر اس مقصد کو صاف طور پر سمجھنے کی کوشش کرے، اور صرف قوانین کو تسلیم کر لینا ہی اپنی زندگی کی منزل نہ بنالے ورنہ پھر اُس میں اور درخت کی ڈال میں کیا فرق رہ جائے گا۔“

”دیکھتے ہیں اسی بات کو یوں کہتا ہوں“ گورا نے وضاحت کی کہ اگر پہلے ہم سوسائٹی کی مکمل طور پر اطاعت کریں اور ہر نقطہ نظر سے اُس کے قوانین کو تسلیم کریں تب ہی اس کا مقصد ہم پر واضح ہو سکتا ہے اس سے ٹکرائیں گے، رٹیں گے تو نہ صرف اس کی ارتقار وک دیں گے بلکہ جو اس کے متعلق سمجھیں گے وہ

بھی غلط ہو گا۔

”لیکن مخالفت اور ٹکڑے بغیر صداقت کی جاچنے اور آزمائش بھی کیسے ہو سکتی ہے؟“
پارلیش بابو نے دہل پیش کی ”ایسا تو نہیں کہ کسی پڑانے زمانے میں چند عقلمندوں
نے بیٹے کے ہمیشہ کے لئے سچائی کو پرکھ لیا اور کوئی حکم لگا دیا۔ ہر بھرا اور ہر دور کے
لوگ طرح طرح سے صداقت کی مخالفت کرتے اور اس کو دھکے پہونچاتے ہیں اور
اسی عمل سے صداقت کے نئے نئے ظہور دکھائی دیتے ہیں۔ بہر حال میں اس وقت
تو ان سب باتوں پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔۔۔۔۔ میں فرد کی ذاتی آزادی کا احترام کرتا
ہوں کیونکہ فرد کی آزادی کے ذریعہ ہی سچائیاں چوٹ کھا کھ کر ابھرتی ہیں اور ہمیں پنہ
چلتا ہے کہ ہمیشہ قائم رہنے والی اور ابدی صداقت کیا ہے اور گزر جانے والی
عارضی صورت کیا ہے سو سائنس کی بہتری ہمارے اسی علم پر منحصر ہے یا کم از کم
ہماری اس کوشش پر تو ضرور منحصر ہے کہ ہم برابر اس طرح دریافت یا تلاش
میں مصروف رہیں۔“

یہ کہہ کر پارلیش بابو اٹھ کھڑے ہوئے۔ گورا بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ پارلیش
بابو کہنے لگے ”ہر برہو سماجی کا لحاظ کرتے ہوئے میں نے سوچا تھا کہ میں اس
شادی سے ذرا الگ الگ رہوں گا اور آپ چونکہ بنوئے کے دوست ہیں۔
اس لئے آپ کے ذریعہ یہ کام بخیر و خوبی انجام پا جائے گا۔ ایسے حالات میں
دوستوں کو رشتہ داروں کے مقابلے میں ذرا زیادہ موقعہ رہتا ہے کیونکہ برادری
والے اُن کو بُرا بھلا نہیں کہہ سکتے۔ لیکن چونکہ آپ بھی اس وقت بنوئے کا ساتھ
چھوڑنا اپنا فرض سمجھتے ہیں اس لئے مجھے ہی ساری ذمہ داری لیننی ہوگی مجھے
تنہا ہی اس کام کو انجام دینا ہے۔“

اس لفظ ”تنہا“ کو سن کر گورا کو کیا اندازہ ہو سکتا تھا کہ پارلیش بابو واقعی کس قدر

تہا تھے۔ برودادیوں اُن کی مخالفت تھیں، ان کی اپنی بیٹیاں اُن سے خوش نہیں تھیں، اور ہری موہنی کی ناراضگی کے ڈر سے پارلیش بابو نے سچا پتا سے کبھی اس شادی کے متعلق صلاح مشورہ نہیں کیا۔ برہموسماج کے تمام ممبر اُن پر تلوار سونٹے کھڑے تھے، بنورے کے چچا نے الگ اُن کو در خط لکھے تھے جس میں اُن کو نہایت گندی گالیاں دی تھیں اور اُن کو نوجوانوں کو خراب کرنے اور بھڑکانے والا ایک کمینہ اور ذلیل انسان لکھا تھا !

پارلیش بابو باہر جا رہے تھے کہ اُن کی ملاقات ابھناش اور گورا کی پارٹی کے دو تین لڑکوں سے ہوئی۔ ————— ان نوجوانوں نے پارلیش بابو کو دیکھ کر ہنسنا اور اُن کا مذاق اڑانا شروع کیا ہی تھا کہ گورا نے مڑ کر بڑی سختی سے اُن کو پھٹکارا "اگر تم ایک قابل عزت انسان کی عزت کرنے کی توفیق نہیں رکھتے تو کم از کم ایسا کمینہ بن تو نہ دکھاؤ کہ اس کا مذاق اڑاؤ"

ایک بار پھر گورا نے ہرانے طریقے سے اپنی پارٹی کا کام شروع کر دیا لیکن اب وہ سارے کام اُسے بد مزہ لگتے تھے۔ سارا معاملہ کچھ ایسا پھیکا اور اس قدر فضول محسوس ہوتا کہ اس بے جان چیز کو "کام" کہنا ہی جیسے ناممکن معلوم ہوتا ہو۔ اس طرح یکچرو بنے چلے جانا یا لکھتے چلے جانا یا کوئی گروہ بنالینا، کیا یہ بھی کوئی کام تھا بلکہ اس سے تو کام کرنا اور مشکل ہوتا جاتا تھا۔ ————— اس حقیقت کا احساس گورا کو اس طرح اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا۔ اب ان چیزوں میں اس کیلئے کوئی کشش نہ تھی۔ ————— وہ کسی اور ہی راہ کی تلاش میں تھا۔ کوئی سچی، بلکہ سچی راہ،

جہاں اس کی اس نئی قوت، زندگی کی س نئی حرارت کو بہاد کا راستہ مل سکے !
اس بیچ میں گورا کی پراسچت کی رسم کی تیاری بڑے زور شور سے جاری تھی۔
اس میں البتہ گورا کو قدرے جوش اور مشوق محسوس ہوتا تھا، ایک ایسی رسم تھی جس سے

اس طرح گورا کی لاعلمی میں، اس کی پارٹی والے اُن دنوں تقریباً روزانہ بھی
 صلاح مشورہ کیا کرتے کہ اس تقریب کو سب کے لئے ایک سبق آور اور اہم اور
 پسندیدہ چیز بنانے کے لئے کیا کیا کرنا چاہئے۔

————— ﴿﴾ —————

ہری موہنی کے پاس اُن کے دیور کی تلاش کا ایک خط آیا !
اُس نے لکھا تھا ”آپ کے قدموں کی برکت سے ہم سب یہاں بخیریت
ہیں اور میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ بہت جلد خیریت سے مطلع کر کے ہم سب کی
فکر دور کریں گی۔“ یہ اُس نے لکھا تھا۔ باوجود اس حقیقت کے کہ جب سے
ہری موہنی نے اُن لوگوں کا گھر چھوڑا تھا انھوں نے ہری موہنی کے متعلق
پتہ لگانے یا اُس کی خیریت دریافت کرنے کی ذرا بھی کوشش نہیں کی تھی پھر
کھوڈمی، پولتل، بھوجو ہری وغیرہ کی خیریت لکھ کر آخر میں کیلاش نے لکھا تھا ”میں
چاہتا ہوں کہ آپ نے کچلے خط میں میرے واسطے جس دو لہن کی تجویز کی ہے
اس کے مزید حالات آپ مجھے لکھ بھیجیں۔ آپ کہتی ہیں کہ اس کی عمر بارہ تیرہ سال
کی ہے مگر اس کی اٹھان بہت ہی اچھی ہے اور اپنی عمر سے زیادہ لگتی ہے
خیر وہ تو کوئی بات نہیں ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ آپ نے جس جائداد کا ذکر کیا
ہے اس کے متعلق ذرا اچھی طرح دریافت کر لیجئے، وہ بالکل اسی کی ہے یا زندگی
تک وقف کی صورت تو نہیں ہے۔ تب ہی میں بڑے بھائیوں سے صلاح مشورہ
کر سکتا ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ اُن کو کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ مجھے یہ جان کر
خوشی ہوئی کہ وہ ہندو مذہب کی پکی پابند رہے لیکن پھر بھی ہمیں ہر ممکن کوشش
کرینی پڑے گی کہ اس کا اتنے دن تک برہمن خانداں میں پرورش ہونا کسی پر
ظاہر نہ ہونے پاتے اس لئے برائے ہر بات آپ اس بات کا تذکرہ کسی سے

نہ کریں۔۔۔ اگلے چاند گرہن پر گنگا اشنان ہونے والا ہے اگر ممکن ہو سکا تو
 میں کلکتہ آؤں گا اور اس لڑکی کو دیکھ سکوں گا! اب تک ہری موہنی کسی نہ کسی طرح
 کلکتہ میں رہ رہی تھیں لیکن جیسے ہی اُن کے ذہن میں اپنے سسرال واپس
 جانے کی ذرا سی بھی اُمید پیدا ہوتی تو اُن کے لئے کلکتہ میں ممبر سے دن
 کاٹنے مشکل ہو گئے۔ اب یہ دلش نکالا ان کو دن بدن زیادہ کھلنے لگا۔ اگر
 ان کا بس چلتا تو سچا ریتا سے بات کر کے فوراً ہی کوئی تاریخ مقرر کر دیتیں۔ لیکن
 اتنی جلدی کرنے کی ہمت اُن میں نہیں تھی، کیونکہ جتنا ہی وہ سچا ریتا سے زیادہ
 قریب ہوتی جاتی تھیں اتنا ہی زیادہ اُن پر یہ حقیقت کھلتی جاتی تھی کہ سچا ریتا کو
 سمجھانا اُن کے بس کا روگ نہیں تھا!

پھر بھی ہری موہنی موقدہ کے انتظار میں رہیں اور اُنھوں نے پہلے سے
 بھی زیادہ سچا ریتا پر چوکی پر ہٹا دیا۔ یہاں تک کہ اپنی پوجا پاٹ کے وقت
 ہیں بھی اُنھوں نے کمی کر دی تاکہ سچا ریتا کسی وقت بھی آنکھوں سے اوجھل نہ
 ہونے پاوے!

دوسری طرف سچا ریتا غیر کر رہی تھی کہ گورا نے یکایک آنا بند کر دیا ہے،
 ویسے تو اس کو یقین تھا کہ ہری موہنی نے ضرور گورا سے کچھ کہا ہے پھر اس
 نے بہ کہہ کر اپنے دل کو تسلی دے لی کہ اگر وہ نہیں آئے تو بھی کب ہوا۔ بہر حال
 وہ میرے گرو تو ہیں ہی۔۔۔ میرے گرو!

انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ اپنا رہبر اپنا گرو، گر غیر حاضر ہو تو اس کا اثر
 شدت کے ساتھ محسوس ہوتا ہے کیونکہ یہی وہ صورت ہے جب دل اس کی
 کمی کو محسوس کرتا ہے اور زندگی میں ایک خلا معلوم ہوتا ہے۔ اگر وہ برابر
 موجود ہے تو ظاہر ہے اس جذبہ کا تجربہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر گورا خود موجود ہوتا

تو سچا رہتا اس سے محبت کرتی لیکن اب وہ اس کے مضامین، اس کی تحریریں پڑھتی تھی اور ان سے کلمیۃ اتفاق کرتی جاتی تھی۔ اگر کوئی بات مذہبی سمجھ میں آتی تو اسے یہ یقین ہوتا کہ اگر وہ خود موجود ہوتا تو ضرور اس کو قاتل کر لیتا۔

اس کے باوجود گورا کی تانباک صورت دیکھنے کے لئے اس کے دل میں ہلکے اٹھتی رہتی اور اس کی گریچہ دار آواز کی گونج اس طرح مسلسل اس کو سناتی رہتی رہتی کہ اس کا پورا وجود اس سوز سے جیسے پگھلنا شروع ہو گیا تھا بھی کبھی بہت ترشپ کے ساتھ وہ سوچتی کہ وہ کون خوش قسمت لوگ ہونگے جنہیں سب روز بغیر کسی روک ٹوک، بغیر کسی مشکل کے گورا کا دیدار نصیب ہوتا ہوگا۔ اُن لوگوں کو تو اپنی خوش نصیبی کا احساس بھی نہ ہوگا!

ایک روز شام کو لوٹتا آئی اور سچا رہتا کے گلیے میں باتیں ڈال کے چھوڑ گئی "تو..... سوچی دیدی"

کیا ہے لوٹا بی بی؟ سچا رہتا نے کہا

"سب کچھ ٹھیک ٹھاک ہو گیا ہے"

"کون دن طے ہوا"

"سو موار"

"کہاں"

"ہے تو مجھے نہیں معلوم بالو جی کو سب معلوم ہے"

سچا رہتا نے بہن کی مریں ہاتھ ڈال "تم خوش ہو سیری بہن"

"ہاں۔۔۔۔۔ کیوں نہ خوش ہوں؟" لوٹتا نے لچک کے کہا

"اب تو جو کچھ تم چاہتی تھیں وہ تمہیں مل گیا" سچا رہتا نے جواب دیا "اب

جبکہ تمہارے ساتھ لڑنے کو کوئی نہیں رہا تو میں سوچتی تھی تمہاری بہ طراری شاید

”چلو خیر۔۔۔ ایک آنکھوں والا تو اب آہی گیا یہ سچا ریتا نے کہا“ اور
 ویسے بھی افسوس کی بات نہیں، اس نے قیمت کافی بھاری ادا کی اور جو چاہتا تھا
 وہ اٹھ لیا۔ ہم ایسے اندھوں، ناجتربہ کاروں، نا قدر دانوں کی محبت کو اڑانے
 کی اب آپ کو کیا ضرورت ہے؟“

”نہیں نہیں۔ کہا کیا ضرورت۔۔۔ ارے ضرورت، آپ کی محبت
 کی تو مجھے زندگی بھر ضرورت رہے گی سوچی دیدی۔۔۔ اگر آپ نے کہیں
 اور اپنی محبت لٹا دی تو ایسا دھوکہ میں نہیں برداشت کروں گی۔“
 ”ارے میں کسی کو نہیں دوں گی تیرے حصے کا پیار“ سچا ریتا نے لولٹا
 کے رخسار پر اپنا رخسار رکھ دیا۔

”کسی کو نہیں! آپ کو بالکل یقین ہے۔ کسی کو نہیں“ لولٹا نے شرارت
 سے پوچھا۔

سچا ریتا نے صرف چپ چاپ سر ہلا دیا۔ اس پر لولٹا اُس سے ذرا الگ
 ہو بیٹھی۔

”دیکھتے سوچی دیدی۔۔۔ آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ آپ اگر کسی
 اور سے محبت کریں تو مجھ سے برداشت نہیں ہو سکتا تھا۔ میں اس تما کو سے
 خاموش رہی، ہر آج میں اپنے دل کی بات کہوں گی ضرور۔۔۔ جب گورموہن
 بابو پہلی بار یہاں آئے۔۔۔ ارے آپ شرمیلیوں رہی ہیں۔ جو کچھ مجھے کہنا
 ہے وہ تو میں کہہ کے رہوں گی۔ ویسے تو میں آپ سے کچھ چھپاتی نہیں ہوں
 مگر اس ایک بات کے بارے میں کچھ ایسا ہی رہا کہ صاف صاف کچھ نہ کہہ سکی اور
 نہ کہنے سے مجھے کافی کوفت بھی رہی۔ جب شرموے میں گورموہن بابو ہمارے
 گھر آئے تھے تو مجھے بہت غصہ آجایا کرتا تھا؟۔۔۔ آپ کو پتہ ہے کیوں

آسا تھا؟ آپ تو سمجھتی رہی ہوں گی کہ میں کچھ سمجھتی ہی نہیں تھی، ہے نہ۔ پر میں جو
 یہ سمجھتی تھی کہ آپ میرے سامنے ان کا بھی نام بھی نہیں لیتی تھے تو آپ کے
 منہ سے سچا اور غصہ ہوتا تھا۔ میرے لئے یہ خیال ہی برداشت کرنا ناممکن
 تھا کہ کوئی دن ایسا بھی آئے جب آپ ان کو مجھ سے زیادہ چاہتے لگیں۔
 نہیں۔۔۔۔۔ دیدی۔۔۔۔۔ آپ پوری بات تو کہہ لیتے دیکھتے۔۔۔۔۔

میں آپ کو بتا نہیں سکتی ہوں کہ سوچ سوچ کر مجھے کتنا دکھ ہوتا تھا۔ مجھے معلوم
 ہے کہ گورا باپ کے بارے میں آپ اب بھی مجھ سے بات نہیں کریں گی، پر اب
 مجھے غصہ بالکل نہیں ہے۔ کیونکہ اب میں سب کچھ خود بھی محسوس کر سکتی ہوں ہیں
 کہہ سکتی ہوں کہ یہی پیاری کہ مجھے کہتی تھی خوشی ہوگی اگر آپ اور۔۔۔۔۔ لیکن
 سب دیا ہے۔ اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے روک دیا اور بولی "لو لٹاؤں
 تمہاری منیت کرتی ہوں" ایسی باتیں نہ کہو۔ تمہیں اس طرح کہتے سنتے ہوئے
 تو جی چاہتا ہے زمین پھٹ جائے اور میں اس میں سما جاؤں۔

"پر آخر کیوں نہیں دیدی؟ کیا انھوں نے۔۔۔۔۔" لو لٹاؤں پھر شروع
 کیا لیکن سچا رہتا ہے پھر بہت پریشان ہو کر اسے روک دیا۔ نہیں۔ نہیں۔
 نہیں۔۔۔۔۔ یہ کیا پاگلوں کی سی باتیں کر رہی ہو۔ ایسا تمہیں کہنا نہ چاہئے کہ جیسا
 ہم نوک سوچ رہی نہیں سکتے۔

لو لٹاؤں سچا رہتا کی یہ ہچکچاہٹ بڑی لگی بگڑ کر بولی لیکن یہ تو آپ خواہ مخواہ
 بن رہی ہیں دیدی۔۔۔۔۔ میں نے بڑے غور سے سب کچھ دیکھا ہے اور میں
 آپ کو یقین دلا سکتی ہوں کہ۔۔۔۔۔

سچا رہتا اس کو بات کرنے کا موقع نہیں دیا، اپنے ہاتھ اس کے ہاتھوں
 سے گھسیٹتے اور تیزی سے کمرے کے باہر نکل گئی۔ لو لٹاؤں کے پیچھے

سمجھتی ہو، میں انہیں سمجھ سکتی !

”خالد، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ کچھ نہیں سمجھتی، آپ ہر قدم پر ایسی ایسی غلطیاں کرتی ہیں کہ میرے لئے تو وہ بالکل برداشت سے باہر ہیں۔“
 ”اچھی بات ہے، اگر میں غلطی کرتی ہوں تو مہربانی کر کے آپ سمجھا دیجئے کہ وہ کیا غلطی ہے۔“

”ہاں ہاں ————— میں ضرور سمجھاؤں گی۔“ سچا ریتا نے اپنی شرم حیا پر قابو کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا ”میں نے اپنے گرو سے کچھ ایسی باتیں معلوم کی ہیں جو میرے لئے بالکل نئی ہیں اور ان کو سمجھنے کے لئے کافی عقل اور سوچ بوجھ کی ضرورت ہے۔ مجھ میں ابھی اتنی عقل اور سمجھ نہیں ہے اور میرے لئے ایسے اکیلے ان باتوں کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ لیکن خالد آپ نے ہم دونوں کے رشتے کے متعلق بہت غلط خیال قائم کیا اور انکی ہتک کر کے مان کو یہاں آنے سے روک دیا۔ آپ نے ن سے جو کچھ کہا وہ سب غلط تھا اور میرے متعلق آپ جو کچھ سوچ رہی ہیں وہ سب جھوٹ ہے۔ اس طرح آپ غلطی کر رہی ہیں۔ ویسے تو آپ کے لئے یہ ناممکن ہے کہ آپ اس جیسے انسان کو ذیل کر سکیں لیکن میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے جو آپ مجھ پر ظلم توڑ رہی ہیں۔“ بولتے ہوئے سچا ریتا کی آواز ہچکیوں اور سسکیوں میں دب گئی اور وہ کمرے سے نکل گئی۔

بہرہ بیوی جیوان رہ گئیں۔ دل میں سوچنے لگیں کہ افرو ————— بھلا ایسی بات کسی نے کہا ہو کبھی سنی ہوگی۔ پھر بھی انھوں نے سچا ریتا کو کافی وقت دیا کہ وہ سن بھل جائے۔ رات کے کھانے پر انھوں نے سچا ریتا کو قریب بلایا اور کہنے لگیں ”دیکھو ————— رادھا رانی ————— میں کوئی بچہ نہیں ہوں جس چیز کو تم

ہندو دھرم کہتی ہو، اُسی کے ماحول میں میری پرورش ہوئی ہے۔ میں نے بھی ان چیزوں کے بارے میں بہت سی رائیں سنی ہیں۔ تمہیں ان باتوں کا کچھ پتہ نہیں ہے اور گورموہن بابو اپنے آپ کو تمہارا گرو بنا کر صرف تم کو دھوکے دے رہے ہیں، تمہیں اُلٹو بتا رہے ہیں۔ میں نے بھی اِدھر اِدھر سے اُن کی گفتگو سنی ہے، اس میں ہماری رویتوں کے مطابق کچھ نہیں ہے، اپنے شاستراںھوں نے خود ہی گھڑے ہیں۔۔۔۔۔ میرے لئے یہ سمجھنا اس لئے آسان ہے کہ آخر

میرا اپنا بھی تو کوئی گرو ہے۔ میرا کہا مانو بیٹی، ان سب باتوں سے الگ رہو جب وقت آئے گا تو میرا گرو تمہیں سب کچھ بتا دے گا کیونکہ اس میں کوئی چھل کپٹ نہیں ہے۔ تم گھبراؤ نہیں، اگر تمہاری پرورش کسی برہمن خاندان میں بھی ہوئی ہے تو کیا ہوا، میں تمہیں ہندوؤں کی برادری میں شامل کر دے گی آخر اس بات کا کسی کو پتہ ہی کیسے چل سکتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ تمہاری عمر ذرا زیادہ ہے۔ یہ بہت سی ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں جو اپنی کاٹھی کی بنا پر اپنی عمر سے بڑی لگتی ہیں اور تمہارا برتھ سرٹیفکیٹ کون دیکھنے بیٹھا ہے اُسے، روپیہ ہو تو سب کچھ ہو سکتا ہے، کوئی روک نہیں ہوگی۔۔۔۔۔

کیوں، میں نے اپنی آنکھوں سے ایک نیچے ذات لڑکے کو تھوڑے سے روپے کی مدد سے اونچے ذات بننے دیکھا ہے! میں تم کو ایسے اچھے برہمن خاندان میں بیاہوں گی کہ کسی کو ایک لفظ کہنے کی ہمت نہیں ہوگی۔۔۔۔۔

لوگ تو ہندوؤں میں بڑے اونچے مانے جاتے ہیں۔ تم خواہ مخواہ اس گرو کی اتنی خوشامد کرتی ہو، اتنا اس کے لئے روتی دھوتی ہو۔ اس کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی۔۔۔۔۔ تم دیکھنا تو سہی!

ہری موہنی نے جب اپنا لکچر شروع کیا تو سچا ریتا کی بھوک بھاگ گئی۔

ایک نوالہ بھی اس کے گلے سے نہیں اُتر رہا تھا لیکن کوشش کر کے کس طرح اس نے کچھ کھایا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر نہ کھاتے گی تو پھر اسے ایک اور لکچر سٹینا پڑے گا اور اور بھی کو فبت ہوگی !

ہری موہنی نے جب دیکھا کہ سچا ریتا پر کوئی خاص اثر نہیں ہو رہا ہے تو وہ اپنے آپ سے کہنے لگیں — یہ لوگ اپنی سمجھ سے باہر ہیں۔ ایک طرف تو لڑکی مٹلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتی ہے کہ میں ہندو نہیں اور دوسری طرف موقع ملتا ہے تو کان دھر کے بات تک نہیں سنتی۔ اسے نہ کوئی پراسٹنچت کرنا سہی نہ کسی سے کچھ کہنا سہی ہے، بس دو چار روپے بانٹ لے لے اور ذات برادری والے مسلمان ہو جائیں گے لیکن اس بات کے لئے بھی کوئی جوش خروش نہیں دکھاتی تو پھر ہندو ہے !

ہری موہنی کو یہ فیصلہ کرنے میں ذرا سی دیر بھی نہیں لگی تھی کہ گورا کتنا بڑا فراڈ تھا اور وہ جب بھی یہ سوچیں کہ اس زبردست دیھو کہ بازی کی بنیادی وجہ کیا ہو سکتی ہے تو ان کو یہی یقین ہوتا تھا کہ سچا ریتا کا حسن اور اس کی جائداد اصلی سبب ہیں۔ لہذا جتنی ہی جلدی وہ کوشش کر کے سچا ریتا کو اس جال کو چھڑالیں، اس کے نام کی گورنمنٹ سٹریٹنگٹوں اور باقی جائیداد کے کاغذات سمیت اپنے سسرال والوں کے یہاں پہنچا دیں لیکن اتنا ہی سبب کے لئے بہتر ہوا لیکن سچا ریتا کا دماغ ذرا سچلے تب تو اس لئے سچا ریتا کے دماغ کو گھما نے کے لئے انھوں نے رات دن اس کے سامنے اپنے سسرال والوں کے گن گانے شروع کر دیئے مثلاً یہ کہ وہ لوگ کس قدر باثر تھے، اپنی برادری کے لئے انھوں نے کیا کیا، غیر معمولی رعایات حاصل کی تھیں۔ کس طرح سے بہت سے بے قصور لوگوں کو انھوں نے اس قصور میں بندھوا دیا تھا

کہ انھوں نے اس خاندان کی مخالفت کی تھی اور کس طرح بہت سے ایسے لوگوں کو انھوں نے برادری کے مواخذہ سے صاف بچا لیا تھا جو کچھ مسلمانوں تک کے ہاتھ کاٹھا چکے تھے۔ انھوں نے بہت سے نام بتاتے، بہت سی جگہوں کا ذکر کیا اور سب کچھ نہایت تفصیل کے ساتھ !

بردادیوی نے سچا ریتا سے کبھی اس بات کو چھپایا نہیں تھا کہ وہ، اپنے گھر میں، اس کا زیادہ آنا جانا پسند نہیں کرتیں، کیونکہ وہ اپنی عصا کوئی پر بڑا فخر کرتی تھیں۔ جب کبھی وہ کسی دوسرے کو بڑا بھلا کہتیں تو اپنی اس خاص صفت کا حوالہ ضرور دے دیا کرتیں ! اس لئے انھوں نے کچھ اس طرح سچا ریتا سے بات کی جو سمجھنا اس کے لئے مشکل نہ تھا کہ اگر وہ اُن کے گھر آئے بھی تو اُسے یہ اُمید نہ رکھنی چاہئے کہ اس سے اخلاق برتا جائے گا۔ سچا ریتا جانتی تھی کہ اگر پھر بھی وہ زیادہ آتی گئی تو پارلش باپ کو اس کی وجہ سے پریشانی ہوگی اور اُن کے سکون میں خلل پڑے گا۔ چنانچہ بغیر کسی خاص ضرورت کے وہ وہاں نہیں جاتی تھی۔ پارلش باپ وہاں ایک آدمہ بار خود ہی اس کے گھر آئے اس کی خیریت پوچھ جاتے تھے۔ آدمہ کتنی دن سے کام اور فکروں کی زیادتی کی وجہ سے پارلش باپ کو آ نہیں پاتے تھے سچا ریتا پریشان ہو کر روز ہی اُن کا انتظار کرتی رہتی تھی اُسے یقین تھا کہ اس کے اور پارلش باپ کے درمیان جو رشتہ تھا وہ کبھی اور کسی حالت میں ٹوٹ نہیں سکتا تھا، وراسی کے قائم رہنے میں دونوں کی ہی بھلائی تھی۔ اس رشتے کے علاوہ کبھی کچھ تعلقات تھے جو اُس سے کھینچے رہتے تھے اور چاہیں نہیں لینے دیتے تھے پھر ہری موہنی تھیں جو دن بدن اس کی زندگی اور زیادہ پریشان کر رہی تھیں !

اس وجہ سے آج، بردادیوی کی ناراضگی کی پرواہ کتنے بغیر سچا ریتا پارلش باپ کے گھر پہنچ ہی گئی۔

مغرب کا وقت تھا تین منزل کی اونچی عمارت ڈرتے ہوئے سورج کی مدھم روشنی میں کچھم کی طرف لمبی پرچھائیاں پھیلا رہی تھیں۔ اور انھیں پرچھائیتوں کے تلے پاریش بابو 'سر جھکائے' اکیلے آہستہ آہستہ دھرا دھرا ہل رہے تھے۔

"آپ کیسے ہیں بابو جی" سچا ریتا نے کہا اور وہ بھی اُن کے ساتھ چلنے لگی۔ پاریش بابو چونک پڑے۔ وہ اپنے غور و فکر میں اس طرح کسی کو دخل انداز ہوتے دیکھ کر ایک پل چپ چاپ کھڑے غور سے سچا ریتا کو دیکھتے رہے۔ پھر بولے "اچھا ہوں بیٹی رادھا! شکریہ"

پھر دونوں ٹہلنے لگے۔ پاریش بابو نے کہا "سو موہار کو لو لٹا کی شادی ہے" سچا ریتا نے آتے وقت سوچا تھا کہ وہ پاریش بابو سے ضرور پوچھے کہ کسی صلاح مشورے یا مدد میں اس کو کیوں نہیں شامل کیا گیا۔ پھر اُسے خیال آیا کہ شاید اسی کی طرف سے کوئی بات ایسی ہوئی ہو جو اس روک کا سبب ہو اس لئے ہچکچا کے رک گئی ورنہ اور کوئی موقع ہوتا تو بھلا وہ بلا تے جانے کا انتظار کرتی۔ اتنے میں پاریش بابو نے خود ہی وہ موضوع چھیڑ دیا جسکے متعلق وہ سوچ رہی تھی۔

"اب کی بار میں ہتھاری راستے نہیں لے سکا رادھا"

"مگر کیوں نہیں بابو جی"

پاریش بابو نے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اُسے سوالیہ انداز میں دیکھتے لگے یہاں تک کہ سچا ریتا سے رہا نہیں گیا، اُس نے اپنا منہ کھوڑا سا بھرمیا اور بولی "آپ نے یہ سوچا ہو گا کہ میرے ذہن میں کوئی تبدیلی آگئی ہے۔"

"ہاں — یہ میں نے ضرور سوچا اور اسی لئے میں سمجھا کہ تم سے کسی

کام میں شامل ہونے کے لئے کہہ کر ہمتا سے لئے کوئی مشکل کیوں کھڑی کی جائے؟
اب سچا ریتا نے کہنا شروع کیا بالوجہ — ”میرا ارادہ تھا کہ میں
سب کچھ آپ سے کہہ دوں گی مگر ادھر کچھ دنوں سے آپ سے مل ہی نہ سکی۔
اسی لئے میں آج آئی ہوں۔ مجھ میں اتنی صلاحیت نہیں ہے کہ آپ کو ٹھیک
سے ہر بات سمجھا سکوں۔ اس لئے ڈرتی ہوں کہ کہیں آپ میری بات کو غلط نہ
سمجھیں۔“

”ہاں میں جانتا ہوں کہ ایسی باتوں کو معمولی طور پر سمجھنا کوئی آسان بات نہیں
ہے۔ تمھارے ذہن پر کسی ایسی بات کا بوجھ ہے جو صرف تمھارے جذبات سے
تعلق رکھتی ہے اور اگرچہ تم اُسے محسوس کر سکتی ہو مگر اس کو ظاہر کرنا تمھارے
لئے بہت مشکل ہے۔“

”جی ہاں بالکل ایسا ہی ہے۔“ سچا ریتا نے جلدی سے کہا۔ اُسے معلوم
ہو رہا تھا کہ جیسے کسی نے ایک بھاری بوجھ اس کے سینے پر سے سرکا دیا
”اب میں آپ کو کیسے بتاؤں کہ وہ جذبہ کس شدت کا ہے! جس سے میں
نے ایک جہنم لیا ہو، پھر سے سوچنا سمجھنا سیکھا ہو۔“ اب تک میں نے کبھی
اس نقطہ نظر سے اپنے آپ کا تجزیہ کیا ہی نہیں تھا۔ اب تک بھی میرا کوئی
تعلق اپنے ملک کے ماضی یا مستقبل سے نہیں رہا لیکن اب میرے دل پر
اس رشتے کی عظمت اور صداقت عجیب و غریب درج سے واضح ہوتی ہے
کہ میں کسی وقت اس کو فراموش نہیں کر سکتی۔ دیکھتے بالوجہ، جب میں آپ سے
یہ کہتی ہوں کہ میں ہندو ہوں تو آپ اس کو بالکل سچ مانتے گاملا لکھ اب
سے پہلے میں نے اس بات کو اپنے آپ سے بھی تسلیم نہیں کیا تھا۔ اب تو
میں بغیر کسی پس و پیش سے یہ کہہ سکتی ہوں کہ میں ہندو ہوں بلکہ زور دے کر

کہنا چاہتی ہوں۔ اور مجھے اس بات کے اقرار پر مستعد بھی ہے۔“
 ”لیکن اس سوال کے تمام پہلوؤں پر تم نے غور کر لیا ہے؟ تم نے
 سمجھ لیا ہے کہ اس اقرار کے معنی کیا ہیں؟“ پارلیش بابو نے پوچھا
 ”کیا اس سوال کے ہر پہلو پر نظر ڈالنے کی لیاقت مجھ میں ہے؟“
 سچا ریتا نے اُن کے سوال کے جواب میں سوال کیا ”میں صرف یہی کہہ
 سکتی ہوں کہ میں نے اس مسئلہ پر کافی مطالعہ کیا ہے۔ بحث مباحثہ بھی کیا ہے
 پہلے میں نے چیزوں کو اُن کے صحیح پیمانے کے حساب سے جانچنا نہیں سیکھا
 تھا، ہندو مذہب کی چھوٹی چھوٹی جزئیات کو لے کر اُن میں مبالغہ کی صورت
 پیدا کر دیا کرتی تھی اسی لئے مجھے کئی بار ہندو مذہب سے نفرت تھی؟“
 سچا ریتا کو اس طرح گفتگو کرتے دیکھ کر پارلیش بابو کو ذرا تعجب ہوا۔
 اب یہ کہیں اچھی طرح واضح ہو گیا کہ اس کے خیالات میں تبدیلی کا ایک سلسلہ
 شروع ہو گیا ہے؟ اور چونکہ وہ صداقت کی تلاش کر رہی ہے۔ اس لئے اس
 کے ذہن میں الجھاؤ یا شک و شبہ نہیں ہے۔ صرف کسی نامعلوم جذبہ کا دھارا
 اُسے نہیں بہاتے لئے جارہا ہے کوئی ایسی کشمکش نہیں ہے جسے وہ سمجھ نہ
 پارہی ہو!

سچا ریتا نے اپنی بات جاری کی ”بابو جی“ میں یہ کیسے کہہ سکتی ہوں کہ میں
 اپنی قوم اور اپنے ملک سے الگ کوئی بریکہ نہ سمجھتی ہوں۔ آخر میں یہ
 کیوں نہیں کہہ سکتی کہ میں کبھی ہندو قوم کا ایک جز ہوں؟“

”دوسرے لفظ میں یوں کہہ گویا مجھ سے پوچھنا چاہتی ہو کہ میں اپنے کو
 ہندو کیوں نہیں کہتا۔ اگر تم غور کرو تو کوئی خاص بڑی وجہ بھی نہیں کہیوں نہیں کہتا
 سوائے اس کے کہ ہندو سوسائٹی خود ہی مجھے ہندو ماننے سے انکار کرتی ہے

دوسری وجہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے مذہبی خیالات میرے خیالات سے ملتے جلتے ہیں وہ اپنے کو ہندو نہیں کہتے۔ سچا ریتا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُسے خاموشی سے دیکھ کر پارٹھا بار بار بے پھر کہنا شروع کیا "ہیں تمہیں بتا چکا ہوں کہ یہ سب وجہیں کوئی خاص نہیں ہیں۔ یہ سب عام ہیں، سبایہ ہیں اور ان کا وٹول کو کوئی اہمیت دے بغیر بھی انسان اپنی ذات کا کام چلا سکتا ہے۔ لیکن ایک اور بھی وجہ ہے: دہاتی اور نہایت اچھے۔۔۔۔۔ اور وہ یہ ہے کہ ہندو سوسائٹی کا ایک جز بننے، اس میں شامل ہونے کا کوئی راستہ نہیں۔۔۔۔۔ کم از کم کوئی سوانح اور سیدھا اور پانڈیا کا راستہ نہیں ہے۔ چور و زور کی ہیں بات نہیں کرتا۔ یہ دوسری، یہ نظائراں۔ اس قول سے ملتے نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ وہ ان کے لئے ہے جنہیں غنیمت سے منہ نہ دیا گیا ہے۔"

"لیکن ہم بھی سوسائٹیاں اٹھا رہے ہیں۔ باوجود کہ پتا پتا چچ ہیں بول پڑی۔ نہیں۔۔۔۔۔ کوئی اہم سوسائٹی ایسی نہیں ہے کہ کوئی اہم نظائراں زندگی میں نہیں ملے سوسائٹی کے دور نہ ہو۔۔۔۔۔ لئے کھلے ہیں۔ عیسائی سراج بھی سب کو خوش آمدید کہتا ہے۔ عیسائیت کے مختلف حصے ہیں۔ لیکن ہر حصہ میں قبول ہے۔ اگر ہیں۔ گریز بنا چاہوں تو یہ بھی میرے لئے ایسا ممکن نہ ہوگا۔۔۔۔۔ اٹھیں۔۔۔۔۔ کافی عرصے رہ جاؤں، ان کے رسم و رواج کو مانوں تو انگریز بھی سراج مجھے قبول کر لے گا۔ کچھ عیسائی ہونے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ ان میں داخل ہونا تو ایسا مشکل کام نہیں لیکن باہر نکلنے کا راستہ اور ہڈی کا مشکل ہے۔ ہندو سوسائٹی کا متفاد و حال ہے۔ اس میں اندر گھسنے کے راستے ہائیکس ہندو ہیں البتہ باہر نکلنے کے ہزاروں طریقے ہیں۔"

"لیکن بابو جی ہندو سوسائٹی نے پھر بھی صدیوں میں کوئی نقصان تو اٹھایا

نہیں، ابھی تک قائم ہے" سچا ریتا نے دلیل پیش کی۔

"سوسائٹی کب اور کیا نقصان اٹھا رہی ہے اس کا اندازہ ہونے میں بہت دیر لگتا ہے بیٹی" پارٹیش بابو نے نخل کے ساتھ کہا "پُرانے زمانے میں ہندو سوسائٹی میں کچھلے دروازے کھلے رہتے تھے اور یہ اس ملک کی ایک شان تھی کہ غیر آریائی قوم کے لوگ بھی ہندو ہو سکتے تھے مسلمانوں کے زمانے میں بھی ہندو راجاؤں اور زمینداروں کا اثر ہر جگہ دیکھا جاسکتا تھا، اس لئے ہندو سوسائٹی سے نکل جانے والوں کو جو سزا تھیں کنبگتنی پڑتی تھیں ان کے سامنے میں جو رکاوٹیں تھیں ان کی بھی کوئی حد اور کوئی حساب نہ تھا۔ اس وقت انگریزوں نے اپنے قانونوں سے ہر ایک کا حق محفوظ کر دیا ہے اس لئے طریقوں سے کسی سوسائٹی کو بچھڑنے کے راستے ہیں جو غیر فطری رکاوٹیں تھیں وہ اب آسانی سے کام نہیں کر سکتیں۔ یہی وجہ ہے کہ ادھر حال میں، ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور ہندوؤں کی گھٹ رہی ہے۔ اگر حالات اسی طرح چلتے رہیں تو مسلمان حادی ہو جائیں گے اور پھر تو اس ملک کو ہندوستان کہنا ہی غلط ہوگا"

سچا ریتا پریشان نظر آنے لگی اور بولی "لیکن بابو جی — کیا یہ ہم سب کا فرض نہیں ہے کہ یہاں ہونے دیں۔ کیا ہندوؤں کا ساتھ چھوڑ کر ہم کو ہندو سوسائٹی سے لے کر اور بھی زیادہ خسارے کا سبب بننا چاہتے ہیں تو وقت ہے کہ ہم اپنی پوری قوت کے ساتھ ہندو دھرم کا ساتھ دیں۔ اُسے بھروسہ رہیں"

پارٹیش بابو نے محبت سے سچا ریتا کا سر تھپکا اور کہنے لگے "بیٹی — صرف اس بات کی خواہش ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ انسان کسی مرتے ہوئے کو صرف متبذیل سے کھام کر زندہ نہیں رکھ سکتا۔ سماجوں کے زندہ رہنے کے کچھ فطری اصول ہیں اور ان سے بچ کر نہ جاتا ہے جو کوئی بھی لاپرواہی برتنے کا آخر میں کیدارہ بن جاتا ہے۔"

ہندو سوسائٹی انسان کو بحیثیت انسان کے کچھ نہیں سمجھتی اور یہی وجہ ہے کہ آج ہمیں اپنی عزت برقرار رکھنا بھی دن بدن مشکل ہوتا جاتا ہے۔ آج ہم اپنے آپ کو پردوں کے اندر رکھ کر محفوظ نہیں کر سکتے۔ دنیا میں راہیں ہر طرف بھری پڑی ہیں، ہر طرف سے دنیا کی مختلف قوتیں ہمارے سماج پر حملہ کر رہی ہیں۔ اب ہم پرانے قانونوں اور شاستروں کی نصیابیں اور موٹ کھڑے کر کے اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے کیونکہ اسی صورت میں ہم اپنے آپ کو باقی تمام دنیا سے کاٹ دیں گے۔ در یہ قوت کی علامت ہوگی !

اگر ہندو سوسائٹی جلد ہی اپنی قوتوں کو اکٹھا نہیں کرتی اور ان امراض کا سدباب نہیں کرتی تو پھر باہری دنیا ہمیں ایسے وار لگاتے گی کہ ہم جس کی تاب نہ لا کر ختم ہو جائیں گے۔“

”یہ سب تو میری سمجھ میں پوری طرح نہیں آتا“ سچا ریتا دکھ بھری آواز میں بولی ”اگر یہ بات ٹھیک ہے کہ آج سب ہی اس کو چھوڑ رہے ہیں تو کم از کم میں تو اس کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی۔ چونکہ ہم لوگ اس بد نصیب دور کی اولاد ہیں۔ اس لئے اپنی سوسائٹی پر اس مصیبت کے عالم میں تو ہمیں اور بھی زیادہ اس کا ساتھ دینا چاہیے۔“

”دیکھو۔۔۔ پارٹش بابو بولے ”مٹھائے ذہن میں جو خیالات پیدا ہوئے ہیں ان کے خلاف میں کچھ نہیں کہنا چاہتا، عبادت کرو، خدا سے لو لگاؤ اور اس سے جو پاکیزگی محسوس ہو اس پاکیزگی کے ذریعہ اس صداقت کی جانچ کرو جس کی گونج تمہیں اپنے دل میں سنائی دیتی ہو۔ نیکی کا جو تصور تمہارے ذہن میں ہو اس پر غور کرو۔ پھر رفتہ رفتہ سب کچھ سمجھنے لگو گی۔ چاہے ملک ہو، چاہے قوم، چاہے کوئی اور نظریہ، لیکن اپنے خالق سے بلند کسی چیز کو نہ سمجھو، کیونکہ اس سے نہ تمہاری بہتری ہوگی، نہ تمہارے ملک کا بھلا ہوگا۔۔۔“

یہی سمجھ کر میں تو اپنی پوری روحانی قوت کو اپنے قلب و ذہن کو بلا شرکت غیر سے اپنے خدا کے حوالے کر دینا چاہتا ہوں۔۔۔۔۔ تب ہی جا کر میرے تعلقات دوسرے اُن انسانوں کے ساتھ استوار ہو سکتے ہیں، تب ہی میں اپنے ملک کے لئے کچھ کر سکتا ہوں۔“

وہ یہاں تک کہہ چکے تھے کہ ایک نوکر کے آنے سے رُک گئے۔۔۔ اس نے اس کے بڑھ کر اُن کو ایک خط دیا!

”میرے پاس اس وقت عینک نہیں ہے“ پارلیش بابو بولے۔ ”روشنی بھی بدستور ہو گئی ہے۔ تم ذرا اسے پڑھ دیتیں بیٹی“

سچا ریتا نے خط پڑھا۔

یہ خط برہمہ سماج کمیٹی کی طرف سے آیا تھا اور اس پر کئی اہم ممبروں کے دستخط تھے۔ خط کا مضمون کچھ یوں تھا کہ ”یہ دیکھتے ہوئے کہ پارلیش بابو نے اپنی برہمنوں میں سے ایک کی شادی غیر برہمن طریقے سے کرنا منظور کر لیا ہے، بلکہ خود شادی کی رسم کی تیاری میں حصہ لے رہے ہیں، برہمہ سماج اب اُن کو اپنی گورننگ کمیٹی میں شامل رکھنا، اپنے لئے ناممکن سمجھتی ہے۔ اگر انہیں اپنے متعلق کچھ غور داری کرنی ہو تو وضاحت کا خط لکھیں جو اس کے اتوار تک کمیٹی کے ہاتھ میں پہنچ جانا چاہئے۔ اس روز آخری فیصلہ، کثرت رائے کے مطابق کیا جائے گا۔“

پارلیش بابو نے خط لے کر اپنی جیب میں رکھ لیا، سچا ریتا نے نرمی سے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دونوں خوش ٹہلنے لگے۔ رفتہ رفتہ شام کا اندھیرا بڑھتا گیا اور قریب ہی گلی میں گئے ہوئے لمپ روشن ہونے لگے۔

سچا ریتا آہستہ سے بولی ”بابو جی۔۔۔ اب تو آپ کے دھیان کرنے کا وقت آگیا۔“

ابج میں بھی آپ کے ساتھ عبادت میں شامل ہونا چاہتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر بو جا کے کمرے میں لے گئی۔ وہاں بالکل سناٹا تھا، چھوٹا سا قالین حسبِ دستور بچھا تھا۔ شمع روشن تھی! ابج پارلش باور و زمانہ سے زیادہ دیر تک دھیان کرنے میں مصروف رہے، پھر انھوں نے ایک دعا پڑھی اور اٹھیں! کمرے سے باہر نکلے تو دیکھا کہ بیوے اور لوتا چپ چاپ دروازے کے باہر کھڑے ہیں پارلش بابو کو دیکھتے ہی دونوں نے اُن کے قدم لیتے۔ انھوں نے دونوں کے سر پر ہاتھ رکھا اور مڑ کر سچا ریتا سے بولے ”میں تمھارے گھر کل آؤں گا۔۔۔۔۔۔ ابج تو مجھے اپنا کچھ کام ختم کرنا ہے۔“ اور یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گئے۔

سچا ریتا اس وقت چپکے چپکے رو رہی تھی۔ اور کچھ دیر بالکل خاموش، برآمدے کے اندھیرے میں کسی محسوس کی طرح کھڑی رہی، بیوے اور لوتا بھی دیر تک خاموش رہے۔ جب سچا ریتا بھی جانے لگی تو بیوے نے بڑھ کر کہا ”ویدی آپ ہم دونوں کو دعا نہیں دیں گی؟“ اور یہ کہہ کر وہ اس کے پیروں پر جھک گیا۔ سچا ریتا نے گھٹی ہوئی آنکھوں میں کیا کہا، یہ صرف اس کا خدا جانتا تھا!

پارلش بابو، برہموسماج کمیٹی کے خط کا جواب لکھنے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے انھوں نے صرف چند سطریں لکھیں۔۔۔۔۔۔ ”لوتا کی شادی کا انتظام مجھ ہی کو کرنا ہے اور اس تصور میں اگر آپ مجھ کو نکال دیں تو اس کو میں آپ کی غلطی نہیں کہوں گا۔ اس معاملے میں مجھے اپنے خدا سے بس صرف یہی دعا مانگنی ہے کہ جب میں ہر سوسا تھی، ورنہ ہر سماج سے نکال دیا جاؤں تو وہ مجھے اپنے قدموں میں پناہ دے۔“

انہیشتراں کا باب

سچا ریتا کو بڑی فکر تھی کہ جو کچھ اس نے پارٹیش بابو سے سنا تھا وہ گورا کو بتاتے۔ کیا گورا کا یہ خیال نہیں تھا کہ جس ہندوستان کی طرف اس نے سچا ریتا کی نگاہیں موڑ دی تھیں جس کی جانب اس نے سچا ریتا کے دل میں شدید محبت کے جذبات جگاوتے تھے، اسی ہندوستان کو سخت نقصان کا خطرہ تھا؟ ابھی تک ہندوستان نے کسی نہ کسی داخلی اصول اور ردائی فکر کے ذریعہ اپنے آپ کو زندہ رکھا تھا اور ہندوستانیوں کو کوئی خاص پریشانی نہیں ہوتی تھی لیکن اب وقت نہیں آگیا تھا کہ ہوشیار ہوا جاتے؟ کیا آج بھی ہم پرانے شاستروں کے ساتے کے تخت اپنے گھروں میں اطمینان سے بیٹھے رہ سکتے تھے۔

سچا ریتا بار بار سوچتی تھی کہ اس جدوجہد میں ضرور میرے لائق بھی کوئی کام ہوگا۔ فرائض کا کوئی ایسا حصہ بھی ہوگا جو میں ادا کر سکتی ہوں۔ اس کو محسوس ہوتا تھا کہ ایسے موقع پر گورا کو اس کے نزدیک ہونا چاہیے، اُسے احکامات دینے چاہئیں، اُسے راستہ دکھانا اور اس کی رہبری کرنا چاہیے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کاش گورا اس کے رستے کی تمام رکاوٹیں دور کر دیتا، اُسے ذلت و خواری کی زندگی سے نکال کے صحیح جگہ پر بٹھا دیتا تو وہ بھی کچھ کام کر سکتی، اور اس کام کی قیمت اور اہمیت ان حقیر افواہوں اور لوگوں کے بیہودہ ارادوں کو قطعی طور پر مائل کر دیتی۔ وہ اپنے متعلق سوچنے لگی اور اس کا ذہن فخر سے بھر گیا۔ وہ کیا کچھ نہیں کر سکتی تھی لیکن گورا نے اس کو آزمایا کیوں نہیں، وہ نہ ممکن۔ کوئی مشکل خدمت اس کے سپرد کیوں نہیں کی؟ کیا اس کی پارٹی

ہیں کوئی ایک آدمی بھی ایسا تھا جو سچاریا کی طرح اپنا سب کچھ قربان کر دینے کے لئے
 دل و جان سے تیار تھا! کیا قربانیاں دینے اور اپنا ضمیر مطمئن کرنے کی یہ شدید خواہش گورا
 کو دکھائی نہیں دے سکتی تھی؟ اُسے جو اس طرح لوگوں کی رایوں کے رحم و کرم پر
 چھوڑ دیا گیا تھا، تو کیا اس سے ملک اور قوم کا کچھ بھی نقصان نہیں تھا؟ سچاریا کا دل یہ
 ماننے سے انکار کرتا تھا کہ اس کے ساتھ بے پرواہی برتی جا رہی ہے، اپنے آپ سے
 بار بار کہتی تھی ”ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔۔۔۔ وہ مجھے اس طرح چھیڑ کر نہیں جاسکتے انہیں
 میرے پاس واپس آنا ہی پڑے گا، انہیں مجھ کو ڈھونڈنا ہی پڑے گا، انہیں
 اپنی جھینپ اپنی ہچکچاہٹ چھوڑنی ہی پڑے گی، وہ ہوں گے بڑے آدمی، عظیم
 آدمی، زبردست آدمی، مگر ان کو ضرورت میری یقیناً ہے۔۔۔۔۔۔ آخر ایک بار اپنے
 منہ سے اس حقیقت کو قبول ہی چکے ہیں۔۔۔۔۔۔ پھر ادھر ادھر کی بکواس کی وجہ سے
 اتنی بڑی بات بھول تو نہیں سکتے۔۔۔۔۔۔“

ستیش دوڑا ہوا اندر آیا اور اس کے قریب کھڑا ہوا کہ ”بولا“ دیدی۔

”کیا ہے۔۔۔۔۔۔ سنئے کتر کتر میاں“۔۔۔۔۔۔ سچاریا نے پیار سے کہا اور اُس کے

”گلے میں باہیں ڈال دیں!“

”دیکھئے۔۔۔۔۔۔ سو سوار کو لولٹا دیدی کی شادی ہے نہ۔۔۔۔۔۔ تو اس کے

بعد چند دنوں کے لئے میں بنوئے بابو کے گھر جا کر رہنے والا ہوں۔ انہوں نے مجھے

دعوت دی ہے کہ اُن کے ساتھ رہوں۔“

”خالد سے بھی پوچھا ہے“ سچاریا نے سوال کیا۔

”ہاں خالد سے کہا تھا۔۔۔۔۔۔ وہ تو خفا ہوئے لگیں، بولیں میں کچھ نہیں جانتی، اور

یہ کہ میں آپ سے پوچھوں اور آپ کا جو جی چاہے وہ آپ کریں۔ بھئی دیدی آپ منج

منت کیجئے گا۔۔۔۔۔۔ میری پڑھائی کا کچھ حرج نہیں ہوگا، روز پڑھتا رہوں گا، بنوئے

ابو نے یہ بھی وعدہ کیا ہے کہ مجھ کو پڑھا دیں گے۔

”پیر وہ لوگ اس گھر میں اپنی سب تیاری وغیرہ کر رہے ہیں، ٹھیک ٹھاک کر رہے ہیں، تم پہنچ کر سب گڑ بڑ کر دو گے۔“ سچا ریتا نے اعتراض کیا۔

”نہیں بھئی دیدی“ سنیش چھینے لگا۔ ”آپ سے وعدہ کرتا ہوں نہ، کہ ذرہ برابر گڑ بڑ نہیں کروں گا۔“

”اپنے کتے کھٹوا کو ساتھ لے جانے کی ضرورت سوچ رہے ہو گے تم“ سچا ریتا نے پوچھا۔

”ایر کیا۔ وہ تو نہ ویر چلے گا کیونکہ بنوئے بابو نے مجھ سے کہا تھا کہ کھٹوا کا تو فاس بلاوا ہے۔ اس کے نام تو خود دعوت نامہ آیا ہے، الگ سے، لال کاغذ پر لکھا ہوا اور اس میں لکھا ہے کہ کھانے پر مع خاندان کے تشریف لا کر ممنون فرمائیے۔“

سچا ریتا ہنس پڑی ”اچھا۔۔۔ تو اس کا خاندان کہاں ہے؟“

”اونہ بھئی آپ تو سمجھتی نہیں ہیں۔۔۔ خاندان ہے کیوں نہیں، بنوئے بابو کہتے ہیں میں ہی اس کا خاندان ہوں۔۔۔ اور دیدی اکھنوں نے یہ بھی کہا تھا کہ اپنا آگن لیتا آئے، سو وہ نکال دیجئے گا۔ آپ سے سچ کہتا ہوں توڑوں گا نہیں۔“

”نہیں نہیں۔۔۔ کبھی نہیں“ سچا ریتا نے اُلٹ کے صاف انکار کر دیا۔

”ب یہ معلوم ہوا کہ اتنے دن سے وہ کیوں بھٹیں اپنا دوست بناتے ہوئے تھے کیونکہ متھارمی خوشامد میں لگے رہتے تھے۔۔۔ متھارمی آرگن پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں تاکہ شادی میں بینڈ منگوانے کے خرچے سے بچ جائیں۔۔۔ یہ چال تھی ان کی! اچھا اب سمجھ میں آیا۔“

”نہیں بھئی دیدی، ایسا بالکل نہیں ہے“ سنیش پھر چھینے لگا۔ ”اور دیدی بنوئے بابو نے کہا ہے کہ وہ مجھے اپنا شہزادہ بنا نا چاہتے ہیں۔۔۔ شہزادے کو کیا کرنا ہوتا ہے

”نہیں، نہیں، نہیں، پیسوں کی بات مت کرو۔ ہم دونوں میں سے کسی کو دولت کی ضرورت نہیں ہے۔ میاں کتر کتر! اس کام کو تو ہماری نگن اور ہماری زندگیوں کی حاجت ہے اور کچھ نہیں۔“

اسی وقت آندھوئی کمرے میں داخل ہوئیں۔ اُن کو دیکھ کر سچا ریتا کاغون تیزی سے گردش کرنے لگا۔ وہ اُن کے سامنے جھک گئی۔ سنیش نے بھی ایسا ہی کرنا چاہا لیکن وہ ذرا پھوہڑ پنے سے جھکا۔ بات یہ ہے کہ اُسے تسلیات کرنے یا پرنا کر کے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی اس لئے اُس سے یہ باتیں بنتی نہیں تھیں۔ آندھوئی نے سنیش کو گلے لگایا، اس کے سر کو بوسہ دیا اور سچا ریتا کی طرف مڑ کر بولیں ”میں تم سے کچھ صلاح مشورہ کرنے آتی ہوں ماں، اور کس کے پاس جاؤں! نبوتے کا اصرار رہتا کہ اُس کی شادی میرے گھر سے ہو، پر میں نے کہا کہ وہ ایسا اب کب سے ہو گیا ہے کہ ذولہن اس کے اپنے گھر نہ اترے تو اُسے اطمینان ہی نہ ہو۔ اس لئے میں نے ایک مکان کرایہ کا تجویز کیا ہے، یہاں بھٹائے گھر سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔ میں ابھی وہیں سے چلی آرہی ہوں۔ ہر بانی کر کے تم ذرا پارٹیں باپو سے بات کر کے ان کی رضامندی بھی لے لیتیں۔“

”بابو جی تو ضرور رضامند ہو جائیں گے۔“

”س کے بعد کچھ تم بھی وہاں آ جاؤ۔“ آندھوئی نے بات کو اور آگے بڑھایا ”سوہار ہی کو شادی ہے اب اس بیچ میں گھر کو بھی کھٹک کھٹاک کر ناسہ ہے، وقت کہاں ہے؟ میں اگر کوشش کروں تو بھٹ کرایہ لی بھی کر سکتی ہوں مگر مجھے معلوم ہے کہ نبوتے کو اگر پتہ چلا کہ تم نے کوئی حصہ نہیں لیا تو اسے بہت رنج ہوگا۔ بدشورتو تم سے کیا کہے گا، بلکہ اس نے تو مجھ سے بھٹا رانا تم تک نہیں لیا۔ اور اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ اس کے دل پر اس معاملے میں کچھ چوٹ ہے۔ تم تو الگ رہنا

ہری موہنی نے سُن لیا تھا کہ آئندہ موہنی آئی ہوئی ہیں لیکن انھوں نے خوب دیر لگا کر
 اپنا سب کام ختم کیا تب آئیں۔۔۔۔۔
 ”کہتے دیدی۔۔۔۔۔ بہت دنوں سے نہ آپ سے ملاقات ہوئی نہ آپ کی
 کچھ خبر سنی“

”میں آپ کی بھانجی کو لے جانے کے لئے آئی ہوں“ آئندہ موہنی نے کہا۔
 انھوں نے ہری موہنی کی شکایت کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ بلکہ یہ بتانے لگیں کہ شادی
 وغیرہ کے متعلق اُن کا کیا ارادہ تھا۔

کچھ دیر چُپ رہنے کے بعد ہری موہنی آخر کار بُرا سا سُند بنا کر بولیں۔ میں تو
 بھائی اس معاملے میں کوئی حصّہ نہیں لینا چاہتی“

”نہیں نہیں۔۔۔۔۔ میں نے آپ سے آنے کو کب کہا ہے۔۔۔۔۔ اور سچا ریتا
 کے متعلق آپ فکر نہ کیجئے گا، اُسے تو میں ہر وقت اپنے ہی ساتھ رکھوں گی“

”تو پھر میری بات سُن لیجئے“ ہری موہنی نے کہا ”راہِ رانی ہمیشہ یہ کہتی ہے۔
 کہ میں ہندو ہوں، اور واقعہ بھی یہ ہے کہ اس وقت اس کا رُحجان اسی طرف ہے، لیکن
 اگر اس کو ہندو فرقتے میں داخل ہونا ہے تو ذرا سنبھل کر چلنا، ویسے بھی اس کے متعلق
 بہت کچھ کہا جاتے گا، حالانکہ میں کسی نہ کسی طرح بات کو بنا ہی لوں گی۔۔۔۔۔ لیکن اب
 سے ذرا اس کو احتیاط رہنا ہوگی۔۔۔۔۔ سب سے پہلی بات تو لوگ یہی پوچھیں گے
 کہ اتنی عمر تک یہ کنواری کیسے رہ گئی۔۔۔۔۔ اس سوال کو تو ہم کسی نہ کسی طرح گول
 کر دیں گے۔۔۔۔۔ ایسا تو نہیں ہے کہ کوشش کی جائے تو اس کو کوئی اچھا شوہر
 نہیں ملے گا لیکن اگر یہ پھر سے ایک بار پُرانی طرز پر چلنے لگے تو پھر آپ ہی بتائیے اسکو
 کہاں روکیں گے ہم لوگ؟ اگر آپ کی اپنی کوئی بیٹی ہوتی تو کیا آپ اس کو اس شادی
 میں شریک ہوئے بھی دیتیں۔ کیا آپ کو یہ خیال نہ آتا کہ اس کی بھی شادی ہونی ہے۔“

حاصل کرنے کی بقراری اس تیزی سے بڑھی کہ جب وہ دنیا دار تھیں اس وقت سے بھی زیادہ فکروں نے اُن کو گھیرا۔

آنند موئی حیران تھیں! چند ہی دنوں میں ہری موہنی کی آنکھوں میں چہرے میں حرکات و سکنات ہیں، الفاظ اور عادات میں کتنی تبدیلی آگئی تھی! آنند موئی کا محبت بھرا نرم اور گداز دل سچا ریتا کی حالت کا خیال کر کے کھڑکھڑاہٹا۔ اگر انھیں ذرا سا بھی پتہ ہوتا کہ یہاں یہ خطرہ پہنچا ہے تو وہ سچا ریتا کو شادی میں بدلانے کبھی نہ آتیں۔۔۔۔۔ اور اب تو یہ سوال تھا کہ اس کو اس پریشانی سے کیوں کر بچایا جائے!

جب ہری موہنی نے درپردہ گورا پر بھی ایک حملہ کیا تو سچا ریتا ایک لفظ کہے بغیر اٹھ کھڑی ہوئی اور سر جھکائے کمرے سے باہر نکل گئی۔

”آپ گھبرائیے نہیں بہن“ آنند موئی نے کہا ”مجھے پہلے سے یہ سب معلوم نہیں تھا لیکن میں سچا ریتا سے اصرار نہیں کروں گی۔۔۔۔۔ آپ بھی اس سے کچھ نہ کہیے گا۔ اس کی پرورش ایک خاص طریقے سے ہوتی ہے اور اگر آپ ایک دم سے اسے بہت سادہ بنائے لگیں گی تو وہ برداشت نہیں کر سکے گی۔“

”آپ کیا سمجھتی ہیں کہ میری اتنی عمر ہونے کو اتنی اور میں یہ بات بھی نہیں سمجھ سکتی“ ہری موہنی نے شکایت کے لہجے میں کہا۔ وہ آپ کے سامنے کہے کہ میں نے کبھی اس سے شکایت کا موقعہ دیا ہو وہ جو چاہتی ہے کرتی ہے میں نے تو ایک لفظ بھی کبھی نہیں کہا۔۔۔۔۔ میری تو بس یہی دعا ہے کہ بھگوان بس اُسے جیتا رکھیں تو ہی میرے لئے بہت ہے۔ اتنے میری نصیبی! مجھے تو یہ سوچ سوچ کر راتوں میں نیند نہیں آتی کہ دیکھ کسی دن کیا ہوتا ہے؟

آنند موئی جا ہی رہی تھیں کہ سچا ریتا نے اپنے کمرے سے نکل کر اُن کو پرنام کیا

انھوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولیں ”بیٹی“ میں برابر آتی رہوں گی تاکہ تمھیں سب خبر ملتی رہے۔ تم پریشان نہ ہونا۔ بھگوان چاہے گا تو سب کام بخیر و خوبی ہو جائیں گے۔“
سچا ریتا نے سر جھکاتے رکھا، کچھ نہیں بولی۔

دوسرے دن صبح ہی آئند موٹی نے اپنی ملازمہ چھمیا کو سناٹھ لیا اور صفائی وغیرہ کروانے نئے مکان میں پہنچ گئیں۔ جیسے ہی انھوں نے کمرے میں پانی بہانا شروع کیا وہی سچا ریتا پہنچی۔ اس کو دیکھتے ہی آئند موٹی نے جھاڑو پھینک دی اور دروازہ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ پھر سب نے مل کر بڑے جوش سے دھلائی، رگڑائی، بچھائی شروع کر دی۔!

پارٹیش بابو نے سچا ریتا کو سب اخراجات کے لئے کافی روپے دے دئے تھے اس لئے اور کاموں سے فارغ ہو کر دونوں نے اس روپے کو خزانہ قرار دے کر حسابات درج کرنے شروع کئے۔

کھوڑی دیر بعد پارٹیش بابو بھی لوٹا کو لے کر پہنچے۔ اب لوٹا کے لئے اپنے گھر میں رہنا ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ کیونکہ کسی میں، تنی ہمت نہ تھی کہ اس سے بات کہی کر لیتا۔ اور اس رویہ سے اس کو ہر قدم پر چوٹ لگتی تھی۔ پھر اوپر سے جب بردوار دیوی کے دیست، حباب جوق در جوق ان سے ہمدردی کرنے کے لئے جمع ہونے لگے تو پارٹیش بابو نے سوچا کہ اب لوٹا کو وہاں سے بالکل ہٹا دینا ہی ٹھیک ہے۔!

روانہ ہوتے وقت لوٹا اپنے دل کے پیر چھوڑنے لگی۔ اور جب وہ کمرے سے باہر نکلی تب تک بردوار دیوی اسی طرح آنکھوں میں آنسو بھرے اس کی طرف سے ٹھنڈ پھیرے بیٹھی رہیں۔ ————— لیونیا اور لیلہ کے دل میں تو لوٹا کی شادی میں شرکت کا بڑا شوق تھا، اگر ذرا بھی موقع ملتا تو کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ضرور پہنچتی لیکن لوٹا جب ان سے رخصت ہونے لگی تو انھیں ہر ہویہ سماج کی طرف اپنی شدید نرض کا خيال آیا اور دونوں بے سندھ

بنا کر بیچ گئیں۔

دروازے پر لو لٹا کر سدھیر کا ہلکا سا یہ دکھائی دیا لیکن اس کے پیچھے ہی کچھ بڑے بوڑھے بھی تھے۔ اس لئے وہ اس سے بات نہ کر سکی۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس نے دیکھا کہ کاغذ میں لپیٹی ہوئی کوئی چیز سیٹ کے ایک کونے میں رکھی ہے۔ کھول کر دیکھا تو جرمین سلور کا ایک پھول دان تھا۔ اس پر کھدا ہوا تھا "اس شادیاں جوڑے پر خدا کی برکت ہو"۔ ساتھ ہی کارڈ لگا تھا جس میں سدھیر کے نام کا پہلا حرف لکھا تھا۔

اُس دن لو لٹانے پکا ارادہ کیا تھا کہ روئے گی نہیں لیکن اپنے باپ کا گھر چھوڑتے وقت محبت کا یہ واحد تحفہ جو اس کو بچپن کے ساتھی اور دوست کی طرف سے ملا تو وہ اپنے سنوویں پر تو بڑے رکھ سکی۔ بے اختیار بہنے لگے۔ پارٹیش بابو نے بھی سیٹ کے دوسرے کونے میں بیٹھے بیٹھے خاموشی سے اپنی آنکھیں پونچھیں۔

"آر بیٹی ——— آرمیر کی کچی ——— اندر آ جاؤ" آئند موئی اُسے دیکھ کر بڑے شوق کے ساتھ بڑھیں اور لو لٹا کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اُسے اندر کمرے میں لے کر آئے گئیں۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ بچوں سے اس کی منتظر تھیں۔! پارٹیش بابو نے سچا ریتا کو بلوایا اور بولے "بیٹی ——— لو لٹانے ہمارا گھر ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا"۔ بولنے وقت اُن کی آواز کانپ رہی تھی۔! سچا ریتا نے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام لیا اور جواب دیا "بابو جی۔ اس گھر میں بھی اُنس و محبت کی کوئی کمی نہ ہوگی"۔

جب پارٹیش بابو چلنے لگے تو آئند موئی سر ڈھکے ہوئے اُن کے سامنے آئیں اور جھکیں۔ پارٹیش بابو بھی کسی قدر گھبرا کر جھک گئے۔!

آئند موئی نے اُن کو تسلی دیتے ہوئے کہا "لو لٹا کے متعلق آپ ذرا کبھی نہ سوچیں گے گا بھائی ——— آپ جس کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دے رہے ہیں وہ بھی اس کو کوئی دیکھ

نہیں پہنچائے گا۔۔۔۔۔ مجھے جس چیز کی اتنی مدتوں سے ضرورت تھی وہ آخر کار خدا نے مجھ کو بخش دی، میری کوئی بیٹی نہیں تھی سو مل گئی۔ میں نے بہت دنوں تک اسی اُمید کو دل میں پالا ہے کہ نبوتے کی بیوی میرے گھر میں بیٹی کی کمی کو پورا کرے گی۔ اور آخر کار خدا نے میری آرزو کو اس حیرت ناک طریقے سے پورا کیا۔ اور لڑکی بھی مجھے ایسی ملی کہ میں تو خواب میں بھی اپنے کو اتنا خوش قسمت نہیں سمجھتی تھی۔“

اس وقت پہلی بار پارٹیش بابو کو سچے سچے تسلی ہوئی؛ لولتا کی شادی کی یہ گڑبڑ جس دن سے شروع ہوئی تھی اس دن سے لے کر آج۔۔۔۔۔ آخر دنیا میں کوئی ایک جگہ ایسی تھی جس کے متعلق ان کا دل مطمئن ہو سکتا تھا، جہاں سے ان کے پریشان ذہن کو سکون حاصل ہوا۔!

سَٹروال باب

جب سے گورا جیل سے چھوٹ کر آیا تھا، اتنے ملاقاتی روز اس کے گھر آنے تھے کہ ان سے بحث و مباحثہ کرتے وہ سائنس لینے کی بہت نہیں پاتا تھا۔ رفتہ رفتہ گھر میں رہنا بس کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا۔ اس لئے اس نے پہلے کی طرح دیہات میں جبنا شروع کر دیا

روز بچ ہی، کچھ تھوڑا بہت کھاپی کے وہ گھر سے نکل جاتا اور رات گئے لوٹتا۔ کلنے سے ریل میں بیٹھ کر وہ قریب ہی کے کسی اسٹیشن پر اتر جاتا اور دیہات میں ادھر ادھر گھومتا۔ وہاں وہ کھاروں، تیلیوں اور دوسری بچ ذات قوموں کا مہان رہتا۔ ان دیہاتیوں کے کچھ سمجھ میں نہ آتا کہ یہ لمبا چوڑا، گورا چٹا، نوجوان برہمن ان سے کیوں ملتا ہے۔ ان کی خوشیوں اور دکھوں کے متعلق پوچھ کچھ کیوں کرتا ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اکثر ان لوگوں کو گورا کی نیت پھر طرح طرح کے شک و شبہ ہونے لگتے تھے۔ سین گورا ان کے ان شکوک کی کچھ پرواہ نہ کرتا۔ اور مزے میں ان کے درمیان ٹہلا کرتا، کبھی کبھار ان کے بہت سخت فقرے اس کے کانوں میں بھی پڑ جاتے، پر وہ یہ نہ مانتا۔ !

گورا جتنا ہی زیادہ ان لوگوں کی زندگیوں کو قریب سے دیکھتا، اتنا ہی ایک خیال بار بار اس کے دماغ میں آتا۔ وہ دیکھتا تھا کہ تعلیم یافتہ طبقے کے مقابلے میں ان دیہاتیوں کو سماجی پابندیوں نے زیادہ مشرت کے ساتھ جکڑ رکھا ہے۔ رات دن مسلسل کھانے پینے، چھوڑنے چھانے، ریت ریموں میں غرضیکہ ہر گھر کے قدم پر سوسائٹی کی کردی نظر میں تھیں۔ اس شخص نہایت سادگی کے ساتھ سماجی رواجوں کو

مانتا تھا۔ یہ تو بھی ان کو خیال ہی نہیں آتا تھا کہ ان معاملات کے متعلق کبھی سوچیں سمجھیں
 پوچھیں یا بحث کریں۔ لیکن سماج کے رواجوں اور روایتوں پر یہ گورانا عقیدہ اُن کی
 روزانہ زندگی کی شکلوں یا مسئلوں کو حل کرنے کے لئے اُن کو کچھ قوت بھی عطا کرے
 ایسا بالکل نہیں تھا۔ واقعہ تو یہ ہے کہ ان لوگوں کو دیکھ کر یہ خیال آتا تھا کہ دنیا کے
 پرشے پر اس منہم کے لئے جس جانور شاید ہی کوہیں پاتے جاتے ہوں جو اتنے مجبور، اتنے
 کمزور اور اپنے اچھے برے کو سمجھنے سے اس بری طرح قاصر ہوں! وہ بس رسموں اور
 روایتوں کو مانتے چلے جا رہے تھے اور اس کے علاوہ وہ اس بات سے بالکل بے نیاز
 تھے کہ اُن کی بہتری کی کیا سورتیں ہو سکتی ہیں اور یہ صورتیں اگر ان کو سمجھائی جاتی تھیں تو
 سمجھنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ اُن کے نزدیک سماجی روک ٹوک، سنز اور ٹیڈ کی دھمکیاں
 اور ذات برادری سے نکال دئے جانے کے تصورات ہی دنیا میں سب سے اہم چیز تھے
 ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کی طبیعتیں سر سے پاؤں تک مختلف قسم کے ڈنڈ بھگتنے کے جال
 میں پھنس گئی ہیں۔ اور یہ ڈنڈ وہ ہیں جو سماجی قانونوں کو نہ ماننے سے بھگتنے پڑتے
 ہیں۔ اور یہ قانون وہ ہیں جو قدم قدم پر اُن سے کہتے ہیں کہ یہ نہ کرو۔ یہ جال
 جو بادشاہ کے لگان کی طرح نہیں بلکہ ظالم سود خور کے قرضے کی طرح اُن کے چاروں
 طرف لپٹا ہوا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اسیری ہو یا غریبی وہ ان رواجوں کے ذریعہ متحد ضرور
 ہیں۔ لیکن گورایہ دیکھئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا کہ رواج اور رسم کے اسی ہتھیار کے ذریعہ
 انسان، انسان کا خون بھی چوس رہا ہے اور غریب کو نہایت ظالمانہ طریقے پر اور مفلس
 بناتے رہا ہے۔!

کتنی ہی بار اس کو یہ دکھائی دیا کہ کسی تقریب کے موقع پر کوئی کسی کو نہیں بخشا۔
 ایک غریب انسان تھا جس کا باپ بہت دنوں سے بیمار تھا، اُس کا تقریباً سارا روپیہ
 باپ کے علاج کے لئے خرچ ہو چکا تھا، کسی نے اس صوفیہ کو دیکھا تو دبا دبا کر

مرد تو دی نہیں بلکہ گاؤں کے لوگ اس پر اصرار کر رہے تھے کہ باپ کی بیماری ضرور کسی ابھانے
 باپ کی بھگتان ہے۔ لہذا وہ پرائسٹنٹ کی رسم ادا کرے اور اس پر اور زیادہ پیسے خرچ
 ہوں! اس بد بخت انسان کی مفلسی اور مجبوری کوئی چھپی بات نہ تھی لیکن اس پر رحم کسی نے
 نہ کیا۔ تقریباً ہر سماجی رسم کے موقع پر ہی ہوتا تھا۔ جس طرح کسی گاؤں میں ڈاکہ پڑ جائے
 تو ڈاکہ سے زیادہ پریشانی پولیس کی تفتیش سے ہوتی ہے۔ اسی طرح ماں باپ کے
 مرنے پر کربا کریم کے سلسلے میں جو مصیبت اٹھانی پڑتی ہے وہ ماں باپ کی موت سے
 بھی زیادہ شدید ہے۔ کسی قسم کی مجبوری یا غریبی کا عذر کوئی ہرگز نہیں مانتا۔ ایک ایک
 جھنجھی کوڑی اکٹھا جاتے پر سوسائٹی کا جو روایتی حق ہے وہ ضرور ادا ہونا چاہتے شادی
 ہو تو دو لکھا دالے ہر ممکن کوشش کریں گے کہ دوہن والوں سے جتنا بنے اینٹھ لیں۔ اس
 بد بخت آدمی کے لئے ہمدردی کا شائبہ بھی کسی کے دل میں پیدا نہ ہوگا۔

گورا کو یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ ضرورت کے وقت سوسائٹی کسی کی کوئی مدد نہیں
 کرتی، کوئی مصیبت آجائے تو اس کے دل کو تسلی یا بڑھاد نہیں دیتی۔ صرف اس کو
 سزائیں دیتی ہے، قدم قدم پر اس سے جواب طلب کرتی ہے اور اسے خاک میں
 ملا ڈالتی ہے۔

وہ جس تعلیم یافتہ طبقے میں منے جلنے کا عادی تھا اس میں وہ کروہ یہ تمام حقیقتیں
 بھٹول گیا تھا کیونکہ اس سوسائٹی میں عام مفاد کے لئے اتحاد پیدا کرنے کی قوت باہر
 سے بھی کوئی جاسکتی تھی۔ اس سوسائٹی میں اتحاد کے مختلف راستے آزمائے جاسکتے
 تھے، اختیار کئے جاسکتے تھے۔ ڈیر بس صرف اس بات کا تھا کہ اتحاد کی یہ سرمایہ
 کوششیں کہیں دوسروں کی تعجب کی شکل اختیار نہ کر جائیں اور اس طرح بیکار نہ ہو جائیں۔
 لیکن گورا کو دیہات کی اس بے حس زندگی کے آئینہ میں اپنے ملک کی فنگی اور
 برہنہ تصویر دکھائی دیتی تھی، یہاں باہر سے جو حملے کئے جاتے وہ بھی کارگر نہ ہو سکتے تھے!

کسی جگہ اس کو اس دھرم کی پرچھائیں بھی نہیں دکھائی دیتی تھی جو قہرمت، محبت، رواداری، خود داری اور انسانوں کے لئے احترام کے جذبات سے مکمل پاکر سب کو جو لائی زندگی اور سرت بخشتا ہے! ایسی روایات جو محض انسان کو مختلف فرقوں میں تقسیم کریں، جو محبت کو بھی دُور ہٹا دیں وہ انسان کے عقل و خود کے کارواں کو کیا گے بڑھا سکتی تھیں، وہ تو صرف انسان کی رفتار میں روڑے ہی اٹھا سکتی تھیں۔

ان دیہات میں اس انڈی عقیدت مندی کے ایسے ذلیل اور ظالمانہ نتائج گورا نے دیکھے کہ اب اس کے لئے اپنی ذہن سے تخلیق کی ہوئی خوش فہمیوں کے جال میں پھنسا رہنا ناممکن ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ کس طرح یہ چیزیں انسان کی محنت اور کام عقل اور صحت اور سچے مذہبی اصولوں کو طرح طرح سے چٹ پہنچاتی ہیں۔

سب سے پہلے اس نے یہ غور کیا کہ دیہات کے بچے خواتن میں عورتوں کی تنہا روکم ہونے کی بنا پر یا اور وجہوں کی بنا پر بیوی جب ہی حاصل کیجا سکتی تھی جب کافی روپیہ دیا جاسکے۔ بہت سے مرد زندگی بھر کنواہ سے بیٹھے رہ جاتے تھے بعض کافی پختہ عمر میں کہیں جا کر شادی کر پالتے تھے۔ دوسری طرف بیواؤں کی شادی بڑی سختی سے پابندی تھی۔ اس وجہ سے برادری کے بہت سے گھروں میں صحتیں خراب تھیں، اخلاق بُرے تھے اور سب ہی کو پریشانی ہوتی تھی۔ اس بدبختی کا بھگتان سب کو بھگتنا پڑتا تھا لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس کا علاج کیا ہے، وہی گویا جو تعلیم یافتہ لوگوں سے بچتا تھا تو روایتوں کو ذرہ برابر چھوڑنے پر تیار نہ ہوتا تھا۔ اُس نے یہاں دیہات میں رسموں پر ایک زبردست چوٹ کی۔ پنڈتوں سے بات چیت کر کے اُن کو تو اس نے راضی کر لیا، لیکن خود عوام کو جو مصیبت میں تھے پناہم راتے بنانا آسان نہ تھا۔ اُلٹے وہ اس پر بگڑنے لگے اور چیخ چیخ کر بولے ہاں ہاں — یہ تو سب بہت کھیک ہے، ہر تم برہمن لوگ پہلے اپنے یہاں

بیواؤں کی شادی کا رواج کیوں نہیں چلا تے — تم پہلے کرو تو ہم تمہارے
 پیچھے چلیں —

اصل وجہ اُن کے غصے کی اور یہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ چونکہ وہ پنج ذات تھے اسلئے
 گورا کی اُن سے یہ کہنے کی ہمت ہوتی — برہمن کھانا، اُن کو ذلیل سمجھتا تھا۔
 اس لئے یہ تصور کر سکتا تھا کہ وہ اخلاقی معیار سے گر سکتے ہیں۔ !

دیہات میں اس طرح گھومتے ہوئے گورا نے ایک بات یہ بھی دیکھی کہ
 مسلمانوں میں کوئی بات ایسی تھی جو اُن کو متحد کر سکتی تھی۔ اس نے غور کر کے
 دیکھا تھا کہ گاؤں پر اگر کوئی مصیبت آپڑتی ہے تو جتنے مسلمان ہیں وہ
 ایک دوسرے سے اس طرح کا نہ ہا ملا کر کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہنر و جیسا بھی نہیں
 کرتے، اور وہ اکثر یہ سوچ کر تعجب کرتا کہ یہ دو قومیں ایک دوسرے سے اتنا
 قریب رہتی ہیں اور پھر بھی ان کی طبیعتوں میں یہ بنیادی فرق بڑا عجیب ہے۔
 اس کی عقل اس سوال کا ایک جواب دیتی تھی۔ اس جواب کو وہ سچ نہیں
 ماننا چاہتا تھا لیکن اُسے بڑے دکھ کے ساتھ یہ تسلیم کرنا پڑتا تھا کہ مسلمان
 صرف رسموں اور روایتوں کے ذریعے متحد نہیں تھے — یہ اُن کا مذہب
 تھا جو اُن میں ایسی یگانگت پیدا کرتا تھا۔ اُن کی رسمیں بھی ایسی تھیں کہ جو انکی
 تقریبوں کو محض فضول اور نقصان دہ نہیں بناتی تھی، اور پھر مذہب کا رشتہ تو
 سب کو ایک کئے ہی تھا۔ اس طرح متحد ہو کر انھوں نے گویا کچھ مثبت قوتوں
 کو اپنا لیا تھا جو منفی عناصر کو پسپا کرتی رہتی تھیں، اس طرح ان کی کیفیت
 صرف قرضہ داروں کی نہیں بلکہ مال داروں کی تھی۔ اُن کے پاس کچھ ایسے ذرائع تھے
 کچھ ایسے تصورات تھے جن کی صد پر انسان پل بھر کے اندر اکٹھا کھڑا ہو سکتا تھا اور
 اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنی جان قربان کر دینے کی توفیق اپنے آپ میں پیدا کر سکتا تھا۔

اپنے تعلیم یافتہ فرقے کے لئے جب گورامہن لکھتا تھا، یا بحث کرتا تھا، یا لیکچر دیتا تھا تو اس کا مقصد دوسروں پر اثر ڈالنا ہوتا تھا۔ لہذا فطری طور پر وہ اپنے تخیل کا زور اس میں شامل کر کے اپنے الفاظ سے رنگین مریض تیار کرنا چاہتا تھا، تاکہ اور لوگ بھی کھینچ کر اسی راہ پر آسکیں! یہ بھی سہادی باتوں کو بھی اس کی تشریحیں، اشارے اور کنائے بنا دیتی تھیں اور اپنے جذبات کی جانبداری سے وہ کھنڈوں کی بھی جو تصویر کشی کرتا تھا وہ نہایت دلکش ہوتی تھی۔ چونکہ ملک میں ایک ایسی قوم حکومت کر رہی تھی جو ملک کی دشمن تھی اور یہاں کی ہر چیز کو برا ثابت کرنا چاہتی تھی۔ اس لئے اپنے وطن کی محبت میں سرشار ہو کر، گورامہن دن اس کوشش میں لگا رہتا تھا کہ اپنے تائبانہک جذبات کی آڑ میں وہ سب کچھ چھپا لیتے جو اس کے محبوب وطن کی ذلت و خواری کا ذرہ برابر بھی سبب بنایا جاسکے۔

ایسا نہیں کہ وہ کسی وکیل کی طرح قدم قدم پر بے گناہی کا ثبوت دینا چاہتا تھا۔ ہاں، یا کوئی ایسی بات کہنا چاہتا ہو جو ایک نقطہ نظر سے خوبی اور دوسرے سے خرابی ثابت ہو سکے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ کہتا تھا اس میں واقعی یقین اور ایمان رکھتا تھا۔ مشکل سے مشکل موقعوں پر بھی وہ اپنی جگہ تناظر اڑھتا اور اپنے اس عقیدے کو فخر سے بیان کرتا۔۔۔۔۔ جیسے شدید دشمن کے مقابلے میں بھی کوئی فتح کا جھنڈا گاڑے رہے! اس کا واحد مغیرہ یہ تھا کہ سب سے پہلے ملک کے عوام میں حب الوطن کا جذبہ بیدار ہونا چاہئے تب ہی کوئی دوسرا کام اٹھایا جاسکتا ہے۔

لیکن دیہات میں جب وہ پہنچا تو اسے سامعین اور حاضرین نہیں ملے، وہاں اسے بھلا کیا ثابت کرنا تھا۔ بحث و مباحثہ کر کے مخالف کو خاک میں ملانے، اسے حقیر و ذلیل ثابت کرنے کا موقعہ کیا تھا!۔۔۔۔۔ اس لئے اب حقیقت کو دیکھنے

یا سمجھنے یا پیش کرنے کے لئے تختہ پلید یا انگلیسی، یا اشاروں کنایوں، یا منطق اور دلیلوں
کی کیا ضرورت تھی۔ ا۔

اُس نے حقیقت دیکھی ————— سادی اور صاف حقیقت ————— اور
اس کے دل میں اپنے وطن کی جو محبت تھی اس نے اس حقیقت کو اور بھی گہرائی
اور بھی شدت کے ساتھ محسوس کر دیا۔

————— (۱۶) —————

اکہتر واں باب

کمر میں شال لپیٹے، شسریشٹم کا کوٹ پہنے، ہاتھ میں کنوئس کا کھیل اسنبھالے
س طرح کیلاش بابو ہری موہنی کے سامنے حاضر ہوئے، اور جھک کر اُن کو پرنام کیا۔
ان کی عمر کوئی پینتیس سال کی ہوگی۔ ناٹا قد، بھاری چہرہ، تنی ہوئی جلد — ڈاڑھی
کئی دن سے بڑھی ہوئی تھی، جیسے فصل کٹا کھیت —

ہری موہنی اتنے دنوں بعد اپنے سسرال کے ایک عزیز کو دیکھ کر کھپولی نہیں
سمائیں، خوش ہو کر بولیں ”ارے ارے — یہ تو میرا کھٹا کو آ پو ہے۔ بیٹھو،
بیٹھو“ — جلدی سے انھوں نے چٹائی بچھائی، پانی کو پوچھا۔

”نہیں — پانی نہیں پیوں گا“ کیلاش نے جواب دیا، پھر بولے ”آپ
تو اچھی تندرست نظر آ رہی ہیں“

”ارے ہاں“ ہری موہنی نے ذرا بُرا مان کے جواب دیا۔ اُن کے خیال
میں یہ زرا گستاخی تھی کہ اُن کو تندرست کہا جاتے ”یہ تم کیا کہتے ہو؟“ — پھر
انھوں نے اپنی متعدد اور مختلف بیماریوں کی فہرست گنوائی شریع کی اور پھر بولیں کاش
کہ مجھے موت آجائے تو اس کمبخت جسم سے میرا بچھا چھوٹ جائے۔“

کیلاش بابو نے زندگی کی طرف اس نفرت کے رویہ پر اعتراض کیا۔ وہ یہ
ثابت کرنا چاہتے تھے کہ اگرچہ ان کے بھائی یعنی ہری موہنی کے شوہر زندہ نہیں
تھے، مگر سب خاندان والوں کی خواہش تھی کہ کم از کم وہ ہی کافی عرصے تک سلامت
رہیں — لہذا وہ بولے ”آپ کو ایسا نہیں کہنا چاہئے — واہ — اگر

آپ زندہ نہ ہوتیں تو میں اس وقت کلکتہ کیوں آتا؟ یہاں آپ کے گھر میں میرے لئے سر چھپانے کی توجہ ہے۔" گاؤں کے تمام پڑوسیوں اور رشتہ داروں اور اپنے گھر کی سب خیر خبر شروع سے آخر تک سنانے کے بعد کیلاش بابو نے یکایک چاروں طرف دیکھا "تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہے وہ گھر۔" "ہاں" ہری موہنی نے جواب دیا۔

"مجھے تو یہ پکا گھر نظر آتا ہے۔"

"ارے پکا سا پکا! ایک ایک ذرہ اس کا پکا ہے" ہری موہنی نے زور زور سے کہا۔ وہ کیلاش کے شوق کو اور اکسانا چاہتی تھیں۔ کیلاش نے مخصوص طور پر یہ دیکھا کہ شہتیریں اصل سال کی لکڑی کی تھیں۔ اور دروازے کھڑکیاں بھی آسم کے نہیں بلکہ کسی قیمتی لکڑی کے معلوم ہوتے تھے یہ بھی ان کی نظر سے چھپا نہ رہ سکا کہ دہری اینٹوں کی دیوار ہے یا ڈیوڑھی کی یہ بھی پوچھا کہ کونٹے پر کتنے کمرے ہیں اور بچے کتنے۔ اور مجموعی طور پر وہ اپنے اس معاشرے سے بہت مطمئن ہو گئے۔ یہ تو ان کے لئے اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس طرح کے مکان بنانے میں کتنا روپیہ خرچ ہوا ہوگا کیونکہ اینٹ گارے اور ان کی قیمت کے باہر تو تھے نہیں، پھر بھی بیٹھے بیٹھے پیر کے انگوٹھے ہلا ہلا کے جو کھوں نے دل ہی دل میں حساب کتاب کیا تو اسی نتیجے پر پہنچے کہ ہندو نہیں ہزار کا ہوگا مگر انھوں نے اس خیال کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہنے لگے "کیوں بھائی، آپ کا کیا خیال ہے، یہ مکان کوئی سات آٹھ ہزار کی مالیت کا تو ہوگا۔"

"ارے کیا کہتے ہو" ہری موہنی ان کی جہالت پر حیران رہ گئیں۔

مضر دسات آٹھ ہزار! ارے۔۔۔ میں ہزار سے ایک کوڑی کم نہیں لگی ہوگی

اس میں۔۔

کیلاش بابو نے پھر ہر چیز پر غور کی نظریں دوڑانی شروع کیں، ان کو اس بات سے سجد
الہینان ہو رہا تھا کہ وہ بس سر ہلا کر ہاں کہیں گے۔ اور اس شاندار مکان کے، ہلک جھپکنے میں مالک
بن جائیں گے۔ کیا عمدہ مکان، سال کی شہتیریں، ساکھو کے دروازے اور کھڑکیاں! ذرا دیر
برے، اچھا یہ سب تو ٹھیک ہے۔۔۔ اور لڑکی۔؟

”بھئی۔۔۔ اس کو یکایک اس کی پھوپھی کے یہاں سے بلاوا آگیا سو دو چار دن کے
لئے وہاں گئی ہے۔۔۔ ہری موہنی جلدی سے بولیں۔

”تو پھر میں اسے کیسے دیکھوں گا“ کیلاش نے شکایت کے لہجے میں کہا، ”دو تین دن میں
میرا ایک مقدمہ ہونے والا ہے۔ کل میرا روانہ ہو جانا ضروری ہے۔“
”رہنے بھی دو بھی اپنا مقدمہ و قدر۔۔۔ تم یہاں سے اس کام کو طے کئے بغیر نہیں
جاسکتے۔“

کیلاش نے دل میں سوچا کہ اچھا اگر مقدمے کو جانے کبھی دوں تو کیا ہوگا۔ زیادہ سے زیادہ
یہی نہ کہ مجھ پر ڈگسی ہو جائے گی۔۔۔ تو پھر کیا؟ ذرا یہاں اچھی طرح دیکھ بھال لوں تو ہو سکتا
ہے تلانی کی صورت شکل ہی آئے۔

پھر یکایک ان کی نگاہیں ہری موہنی کے کمرے کی طرف گئیں جہاں وہ پوجا کی کرتی
تھیں۔ اور ان کو ایک کونے میں کھوڑا سا پانی دکھائی دیا اس کمرے میں پانی کی شکاسی کے
لئے کوئی موری وغیرہ نہیں تھی لیکن پھر بھی ہری موہنی روڈ کمرے کے فرش کو پانی سے دھوتی
تھیں جس کی وجہ سے کونے میں ہمیشہ کھوڑا سا پانی اکٹھا ہو جایا کرتا تھا۔ کیلاش بابو کافی
پریشان ہو کر بولے ”یہ تو ٹھیک نہیں ہے بھابی۔“

”کیوں؟ کیا بات ہے؟ کیا ہوا؟“

”اسے یہ پانی جو اس کونے میں ہے۔ اس طرح پانی کا اکٹھا رہنا تو ٹھیک نہیں ہے۔“
”پر میں کیا کر سکتی ہوں۔“

”نہیں نہیں ایسا بالکل نہیں ہونا چاہیے۔ اس طرح تو فرش سڑ جائے گا۔ نہیں بھابی میں جو آپ سے کہتا ہوں اس کمرے میں پانی بالکل مت ڈالا کیجئے۔“

ہری موہنی چپ ہو گئیں! پھر کیلاش بابو ان سے سچاریتا کی صورت شکل کے متعلق پوچھنے لگے۔

”اب تم دیکھو گے تو تمہیں خود ہی معلوم ہو جائے گا“ ہری موہنی نے جواب دیا۔

”میں تو بس اتنا ہی کہہ سکتی ہوں کہ وہی صورت کی کوئی دہن اب تک تمہارے خاندان میں تو آئی نہیں ہے۔“

”ارے یہ آپ کیا کہتی ہیں۔ ہمارے منجھلے بھتیہ کی بیوی.....“

”اؤ فوہ۔۔۔۔۔“ ہری موہنی نے سچ ہی میں سے بات کاٹ دی ”اس کا اور ہماری سچاریتا کا کیا مقابلہ۔۔۔۔۔ تم کچھ بھی کہو، پر منجھلے کی بیوی سے تو منجھلے کی بیوی ہی اچھی ہے۔“

یہاں پر یہ بتا دینا ضروری ہے کہ منجھلے کی بیوی اور ہری موہنی سے کبھی نہیں ملتی تھی اور ہری موہنی کو اس لئے نفرت تھی۔!

منجھلے اور منجھلے بھاتیوں کی بیویوں کے حسن کے موازنہ وغیرہ سے کیلاش کو کوئی خاص خوشی نہیں ہوتی۔۔۔۔۔ لیکن انھوں نے اپنے تختل میں ایک خاص شکل بنالی۔۔۔۔۔ ادا کی سی آنکھیں، ستواں ناک، ترچھی بھویں، کمر تک بال وغیرہ۔

ہری موہنی اپنی جگہ یہ سوچ کر خوش ہو رہی تھیں کہ بہاری طرف سے سب معادہ ٹھیک ہو گیا ہے۔ جو کچھ ذات پات، برادری، سماج وغیرہ کے جھگڑے یا رکاوٹیں تھیں۔۔۔۔۔ جن کا لڑکی سے تعلق تھا۔۔۔۔۔ وہ اب اتنی اہمیت حاصل نہیں کر سکتی تھیں۔!

بہتر واصل باب

نبوتے کو معلوم تھا کہ آج کل گورا بہت سویرے گھر سے نکل جاتا ہے۔ اس لئے سووار کو پوچھنے سے بھی پہلے گورا کے گھر گیا اور سبھا کو کھٹے پر اس کی خواب گاہیں پہنچا جب گورا وہاں نہیں ملا تو اس نے نوکر سے پوچھا اور اُسے بتایا گیا کہ پوجا کے کمرے میں پوجا کر رہا ہے۔ نبوتے کو یہ سن کر ذرا تعجب ہوا۔ لیکن اس کمرے تک گیا تو گورا کو واقعی پوجا میں مصروف پایا۔ وہ ریشمی دھوتی باندھے تھا، ریشمی ہی چادر، لیکن اس کا بھاری جسم زیادہ ترنگا تھا اور گوری جلد چمک رہی تھی۔ نبوتے کو یہ دیکھ کر اور تعجب ہوا کہ واقعی گورا پوجا کر رہا تھا۔

قدوں کی آہٹ سن کر گورا نے پیچھے ہٹ کر دیکھا اور نبوتے پر نظر پڑنے ہی پریشان سا ہو کر بولا "اس کمرے میں نہ آنا۔"

"ارے مت گھبراؤ بھائی۔ میں تو خود ہی نہیں آ رہا ہوں۔ مگر بیٹے تم ہی سے آیا ہوں۔"

تب گورا برآمد ہوا، کپڑے بدلے اور نبوتے کو ساتھ لے کر کھٹے پر گیا۔ جب دونوں بیٹھ گئے تو نبوتے نے کہا "بھائی گورا۔ تمہیں معلوم ہے آج سووار ہے؟"

"ہاں ہاں، آج سووار تو ہے ہی" گورا ہنسنے لگا "کیلنڈر تو کوئی غلطی کرنے سے رہا۔ اور جہاں تک ہتھارا سواں ہے تم تو آج کے دن کے متعلق کوئی غلط اندازہ کر ہی نہیں سکتے ہو۔ بہرحال آج منگل تو ہے نہیں، اس کا تو یقین ہے۔"

اب بنوئے نے بہکتے لہجے میں کہنا شروع کیا ”میں جانتا ہوں کہ تم غالباً آؤ گے نہیں لیکن تم کو کم از کم ایک بار دعوت دے بغیر تم سے کہے بغیر میں یہ قدم نہیں اٹھا سکتا یہی وجہ ہے کہ آج اتنی صبح تمہارے یہاں آیا ہوں“

گورا نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموش بیٹھا رہا۔

بنوئے نے پھر پوچھا ”تو یہ بات بالکل طے ہے کہ تم میری شادی میں شریک نہیں ہو سکو گے۔“

”نہیں۔۔۔ بنوئے۔۔۔ میں نہیں آسکوں گا۔“

بنوئے چپ ہو گیا۔ اور گورا نے دل کے درد کو چھپا کے ایک تہیہ لگایا۔ بھئی میرے جلنے یا نہ جانے سے ایسا کیا فرق پڑتا ہے۔ آخر کامیاب اور فخر مند تو نہیں رہے جو ماں کو وہاں گھسیٹ لے گئے۔ میں نے تو اپنے امکان میں پوری کوشش کی کہ وہ وہاں نہ جائیں، پر میں انہیں روک نہیں سکا۔ اس لئے اپنی خود کی ماں کے معاملے میں مجھے تمہارے ہاتھوں شکست کھانی پڑی۔ نقشے پر جتنے ملک ہیں رفتہ رفتہ سرخ رنگ میں رنگتے جا رہے ہیں بنوئے۔ اب وہ دن دور نہیں کہ اپنے نقشے پر میں بالکل اکیلہ رہ جاؤں گا۔“

”نہیں بھائی، مجھ پر خواہ مخواہ الزام نہ لگاؤ۔ میں نے تو ماں سے بار بار کہا کہ میری شادی میں ان کے آنے کی ضرورت نہیں ہے، پر وہ کہنے لگیں کہ دیکھ بنوئے جو تیری شادی میں نہیں آئیں گے وہ تو بلاوا دینے پر بھی نہیں آئیں گے۔ اور جو آنے والے ہیں وہ بغیر بلائے بھی پہنچ جائیں گے، اس لئے تو چپ چاپ رہ۔“ تم کہتے ہو کہ تمہیں میرے ہاتھوں شکست ہوئی ہے۔ گورا سچ بول چھو تو ایک نہیں ہزار بار اگر تم کو واقعی کسی کے ہاتھوں شکست ہوئی ہے تو وہ تمہاری ماں ہیں۔ آہ! بھلا ایسی ماں کسے کہاں مل سکتی ہے۔“

اگرچہ گورا نے بہت کوشش کی کہ آئندہ موتی بنوتے کی شادی میں نہ جائیں۔ لیکن سچ بات تو یہ ہے کہ جب آئندہ موتی نے گورا کے غصے یا ناراضگی کی ذرہ برابر پہنچا تو وہ نہیں کی اور جلی گئیں تو گورا کو ایک گونہ خوشی ہوئی! گورا کو یقین تھا کہ اس کے اور بنوتے کے درمیان خلج کتنی ہی چوڑی ہو جائے لیکن بنوتے اس کی ماں کی بے حساب اور آبِ حیات سی محبت سے کبھی محروم نہ تھا! چاہے جس طرح اور حسبِ قدر وہ بنوتے سے الگ ہو جائے مگر ماں کے اس آمرپا کا نام نہ تھا مضبوط تھا کہ یہ زندگی بھر کے دونوں ساتھ ہی ہمیشہ ایک دوسرے سے بندھے رہیں گے۔

”اچھا تو میں چلوں بھائی۔“ بنوتے اٹھ کھڑا ہوا۔ ”اگر بھائی سے لئے آنا اتنا ہی ناممکن ہے تو پھر میں اُمید نہیں لگانا کہ تم آؤ گے، لیکن دیکھو اپنے دل میں میری طرف سے رنج نہ اٹھانا، ناراض نہ ہونا۔“ اگر تم سمجھ سکتے کہ اس شادی سے میری زندگی کا کتنا بڑا مفہم پڑا ہوا ہے تو تم اس شادی کو ہماری دوستی ٹوٹنے کا سبب نہ جانتے۔ یہ میں تمہیں یقین سے بتا سکتا ہوں۔ اور وہ چلنے کو ہوا۔ گورا نے اصرار کرنا شروع کیا ”ارے بیٹھو بیٹی۔“ بیٹھو نہ بنوتے۔ آخر وہ مبارک گھڑی تو رات کو آئے گی۔ اتنی جلدی تم کو کہاں جانے کی پڑی ہے۔“ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ اس غیر متوقع اور محبت سے بھری درخواست پر بنوتے کا دل بھر آیا۔

آج پھر بہت دنوں بعد، دونوں گزرے زمانے کی طرح، گھل مل کر بات کرنے لگے، گورا نے وہی سر پہلا اور میٹھا راگ چھیڑ دیا جو بنوتے کے سارے دل سے گونج رہا تھا اور بنوتے مسلسل باتیں کرنے لگا۔ کتنے ہی معمولی معمولی اور چھوٹے چھوٹے واقعات اس نے بیان کئے۔ اگر ان ہی واقعات کو سیاہی اور قلم سے الفاظ میں لکھا جاتا تو کیسے بیکار سے لگتے بلکہ بعض بعض تو مضحکہ خیز بھی معلوم ہوتے۔ لیکن اس کے بیان سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے

بار بار سنی ہوئی کوئی عظیم نظم موسیقی کے ساتھ پھر سے سنائی جا رہی ہے اور اس کی مٹھاس رگ و پے میں سنائی جا رہی ہے۔ بنوئے کے دل میں جو حیرتناک اور حسین نازک کھیلا جا رہا تھا۔ اس کو وہ اتنی خوبصورت اللہ کامیاب زبان میں بیان کر رہا تھا کہ اثر کی گہرائی اور بھرپور حُسن نے اس کو بے انتہا لطیف بنا دیا تھا۔ کیا تھا اس کی زندگی کا یہ مثال تجربہ؟ یہ ناقابل بیان جذبات و احساسات جو اس کے دل پر چھا گئے تھے۔ کیا سب کو یوں ہی محسوس ہوتا ہوگا؟ کیا ہر شخص اس کی گہرائیوں، اس کی پہنائیوں کا اندازہ کر سکتا تھا؟ خود بنوئے کو جو یقین تھا کہ دنیا کی معمولی سوسائٹی میں، عورت مرد کے معمولی رشتے میں، ممکن تھا کہ اس نغمہ بلند کا آہنگ پیدا ہو سکے، — اس بات میں بھی شبہ تھا کہ جو کچھ اس پر گزر رہی تھی وہ اس سے پہلے بھی کسی پر گزری ہوگی؟ اگر ایسے تجربات دنیا میں عام ہو جاتے تو پھر پورا انسانی سماج، نئی زندگی کی حرارت اور حرکت سے بے قرار ہوا مٹتا۔ جیسے بہار کے جھینڈوں سے سب رشتہ دامن میں پات ہرے ہو جاتے ہیں، سب کلیاں مسکرا پڑتی ہیں، سب پھول تبسنے لگتے ہیں! پھر لوگوں کی زندگیاں محض کھانے پینے اور سونے سے اکتادینے والے پر دگراسوں میں الجھ کر گھٹڑا ہی رہ جاتیں۔ تب تو جو کچھ حُسن و رعنائی اس عالم موجودات میں ہے وہ سب کی سب بے نقاب ہو جاتی، اور چاروں طرف حُسن و رنگ بکھر جاتا۔ ہی تو وہ جادو کی چھری تھی جس کے اثر سے کوئی بے نیاز یا بے حس نہیں رہ سکتا تھا۔ یہی کے زور سے تو معمولی انسان بھی غیر معمولی بن سکتے تھے۔ اور ایک بار جس نے اس شاذ و نادر حال میں ہونے والے تجربے کا مزہ چکھا تو سمجھنے کے اس نے زندگی کی صداقت کا واقعی عرفان حاصل کر لیا۔

بنوئے ایک دیوانگی کے عالم میں کہے جا رہا تھا مگرا — میں بھیں یقین دلا سکتا ہوں کہ ایک پل کے اندر انسان کی تمام فطرت کو جگا دینے کا واحد ذریعہ ہی محبت ہے! اس کا سبب کیا ہے۔ یہ کوئی اہم بات نہیں۔ اس میں بھی شک نہیں کہ ہم اس محبت کے اظہار میں

بھی بہت ہی کمزور واقع ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہم سب اپنے آپ کو پہچاننے سے محروم رہ جاتے ہیں۔۔۔۔۔ ہم جانتے ہی نہیں کہ ہم میں کیسے احساسات چھپے ہوئے ہیں، دل میں جو کچھ خزانہ ہے اس کو لٹکانا نہیں آتا۔۔۔۔۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری دنیا میں مسرت کی اتنی کمی ہے، ہمارا ماحول اس قدر رُکھا اور اتنا بے جان ہے:۔۔۔۔۔ یہ اصل بات ہے۔ اب سمجھا لے ایسے دو چار آدمی ہوں گے مگر زیادہ تر لوگ یہ نہیں جانتے کہ ہم میں کتنی عظیم قوت چھپی ہوئی ہے جسے رُوح کہتے ہیں جمہولی سمجھ کے لوگ تو اس حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں گورا۔۔۔۔۔

بنوئے کے جوش کا یہ دھارنا جانے کب تک چلتا لیکن قریب ہی سے موہم دادا کے زور سے جہائی لینے کی آواز آئی۔۔۔۔۔ اور وہ دھارارُک گیا، موہم دادا چارپائی سے اُٹھ کر منہ دھونے چلے گئے۔۔۔۔۔ بنوئے اُٹھا اور گورا کو خدا حافظ کہہ کر رخصت ہو گیا۔

گورا نے ایک گہری سانس بھری اور چھت کے کنارے جا کے کھڑا ہو گیا۔۔۔۔۔ صبح کی نئی نئی کرنیں آسمان کو چاروں طرف سے گلابی کتے دے رہی تھیں۔ بڑی دیر تک وہ چھت پر ادھر ادھر ٹھہرتا رہا، اور آج وہ معمول کے خلاف دیہات بھی نہیں گیا۔

اس روز گورا کو اپنے دل پر ایک ایسا بوجھ اور ساتھ ہی دل میں ایک ایسا غلام محسوس ہو رہا تھا جو کسی طرح کے کام سے نہیں بھر سکتا تھا۔ اُسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ صرف اس کا اپنا وجود ہی نہیں بلکہ اس کی منزل، اس کی محنت، اس کی لگن۔۔۔۔۔ سب اس کے سامنے بھیک کا ہاتھ پھیلاتے ہیں۔۔۔۔۔ رشتی لاؤ۔۔۔۔۔ نور لاؤ۔۔۔۔۔ تاناک اور حسین رشتی کہیں سے لاؤ۔۔۔۔۔ لاؤ۔۔۔۔۔ لاؤ۔۔۔۔۔ ایسا لگتا تھا کہ سب سامان تیار ہے، اب ہیروں موتیوں کی بھی کوئی قیمت نہیں، لوہا اور سیسہ بھی ہاتھ آچکے ہیں۔ بس ایک کمی ہے۔ صبح کی وہ نرم اور دلکش رشتی کہاں ہے؟ وہ اُمید دلانے والا، وہ تسلی دینے والا، دُر کدھر ہے؟۔۔۔۔۔ کدھر ہے؟۔۔۔۔۔ جو کچھ ہمارے پاس ہوتا ہے اس کی مقدار

دھندلے کو جگہ دینے لگی تو گورا نے کھونٹی پر سے مثال کھینچ کر اتاری اور اُسے کندھوں پر لپیٹے ہوئے ہاتھ رکھ لیا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا کہ جو میرا ہے میں اس پر اپنا حق جتا کر رہوں گا۔ ورنہ دنیا میں میرا جو درمیکار ہے۔!

گورے کے ذہن میں ذرا بھی شک نہیں تھا کہ دنیا بھر میں سچا ریتا ایک واحد ہستی جو اس کی صدا کے انتظار میں ہے۔ اور اس نے اس شام فیصلہ کیا کہ وہ اس صدا کو مکمل کر دے گا۔
انتہا تک پہنچا دے گا۔!

گورا کلکتہ کی ٹھسا ٹھس بھری ہوئی گلیوں سے گزر رہا تھا لیکن ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ نہ اُسے کسی چیز نے چھو نہ کسی انسان نے، اس کا ذہن اس درجہ ایک ہی خیال میں کھویا ہوا تھا کہ جسم سے بالکل الگ ہو چکا تھا، دُور کہیں پہنچ چکا تھا۔ آخر جب سچا ریتا کا گھر آگیا تو گورا کو یکایک ہوش آیا۔ اب تک کبھی اس گھر کا دروازہ اُسے بند نہیں ملا تھا مگر آج نہ صرف یہ کہ وہ بند تھا بلکہ اُس نے ہلکے سے پھکیلا تو پتہ چلا کہ اندر سے جھنجھنی بھی لگی ہوئی ہے۔ کچھ دیر وہ پس و پیش میں کھڑا رہا۔ پھر ایک دو بار اس نے زور سے دستک دی۔ دو تین بار کے بعد ایک نوکر نکلا اور ڈھلتی ہوئی روشنی میں گورا کو غور کر کے پہچاننے کے بعد، بغیر پوچھے بولا "سچا ریتا بی تو گھر میں نہیں ہیں۔"

"کہاں گئی ہیں؟" گورا نے پوچھا۔

اس کو بتایا گیا کہ وہ نو لٹا کی شادی کی تیاری کے سلسلے میں دو تین دن سے کہیں گئی ہیں، ایک بچے کے لئے تو گورا نے یہ بالکل فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بھی نو لٹے کی شادی میں چلا جائے۔ لیکن جی وہ ہچکچا رہا تھا کہ ایک اجنبی اور انجانے بابو اندر سے نکلے اور پوچھنے لگے "کہتے جناب کیا بات ہے؟ کیا چاہتے ہیں؟"

گورا نے اُن کو سر سے پاؤں تک دیکھا اور بولا "کچھ نہیں۔ شکریہ۔"
"تو اندر تو آجئے۔ کچھ دیر بیٹھتے تو حق تو پتہ جائیے" کیداش بابو نے اصرار کیا۔

بات یہ تھی کہ کیلاش بابو یہاں کسی درست کی کمی کو بید محسوس کر رہے تھے، کوئی اتنا بھی نہیں تھا جس سے ذرا دیر بات چیت کرتے، اور انھیں ایسا لگ رہا تھا کہ اگر کوئی آجاتا، کچھ بات چیت کرتا تو جی ذرا ہلکا ہو جاتا۔ دن تو انھوں نے کسی نہ کسی طرح گزار لیا تھا، حقہ ہاتھ میں لے کر گلی کے نکر پر جا کھڑے ہوتے تھے اور بڑی سڑک پر آنے جانے والوں کو دیکھتے رہتے تھے لیکن شام کو جب گھر واپس آنا پڑا تو مارے بے ہوشیت کے وہ مر گئے! ہری موہنی سے۔ تو جو جو باتیں ہوئی تھیں وہ سب ہو چکی تھیں، اس کے علاوہ ہری موہنی کے بات چیت کے موضوعات نہایت محدود تھے۔ اس لئے کیلاش بابو نے دروازے کے پاس والے کمرے میں اپنا پلنگ بچھا لیا تھا اور حقہ ہاتھ میں لے لیتے، وقت گزاری کے لئے، نوکر سے بات چیت کرتے رہے۔! ”جی شکریہ۔۔۔۔۔ اب میں نہیں ٹھہر سکتا“ گوراس نے کہا اور کیلاش بابو مزید اصرار کرنے ہی والے تھے کہ وہ گلی کے نکر تک پہنچ گیا۔

گوراس کو سخت یقین تھا کہ اس کی زندگی میں ہونے والے زیادہ تر واقعات محض اتفاقات نہیں ہیں، اور نہ اس کی اپنی خواہش کے نتائج ہیں بلکہ اس کے مالک تقدیر کے مقرر ہوتے کسی خاص مطلب اور مقصد کو پورا کرتے ہیں۔ اس لئے اپنی زندگی کے معمولی واقعات جو اس کے لئے خاص اہمیت رکھتے تھے۔ اور آج جب اپنے آپ میں اتنی شدید خواہش ہوتے ہوئے بھی اس نے سچا ریتا کا دروازہ اپنے واسطے بند پایا، اور یہ سنا کہ سچا ریتا گھر میں موجود نہیں ہے، تو وہ پوری طرح قائل ہو گیا کہ اس کی اُمید وہیں جو بڑا جن پیدا ہوئی اس کی کوئی خاص داخلی اور گہری وجہ تھی۔ اس کا خدا جہ اس نے ہر قدم کا رہبر تھا۔۔۔۔۔ گوراس اپنی ناپسندیدگی اس طرح ظاہر کر رہا تھا۔ اب نہایت ظاہر تھا کہ زندگی میں یہ دروازہ اس کے لئے بند ہو چکا تھا۔ سچا ریتا اس کو نہیں مل سکتی تھی۔ گوراس جیسے انسان کے لئے اپنی آرزوں کے خون ہو جاتا۔ اس سے رک جاسکتا، گوراس والے۔

تھا، اُسے تو مسرت و غم دونوں ہی سے بے نیاز ہونے کی عادت ڈالنی تھی۔ وہ ہندوستان کا
 تجارتی تھا، اُسے تو خدا کے سامنے، ہندوستان کی طرف سے طرح طرح کی بھیڑ چڑھانی
 تھی، دھرم کو جاننے میں جو محرومیاں برداشت کرنی پڑی تھیں وہ برداشت کر لی تھیں۔
 اس کے لئے محبت اور ارمان اور خواہشات نہیں تھیں؛ اس کا دل کہتا تھا خدا نے مجھے نور
 لگانے کے ایسے سراوان ہیا کئے ہیں، یہ سمجھایا ہے کہ یہ خیالات پاکیزہ نہیں، ان میں سکون
 اور طمینان کی تلاش بیکار ہے۔ یہ تو شراب کی طرح سُرخ اور نشہ آور ہیں کہ ان کا پردہ
 چڑھاتے تو باغِ صاف سوچ نہیں سکتا، آنکھوں کو کچھ کا کچھ نظر آتا ہے — لیکن میں
 سنیا کی ہوں — میرے عرفان، میری عبادت اور ریاضت میں ان باتوں کی جگہ کھلا کہاں!

تہترواں باب

سچ رہتا ہے۔ تنے دن سری موہنی کا جبر بنداشت کیا تھا کہ چند روز آئندہ موہنی کے ساتھ رو کر اس کا دل باطل ہلکا ہو گیا۔ اُسے اپنی پوری زندگی میں ایسا تجربہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ آئندہ یوں نے، تنے فطرتی طریقے پر سچا ریتا کو اپنی طرف کھینچا کہ سچا ریتا کو یہ محسوس کرنے میں نہ بھی مشکل نہیں ہوئی کہ جیسے وہ ہمیشہ سے اس کو جانتی تھی، جیسے اس میں اور دن میں کبھی کوئی دُور کی تھی ہی نہیں۔ نہ جو نہ کیسے آئندہ موہنی اس کے دل کی مہربان جان جانی تھیں اور بات کہنے بغیر ہی اس کو سمجھان اور سکون بخش دیا کرتی تھیں۔ اس سے پہلے کبھی سچا ریتا نے اتنے دل سے نہ اس کو نہیں کہا تھا۔۔۔۔۔ اب تو وہ بات بات پر

”کتنی جہاں ضرورت کتنی نہ ہوئی دیاں چاکر، عذر نکال کر کہتی۔۔۔۔۔“
جب لڑائی شروع ہوئی تو سب کا دم پورا ہو چکا اور وہ کتنی ہری پلنگ پر بیٹھتی تو صرف ایک ہی خیال بار بار اس کے ذہن میں چدڑ لگان تھا کہ وہ آئندہ موہنی سے کس طرح الگ ہوگی یہاں تک کہ وہ اپنے آپ بڑبڑانے لگی ”ماں۔۔۔۔۔ ماں۔۔۔۔۔“ اور کہنے وقت اس کا دل سنا بھرا آیا کہ آنسو بے اعتیا بہنے لگے۔۔۔۔۔ اور پھر اس نے دیکھا کہ آئندہ موہنی خود اس کے پاس کھڑی ہیں۔۔۔۔۔ بھولنے سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولیں ”بیٹی، کیا تم نے مجھے آواز دی؟“

تب سچا ریتا پر حقیقت کھلی کہ وہ کتنی دور سے ”ماں، ماں“ کہہ رہی تھی۔۔۔۔۔ وہ آئندہ موہنی کے سوال کا جواب نہ دے سکی بلکہ اُن کی گود میں اپنا منہ چھپا کے پھوٹ پھوٹ روئے گی۔۔۔۔۔ آئندہ موہنی صرف اس کا سر سہلا کر اس کو مستکین دینے کی کوشش کرتی رہیں۔

سُتھ سے ایک لفظ نہیں کہا۔

اِس رات آئندہ موتی نے سچا ریتا کو اپنے ہی بستر پر اپنے پاس سُلا یا۔
 بنوئے کی شادی کے فوراً ہی بعد آئندہ موتی جانا نہیں چاہتی تھیں۔ کہنے لگیں ”بھئی یہ
 دونوں بالکل نو سکھے اٹاڑی ہیں! ذرا ان کی گھرستی ٹھیک سے چلنے لگے تب تو میں جاؤں
 ورنہ کیسے جاؤں؟“

”تو ماں۔۔۔ میں بھی تمھارے ساتھ یہاں کچھ دن اور رہ جاؤں گی“ سچا ریتا
 نے کہا۔

”ہاں ماں۔۔۔ سوچی دیدی ہم لوگوں کے ساتھ کچھ دن اور رہیں“ لولتا نے
 بڑے شوق سے کہا۔

ستیش اس تجویز کو سن کر نا چنے لگا اور سچا ریتا کے گلے میں باہیں ڈال کر بولا ”ہاں
 دیدی“ پھر میں بھی رہ جاؤں گا“

”پر تمھیں تو اپنی پڑھائی کرنی ہے میاں کتر کتر“ سچا ریتا نے اعتراض کیا۔
 ”لیکن بنوئے بابو جو یہاں مجھ کو پڑھائیں گے“ ستیش نے احتجاج کیا۔
 ”بنوئے بابو تمھیں یہاں نہیں پڑھا سکتے“ سچا ریتا نے کہا۔

”پڑھا سکتا ہوں“ بنوئے نے دوسرے کمرے سے چیخ کر کہا۔

”اب ایک دن میں ایسا تو نہیں کھو جاؤں گا کہ اتنے سالوں، راتوں رات طیثہ کر جو لکھا
 پڑھا ہے وہ سب بھول جاؤں“

”پر تمھاری خالہ اجادت دیں گی؟“ آئندہ موتی نے پوچھا۔

”میں انھیں پرچہ بھیج دوں گی“ سچا ریتا نے جواب دیا۔

”نہیں تم نہ لکھنا۔۔۔ میں لکھوں گی“ آئندہ موتی نے تجویز کی۔

آئندہ موتی دیکھ رہی تھیں کہ اگر سچا ریتا خود اپنی خالہ کو لکھے گی کہ اور کھٹہرنا چاہتی ہے تو ضرور

ان کو برا لگے گا۔ لیکن اگر وہ لکھیں گی تو ہمارا عقد ان پر اترے گا۔ سچا رہنا چکے جائے گی۔ !
چنانچہ انھوں نے ہری موہنی کو خط لکھا کہ گھر گریہ سستی کو چھوڑنے کے لئے انھیں چن
دن اور یہاں رہنا ہوگا اور اگر وہ سچا رہتا تو کبھی ٹھہرنے کی اجازت دے دیں تو بہت بڑی
مدد ہو جائے۔ !

ہری موہنی کو یہ خط ملا تو غصہ تو ان کو آیا ہی مگر ساتھ ہی ان کو کچھ اور شکوک بھی ہونے لگے۔ انھوں نے سوچا کہ گودا کا آنا جانا بند کر دیا گیا تو اب اس کی ماں سچا ریتا کو پھینٹانے کے لئے یہ چال پھیا اب ہی ہیں۔ ہری موہنی کو صاف دکھائی دے رہا تھا کہ ماں بیٹے میں کر سادش کر رہے ہیں۔ اور انھیں خیال آیا کہ آئندہ موتی تو شروع دن ہی سے ان کو بری لگی تھیں اور وہ سمجھ گئی تھیں کہ کیسی چال باد عورت ہیں۔

کاش کہ وہ بکفایت سچا رتیا کو راستے خاندان میں بیاہ دیں تو ایک بڑا بوجھ سر سے اتر جاتا
بھلا کیلہاں یا اس جیسا اور کوئی آدمی کہاں تک انتظار کئے جا سکتا تھا۔۔۔ بیچارہ رات
ون حرفے کا دھواں شمال شمال دیواریں کالی کر رہا تھا۔ !

جس دن پہرہ ملا۔ اس کی صبح ہی کو ہری موہنی پالکی میں بیٹھ ایک نوکر کو ساتھ لے کر
 بنوے کے گھر پہنچیں۔ — وہاں دیکھا کہ نیچے والے کمرے میں سچا ریتا، لوٹا اور آئندہ بولی
 بل کر لکھانا چانے کی تیاریاں کر رہی ہیں۔ اوپر کی منزل سے ستیش کی زوردار آواز آرہی تھی۔
 وہ انگریزی کے الفاظ کے پتے کر کے اُن کے بنگالی معنی اس طرح دہرا رہا تھا کہ اُس
 بڑوس سب گونج رہا تھا۔ گھر بوجب وہ پڑھتا تھا تو اس کی آواز اتنی اونچی نہیں بولی تھی
 لیکن یہاں تو اُسے یہ ثابت کرنا تھا کہ اس کے سبق ٹھیک چل رہے ہیں اور وہ اپنی پڑھائی سے
 بہت اسی نیک بخت رہا ہے۔ اس لئے اگر آواز ضرورت سے زیادہ بلند کرتا تو یہ ثابت
 کیے ہوتا۔

آج موتی نے بڑے شوق سے ہری موہنی کو اتارا۔ لیکن ہری موہنی نے اس اخلاق کی

طرف ہرگز کوئی دھیان نہ دیا، اور بغیر کسی تہید کے سچا ریتا۔ سے مخاطب ہو گئیں "میں رازدارانی کو لینے آئی ہوں۔"

"اچھی بات ہے، لے جائیے گا، برادر دیر بیٹھتے تو سہی" آنند موئی نے کہا۔
 "جی نہیں شکریہ! ابھی مجھے اپنی ساری پوجا کرنے کو پڑی ہے سویرے کی پوجا بھی پڑی نہیں ہوئی، مجھے فوراً ہی گھر لوٹنا ہے۔"

سچا ریتا کدو کاٹ رہی تھی۔ اس کو ایک طرف رکھ کر بولی "ادھر آئیے خالہ" پالکی کی طرف جاتے ہوئے وہ اپنی خالہ کا ہاتھ پکڑ کر پاس کے کمرے میں لے گئی اور بولی "دیکھئے چہ نک آپ خود مجھے لینے آئی ہیں۔ اس لئے اب سب کے سامنے میں آپ کو خالی ہاتھ تو وٹاؤں گی نہیں۔ میں گھر چل رہی ہوں۔ مگر آج ہی دوپہر کو یہاں پھر واپس آ جاؤں گی؟"
 "لو اور سٹنو" ہری موہنی عاجز آ کر چنچیں "پھر یہ کیوں نہیں کہتی ہو کہ ہمیشہ کے لئے یہاں آگئی ہو؟"

"یہی تو ساری مشکل ہے کہ میں ہمیشہ کے لئے یہاں نہیں رہ سکتی۔ اس لئے جب تک میں ان کے ساتھ رہ سکوں۔ اس وقت تک ضرور رہنا چاہتی ہوں۔"
 اس بات پر ہری موہنی کو غلیش تو بہت آیا لیکن جواب کے لئے موقع مناسب نہ سمجھ کر خون کا گھونٹ پی کر رہ گئیں۔

سچا ریتا باہر آتے ہوئے آنند موئی سے مسکرا کر بولیں "اچھا تو ماں، میں دھابک گھنٹے کے لئے باہر جاتی ہوں۔۔۔ بھی آ جاؤں گی؟"

"اچھا بیٹی۔ آنند موئی نے جواب دیا اس کے آگے کچھ نہیں پوچھا۔

سچا ریتا نے جھپک کر بھر لو لٹا کے کان میں پچس سے کہا "دوپہر تک آ جاؤں گی؟"
 "ستیش؟" سچا ریتا نے پالکی کے پاس کھڑے ہو کر سوالیہ انداز میں ادھر ادھر دیکھ کر کہا۔
 "نہیں۔۔۔ ستیش کو رہنے دو" ہری موہنی نے کہا۔ وہ جانتی تھیں کہ ستیش گھر پہنچ کر ضرور

کچھ گڑبڑ کرے گا۔ اس سے تو وہ دُور ہی رہے تو اچھا ہے۔

جب دونوں خالہ بھانجیاں بحفاظت تمام پالکی کے اندر بیٹھ گئیں تو ہری مہر نے اپنا موصوع خاص چھڑنے کی کوشش شروع کی۔ گہری سانس لے کر بولیں ”ہلو، لوٹا کی تو شادی ہو ہی گئی پاریش بابو بچارے اب اپنی یک لڑکی کی فکر سے تو بچے“ — اور ان الفاظ کو ہتھیر بنا کر وہ تفصیل سے بتانے لگیں کہ گھر میں کنواری لڑکی کا بیٹھا رہنا کس قدر روجھ بھوتا ہے اور وہ اپنے سر پرستوں کے لئے کس قدر پریشانی کا باعث ہوتی ہے وغیرہ۔

”اب میں کیا تم سے کہوں بیٹی مجھے تو اللہ کوئی فکر نہیں سواتے بس کے بھگوان کا نام لیتے وقت بھی خیال میرے دماغ پر چھایا رہتا ہے۔ میں تم سے سچ کہتی ہوں کہ پیسے کی سی یکسوئی کے ساتھ میں بوجا بھی نہیں کر سکتی۔ بس یہی کہتی رہتی ہوں کہ بھگوان تو نے مجھ سے رب کچھ لے لیا تو پھر اب مجھے پھنسانے کے لئے یہ نیت بنایا خیال تو نے کیوں پھیلایا۔ بتے وہ ایسا کام کر رہی تھیں کہ سچا ریتا کی فکر نہ صرف اُن کی ایک بہت بڑی دنیاوی پریشانی تھی۔ بلکہ یہ چیز ان کی نجات کے واسطے راستے میں بھی خلل انداز ہو رہی تھی۔ لیکن اتنی بڑی مصیبت سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر سچا ریتا کا اصل خیال کیا تھا لیکن ان خاموشی نیم رضا کی کہاوت کو سوچ کر انھوں نے یہ معنی نکالے کہ ان کی بات کا مایاب ہو رہی تھی اور اُن کا شکار کچھ کچھ تو پھنستا ہی جا رہا ہے۔“

اب ہری مہر نے اشارہ کیا کہ اپنا شروع کیا کہ انھوں نے ہندو سوسائٹی کے ایک بڑے خاندان کے دروازے کس آسانی کے ساتھ سچا ریتا ایسی لڑکی کے لئے کھول دئے تھے اور اس خوش اسلوبی کے ساتھ سارا معاملہ ٹھیک ٹھاک کیا تھا کہ اگر ان برہمنوں کے یہاں بھی کھانا ہو تو سچا ریتا سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھا سکتی ہے اور بچوں سے کسی کی جودا سگی بھی اٹھا جاتے۔

بات چیت یہاں تک پہنچی تھی کہ پالکی گھر کے دروازے پر پہنچ گئی۔ دونوں اُپر

کوٹھے پر جا ہی رہی تھیں کہ سچا ریتا کی نظر ڈیوڑھی کے پاس ولے کرے پر گئی۔ ہاں
 نوکر کسی اجنبی صاحب کے جسم پر تیل ل رہا تھا جو نہانے سے پہلے ملا جاتا ہے۔ اُن
 صاحب نے سچا ریتا کو دیکھا مگر ذرا بھی نہ شرماتے بلکہ عجیب طرح سے اس کو گھور
 گھور کر تنکے لگے۔ ! اوپر پہنچ کر ہری موہنی نے بتایا کہ اُن کے دیوڑھے آتے ہوئے
 ہیں اور جو کچھ باتیں ہو چکی تھیں اُن کے پس منظر میں سچا ریتا فوراً سمجھ گئی کہ معاملہ کیا
 ہے۔ ! ہری موہنی نے اس خیال کا اظہار کیا کہ چونکہ گھر میں ایک وہاں آتے ہوئے
 ہیں اس لئے سچا ریتا کا نہ پہر کو ہی چلا جانا نہایت نامناسب ہو گا لیکن سچا ریتا نے
 زدہ سے سر کو جھٹکا دیا اور انکار کرتے ہوئے تیز آوازیں بولی ”نہیں خالہ“ مجھے تو
 جانا ہی ہے۔“

”اچھی بات ہے تو آج کم از کم رُک جاؤ۔۔۔ کل چلی جانا۔“
 ”میں نہادھو کر بابو جی کے یہاں جاؤں گی۔ اُن ہی کے ساتھ کھانا کھاؤں گی۔“
 اور وہیں سے لوٹنا کے گھر چلی جاؤں گی“ ہری موہنی کو صاف بات کہنی ہی پڑی۔
 ”مجھے دیکھ کر وہ کیا کریں گے۔۔۔ بیکار بالکل“ سچا ریتا نے کسی مستدر
 شرماء کے کہا۔

”او اور سنو“ ہری موہنی چیخنے لگیں ”آج کل دیکھے بغیر کون رشتہ ناتہ کرتا ہے؟
 ہمارے زمانے میں بات الگ تھی، بھٹا سے خالو نے تو مجھ کو سہاگ رات میں پہلی بار
 دیکھا تھا۔۔۔۔۔ اس طرح اشاروں اشاروں میں اصل موضوع چھیڑنے کے
 بعد وہ اپنی شادی کی تفصیلیں بیان کرنے لگیں، کس طرح نسبت کا ذکر
 کرتے ہی راتے کے خاندان کے در بہت پرانے نانی بگڑی باندھے، ڈنڈے
 سنبھالے، لڑکی دیکھنے آتے تھے، پھر بتانے لگیں کہ اُن کے باپ کتنے خوش
 ہوتے تھے اور راتے خاندان کے ان دونوں کے استقبال کے لئے گھر میں کیا کیا

تیار ہوں گی گئی تھیں پھر ایک لمبی، ٹھنڈی سانس لے کر بولیں ”آج کل تو ہر بات ہی نزالی ہے۔“

”پھر ذرا دیر رک کر انہوں نے ایک اشارہ چھوڑا۔ تمہیں زیادہ پریشانی کی محسوس ہی ضرورت ہے۔ پانچ منٹ ان سے مل لو اور پس“

”جی نہیں“ سچا بتانے سختی سے انکار کر دیا۔

بہری سوہنی اس ”نہیں“ کے زور پر حیران رہ گئیں۔ بولیں ”اچھا خیر اگر نہ بھی اپنے کو دکھاد تو کوئی حرج نہیں ہے۔“ آخر تم دونوں کے ملنے کی ایسی کوئی خالص ضرورت ہے بھی نہیں۔ پھر بھی کیلاش آج کل کا پڑھا لکھا نوجوان ہے، نہ اس لئے اس نے کہا تھا کہ میں دوہن کو اپنی آنکھ سے دیکھتا چاہتا ہوں۔ اور تم چونکہ باہر نکلتی ہی ہو سب سے ملتی جلتی ہی ہو تو میں نے سوچا کہ کوئی مشکل نہیں ہوگی اور میں تم دونوں کی کسی دن ملاقات کر دوں گی لیکن اگر تم شرماتی ہو تو جانے نہ۔ اگر وہ نہیں بھی تم کو دیکھے گا تو کیا ہے۔“

پھر وہ بیان کرنے لگیں کیلاش کی تعلیم کس قدر عمدہ ہوتی ہے، ایک بار قلم ہلا کر اس نے پوسٹ ماسٹر کو پھنسا رہا تھا۔ اس پاس کے گاؤں میں بھی لوگوں کا معاملہ مقدمہ ہونا تھا کوئی درخواست لکھوانی ہوتی تھی، تو پہلے کیلاش سے صراحہ لئے بغیر لوگ ایک تدم نہیں اٹھاتے تھے۔ اور اس کے کیرئیر اور عادت طبیعت وغیرہ کی تو بات کرنا بالکل ہی غیر ضروری تھی، بیچارہ اپنی پہلی بیوی کے مرنے کے بعد شادی ہی نہیں کر رہا تھا، دوستوں، رشتہ داروں کے کہنے کے باوجود وہ اپنے گروڈوں کی بات پر قائم تھا۔ بہری سوہنی نے کتنی کتنی کوشش کی تب تو وہ اس رشتہ کی بات بھی سننے پر تیار ہوا، ورنہ بھلا وہ کیا خاطر میں لاتا۔ اتنا اونچا خاندان ہے، سوسائٹی میں اتنی عزت ہے وغیرہ۔

بہر حال سچا بتانا کو مستحق یہ شوق نہ تھا کہ اس کی وجہ سے کیلاش باہر اپنی اونچائی گھٹائیں آخر وہ اتنی خود غرض تو کتنی نہیں! واقعہ تو یہ تھا کہ اگر ہندو سوسائٹی میں اس کے لئے کوئی جگہ

نہیں نکل سکتی تھی تو اس کو کوئی خواہش نہیں تھی کہ خواہ مخواہ وہ ہندو سوسائٹی میں گڑبڑ پیدا کرے۔ اس بیوقوف لڑکی کے یہ سمجھ ہی میں نہیں آ رہا تھا کہ کیداش کو شادی پر راضی کر لینا نہایت فخر کی بات تھی اور وہ تھی کہ اسے اپنی ہتک سمجھ رہی تھی! آج کل کے زمانے کے یہ انقلابات! افوہ! ہری موہنی کو ان باتوں پر طیش آ رہا تھا۔

اسی کھساہٹ میں وہ گورا کے متعلق طرح طرح کے طعنے تشنہ بکنے لگیں۔ اتنا اپنے آپ کو بناتا ہے، ہندو سوسائٹی میں اس کی رفعت کیا ہے۔ بڑا ہندو بنا پھرتا ہے۔ میں پوچھتی ہوں اس کی عزت کون کرتا ہے؟ ابھی لالچ میں آ کر کسی مالدار بھولہ لڑکی سے شادی رچالے تب میں دیکھوں گی برادر ہی کی لعن طعن سے کون اس کو بچاتا ہے؟ سارا روپیہ تو لوگوں کے منہ بندہ کرنے ہی میں اٹھ جائے گا! ہونہہ۔۔۔ وغیرہ وغیرہ

”آپ ایسی باتیں تو بیکار ہی کے لئے کر رہی ہیں خالہ“ سچا ریتا نے بہت مضبوط سے کام لے کر سنجیدگی سے کہا۔ ”آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ آپ جو کچھ کہہ رہی ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہے۔“

اب اس عمر میں کوئی مجھ کو بیوقوف بنالے یہ تو نہیں ہو سکتا، ہری موہنی نے ہنسنے کا جواب دیا۔

”میں اپنے آئندہ کان کھٹے رکھتی ہوں۔۔۔ غیرت کے مارے کچھ نہ بولوں وہ دوسری بات ہے۔“

پھر انھوں نے اپنے اس یقین کا اظہار کیا کہ گورا اپنی ماں کے ساتھ مل کر سازش کر رہا ہے کہ سچا ریتا سے شادی کر لے اور اس شادی میں نیت بھی اس کی صاف نہیں ہے اور یہ کہ اگر انھوں نے بروقت سچا ریتا کی شادی رائے خاندان میں کر کے اس کو بچایا نہیں تو یقیناً گورا کی سازش کامیاب ہو جائے گی۔

اب یہ بات سچا ریتا کی برداشت سے بھی باہر ہو گئی۔ اس طرح صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا

چیخ کر بولی، آپ جن لوگوں کی بات کر رہی ہیں اُن کی میں عزت کرتی ہوں، اور چونکہ آپ اُن لوگوں کے اور میرے رشتے کو بالکل سمجھنے کے لائق نہیں ہیں اس لئے میرے واسطے ایک ہی راستہ اب رہ گیا ہے کہ میں یہاں سے بالکل وفان ہو جاؤں۔ جب آپ کو ذرا سمجھ آ جائے گی اور میں آپ کے ساتھ اکیلی رہ سکوں گی، تب ہی میں واپس آؤں گی، ہری موہنی اپنی جگہ اڑی رہیں۔ لیکن اگر تمھاری کوئی رجحان گور موہن کی طرف نہیں ہے تم اس سے شادی بھی نہیں کرو گی تو اس مشورہ میں تمہیں کیا خرابی نظر آتی ہے۔ رند گی بھر کنواری تو رہو گی نہیں؟

”بکدوں نہیں رہوں گی؟“ میں کبھی شادی نہیں کروں گی۔

ہری موہنی کی آنکھیں حیرت سے کھٹی کی کھٹی رہ گئیں! ”تو کیا بڑھاپے تک یوں ہی....“
 ”ہاں ہاں۔۔۔۔۔ مرنے تک یوں ہی رہوں گی۔“

چوتھو سوال باب

گورہ اس دن بڑے شوق اور اضطراب کے عالم میں سچا ریتا سے ملنے گیا تھا اور اس وقت وہ گھر پر نہیں تھی۔ اس بات سے گورہ کے ذہن میں ایک تبدیلی آئی شروع ہوئی۔ اس نے سوچا کہ اس کے دل و دماغ پر جو سچا ریتا کا اتنا اثر بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ ان لوگوں سے بہت گھلتا ملتا جا رہا تھا اور اسی طرح بغیر جانے بوجھے ایک لائق کی کیفیت میں وہ پھنس گیا۔ وہ اپنے آپ میں اتنا کھو گیا کہ اپنی حدیں بھی بھول گیا، بیشک اس کے وہ تمام رک ٹوک توڑ دے جو ملک کے رسم و رواج نے قائم کئے تھے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگر لوگ اپنی جائز حد میں نہ رہیں تو خود اپنے آپ کو بھی نقصان پہنچا جاتے ہیں۔ چاہے جان بوجھ کر اور چاہے انجان پن میں اور پھر دوسروں کے لئے برخلوص طور پر فائدہ مند ثابت نہیں ہو سکتے۔ بہت سے طرح طرح کے لوگوں سے یہی انجام ہو سکتا ہے کہ قسم قسم کے جذبات اور احساسات اتنے بڑھ جاتے ہیں، اور اتنے مضبوط ہو جاتے ہیں کہ ہماری عقل و ایمان کی قوتیں گھٹنے لگتی ہیں۔

صرف برہمن سماج کی لڑکیوں سے ملنے کے بعد ہی گورہ کو یہ احساس نہیں ہوا تھا بلکہ اسے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ تمام سے ملنے کے بعد بھی اس کو یوں ہی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی زنجیر بڑا پھنس گیا ہے، ہر ہر قدم پر اس کے دل میں ایک درد سا اٹھتا تھا کہ یہ بات بڑی ہے۔ اور وہ بات، پڑھ لکھنے سے غرابی ہے اور یہ کمی ہے اور اسے دور ہونا چاہئے وغیرہ۔ لیکن کیا یہ روائے نہیں تھا کہ اس کا ہر سے احساس نے اس کی عقل پر اثر کیا تھا، ہر سے اور پہلے کی تہمتیں کو گڑ بڑا دیا تھا، ہر سے زیادہ

ہمارے دل میں رزدا ٹھکتا ہے اتنا ہی اہم حقیقت کو اس کے اصل روپ میں دیکھنے کی صلاحیت کھوٹے جاتے ہیں جس طرح دھوئیں کی آڑ میں جلتی ہوئی آگ تک چھپ جاتی ہے۔ اس لئے ہی تو ہمارے ملک میں ہمیشہ سے یہ دستور رہا کہ جو سب کے خیر خواہ تھے۔ وہ ہر ایک سے دامن بچاتے رہتے تھے۔ یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے کہ راجہ اگر ہر جا سے گھل مل جائے تو وہ ان کے لئے نہایت مفید ہو سکتا ہے۔ وہ عقل سے کام لینے والا حاکم جو اپنی رعایا سے ایک خاص قسم کے تعلقات رکھتا ہے، اُن سے گھلنے ملنے کے بعد اپنی خاص جگہ کھو بیٹھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر جا بھی اپنے محبوب راجاؤں کو ہمیشہ اپنے سے کھڑی دور پر رکھتی ہے اور یہی دوری اس کا ہالہ کئے رہتی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر بادشاہ سے یارا نہ ہو جائے تو پھر اُس کے وجود کا اصلی سبب ہی ختم ہو جائے۔

برہمن کو بھی یہ دوری، یہ علیحدگی قائم رکھنی چاہئے۔ وہ برہمن جو عام لوگوں کے چکر میں کھپس جاتا ہے اور لین دین کی گندگی میں الجھ جاتا ہے جو روپے کے لالچ میں شودروں کی رستی کا پھندا گلے میں ڈال لیتا ہے۔ اور لگا کے مر جاتا ہے۔ اس کے تصور سے گورا کو نفرت تھی، وہ اُسے زندہ نہیں بلکہ ایک مردہ چیز جانتا تھا، شودروں سے بھی بدتر، کیونکہ وہ کم از کم اپنی ذات برادری کے اصولوں سے تو وفاداری برتتے تھے۔ لیکن ایسے تو بدتمیزیت ہی گو یا مر چکی تھی پھر اس سے زیادہ گندہ کون ہو سکتا تھا۔ !

ہج پھر گورا اُن منترروں کی طرت دل و جان سے متوجہ ہونا چاہتا تھا جو برہمنوں کے اصول تھے اور زندگی بخش تھے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا میں دوسروں کی سطح پر کبھی نہیں اُتر دوں گا۔ میرے لئے رفاقت کی ضرورت کیا ! میرا شمار اُن لوگوں میں نہیں جو عورت کے پیار کو مٹھائی سمجھ کر چکھتے ہیں۔ میرے لئے ان معمولی لوگوں

سے رشتہ ایک قابلِ حقارت چیز ہے، جس طرح پیاسی زمین آسمان کی طرف
اُتار کی نظر لگائے رہتی ہے اسی طرح لوگ برہمن کی طرف اُتار کی نظر اٹھاتے
رہتے ہیں۔ اگر میں اُن سے بالکل نزدیک ہو جاؤں تو پھر انھیں زندگی کون بخشے
اب رحمت کون دے سکتے؟

اب سے پہلے گورا نے کبھی دیوتاؤں کی پوجا کی طرف کوئی خاص دھیان نہیں
دیا تھا، لیکن اب اس پریشانی اور اضطراب کے عالم میں اُس سے رہا نہیں گیا
کام اب اس کو کھوکھلا لگتا تھا، زندگی آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی معلوم ہوتی ہے
اس لئے وہ پوجا کو بھی آزما دیکھتا چاہتا تھا، وہ چپ چاپ مورتی کے سامنے
بیٹھ گیا، اور اپنے ذہن کو صرف اسی پر مرکوز کر دینے کی کوشش کرے گا،
لیکن اس کوشش کے باوجود بھی دل میں اصل خضوع و خشوع کے ذرہ برابر آثار
پیدا نہیں ہوئے۔ !

وہ جستجو و مباحثہ کر کے خدا کے وجود کو ثابت کر سکتا تھا لیکن کسی اشتعال سے
کے بغیر اور کسی تشبیہ کے بغیر وہ اس کے خیال کو واقعی کوئی صورت نہیں دے سکتا
تھا اور تشبیہوں اور اشتعاروں سے بھلا خضوع و خشوع کب ہاتھ آ سکتا تھا۔
مستقل سے اور عبادت سے بھلا کیا تعلق! اب گورا کو یہ پتہ چلا کہ بحث کرتے
وقت اس کے دماغ میں زیادہ جوش اور زیادہ روحانی قوت ہوتی تھی لیکن مندر
میں پوجا کرتے وقت وہ بات نہیں ہوتی تھی، پھر بھی اس نے ہمت نہیں ہاری،
روز وہ شاستروں کے مطابق پوجا کرتا اور اپنے دل کو تسلی دیتا کہ اگر انسان جذبات
اور احساسات میں اوروں سے متحد نہیں ہو سکتا تو کم از کم ان قوتوں اور رسموں کے
ذریعہ تو ہو ہی سکتا ہے۔ !

جب وہ کسی گاؤں میں پہنچتا تو سب سے پہلے وہاں کے مندر میں جاتا،

وہاں دھیان لگا کے بیٹھتا اور سوچتا کہ اس کا اصلی مقام یہی ہے۔۔۔ ایک طرف
 بھگوان، ایک طرف اس کا بھگت اور ان دونوں کے درمیان برہمیت کی رُوح اُرتھ
 رفتہ گورا پر یہ حقیقت کھلی کہ برہمن کے لئے اس طرح حقیقت منہری کی کوئی حاجت نہیں
 یہ اعتقادات نام و گوں کے لئے ہیں، اصل میں بھگت کو جو چیز اس کے دھرم سے
 متحرک کرتی ہے۔ وہ علم و عرفان ہے۔ یہی ان کو آپس میں متحد بھی کرتی ہے اور ایک
 دوسرے کے درمیان فیصلہ بھی قائم رکھتی ہے! اگر بھگت اور بھگوان میں علم و
 عرفان کا یہ فیصلہ نہ ہو تو سب نظام کائنات درہم برہم ہو جاتیں۔ اس لئے
 عقیدت کے چکر میں بڑا برہمن کے لئے کوئی پُر رطفت بات نہیں ہو سکتی۔ لہذا
 اس کو تو عقل کی میراث پر بیٹھنا چاہئے۔ سب سے الگ تھلگ۔۔۔ ایمان
 اور عقیدت کے رازوں کو دریافت کرنا چاہئے۔ بھر اس حاصل کی ہوئی عقل و
 علم سے عوام کو فیضیاب کرنا چاہئے۔!

بس طرح دنیا میں رہ کر برہمن کو کبھی چین نصیب نہیں ہو سکتا اسی طرح پُجا
 وغیرہ کی عبادتی بھی برہمن کا حصہ نہیں بن سکتی۔۔۔ یہی اس کی عظمت ہے۔ دنیا
 میں رہ کر اصولوں اور قاعدوں کی پابندی یہ برہمن کی تقدیر ہے۔ اور مذہب کا جہاں
 تک سوال ہے کشف کی تلاش، عرفان کی تفتیش، یہ اس کی منزل ہے۔!
 چونکہ گودا کا دل اس پرستہ پاتا چلا جا رہا تھا۔ اس لئے اس نے اپنے دل
 کو یہ سزا دی کہ سب چیزوں سے کاٹ کر اُسے الگ کر دیا، دیش نکالائے دیا، اپنی
 نکال دے کہیں مجرم سیدھے ہوتے ہیں! ایسا کون سپاہی طے گا جو فرض کی دیگی
 اس طرح کر سکے۔!

پچھتر واں باب

گورا کی پرائیوٹ کی رسم کی تیاری گنگا کے کنارے ایک باغ میں ہو رہی تھی۔ اکھناش کو اس بات کا فوس تھا کہ جگہ جو انتخاب کی گئی تھی وہ شہر سے کافی دُور تھی۔ اس لئے لوگ بڑی تعداد میں وہاں پہنچ نہیں سکیں گے۔ وہ جانتا تھا کہ خود گورا کو پرائیوٹ کی کوئی خاص ضرورت نہ تھی۔۔۔۔۔ ضرورت تو تھی اس کے ملک کو اور ہموطنوں کو، تاکہ اُن پر اخلاقی اثر پڑ سکے، اس لئے اس کا خیال تھا کہ ایک ہجوم کے سامنے رسم ادا ہونی چاہئے۔ گویا اس کی اجازت ہی نہیں دینا تھا کیونکہ منتر پڑھنے کے لئے وہ جتنا بڑا ہون کرنا چاہتا تھا اتنی بڑی آگ بیچ کھتے میں جلائی جانی بڑی مشکل تھی۔ اس کے لئے تو جنگل کا ہی پڑوس ٹھیک تھا گنگا کے سَنسان کناروں کے پاس ہون کے سامنے، ویدک منترؤں کو پڑھتے ہوئے گورا قدیم بھارت ماتا کی رُوح کو بیاد کرے گا۔۔۔۔۔ قدیم بھارت۔۔۔۔۔ ماتا ہندوستان جس نے دنیا بھر کو تعلیم دی تھی۔۔۔۔۔ اور پھر گہرا ہنسا دھوکر، پاک صاف ہو کر، بھارت ماتا سے رُعا کرے گا کہ وہ اس کو ایک نئی زندگی میں قدم رکھنے کی توفیق عطا کرے!۔۔۔۔۔ اس کو اس سے کیا لینا تھا کہ لوگوں کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے کہ نہیں پڑتا۔!

لیکن اکھناش کی ٹھنڈی طبیعت کو کھلا کیسے چین پڑتا،۔۔۔۔۔ اس نے پریس کا سہارا لیا۔ اور گورا کو بتاتے بغیر اس نے اس ہونے والی رسم کی خبر تمام اخباروں کو پہنچا دی۔۔۔۔۔ دت جی نہیں بلکہ اس نے بڑے بڑے آرٹیکل بھی

لکھ مارے جن میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ گورا کا سا پاک و پاکیزہ اور پر خلوص بچہ
 برہمن کسی طرح کی گندگی سے آلودہ ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ مگر پھر بھی اس نے آج
 گرے ہوئے ہندوستان کے گناہوں کی تلافی کرنے کے لئے 'پوسے ملک
 کی طرف سے پرائیجٹ کی یہ رسم ادا کرنا منظور کیا تھا۔ ابھناش نے لکھا ہمارا
 ملک اپنے گناہوں کے بدلے میں آج بدیسی حکومت کی زنجیروں کو بھگت رہا
 ہے۔ کسی وجہ سے گورموہن بابو کو بھی اس زندگی میں قید ہونا پڑا۔ اور وہاں کی
 میٹریاں ہتکڑیاں پہنی پڑیں۔ اور جس طرح سے وہ اپنے ملک کے غم میں شریک ہیں
 اور اپنے ملک والوں کے گناہوں کے بدلے پرائیجٹ کر رہے ہیں۔ اسی طرح
 بنگالی بھائیو! ہندوستان کے لاکھوں سپوتو! تم کو بھی کرنا چاہئے وغیرہ وغیرہ۔
 گورالنے یہ سب پڑھا تو سجدہ ناراض ہوا، مگر ابھناش کو کسی طرح
 نہیں رد کا جاسکتا تھا! یہوں تک کہ گورالنے اس کو بُرا بھلا کہا۔ تب بھی اس
 پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ وہ تو اور خوش ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ اس کا
 گرو ہمیشہ ایک عنیم سنی سے بات کو سوچتا ہے، ظاہر ہے وہ ان دنیاوی باتوں
 میں کیوں الجھ پڑ کر رہے گا، لہذا یہ سب اس کو بُرا تو لگے ہی گا! —
 یہ بات تو ٹھیک ہے کہ سورگ میں رہنے والے نارد نے اپنے دنیا کے سحرانگیز
 نعموں سے دشمن کو ایسا بٹھایا کہ وہ گنگا کو تخلیق کرنے پر تیار ہو گئے لیکن قانی
 انسانوں کی اس دنیا میں گنگا کو بہانے والا تو راجہ بھگیرت ہی تھا، سورگ کے
 رہنے والوں کا یہ کام کھوڑا ہی ہے! یہ دو کام بالکل الگ الگ ہیں! —
 اس لئے جب کبھی گورا ابھناش کے اس ڈھول پیٹنے پر بگڑتا تو ابھناش بس
 ہنس کر چپ رہ جاتا اور پہلے سے بھی زیادہ گورا کو ماننے لگتا۔ دل میں کہتا
 جیسے ہمارے گرو کی صورت شیو سے ملتی ہے، اسی طرح خیالات میں بھی

وہ بھولانا تھا ہیں! دنیا کی باتیں تو کچھ جانتے ہی نہیں، ذرا سی بات ہوئی خفا ہو گئے، ذرا سا کچھ ہوا من گئے۔!

ابھناش کی کوششوں سے گورا کی پرائیویٹ کا یہ قصہ چاروں طرف بڑی سسنی پھیلانے لگا اور لوگ غیر معمولی تعداد میں گورا سے ملنے یا اسکے درشن کرنے اس کے گھر آنے لگے۔ رزائنہ، ملک بھر کے کونے کونے سے اتنے خط اس کے پاس آتے کہ آخر اس نے عاجز آکر ان کو پڑھنا بھی چھوڑ دیا۔ گورا کا اپنا خیال تھا کہ یہ اشتہار بازی اس موقع کی سنجیدگی کو بالکل غارت کر دے گی اور اُسے صرف ایک سماجی تقریب کا رنگ دے گی۔ آج کل کے زمانے کی یہ بہت خرابی ہے۔!

آج کل کرشن دیال بابو اخبار تو کبھی پڑھتے نہیں تھے لیکن ان تمام باتوں کی انہیں اڑتے اڑتے ان کی سسٹنیاں کوٹھری تک بھی پہنچ گئیں۔ اور ان کے مصاحب پھوٹوں نے خوب بڑھا چڑھا کر اپنی اُسیدوں کا اظہار کیا کہ ان کے دوست کا یہ بہت بڑا ایک نہ ایک دن اپنے باپ کی طرح عبادت گزار مُتقی نکلے گا۔ ابھی سے وہ ان ہی کے نقش قدم پر چل رہا ہے اور پھر انھوں نے بڑے فخر سے پرائیویٹ کی بیرونے والی رسم کا اعلان کیا اور بتایا کہ کس دھوم دھام سے اس کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔!

یہ بتانا مشکل ہے کہ کتنے عرصے سے کرشن دیال نے گورا کے کمرے میں قدم نہیں رکھا تھا۔ لیکن آج انھوں نے اپنا بیٹھی لباس اتار کر الگ رکھا، معمولی کپڑے پہنے اور واقعی اس کے کمرے میں گئے۔ لیکن گورا وہاں کہیں نظر نہیں آیا، پھر نوکر نے ان کو بتایا کہ وہ گھر کے مندر میں ہے۔

”ہے بھگوان۔۔۔ مندر میں اس کی کیا ضرورت ہے؟“ کرشن دیال

زور سے بولے۔

جب انہیں یہ پتہ چلا کہ وہ پوچھا کر رہا ہے تب تو وہ اور بھی چوکے ہوئے اور سیدھے مندر کے دروازے پر جا کھڑے ہوئے۔

وہاں انہوں نے دیکھا کہ گورا واقعی پوچھا کر رہا ہے! باہر ہی سے انہوں نے آواز دی۔

”گورا“

گورا باپ کو دیکھ کر حیران ہو کے اٹھ کھڑا ہوا۔

کرشن دیال نے اپنے کمرے میں اپنے پوچھا کی خاص موہنی رکھی تھی۔ اُن کا خاندان ویشنیوں کا تھا لیکن وہ شکتی کی پوچھا کرنے لگے تھے۔ اس لئے بہت دنوں سے گھر والوں کے ساتھ وہاں جا میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ انہوں نے پھر گورا کو آواز دی ”گورا۔۔۔۔۔ آؤ۔۔۔۔۔ وہاں سے نکلو“ اور جب گورا باہر نکل آیا تو بولے ”آخر اس کا مطلب کیا ہے؟ تم یہاں اندر کیا کر رہے ہو؟“ گورا نے کوئی جواب نہیں دیا تو وہ شکایت کے لہجے میں کہنے لگے ”پوچھا برہمنوں کا کام ہے، وہی روزانہ کی سب رسمیں ادا کرتے ہیں، پورے خاندان کی طرف سے وہ پوچھا کرتے ہیں! تمہیں ان سب باتوں سے کیا مطلب؟“ لیکن اس میں حرج کیا ہے؟“ گورا نے کہا۔

”حرج!۔۔۔۔۔ ایسا ویسا حرج! کیا مطلب ہے تمہارا؟۔۔۔۔۔ حرج ہے! بالکل ہے! جن لوگوں کو یہ سب کچھ کرنے کا حق نہیں وہ کیوں اپنی ٹانگ اڑاتیں۔ میں تم سے کہتا ہوں یہ مجرم ہے، اپرا دھ ہے۔۔۔۔۔ صرف تمہارے ہی لئے نہیں، سارے خاندان کے لئے بُرا ہے یہ۔۔۔۔۔“

”اگر آپ اس نقطہ نظر سے کہہ رہے ہیں کہ صرف ایمان، اعتقاد والے

ہی پوچھا کریں تب تو بہت ہی کم لوگوں کو پوچھا کرنے کا حق ہے۔ لیکن کیا آپ مجھ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے پنڈت رام ہری جو کر سکتے ہیں وہ کرنے کا مجھے حق نہیں ہے؟ گورا نے جواب دیا۔

کرشن دیال جی یکا یک لا جواب ہو گئے۔ زرا دیر چپ رہے پھر بولے ”دیکھو رام ہری کی ذات کا تو پیشہ ہی پوچھا کرنا ہے۔ ان کے پیشے کو دیکھتے دیکھتے دیناؤں کے نزدیک یہ سب کوئی پاسب نہیں، کیونکہ اگر اس پر اعتراض کیا جائے لگے تو یہ پیشہ ہی ختم ہو جائے اور سماج کا کام پھر کیسے چلے؟ لیکن تمہارے پاس کیا عذر ہے؟ تم نے اس کمرے میں کیوں قدم رکھا؟“

کرشن دیال جی کا یہ کہنا سبھی بھی نہ تھا کہ گورا جیسے برہمن کے لئے پوچھا کے کمرے میں جانا غلطی تھی۔۔۔۔۔ وہ تو اسی طرح کی باتیں کرتے ہی رہتے تھے بسبب وجہ، منطق، دلیلیں یہ سب تو ان کے ساتھ چل نہیں سکتی تھیں! گورا چپ رہا! کرشن دیال نے پھر کہنا شروع کیا ”اور میں نے ایک اور بات بھی سمجھنی ہے گورا؟۔۔۔ کیا یہ صحیح ہے کہ تم نے اپنی پرائیویٹ کی رسم میں بہت سے پنڈتوں کو شریک ہونے کے لئے دعوت دی ہے۔“

”جی ہاں“ گورا نے اقرار کیا۔

”جب تک میں زندہ ہوں، کبھی اس بات کی اجازت نہیں دے سکتا۔“ کرشن دیال نے جیسے کیوں جوش میں بھر کر چنچنے لگے۔

”کیوں؟“ گورا نے پوچھا

”کیوں؟ پھر وہی کیوں؟ ارے میں نے اس دن تم سے نہیں کہا تھا کہ تم پرائیویٹ کی رسم ادا نہیں کر سکتے؟“

”جی ہاں آپ نے کہا تو ضرور تھا مگر کوئی وجہ تو آپ نے نہیں بتائی تھی؟“

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وجہ بتانے کی ضرورت کیا ہے! ہم تمھارے بزرگ ہیں، ہم نے تمھیں پڑھایا لکھایا ہے، ہماری بات کا تو کچھ خیال ہو۔۔۔۔۔ یہ مانی بات ہے یا نہیں کہ ہماری اجازت کے بغیر تم کسی مذہبی رسم میں حصہ نہیں لے سکتے۔ شاید تمھیں وہ رسم یاد ہوں جو پُرکھوں کے لئے ادا کی جاتی ہیں۔“

”مگر میرے لئے اُن کو ادا کرنے میں کیا رکاوٹ ہے؟“ گورا نے حیران ہو کر پوچھا۔
 کرشن دیال غصیلی آواز میں بولے ”تمھارے لئے بالکل ناممکن ہے۔ میرے بزرگ تمھیں اجازت نہیں دے سکتا کہ تم اُن رسموں کو پورا کرو۔“

گورا کے دل کو جوڑ تو بہت سخت لگی مگر بڑے تحمل سے کام لے کر سب سے بول ”دیکھئے۔۔۔۔۔ یہ میرا اپنا معاملہ ہے، یہ پرانتخت میں اپنے آپ کو پوتا کرنے کے لئے کر رہا ہوں، آپ بیکار اس کے متعلق کیوں بحث کر رہے ہیں، کیوں اپنے آپ کو پریشان کر رہے ہیں۔۔۔۔۔“

”دیکھو گورا، بات کرنا نا کر۔ ہر موقع پر بحث و مباحثہ صحیح نہیں ہوا کرتا۔ اس بات میں منطلق دلیل اور حجت کا کوئی دخل نہیں ہے، بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو ابھی تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتیں۔ میں ایک بار پھر تم سے کہت ہوں کہ تم جو یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم ہندو مذہب میں شامل ہو گئے ہو یہ تمھاری بھول ہے۔۔۔۔۔ بالکل غلطی پر ہو تم۔ کیونکہ یہ تمھارے بس سے باہر کی بات ہے، تمھاری رگوں میں خون کا ہر قطرہ، سر سے پاؤں تک تمھارا پورا وجود اس کے متضاد ہے۔ تم یکایک ہندو نہیں بن سکتے۔ چاہے جو بھی کر دو۔ یہ تمھارے لئے ممکن نہیں ہے۔ یہ تو جنم کا معاملہ ہے۔“

”گورا کا چہرہ لال ہو گیا، رُک رُک کر بولا ”میں ہر ایک جنم کو تو نہیں جان سکتا، مگر آپ کے خاندان میں پیدا ہونے کے ناطے سے مجھے جو حق حاصل ہوا ہے کیا میں اس کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتا؟“

”پھر وہی بحث!“ کرشن دیال چننے لگے ”تمہیں میرے منہ پر جواب دیتے شرم نہیں آتی، اپنے کو ہنر دیکھتے ہو، پر کب تم یہ اپنا بدیشی طنطنہ چھوڑ دو گے؟ تمہیں میرا حکم ماننا ہی ہوگا، یہ سب کچھ فوراً بند ہونا چاہیے۔“

گورا نے سر جھکا لیا، ایک پل چپ رہا اور پھر بولا لیکن اگر میں یہ پرائیویٹ نہیں کروں گا تو سٹشٹی مکھی (رشاشی) کے بیاہ میں بیٹھ نہیں سکوں گا۔“

کرشن دیال خوش ہو کے بولے ”وہ سب تو ٹھیک ہو جاتے گا، نہیں بیٹھ سکو گے تو کیا حرج ہے؟ تمہارے بے الگ آسن بچھا دیا جائے گا۔“

”برادری سے بھی مجھے الگ رہنا ہوگا“ گورا نے پھر کہا۔

”ٹھیک ہوگا“ کرشن دیال نے کہا۔ پھر انہوں نے غور کیا کہ گورا ان کی غری پر حیران ہو کر ان کا منہ تک رہا ہے۔۔۔۔۔ سنہل کر بولے ”اب مجھ ہی کو دیکھو کوئی مجھ بلاتا بھی ہے تو میں کسی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاتا۔ آخر برادری سے نچھے لیٹا ہی کیا ہے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ مختاری زندگی بھی ایسی ہی صاف ستھری اور پاکیزہ ہو تو تم بھی اسی راستے پر چلو۔۔۔۔۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں اسی میں مختاری بھلائی ہے۔“

دوپہر کے کھانے پر کرشن دیال نے اسہناش کو بلوایا اور اس سے کہا ”بھئی یہ تم سب ل کر گورا کو کیا تگنی کا ناچ بچا رہے ہو؟“

”بیجے۔۔۔۔۔ کیا مطلب ہے آپ کا؟ یوں کہتے کہ وہ ہم وگوں کو بچا رہے

ہیں۔۔۔۔۔ وہ تو سب سے کم ناچتے ہیں!“

”لیکن میں تمہیں یہ بتاتے دیتا ہوں کہ یہ پرائیویٹ وغیرہ کا گھول میں بالکل

نہیں چلے گا، میں کبھی اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ آپ لوگ ابھی سب قصہ

پاک کیجئے۔ سمجھے!“

ابھناش نے دل میں تو سوچا کہ یہ بڑھا بڑا ہندی معلوم ہوتا ہے، تاریخ میں اس نے بہت سے ایسے بڑے آدمیوں کے باتوں کا حال پڑھنا تھا جنہیں اپنے بیٹوں کی بڑائی کو سمجھنے کی کبھی توفیق نہیں ہوتی۔ اور وہ یہی مانتا تھا کہ کرشن دیال بھی اسی قسم کے باپوں میں سے ہیں۔ اگر کرشن دیال جی ان دھوکے باز سنیا سیو کے ساتھ رات دن وقت ضائع کرنے کی جگہ اپنے لڑکے سے کچھ سیکھتے تو ان کو زیادہ فائدہ ہوتا۔ !

لیکن ابھناش کافی ہوشیار آدمی تھا۔ جہاں وہ دیکھتا کہ دلیل اور حجت بیکار ہے اور ”اخلاقی اثر“ ڈالنے سے کام نہیں چلے گا تو وہ بحث سے کتنی کاٹ جاتا تھا۔ نہتا ہاں میں ہاں ملاتا ہوا بولا ”بہت اچھا جناب، اگر آپ کی اجازت نہ ہوگی تو ظاہر ہے کہ یہ سب نہیں ہو سکتا۔“ لیکن مشکل یہ ہے کہ انتظامات تو سب ہو چکے ہیں، دعوت نامے بھیجے جا چکے ہیں اب تو ملتوی کرنے کا کوئی وقت اور موقعہ بھی نہیں۔ اس لئے ہم لوگ ایسا کر سکتے ہیں کہ گورا اس میں نہ آئیں اور ہم لوگ پرائیویٹ کی ریت پوری کر دیں۔ کیونکہ باپ کی تو اس دس میں کوئی کمی ہے نہیں۔“

اور اس طرح اس نے کرشن دیال جی کوئی الحاح ٹالا۔ گورا پہلے بھی کرشن دیال کی بات کا کوئی خاص احترام نہیں کرتا تھا جتنا کہ آج بھی اس کا حکم ماننے کو اس کا جی نہیں چاہتا تھا۔ جس موضوع سے متعلق ہو کر وہ پرائیویٹ کر رہا تھا وہ میدان ایسا تھا کہ یہاں وہ سوسائٹی یا ماں باپ کی زبردستی چلنے دیتا! پھر بھی اب کی بار کرشن دیال کی باتیں کچھ ایسی پُراصرار سی تھیں کہ وہ دن بھر پریشان رہا۔ اس کے دل میں ایک وہم سا خیال آیا کہ کرشن دیال نے جو کچھ کہا ہے اس کے پیچھے کوئی ایسی بات ہے جو اس کو معلوم نہیں؛ کوئی ایسی حقیقت

ہے جو وہ ظاہر نہیں کر رہے ہیں ! اُسے بار بار ایسا لگتا تھا کہ کوئی اسے ہر طرف سے دھکیں رہا ہے، جیسے آج وہ بالکل اکیلا ہے اور یہ تنہائی چاروں طرف سے اس کو لپیٹی ہوئی ہے، سامنے ایک بڑا میدان ہے جسے اس کو پار کرنا ہے مجتہد اور کام کا ایک عرصہ وسیع۔ لیکن خود وہ بالکل اکیلا ہے ! کوئی اس کے پہلو میں نہیں جسے وہ اپنا رفیق کہہ سکے !

شاد آباد رہیں۔ دولت اور اولاد سے آپ کی قسمت کھل جائے۔“

پھر بولیں کہ سچا ریتا اس وقت بھی کافی سیانی ہے اور اب تو اس کی شادی میں ایک دن کی دیر ہونی بھی مناسب نہیں۔ انھوں نے یہ یقین ظاہر کیا کہ گورا بھی اس معاملے میں اُن سے اتفاق کرتا ہو گا کہ شادی میں اب جلدی ہونی چاہئے۔ پھر بڑی دیر تک سچا ریتا کی شادی کے مسئلے کو حل کرنے پر روشنی ڈالنے کے بعد انھوں نے بتایا کہ کن مشکلوں سے انھوں نے اپنے دیور کی تلاش کو کھٹکتے بلایا تھا۔ بھگوان کی دیا سے جو کچھ بھی اڑ چیں کھیں وہ تو کسی نہ کسی طرح دور ہو گئیں کھیں، تمام باتیں دور ہو گئیں کھیں، نہ دو لہن سے کوئی جہیز مانگا جائے گا نہ اس کی پچھلی زندگی کے متعلق کوئی سوال جواب کیا جائے گا۔ وہ سب تو انھوں نے اپنی دامنہ می در ہوسٹیا ری سے طے کر لیا تھا۔ اور اب نیرت ہے کہ سچا ریتا نے انکار کر دیا اور اپنی صند پر اڑی ہے! ہری موہنی یہ سمجھنے سے قاصر تھیں کہ آخر وہ سوچ کیا رہی ہے، بھگوان ہی جانے کسی نے اُسے کھڑکا دیا کہ اُسے کسی اور سے کچھ لگاؤ ہے یا کیا ہے۔!

”لیکن میں آپ کو سچ بتاتی ہوں کہ آپ کے لائق وہ لڑکی نہیں ہے“ انھوں نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”اگر کسی گاؤں میں شادی کر کے بس جائیگی تو ظاہر ہے کہ اس کے ماضی کا پتہ کسی کو نہیں چل سکتا، اس لئے سب ٹھیک ہو جائے گا، لیکن آپ شہر میں رہتے ہیں۔ آپ نے اگر اس سے شادی کی تو پھر آپ سماج میں منہ کیسے دکھائیں گے۔“

گورا کو ایک دم غصہ آگیا ”یہ سب آپ کیا بک رہی ہیں، کس نے آپ سے کہا کہ میں سچا ریتا سے شادی کرنے والا ہوں۔“

ہری موہنی جھینپ کر غم شاد کے لہجے میں بولی ”اب میں کیا کہوں بیٹا، میں نے

تو جب سُننا کہ اخباروں میں بھی یہ بات چھپ گئی ہے تو میں تو شرم کے مارے مر گئی۔
یہ سُن کر گورا ناٹ گیا کہ ہرن بابو یا اُن کے گرو ہیں سے کسی نے اخبار میں
لکھا ہوگا، سُٹھی بھینچ کر چیخا ”یہ جھوٹ ہے۔“

گورا کی گرجا ر آواز سے ہری موہنی چونک پڑیں، گھکیا کے زور سے
بولیں ”وہ وہ تو میں جانتی ہوں، اس وقت تو میں آپ سے ایک
درخواست کرنے آئی ہوں۔ جیسے آپ کو ماننا ہی پڑے گا۔ آپ ذرا چل کر رہا
رائی سے مل لیں۔“

”کیوں؟“ گورا نے پوچھا

”آپ اُسے ذرا سمجھا دیں“ ہری موہنی نے کہا۔

اس تجویز سے گورا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا، فوراً وہ سچا ریتا کے یہاں
چلنے کو تیار ہو گیا، دل نے کہا ”چل۔۔۔۔۔ آج اس سے آخری بار مل لے۔
کل سے بڑی پراسٹسٹ ہے، پھر تو سنیا سی ہو جائے گا۔۔۔۔۔ آج۔۔۔۔۔ اس
رات کا یہ قلیل حصہ تجھے ملا ہے، ایک نظر اس کو دیکھ لے۔ آخر یہ کوئی جرم
نہیں۔۔۔۔۔ اور اگر ہے بھی تو کل تو تیرے سارے ہی جرائم راکھ ہو جائیں گے
ہون کے شعلے اُن کو کھالیں گے، چاٹ لیں گے۔“

”پر آپ بتائیے تو، کہ سمجھانا کیا ہے!“ گورا نے ذرا دیر

”بس اس سے زیادہ اور کچھ سمجھانا نہیں ہے کہ ہندو روایت کے مطابق
سچا ریتا جتنی عمر کی لڑکیاں کنواری نہ رہ سکیں چاہئیں اور عید از عید ان کی شادی ہو جانی
چاہئے، اور یہ کہ جس طرح کے اس کے حالات ہیں اُن میں کیڈاشل ایسے رُکے
کاٹل جانا اس کے لئے خوبی قسمت ہے۔“

یہ باتیں گورا کے دل میں تیر کی طرح لگیں۔ پھر جب اُسے وہ آدمی یاد آیا

جس سے اس کی ملاقات سچا ریتا کے دروازے پر ہوئی تھی تو اس کے بچھو سے
کاٹنے لگے ! اس کے لئے تو ایک منڈ یہ سوچنا بھی مشکل تھا کہ ایسا آدمی اور
سچا ریتا کا شوہر بنے ! اس کے ذہن نے اندر سے بغاوت کی، دل نے کہا
”نہیں۔۔۔ ایسا کبھی نہیں ہونا چاہئے۔ ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔“

کتنی ناممکن بات تھی کہ سچا ریتا یہ رشتہ کسی غیر سے رکھے۔ اس کا
خاموش مگر حساس دل جو بلند خیالات اور جذبات سے لبالب تھا وہ اس
طرح یوں مکمل طور پر نہ کسی کے سامنے کھلا ہو گا نہ کھلے گا ! آہ ! وہ بھی کیا
شاندار زمانہ تھا ! کیا عجیب و غریب وقت تھا ! وہ پُر اسرار ماحول اور اس
میں سچا ریتا کے ناقابل بیان حسین وجود کا کلی سے پھول بن جانا ! اپنے دل
کی سب باتیں اُسے بتانا ! اپنے ذہن کی گہرائیوں تک اُسے لے جانا ! کتنے
مرد اتنے خوش نصیب ہوتے ہیں، زندگی میں کتنے ہیں جو یہ تجربہ ہاتھ آتا !
یقیناً۔۔۔ دنیا ماننے یا نہ ماننے۔۔۔ قسمت نے جس مرد کو سچا ریتا کی
طبیعت میں اتنا داخل، اس کا اتنا سچا عرفان بخشا تھا، جس کے سامنے وجود
نے ایک ایک روپیں نے، سچا ریتا کی ہستی کو محسوس کیا تھا۔ بے شک
وہی، صرف وہی سچا ریتا کو حاصل کرنے کا حق رکھتا تھا۔۔۔ پھر وہ کسی
اور کی کیسے ہو سکتی تھی !

”تو کیا راہ دھارانی ساری زندگی یوں ہی کنواری بیٹھی رہے گی۔۔۔ اس کا
مقدر ایسا ہو، کیا یہ ممکن ہے؟“

یہ بات بھی سچ تھی اکل تو گورا کی پراستخت تھی۔۔۔ اس کے بعد
وہ بالکل پاک وصات برہمن ہو جائے گا۔۔۔ تو پھر کیا سچا ریتا ساری
زندگی کنواری بیٹھی رہے گی۔ اس کے علاوہ کسی کو کیا حق تھا کہ اس قسم کی

زندگی زبردستی اس پر لاد دے ! عورت ایسا بھاری بوجھ اٹھا سکے کیا ہو سکتا تھا؟
 ہری موہنی بڑبڑ بڑبڑ بڑبڑ کرتی رہیں لیکن گورا کو کچھ سُنائی نہیں دے رہا تھا
 کہ وہ کہہ کیا رہی ہیں ! وہ سوچ رہا تھا "بابو جی نے مجھ کو کتنی سختی کے ساتھ
 منہ کیا ہے کہ یہ پرائیویٹ نہ کرو۔ کیا اُن کا یہ روکنا میرے لئے کوئی معنی
 نہیں رکھتا؟ کیا ایسا تو نہیں ہے کہ میں اپنی زندگی کو جس راہ پر لے جاتا ہوں
 وہ میرا خیال ہی ہو۔ میری طبیعت کو اس سے کوئی مٹا سکتا نہ ہو۔ اگر
 یہ جھوٹا بار میں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا، تو کیا میں زندگی بھر کے لئے
 مفلوج نہیں ہو جاؤں گا اور اس کے مسلسل وقار کی وجہ سے زندگی میں جو
 حاصل کرنا چاہتا ہوں وہ نہیں کر سکوں گا۔ اب تو مجھے ایسا نظر آتا ہے کہ
 میرا دل نفسانی خواہشات کو چھوڑ نہیں سکتا۔ پھر سینے پر رکھی ہوئی اس سیل
 کو کیوں کر کھسکاؤں۔ یقیناً کسی نہ کسی طرح بابو جی کو یہ پتہ چل گیا ہے کہ
 میں دل سے برہن ہوئے کی توفیق نہیں رکھتا۔ سنیا سی نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے
 وہ مجھ کو روک رہے ہیں۔"

گورا نے فیصلہ کیا کہ اسی رات وہ کرشن دیال کے پاس جاتے گا اور پوچھے گا
 کہ انہوں نے کیا ایسی بات دیکھی جو وہ اُسے سنیا س کا راستہ اختیار کرنے
 سے روک رہے ہیں۔ کاش کہ وہ انہیں راضی کر سکے کہ وہ سمجھا دیں تو پھر وہ نزار
 کی ایک راہ پا جاتے۔!

قرارہ !!

"آپ ذرا سا ٹھہریں۔ میں ابھی آتا ہوں۔" گورا نے ہری موہنی سے
 کہا "اور جلدی جلدی کرشن دیال کے کمرے کی طرف گیا۔ اُسے یہ محسوس
 ہو رہا تھا کہ کرشن دیال کو کوئی بات ایسی ضرور معلوم ہے جو اُسے فوراً اس کشمکش سے

نجات بخش دے گی۔!

لیکن کرشن دیال کے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اور دو تین بار دستک دینے کے بعد بھی کوئی جواب نہیں ملا۔ صرف اندر چند دن اور آگ جلنے کی تیز خوشبو پھیلی آرہی تھیں۔ کیونکہ آج کرشن دیال جی اپنے کسی سسٹنیا سی گرو کے ساتھ، کوئی شدید قسم کا یوگ کرنے میں مصروف تھے اور ایسے موقعوں پر وہ ہمیشہ دروازے چاروں طرف سے بند کر لیا کرتے تھے کہ باہر سے کوئی مداخلت نہ کرنے پائے۔ اس رات چاہے جو ہو جائے، کسی کو اندر سے نہ کی اجازت نہیں مل سکتی تھی۔!

سخترواں باب

گورا کے دل نے کہا "نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ کل میری پراستخت نہیں ہے۔۔۔ وہ آج ہی سے شروع ہے۔ ابھی سے! کل جتنا بڑا ہوں چلے گا۔ اس سے بڑی آگ آج میرے وجود میں بھڑک اٹھی ہے۔ میں ایک نیا جنم لینے والا ہوں، اسی لئے بھگوان نے آج میرے دل میں یہ زبردست خواہش پیدا کر دی ہے کہ وہ مجھ سے ایک بہت بڑی قربانی کی آزمائش لینا چاہتا ہے۔۔۔ ورنہ یہ شدید ارمان کیوں پھر سے جاگ اٹھا! دنیاوی اعتبار سے بھی میرا ان لوگوں سے رشتہ نہیں ہو سکتا تھا۔ فطری طور پر بھی اور متضاد طبیعتیں متحد نہیں ہو سکتیں، پھر مجھ جیسے بے نیاز آدمی کے دل میں ایسا طوفان اُٹھے گا۔ یہ کون سوچ سکتا تھا۔ اب تک میں نے جو کچھ اپنے ملک کے لئے کیا وہ تو اپنی اُن آسمانی کے ساتھ ہی ساتھ، اب تک کوئی بڑی قربانی تو میں نے پیش نہیں کی۔۔۔ اب سے پہلے میری سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ لوگ اپنے وطن کے لئے قربانیاں کیوں نہیں دے سکتے۔ اب پتہ چلتا ہے کہ اس راستے پر معمولی قربانی کوئی حقیقت بھی نہیں رکھتی،۔۔۔ اپنے کو مٹا ڈالنے کے لئے سب سے پہلے توفیق غم پسرا کر نا ضروری ہے۔ اور میرا جنم اسی وقت ہو گا جب میرا دل خون ہو جائے گا۔! کل صبح اپنی برادری کے سامنے، اپنے عوام کے

چلنے کو کہوں تو بیشک انکار کر دیجئے گا۔

لیکن گورا نے بار بار سر ہلایا: "نہیں! اب نہیں! کبھی نہیں!" — اب تو سب کچھ ختم ہو چکا۔ — وہ اپنے دیوتاؤں کے سامنے اپنے دل کی پرچھائیں تک نہیں برداشت کرے گا۔ — نہیں وہ سچا ریتا سے ملنے نہیں جاتے گا۔

جب ہری موسیٰ نے دیکھا کہ وہ کسی طرح گورا کو راتنی نہیں کر سکیں گی تو انھوں نے درخواست کی: "اچھا اگر آپ کے لئے چلنا بالکل ناممکن ہے تو کم از کم اتنا کیجئے کہ ہربانی کر کے اس کو ایک خط ہی لکھ دیجئے۔"

گورائے ہم بھار کر انکار کیا۔ — ناممکن۔ — وہ اسے خط کیسے لکھ سکتا تھا۔

انہی بات سے تو پھر اچھے دوست ہی ملے دیجئے۔ آپ تو شامستروں کو خوب پڑھے پڑھے ہوئے ہیں آدھے تو میں اب سے فتویٰ لینے لے ہوں۔"

"فتویٰ کیسا؟ گورائے پوچھا

"کیا یہ سبانی بند روڑ کی کا دھرم نہیں ہے کہ وہ نہ دی کرے اور گنہ گری سستی کا کاٹا۔
سنبھالے ہری موسیٰ نے وضاحت کی۔

"نہ ایک کل چپ رہا۔ پھر وہ دیکھتے۔ — مجھے اس سب قصے میں بیکار نہ چھنایئے۔ — میں کوئی پتہ نہیں ہوں جو آپ کو فتویٰ دوں۔"

ہری موسیٰ باز ہو کر بلڈے لے لیں "اب مجھ سے صاف کیوں نہیں کہہ دیجئے کہ آپ کے دل میں کیا ہے۔ شروعاتیں تو آپ ہی نے پسند ڈالا اور اب جو کھولنے کا وقت آیا تو آپ کہتے ہیں کہ مجھے نہ چھنایئے۔ اس کا آخر مطلب کیا ہے؟ اس بات یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے ہی نہیں کہ اس کا ذہن صاف ہو۔"

اور کوئی وقت ہوتا تو اس بات کو سن کر گورا بھر پڑتا اور اس الزام پر ہرگز ٹخن نہ دکھا سکتا لیکن آج پراستھت کی شروعات ہو چکی تھی اور وہ غصہ نہیں کر سکتا تھا! پھر اس کا دل اندر سے

گواہی بھی دے رہا تھا کہ جو کچھ ہری موہنی کہہ رہی ہیں وہ کھٹک ہے۔ اس نے اپنے جی کو مار کے سچا دیتا ہے ہر ایک ناتہ توڑ لیا تھا۔ ایک ستمہ لگا تھا! اور اس ستمے کو کٹھنے کی نڈا میں ہمت تھی نہ واقعی اس کا جی چاہتا تھا۔

لیکن اُسے یہ کہنا ہی ہوگا۔ یہ تو کسی طرح اس کے شایانِ شان نہ تھا کہ ایک ہاتھ سے کچھ بخشے اور دوسری مٹھی میں کچھ دبا کر پیچھے چھپا لے!

اس نے ایک کاغذ اکٹھا کیا اور پختہ خط میں بڑے بڑے حروف سے لکھا "موریت کے لئے زندگی کے صحیح معنی پالینے کا راستہ دوسروں کی خدمت میں پوشیدہ ہے۔ دنیا میں اس کے لئے غم ہو یا خوشی پاکباز عصمت مآبِ عورت ہر حالت کے سامنے تسلیم خم کرتی ہے اور اس کا سب سے بڑا دھرم یہ ہے کہ گھر کی چہار دیواری کے اندر دھرم کا نمونہ ہے۔" "اگر آپ ہمارے کیلاش کی سفارش میں ایک دو لفظ لکھ دیں تو بڑا اچھا ہو۔" ہری موہنی نے تجویز پیش کی

"جی نہیں" گورائے صاف انکار کرتے ہوئے کہا "میں ن کو بالکل جانتا نہیں، اُن کے متعلق میں کچھ نہیں لکھ سکتا۔"

ہری موہنی نے کاغذ کو بڑی احتیاط سے ہتھ کیا اور سناٹاڑھی کے پلوں میں باندھ کر اپنے گھر کی طرف کھسک لیں۔!

سچا دیتا بھی تک لوٹا کے یہاں آٹھ موٹی کے ساتھ کھتی، اور ہری موہنی نے سوچا کہ وہاں یہ کاغذ لے جا کر بات چیت کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے کہیں لوٹتا اور آٹھ موٹی نے کچھ خلاف جڑ دیا تو وہ ضرور سمجھے پتہ سے اکھڑ جائے گی۔ لہذا انھوں نے سچا دیتا کو ایک پرچہ بھیجا کہ اگلے دن دوپہر کو کھانا کھانے آجائے، ایک ضروری بات میں اس کی صلاح و مشورہ درکار ہے! اگلے دن صبح ہی سچا دیتا پہونچی۔ اس نے اچھی طرح طے کر لیا تھا کہ

ڈٹ کر مقابلہ کرے گی۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ اس کی خالہ صاحبہ پھر شاہی کا
مسند چھڑیں گی۔۔۔۔۔ آج تو وہ بالکل اور قطعی رنکار کر کے ہمیشہ کے لئے اس
قصبے کو پاک ہی کر دے گی۔!

کھانا ہو چکا تو ہری موہنی نے بات شروع کی ”کل رات میں تمہارے
اگر دوسے ملنے گئی تھی۔“

سچا رہتا چونک پڑی، کیا اس کی خالہ نے اس لئے بلایا ہے کہ پھر گوراکھ
کچھ ہتک کریں؟

”گھبراؤ نہیں“ ہری موہنی نے اطمینان دلایا ”میں کچھ اُن سے لڑنے
بھڑنے نہیں گئی تھی۔۔۔۔۔ یہاں ایسی کئی تو سوچا کہ اُن سے مل آؤں، اُن
کے بلند خیالات سے میں بھی کچھ فائدہ اٹھاؤں، بات ہی بات میں تمہارا ذکر شکل
آیا اور مجھے فوراً ہتہ چل گیا کہ اُن کے خیالات مجھ سے ملتے جلتے ہیں۔ وہ
اس بات سے اتفاق نہیں کرتے کہ لڑکیوں کا بڑی عمر تک کنواری رہنا کوئی
اچھی بات ہے۔۔۔۔۔ بلکہ وہ تو کہتے ہیں کہ شستروں کے حساب سے یہ گناہ
ہے۔ یورپین گھرانوں کے لئے ایسی باتیں ٹھیک ہوں گی لیکن ہندوؤں کے
یہاں نہیں۔۔۔۔۔ میں نے کافی صاف طور سے کیلاش کے رشتے کی بھی بات
کی، اور مجھے اندازہ ہوا کہ انہوں نے صورتِ حال کا نہایت معقول جائزہ لیا۔
”ہری موہنی کہتی جا رہی تھیں اور سچا رہتا کا جی چاہتا تھا کہ زمین کھٹے ور وہ اُس
میں سما جائے۔ وہ بالکل چپ تھی۔!“

ہری موہنی نے آگے کہنا شروع کیا ”میں نے اُن سے کہا ”مہربانی کر کے
آپ چلئے اور اس سے خود بات کہتے کیونکہ میرا کہنا وہ تو سنتی ہی تھیں لیکن انہوں
نے جواب دیا نہیں۔ ہم ہندوؤں کی سوسائٹی اس بات کو اچھا نہیں سمجھتی، پھر میں نے

کہا کہ اب کیا کیا جاتے۔ آخر کار انھوں نے اپنے ہاتھ سے ایک پرچے پر کچھ لکھ دیا ہے کہ تم کو دے دیا جاتے۔ دیکھو یہ ہے۔ اور انھوں نے ساڑھی کے پلو میں بندھا ہوا پرچہ کھول کر سچا ریتا کے سامنے پھیلا دیا۔
 سچا ریتا اُسے پڑھتی جاتی تھی اور اسے ایسا لگ رہا تھا کہ کوئی اُس کا ننھا گونٹے ڈال رہا ہے۔ وہ پتھر کی طرح ساکت ہو گئی تھی، لکڑی کی طرح بے حس و حرکت۔!

پرچے میں کوئی ایسی بات نہیں لکھی تھی جو نئی ہو یا واضحی، اور معقول نہ ہو۔
 یہ نہیں تھا۔ سچا ریتا کو ان خیالات سے اختلاف تھا جن کا اس میں اظہار کیا گیا تھا۔ لکھتے اس بات کی تھی کہ خاص اس کے لئے ہری موہنی کے ہاتھ یہ پرچہ بھیجا گیا اور اس لئے اس کے اندر کچھ ایسے معنی پنہاں تھے جو طرح طرح سے دکھ پہونچا رہے تھے۔ آج ہی کیوں گورا نے یہ حکم بھیجا! یقیناً سچا ریتا کی زندگی میں بھی وہ دن کبھی نہ کبھی آئے گا جب وہ شادی کرنے پر مجبور ہوگی، پر گورا کو اس کی کیا جلدی تھی؟ کیا گورا کو اب اس کے متعلق کچھ نہیں سوچنا تھا، اس کے لئے کچھ نہیں کرنا تھا۔؟ کیا گورا کو اپنے فرائض کی ادائیگی اس کی ہستی کوئی رکاوٹ محسوس ہو رہی تھی، یا کسی طرح حارج تھی؟ کہا اب گورا اُسے کچھ نہ دے گا نہ اس سے کوئی اُمید لگائے گا، کم از کم وہ تو ایسا نہیں سوچتی تھی، کم از کم وہ تو ابھی تک اسی راہ پر نظر لگائے تھی! سچا ریتا دل میں اٹھتے ہوئے درد کا مقابلہ کرنے کی شدید کوشش کر رہی تھی، پر کسی طرح ذرا بھی قرار، ذرا بھی اطمینان نہیں محسوس ہوتا تھا۔ کسی کل چین نہیں پڑ رہا تھا۔!

ہری موہنی نے سچا ریتا کو سوچنے کے لئے کافی ہہلت دی! اطمینان سے

جا کر جیسے روز در پہر میں سوتی تھیں، اُسی طرح سوتیں، — پھر اٹھیں اور اُسی کمرے میں آئیں جہاں سچا ریتا کو چھوڑ گئی تھیں تو دیکھا کہ وہ اسی طرح بٹ بنی غائبش بیٹھی ہے!

”راہو، تم اتنی کیوں پریشان ہو بیٹی، — ایسا کیا معاملہ ہے جو اتنی گہری سوچ میں کھوتی ہوئی ہو۔ — کیا گور موہن بابو نے کوئی غلط بات کہی؟“

”جی نہیں۔ — سچا ریتا نے دھیمے سے کہا ”جو کچھ انہوں نے لکھا ہے وہ سب کچھ صحیح ہے۔“

ہری موہنی پھولی نہیں سمائیں ”تو میری کچی“ اب دیکر نے سے کیا فائدہ؟

”نہیں میں خرد دیر کرنا نہیں چاہتی“ سچا ریتا نے کہا ”ذرا باہر جی کے پاس جانا چاہتی ہوں۔“

”دیکھو راہو۔ — ہری موہنی نے اعتراض کیا ”تمہارے بابو جی تو یہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ تمہاری شاہمی ہندوؤں میں ہو۔ — مگر تمہارے گورو جو ہیں تو۔ —“

سچا ریتا عاجز آ کے بولی ”خال۔ — آپ خواہ مخواہ کے سہے جس اسی سی باتیں کرتی رہتی ہیں، میں کوئی اپنی شاہی برگشتہ گور کرنے بابو جی کے پاس نہیں جا رہی ہوں۔ — ملنے کو جی چاہتا ہے بس۔“

اب صرف ہارلش بابو کی سفارقت اور شفقت ہی سچا ریتا کے دکھے دل پر عمل رکھ سکتی تھی!

وہاں پہونچی تو دیکھا کہ وہ ایک ٹرنک میں اپنے کپڑے رکھ رہے ہیں! ”یہ کیا ہو رہا ہے بابو جی“ سچا ریتا نے حیران ہو کر پوچھا۔

”میں ذرا تبدیلی آج دہوا کے لئے شملہ جا رہا ہوں بیٹی، کل صبح کے میں سے

روانہ ہو جاؤں گا۔۔۔۔۔ پارلش بابو نے ہنس کر کہا۔

پارلش بابو کی اس ہلکی سی ہنسی کے پیچھے اس زبردست جدوجہد کی تاریخ تھی جو پارلش بابو کو پچھلے دنوں کرنی پڑی تھی، اس ہنسی کی تہہ میں لپٹا ہوا دکھ بچارتیا کی ٹٹکا ہوں سے چھپا نہ رہ سکا! اپنے ہی گھر میں آج پارلش بابو کو سکون نہیں مل رہا تھا۔ اندر بیوی، لڑکیاں، اور باہر دوست احباب ایک منٹ اُن کو چھین نہیں لینے دے رہے تھے۔۔۔۔۔ اگر وہ کچھ دن کے لئے اس ماحول سے نکل کر کہیں دُور نہ چلے جائیں تو کیا کریں! پاگل ہو جائیں؟ بچارتیا کو یہ دیکھ کر سخت صدمہ ہوا کہ انھیں کل ہی سفر پر جانا ہے اور آج وہ اپنا بکس خود ہی اکیلے پیک کر رہے ہیں! یہ سوچنا کس قدر مشکل تھا کہ خاندان میں اتنے لوگ تھے ہر آج اُن کا ہاتھ بٹانے والا کوئی نہ تھا!۔۔۔۔۔ اس نے زبنتی ان کو الگ ہٹایا، بکس میں سے سارے کپڑے وغیرہ باہر نکالے اور کپڑے ہر کپڑے کی قاعدے سے تہہ کی اور احتیاط سے سب چیزوں کو ججا ججا کر رکھا، اُن کی خاص خاص کتابیں الگ قاعدے سے رکھیں کہ خراب نہ ہوں۔ یہ سب کام کرتے کرتے اس نے آہستہ سے پوچھا ”بابو جی۔۔۔۔۔ آپ کیا اکیلے جا رہے ہیں؟“ پارلش بابو نے اندازہ لگایا کہ اس کے لہجے میں کتنا غم تھا، جلدی سے بولے ”ارے یہ نہیں رادھا، مجھے کوئی تکلیف کھڑا ہی ہوگی“

”نہیں بابو جی۔۔۔۔۔ میں نے اس لئے پوچھا کہ..... کہ میں آپ کے ساتھ چلوں گی“

پارلش بابو نے حیران ہو کر اس کا منہ دیکھا۔ وہ پھر بولی ”بابو جی۔۔۔۔۔ میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں، میری وجہ سے آپ کو کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“ یہ کیا بات کہتی ہو بیٹی، تمھاری وجہ سے کب مجھے پریشانی ہوتی جو اب ہوگی؟

سچا رہتا نے بات آگے بڑھائی ”جب تک میں آپ کے ساتھ نہیں ہوتی ہوں
 بابو جی، تب تک کوئی بات بنتی نہیں ہے۔ بہت سی چیزیں ابھی میری سمجھ میں نہیں
 آتیں، جب تک آپ مجھے سہارا نہیں دیں گے میری تیار نہیں ہو سکتی، بابو جی،
 اب تو مجھ سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ پنی سمجھ پر بھروسہ کرو، لیکن مجھے وہ سمجھ ہوتا ہے نہ
 میرے دماغ میں اب بالکل ٹوتا نہیں ہے، مجھے اپنے ساتھ لے چل میرے بابا۔
 یہ کہہ کر اس نے دوسری طرف منہ پھیر لیا۔ ٹرنک پر جھک گئی اور آنسوؤں کے موٹے
 موٹے قطرے اس کی بڑی بڑی آنکھوں سے گر کر ٹرنک پر ٹپکنے لگے۔ !

استقبالِ گرجوشتی کے ساتھ کرتا اور لوگ باری باری سے گورا کی تعریفیں کرتے کہ
اس نے کس استقلال کے ساتھ مذہب کی خدمت میں زندگی گزارنے کا فیصلہ
کیا اور اس پر قائم رہا۔ !

رفتہ رفتہ باغ میں بہت بھٹ بھٹ ہو گئی۔ گورا ہر ایک انتظام کی
دیکھ بھال کرتا پھر رہا تھا لیکن کام کی ہڑ بڑاہٹ اور شور و شر میں بھی ایک
خبریں کے دل کی گہرائیوں سے اٹھ اٹھ کر اس کے رماغ پر چوٹ لگا رہا
تھا، جیسے کوئی بار بار اس سے کہتا ہو ”تو نے بُرا کیا۔۔۔۔۔ تو نے بُرا کیا
اس کو اتنی فرست تو نہ کتنی جو ٹھہر کر سوچتا کہ کیا بُرا کیا۔ لیکن اپنے دل کی اس آواز
کو دبا بھی نہیں سکتا تھا۔ ایک طرف تو ہر سخت کی یہ شاندار تیا یاں تھیں اور دوسری
طرف نہ جانے کون اس کا دشمن تھا جو اس کے ہی دل میں گھسا بیٹھا تھا اور اسے
چبن نہیں لینے دے رہا تھا۔ !

بس دہرائے جاتا تھا ”تو نے بُرا کیا۔۔۔۔۔ تو نے بُرا کیا۔۔۔۔۔ اُس
نے کوئی قاعدہ قانون نہیں توڑا تھا، شاستروں کے خلاف اس نے کچھ نہیں کیا
تھا، دھرم کی اس نے کوئی مخالفت نہیں کی تھی۔۔۔۔۔ مگر اُس نے بُرا کیا
تھا۔۔۔۔۔ اس نے اپنی فطرت کو دھوکا دیا تھا!۔۔۔۔۔ اور یہی وجہ
تھی کہ گورا کا سارا وجود اس پورے ہنگامے کو قبول کرنے سے انکار کر رہا
تھا۔ !

پندرہ پخت شروع ہونے کا وقت نزدیک ہوتا جا رہا تھا۔ ہون کے لئے
مناجیہ تیار تھا لیکن جیسے ہی گورا نے گنگا اٹھان کرنے کے بعد کپڑے بدلنے
شروع کیے تو حاضرین میں کچھ گڑبڑ ہونے لگی چاروں طرف جیسے ایک حیرانی
کی پیل گئی ہوئی۔۔۔۔۔ سترکار ابھٹاٹھ لہرا سا منہ ہوا۔۔۔۔۔ تو اس کے پاس آیا اور

بولاً ”آپ کے گھر سے خبر آتی ہے کہ کرشن دیال بابو کی طبیعت یکایک بہت
 خراب ہو گئی ہے، انھوں نے گاڑی بھیجی ہے کہ آپ گھر واپس چلیں۔“
 گورا فوراً چل پڑا لیکن جب ابھناٹا بھی ساتھ آنے لگا تو اس کو یہ کہہ کر
 روک دیا کہ تم ٹھہرو۔ یہاں لوں کی دیکھ بھال اور خاطر کرو۔ میں تو جا ہی رہا ہوں،
 اب تم بھی چلے جاؤ گے تو یہاں کون رہے گا۔“

کرشن دیال جی کے کمرے میں داخل ہو کر گورا نے دیکھا کہ وہ پلنگ پر
 لیٹے ہیں، آنڈر مین آہستہ آہستہ ان کے پاؤں سہارا رہی ہیں۔ اس نے
 پریشان ہو کر دونوں کا منہ باری باری سے دیکھا۔ پھر کرشن دیال نے اسے
 اشارے سے ایک کرسی پر بیٹھنے کو کہا جو اٹنی کے لئے لاکر رکھی گئی تھی،
 گورا نے بیٹھتے ہوئے ماں سے مخاطب ہو کر پوچھا ”کیسے ہیں؟“
 ”اب تو ذرا ٹھیک ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کو بلایا گیا ہے۔“

شاشی اور ایک لڑکھ بھی کمرے میں تھے۔ کرشن دیال نے اشارے سے
 ان کو باہر جانے کو کہا جب انھوں نے دیکھ لیا کہ اب کمرے میں کوئی نہیں ہے
 تو ایک خاموش نظر آنڈر مین پر ڈالی اور گورا سے مخاطب ہو کر کمزور آواز میں بولے
 ”اب میرا وقت آگیا ہے میں نے اب تک تم سے جو بات چھپا رکھی ہے وہ مرنے
 سے پہلے تم سے کہہ دینا چاہتا ہوں ورنہ میری آتما کو شانتی نہیں ملے گی۔“

گورا کا منہ فق ہو گیا۔۔۔ جس وحشت خابوش بیٹھا رہا! دیر تک سب
 چپ رہے، کسی کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلا۔۔۔ کرشن دیال پھر بولے
 ”گورا۔۔۔ اس زمانے میں مجھے اپنے سماج کی کوئی قدر نہ تھی اس لئے مجھ سے
 اتنی بڑی غلطی ہوئی اور ایک بار جب وہ غلطی ہو گئی تو اس کا کوئی ازالہ نہ تھا۔“ وہ
 پھر چپ ہو گئے!۔۔۔ گورا بھی چپ تھا۔۔۔ اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔!

”میں سمجھتا تھا کہ تم کو بتانا بھی ایسا کیا ضروری ہے، جیسے ہمیشہ کا اچلتا ہے
وہیے چلتا رہے گا۔ لیکن اب تو مجھے کا اچلنا ناممکن نظر آتا ہے۔ کیونکہ میرے مرنے
کے بعد تم میرا کرم یا کرم کیسے کر سکتے ہو۔“

ظاہر تھا کہ اس شکل کے خیال سے ہی کرشن دیال جی ہچکچا رہے تھے۔
اب گورا کو بے چینی ہوئی شروع ہوئی کہ اصل بات کیا ہے۔ آندھ موئی کی طرف
مڑ کر سوالیہ نظر سے دیکھا اور بولا ”ماں — مجھے بتائیے نہ — اس سب کا
مطلب کیا ہے۔ کیا مجھے باپو جی کے کرم یا کرم میں شامل ہونے کا حق نہیں ہے؟“
آندھ موئی اب تک پتھر کی طرح ساکت، سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ لیکن گورا
کے اس سوال پر انھوں نے سر اٹھایا۔ نگاہ بھر کر گورا کی طرف دیکھتے ہوئے
بولیں ”نہیں میرے بچے — تمہیں یہ حق نہیں ہے۔“

”تو کیا میں ان کا بیٹا نہیں ہوں؟“ گورا حیران ہو کر اچھل پڑا۔
”نہیں“ آندھ موئی نے کہا

گرج کے گورا نے دوسرا سوال کیا جیسے جوالا مکھی کھٹ پڑا ہو ”ماں کیا
آپ میری اصل ماں نہیں ہیں؟“

آندھ موئی کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا! خشک، کھنسی کھنسی آواز میں بولیں ”گورا
میرا بچہ، صرف تو ہی میرا بیٹا ہے، میں تو ایک بانجھ عورت ہوں لیکن اگر کسی عورت
کے کوکھ سے کوئی بچہ ہو اور وہ اس کا بیٹا کہلاتے اس سے بھی زیادہ تو
صرف تو — میرا بیٹا ہے۔“

”تو پھر آپ لوگوں نے مجھے کہاں سے پایا؟“ گورا نے کرشن دیال سے
مخاطب ہو کر پوچھا۔

”غدر میں — اس وقت ہم لوگ اٹا وہ میں تھے، تمہاری ماں نے ایک رات

باغیوں کے ڈر سے ہمارے گھر میں گھس کر پناہ لی، اس سے ایک دن پہلے تمھارے باپ
لڑتے ہوئے مارے گئے تھے، اُن کا نام تھا.....“

”کوئی ضرورت نہیں اُن کا نام لینے کی۔۔۔ میں ان کا نام نہیں جانتا چاہتا“

گورا چیخا۔

گورا کی یہ پریشان حالت دیکھ کر کرشن دیال رک گئے اور بس اتنا ہی بولے ”وہ
اگر مینٹ کے رہنے والے تھے۔۔۔ اسی رات تم پیدا ہو سکتے اور مختاری پیدا کُش ہیں
مختاری ماں کا انتقال ہو گیا۔ اس دن سے ہمارے گھر میں تم نے پرورش پائی“

ایک ہی لمحے میں گورا کو اپنی زندگی ایک بھیانک، ایک غیر معمولی غمناک معلوم ہونے
لگی۔۔۔ وہ ساری بنیادیں بن پر کچھن سے اس کی زندگی تعمیر ہوئی وہ سب کی سب
رہبت کی قراح منہ گئی۔۔۔ اب اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کون ہے اور
کہاں ہے! تب وہ اپنا ہنسی سمجھتا تھا وہ بھی چھوٹا تھا، مستقبل جس کی اُس نے اتنی
مدد تک اس شوق سے تاشاک تصوریں بنائی تھیں وہ بھی غائب تھا! اُسے محسوس
ہو رہا تھا کہ اس کی سستی کنوئل کے پتے پر پڑے ہوئے شبنم کے قطرے کی سی تھی
جو ہر لمحہ چند لمحوں کے لئے وجود میں آتا ہے اور پھر اڑ جاتا ہے! اس کے نہ ماں تھی نہ
باپ، نہ ملک نہ قومیت، نہ پُر کھے نہ خاندان۔۔۔ نہ خدا! اب اس کے پاس
سوائے ایک گڑبچ نہیں، کچھ اور کچھ نہ تھا! یہ بھی نہیں، وہ بھی نہیں، ادھر بھی نہیں، ادھر
بھی نہیں، نہیں نہیں اور کچھ نہیں! اب وہ کس کا سہارا ڈھونڈے؟ کیا کام کرے؟
کہاں سے اپنی زندگی کو پھر سے شروع کرے، کس طرف نظر اٹھاتے، کس طرف
اُس لگاتے؟ آج اس کے لئے تمام راستے کھوکھے تھے، تمام راہیں غلط ہو گئی تھیں
وہ دلہوش، اس عجیب و غریب خدا میں بیٹھا تھا اور اس کے چہرے پر کچھ ایسی کیفیت
طاری تھی کہ کوئی ایک لفظ اس سے کہہ بھی نہیں سکتا تھا!۔

اتنے میں بنگاں ڈاکٹر کے ساتھ ایک انگریز ڈاکٹر بھی آیا۔۔۔۔۔ انگریز ڈاکٹر نے جتنی توجہ کے ساتھ مریض کا ماساژ کیا، تقریباً اتنی ہی توجہ اور دلچسپی سے اُس نے گورا کو بھی دیکھا وہ دل میں بہانہ ہوتا تھا کہ یہ عجیب و غریب نوجوان کون ہے۔ کیونکہ گورا کے ہاتھ پر ابھی تک گنگا کی پونز مٹی کا آشفقہ کھنچا ہوا تھا اور گنگا اسٹنان کے بعد اس نے جو ریشمی گیر و اسباں پہنا تھا وہ ابھی تک اس کے جسم پر لیٹا ہوا تھا۔ وہ ہمتیں تو پہنچے ہی نہیں تھا، اس لئے ہریک ریشمی چادر اس سے اس کا بڑا سا بھاری بھر کم جسم جھمکتا دکھائی دے رہا تھا۔

اب سے پہلے کوئی بھی دماغ ہوتا تو کسی یورپین کو دیکھ کر گورا کے دل میں نثر پید ا ہوتی لیکن آج جب ڈاکٹر مریض کو دیکھ رہا تھا تو گورا بڑے شوق سے اُس سے دیکھ رہا تھا اور اسے سب سے وجہ رہا تھا کہ ”یہاں ہر شخص میرا سب سے زیادہ قریبی دوست دار ہے۔ اب اسے لوگ یہاں موجود ہیں ان سب میں میرا کوئی قریبی ناتہ ایسی شخص سے ہے؟“

مریض کو دیکھنے والی سے ہال پر چہنچہ کے بعد ڈاکٹر نے کہا ”دیکھئے مجھے تو زیادہ خطرناک آئندہ نظر نہیں آتا۔۔۔۔۔ نبض کے متعلق بھی گہرا سنے کی کوئی بات نہیں اور کسی غصہ و عین کوئی خاص غریبی نہیں معلوم ہوتی۔۔۔۔۔ اگر احتیاط کیجئے تو کوئی وجہ نہیں کہ پھر ایسی علامات پیدا ہوں۔“

جب ڈاکٹر چلا گیا تو گورا اٹھا اور ایک غلط سے غیر جانے لگا لیکن آٹن رٹوئی دوسرے کمرے سے دوڑ کر آئیں۔ ڈاکٹر کے آنے کی وجہ سے وہ اس کمرے میں چلی گئی کہیں، دوڑ کر انھوں نے گورا کا ہاتھ پکڑا اور زور سے بولیں ”گورا۔۔۔۔۔ میرے بچے مجھ سے خفا نہ ہونا ورنہ میرا دل ٹوٹ جائے گا، میرا کلیجہ پھٹ جائیگا میرے لالہ! آپ نے اتنے دن مجھ سے یہ بات چھپائی کیوں ماں؟ اگر آپ ہی مجھ سے

کہیں تو کیا نقصان تھا۔

آنند موٹی نے سارا الزام اپنے سر لیتے ہوئے کہا ”میں نے یہ گناہ اس لئے کیا
بیٹا کہ میں بڑی تھی کہیں تو مجھ سے چھین نہ جائے۔ آج بھی اگر ایسا ہی ہو، تو مجھے چھوڑ کر
چلا جائے تو میں اپنے سوا کسی کو الزام نہیں دے سکتی۔ مگر ایسا نہ کرنا گورا۔
ایسا نہ کرنا۔۔۔ میں مرجاؤں گی، مرجاؤں گی۔

”ماں“ گورا کے منہ سے بس ایک ہی لفظ نکل سکا لیکن اس لفظ کو سن کر آنند موٹی
کے آنسوؤں کا رکا ہوا دھارا پھوٹ پڑا

”ماں۔۔۔ اب مجھے پاریش بابو کے یہاں جانا چاہئے“ گورا نے کہا
”اچھا میرے لاں۔۔۔ جاؤ۔۔۔ ضرور جاؤ۔ آنند موٹی کو ایسا محسوس
ہوا کہ اُن کے سینے پر سے ایک بڑا بوجھ سرک گیا۔

کرشن دیال نے پریشانی کے مارے گورا کو بلا کر اُسے راز بتا دیا تھا۔ حالانکہ اُن
کے جلدی مرجانے کا کوئی ایسا زیادہ خطرہ نہیں تھا۔۔۔ گورا باہر جانے کو اٹھا ہی تھا
کہ وہ بولے ”دیکھو گورا۔۔۔ میں نہیں سمجھتا کہ تمہارے لئے یہ بات کسی کو بتانا ضروری
ہے، بس ذرا بھل کے قدم اٹھاؤ اور کم و بیش وہی روٹی رکھو جو پہلے تھا اور تم سے
زیادہ عقلمند پھر کوئی نہ ہوگا۔“

گورا اس تجویز کو سن کر ایک دم باہر چلا گیا۔ اُسے صرف ایک ہی غرضی ہوئی تھی، کہ
کرشن دیال سے اب اس کا کوئی رشتہ نہ تھا۔!

موہم دادا کو اطلاع دے بغیر آفس سے چھٹی نہیں مل سکتی تھی اس لئے وہ ڈاکٹر
وغیرہ کا بندوبست کرنے کے بعد آفس چلے گئے تھے کہ درخواست نے کہ مزید چھٹی لے
سکیں! وہ واپس آرہے تھے جو گورا انہیں گھر سے کھلتا ہوا ملا

”کہاں جا رہے ہو؟“ موہم نے کہا

”اچھی خبر ہے۔ سب خیریت ہے، ڈاکٹر نے کہا خطرے کی کوئی بات نہیں۔“
 ”افو۔۔۔ شکر ہے“ موہم نے جواب دیا۔ پرسوں شاشی کا بیاہ ہے۔ گور اور تم
 بھی تو تیاری میں کچھ مارو دیتے بھائی! اور دیکھو ذرا بہوتے سے پہلے سے کہہ دینا
 وہ اس دن نہ ٹپک پڑے! ابھٹناٹش بڑا سخت ہندو ہے اس نے خاص طور پر یہ
 بات کہی تھی کہ اس قسم کے لوگ شادی میں نہ آویں! اور ایک بات میں اور کہنا چاہتا
 ہوں بھتی۔۔۔ میں نے دفتر کے بڑے صاحب کو بھی بلایا ہے اس لئے تم کہیں اس
 سے تک بازی کر کے اُسے بھگنا نہ دینا۔ آخر تمہیں ایسا کرنا ہی کیا ہوگا، ذرا سر ہلا کے
 کہہ دینا ”گڈ یوننگ سر“۔۔۔ آخر ادب آداب کے خلاف تو تمہارے شاستروں
 میں کچھ لکھا نہیں ہے۔ اگر تمہارا جی چاہے تو میں پنڈتوں سے خاص فتویٰ دلا سکتا
 ہوں۔ تمہیں یہ سمجھنا چاہیے رہاں لڑ کے۔۔۔ کہ وہ حاکم قوم ہے ان کے سامنے
 ذرا ساجھکنے سے کونسا ہماری آبرو کو بٹھ لگتا ہے۔“
 موہم کی باتوں کا کوئی جواب دے بغیر گورا آگے بڑھ گیا۔

اناسیوال باب

جیسے ہی سچا ریتا نے منہ اِدھر اُدھر پھیرا اور ٹرنک پر جھک گئی کہ اس کے آنسو کسی کو نظر نہ آئیں۔ ویسے ہی ملازم نے آگے اطلاع دی کہ گورنمنٹ باؤ آئے ہیں! سچا ریتا نے جلدی سے آنسو پونچھے اور سامان باندھنا چھوڑ کر چیئریں سمیٹنے لگی۔ اتنے میں گورا اندر داخل ہوا۔

اس کے ہاتھ پر ابھی تک گستاخی مٹی کا قسطہ تھا۔ جسم پر ابھی تک گیر واد ریشمی لباس پٹا ہوا تھا۔ اس نے یہ سوچا ہی نہیں کہ وہ کیسا لگ رہا ہے۔ ویسے کپڑے پہنے تھا جیسے پہن کر کوئی کسی سے ملنے نہیں جایا کرتا، سچا ریتا کو وہ بس یاد آیا جو گورا پہلے دن پہنے تھا۔ جب وہ اُن لوگوں کے گھر آیا تھا اُسے معلوم تھا کہ اس دن اس نے جنگ کا لباس سجایا تھا اور وہ تعجب کے ساتھ سوچنے لگی کہ کیا آج بھی اس نے نہ ہونے ہی کے لئے یہ دھج بنائی ہے۔

گورا نے اندر آتے ہی پارٹیش بابو کے سامنے گھٹنے ٹیکے اور جھجک کیا اور اُن کے پاؤں کی دھول لی! پارٹیش بابو گھبرا کے الگ ہٹ گئے اور اُسے اٹھاتے ہوئے بولے

”ارے ارے — بیٹا — رہنے دو، رہنے دو — آؤ — بیٹو“

گورا کھوٹ کھوٹ کر رونے لگا ”پارٹیش بابو — اب میرا کسی سے کوئی

رشتہ نہیں“

”کیسا رشتہ؟“ پارٹیش بابو نے حیران ہو کر پوچھا۔

”میں ہندو نہیں ہوں“ گورا نے وضاحت کی۔

”ہائیں — ہندو نہیں ہو۔“ پارلش بابو نے زور سے کہا

”جی ہاں — میں ہندو نہیں ہوں — آج مجھے بتایا گیا ہے کہ میں تو غدر میں پایا ہوا ایک بچہ تھا۔ میرا باپ تو ایک آئرش سپاہی تھا! — ہندوستان کے اس سرے سے اس سرے تک، آج تمام مندروں کے دروازے مجھ پر بند ہو چکے ہیں، — آج اس پورے ملک میں کسی ہندو کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے کا حق مجھے نہیں ہے۔“

پارلش بابو اور سچا ریتا کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا۔ دونوں کے لبوں پر اسی تھرلک گئی کہ ایک لفظ کوئی نہ بولا۔

”آج میں آزاد ہوں پارلش بابو“ گورا ایک دیوانگی کے عالم میں بولا۔ اب مجھے کسی کی حیثیت سے کچھ نہیں ہو سکتا، نہ میں گندہ ہو سکتا ہوں، نہ برادری سے نکالا جاسکتا ہوں، — اب مجھے اپنی پاکیزگی قائم رکھنے کے لئے ایک ایک قدم پھونک پھونک کر زمین پر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے!“

سچا ریتا نے ایک نگاہ گورا کے چہرے پر ڈالی۔ اس کے کال جوش سے تھما رہے تھے اور وہ کہتا جا رہا تھا ”پارلش بابو — اب تک میں یہ کوشش کرتا کہ اپنی پوری زندگی قربان کر کے بھارت ماتا کو حاصل کر سکوں، سمجھ سکوں، لیکن ہر قدم پر طرح طرح کی رکاوٹوں سے میرا سابقہ پڑا — اور میں ان ہی رکاوٹوں کی پوجا کرتا رہا — اور اسی پوجا پاٹ میں الجھ کر ان ہی بُنیادوں کو مضبوط بنانے کی کوشش میں ہیں اپنا اصلی کام نہ کر سکا — وہی نہ کر سکا جو مجھے کرنا چاہئے تھا۔ جو میرا واحد مقصد، میری حقیقی منزل تھی! یہی وجہ تھی کہ جہاں اور جب بھی اصلی اور حقیقی ہندوستان سے میرا سامنا ہوا میں گھبرا کے پیچھے ہٹ گیا! میں نے کبھی

خود تنقیدی سے کام نہیں لیا، کبھی اپنے آپ کو بدلائیں، اور ذہن ہی ذہن میں
ہندوستان کی ایک تصویر بنالی، ایک قلعہ سا کھڑا کر لیا۔ اسی لئے اپنے چاروں طرف
ہر چیز سے میرا تصادم ہوتا رہا کیونکہ میں جسے بزمِ خود اپنا ایمان سمجھتا تھا اس کو صحیح اور
سالم رکھنے کے لئے میں نے اپنے آپ محصور کر لیا تھا۔ آج — ایک پل
کے اندر اندر میری بنائی ہوئی وہ تمام فصلیں خواب کی طرح ختم ہو گئیں — آج
میں مکمل طور پر آزاد ہوں تو اپنے آپ کو ایسی صداقتوں سے گھرا ہوا پاتا ہوں جن کی
وسعت لامحدود ہے۔ ہندوستان کا وہ سب کچھ جو اچھا بھی ہے اور بُرا بھی مجھے نظر
آ سکتا ہے، اس کی خوشیاں اس کے غم، عقلمن ریاں اور غلطیاں آج پوری طرح
مجھے بالکل اپنے دل کے نزدیک دکھائی دے رہی ہیں۔ اب مجھے سچ سچ یہ حق
پہونچتا ہے کہ وطن کی خدمت کروں کیونکہ خدمت کا میدان وسیع اور لا انتہا، آج
ہی میرے سامنے کھلا ہے — یہ وہ میدان ہے جو میرے تخیل سے نہیں بلکہ
حقیقتوں سے پیدا ہوا ہے۔ ہندوستان کی تیس کروڑ اولاد کی بہتری اور بہبودی
کام میدان !

گورا کے اس انوکھے تجربے نے کچھ ایسا جوش بھر دیا تھا کہ پارٹیش بابو بھی کافی
جوش میں آگئے اور بیٹھ نہ سکے وہ کرسی سے اٹھے اور گورا کے برابر میں کھڑے ہو گئے
گورا کہتا جا رہا تھا : آپ سمجھ رہے ہیں نہ، میں کیا عرض کرنا چاہتا ہوں، جو کچھ بننے
کی دعائیں میں رات دن مانگا کرتا تھا وہ آج میں یکایک بن گیا — آج میں
واقعی ہندوستانی ہوں ! میں اب ہندو، مسلمان، عیسائی کسی میں کوئی فرق
نہیں کر سکتا — آج ہندوستان کا ہر مذہب میرا مذہب ہے، ہر فرقہ میرا فرقہ ہے
سب کا کھانا میرا کھانا ہے — دیکھتے ہیں بنگال کے بہت سے حصوں میں گھوما
ہوں اور دیہات کے، شہروالوں کے، بچے بچے ذات اور غریب سے غریب گھر میری

مہانی ہوتی۔۔۔۔۔ یہ نہ سمجھتے گا صرف لیکن سچ پوچھتے تو ہیں ہی پھر دیتا رہا۔ میں کسی کے ساتھ برابری کے احساس سے بیٹھ نہیں سکا۔۔۔۔۔ اب تک میرے اور میری جنتا کے درمیان ایک خلیج مائل تھی جو میں کسی طرح نہیں پاٹ سکتا تھا، جو بری طرح مجھ کو چھٹی ہوتی تھی! یہی وجہ تھی کہ شروع سے ہی میرے ذہن میں ایک خلا تھا جسے میں طرح طرح کی ترکیبیں کر کے نظر انداز کر جانا چاہتا تھا۔ اس خلا کو زیادہ خوبصورت بنانے کے لئے میں نے اس کو طرح طرح کے مصنوعی رنگوں سے سجا یا، چونکہ میں ہندوستان کو جان سے زیادہ پیار کرتا تھا۔ اس لئے اس کے جس پہلو کو میں جانتا تھا اس پر ذرا سی بھی تنقید برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اب جبکہ مجھے ان مصنوعی سجاوٹوں کو ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں رہی تو ان بیکار کی کوششوں سے بھی مجھ کو نجات مل گئی ہے!۔۔۔۔۔ اور اب مجھے محسوس ہوتا ہے

پاریش بابو۔۔۔۔۔ کہ اب مجھے زندگی ملی، اب میں واقعی زندہ ہوں۔۔۔۔۔

پاریش بابو، ہستہ سے بولے "جب انسان صداقت کو پالیتا ہے تو اس کی رُوح اپنی کمیوں کے باوجود، ناممکن ہوتے ہوئے بھی اطمینان اور حسکون محسوس کرتی ہے!۔۔۔۔۔ پھر خواہش باقی نہیں رہتی کہ اُسے جھوٹی چمک دکھانے کے لباس پہنائے جائیں۔"

"آپ کو معلوم ہے پاریش بابو" گورانے کہا "کل رات میں نے خدا سے دعا مانگی تھی کہ آج وہ مجھے ایک نئی زندگی عطا کرے، میں نے چاہا تھا کہ بچپن سے لے کر اب تک میری زندگی میں جو کچھ جھوٹ ہو، جو کچھ گندگی ہو وہ بالکل مٹل ہو جائے، مٹ جائے اور میں ایک نیا جنم لوں۔۔۔۔۔ خدا نے میری دعا اس طرح قبول نہیں کی جس طرح میں نے سوچا تھا۔۔۔۔۔ لیکن بیکار اس نے اپنی صداقت کا ثبوت جس طرح مجھے دہم پہونچایا ہے اس سے میں بالکل بھوچکا رہ گیا! میں نے

خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ وہ میری تمام آسودگی کو اس عجیب و غریب طریقے سے مکمل طور پر صاف کر دے گا! آج میں اتنا پاکیزہ ہوں کہ بچے سے بچ ذات کے گھر بھی چلا جاؤں تو قطعی آلودہ نہیں ہو سکتا! — پاریش بابو، آج صبح میں اپنا دل بالکل کھو کر اپنے ہندوستان کے سامنے سجدہ کرتا ہوں! آج مجھے اتنے عرصے بعد مکمل تجربہ ہوا ہے کہ ماں کی گود کے کیا معنی ہیں۔“

”گورا“ پاریش بابو نے سنجیدگی سے کہا ”ہم لوگوں کو بھی اپنے ساتھ لے لو تاکہ ہم بھی اس حق سے فیض حاصل کریں اور بھاری ماں کی گود میں ہمیں بھی سکون نصیب ہو کہ ہماری بھی وہ ماں ہے۔“

”آپ جانتے ہیں کہ آج یہ آزادی حاصل کرنے کے بعد میں نے پہلا کام یہ کیوں کیا کہ آپ کے پاس حاضر ہوا؟“

”کیوں؟“ پاریش بابو نے تعجب سے پوچھا۔

”اس لئے کہ اس آزادی کا منتر آپ کے پاس ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج اتنی بڑی سوسائٹی میں آپ کے لئے کوئی جگہ نہیں! مجھے بھی اپنا مرید بنا لیجئے پاریش بابو آج مجھے اس پر ماتا کی پوجا سکھائیے جس کے لئے ہندو مسلمان، عیسائی اور برہمن سب ایک ہیں! — جس کے مندر کے دروازے کسی انسان پر بند نہیں ہونے چاہتے۔ اس کی ذات کچھ ہی ہو۔ جو صرف ہندوؤں کا خدا نہیں ہے بلکہ خود ہندوستان کا بھی خدا ہے۔ پورے ملک کا، پورے وطن کا، پوری انسانیت کا۔“

پاریش بابو کا چہرہ نہ ایمانی کی تائید کی اور نرمی سے دہکنے لگا۔ انھوں نے نظریں جھکالیں اور خاموش کھڑے رہے۔!

پھر گورا سچا ریتا سے مخاطب ہوا — جو بے حس و حرکت خاموش کرسی پر بیٹھی تھی — ”سچا ریتا“ اس نے سسکا کر کہا ”میں اب بھارا کرو نہیں — میں

تم سے اپنی ایک التجا پوری کرنے کی درخواست کرتا ہوں — میرا ہاتھ
پکڑو اور مجھے اپنے اس گرو کے قدموں تک پہنچاؤ۔“

اور اس نے اپنا کانپتا ہوا داہنا ہاتھ سچاریتا کی طرف بڑھایا۔
سچاریتا کرسی سے اٹھی اور اس کا ہاتھ مقام لیا، پھر گورا پاریش بابو کی طرف
مڑا۔ اور دونوں اُن کے قدموں پر جھک گئے۔

نتیجہ

اُس رات گورا گھر واپس آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے کمرے کے سامنے
برآمدے میں آننرموتی چپ چاپ بیٹھی ہیں۔ !
وہ اُن کے نزدیک گیا۔ اُن کے سامنے جھکا، یہاں تک کہ اس کی پیشانی ان
کے قدموں سے چھو گئی۔ آننرموتی نے پیار سے اپنے دونوں ہاتھوں میں اُس کا سر
پکڑ لیا اور اُسے چوما۔ !

”ماں“ گورائے جو شیلے جذباتی لہجے میں کہا ”میں جس ماں کی تلاش میں ابھر
اُبھر ٹھوکریں کھاتا پھرتا تھا وہ تو سارے وقت میرے گھر ہی میں بیٹھی تھی ! ماں ! آپ
کی کوئی ذات نہیں، آپ کو کسی سے نفرت نہیں — آپ کوئی فرق انسان میں
نہیں کرتیں۔ ہماری بہبودی، ہماری بہتری، ہماری ترقی کا سب سے بلند
نشان ہیں آپ — آپ ہی بھارت ماتا ہیں — ماں — میری ماں۔“
پھر ذرا سا رک کے بولا ”ماں — پچھیا کو ذرا بلائیے گا، میرے لئے
ایک گلاس پانی لائیے۔“

آننرموتی نے بھرائی ہوئی دھیمی آواز میں جواب دیا ”گورا — ہوتے
کو ذرا بلا لوں۔“

